مقالات

پروفیسر عبدالقیوم

(۱۹۰۹ء۔۱۹۸۹ء)

www.KitaboSunnat.com

جلد اول

علمی و تحقیقی

ترتیب

ڈاکٹر محمود الحسن عارف

میجر زبیر قیوم (ر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

پروفیسر عبدالقیوم (۱۹۰۹-۱۹۸۹ء) ایک نامور محقق، عربی و اسلامی علوم کے منجھے ہوئے استاذ اور نابغہ روزگار شخصیت تھے۔ ان کے سیکڑوں شاگردوں نے تعلیم، تدریس اور تحقیق کے میدان میں وقیع خدمات انجام دیں۔ قرآن و حدیث اور سیرت و تصوف سے متعلق ان کے مقالات اور زیر نظر کتاب میں مشمولہ تین کتابچے ہر خاص و عام کے لیے مفید ہیں۔ مشاہیر تاریخ اسلام اور برصغیر کی علمی و فکری تاریخ پر کچھ مقالات اہل علم، اساتذہ اور طلبہ و طالبات کے لیے بہت خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

پروفیسر عبدالقیوم عربی زبان و ادب کے استاذ تھے۔ اس لیے ان کے مقالات کا ایک بڑا حصہ عربی شاعری و صحافت، عرب قوم کے احیاء اور احوال مصر سے تعلق رکھتا ہے۔ جو عربی زبان و ادب کے طلبہ و طالبات کے لیے بہت قدر و قیمت کا حامل ہے۔ انھوں نے اپنے دور کی چند اہم شخصیات اور تحریکات پر بھی قلم اٹھایا۔ اُن کے یہ ذاتی تاثرات نصف یا تین چوتھائی صدی قبل کے دور کی عکاسی کرتے ہیں۔

اس کتاب کی طبع اوّل ۱۹۹۷ء میں ہوئی۔ طبع جدید دارالمعارف کی طرف سے تخریج، تعلیق اور ضروری حواشی کے ساتھ اہل علم اور طلبہ و طالبات کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مقالات

پروفیسر عبدالقیوم رحمہ اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مقالات

پروفیسر عبدالقیوم رحمہ اللہ

(۱۹۰۹ء-۱۹۸۹ء)

جلد اوّل

(اشاعت جدید)

علمی و تحقیقی

ترتیب

ڈاکٹر محمود الحسن عارف، میجر زبیر قیوم (ر)

ادارہ ثقافت اسلامیہ

۲-کلب روڈ لاہور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

مقالات

پروفیسر عبدالقیوم رحمہ اللہ

جمع وترتیب ---------------------- ڈاکٹر محمود الحسن عارف، میجر زبیر قیوم (ر)

تخریج ---------------------- حافظ محمد فیاض الیاس

طبع دوم ---------------------- ۲۰۲۴ء

تعداد ---------------------- ۱۰۰۰

صفحات ---------------------- ۶۴۰

کمپوزنگ ---------------------- عبدالقدوس

ناشر ---------------------- ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور

اہتمام ---------------------- دارالمعارف، لاہور

قیمت ---------------------- -/2500 روپے

ڈسٹری بیوٹرز

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور فون: 37320318 فیکس: 37239884
ای میل: Kitabsaray@hotmail.com

فضلی بک سپر مارکیٹ
اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 32212991-32629724

(یہ کتاب دارالمعارف کے اشتراک سے شائع ہوئی)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اِنتساب

مرحومہ بیگم پروفیسر عبدالقیومؒ

(۲۴ دسمبر ۱۹۲۰ء۔ ۲۱ فروری ۱۹۹۷ء)

کے نام

جن کی رفاقت نے

مرحوم کی اجتماعی و انفرادی زندگی کو

خوشگوار بنایا۔

(مرتّبین)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اجمالی فہرست

حرفِ آغاز ۲۱

دیباچہ ۲۳

عرضِ ناشر (طبع اوّل) ۲۷

اظہارِ تشکر ۲۹

مقدمہ، مقالات و صاحب مقالات ۳۱

۱۔ قرآن مجید اور علوم اسلامیہ ۵۱

(۱) قرآن اور علوم قرآن کی ضرورت و اہمیت ۶۱

(۲) جواہر اللسان فی لغات القرآن ۶۵

(۳) اسلام میں علم کی اہمیت ۷۵

(۴) خاکہ برائے کتاب ''تاریخِ علوم اسلامیہ'' ۸۵

۲۔ سیرت النبی ﷺ و سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم ۹۱

(۱) معاشرے کی تشکیل میں سیرت النبی ﷺ کی اہمیت ۹۳

(۲) نبی اکرم ﷺ کے اسمائے مبارکہ ۱۰۹

(۳) نبی اُمّی ﷺ ۱۲۵

(۴) آنحضرت ﷺ بحیثیتِ سپہ سالار ۱۴۱

(۵) حیاتِ طیبہ ایک نظر میں (خاکہ) ۱۴۷

(۶) سیرت طیبہ پر ایک جامع تصنیف کا خاکہ ۱۵۳

(۷) ذمی، سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں ۱۷۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۸) ابو محجن ثقفی رضی اللہ عنہ، شاعر شمشیر زن ۱۸۱
(۹) دربارِ نبوی ﷺ کے ملک الشعراء حضرت حسان رضی اللہ عنہ ۱۹۱
۳۔ تاریخ وتمدنِ عالم، تاریخ اسلام، ماہرین علوم اسلامیہ وشعراء .. ۲۰۹
(۱) قدیم تہذیبوں کا تعارف، تاریخ اسلام کا پس منظر ۲۱۱
(۲) عہد عباسی کی ثقافت، معاشرتی واقتصادی حالات ۲۲۱
(۳) عباسی دربار کے اثرات، عربی ادب وثقافت پر ۲۲۷
(۴) اندلس میں اسلامی حکومت ۲۳۷
(۵) تحریک خوارج، تاریخ اسلامی میں نیا فکر وعمل ۲۵۱
(۶) خوارج کے مختلف فرقے ۲۵۹
(۷) عربی وفارسی ثقافتوں کا امتزاج ۲۶۷
(۸) حجاج بن یوسف، تاریخ وتنقید کی روشنی میں ۲۷۷
(۹) امام ابوحنیفہ اور ان کا فکری مقام ۳۰۵
(۱۰) جعفر برمکی، خلیفہ ہارون الرشید کا وزیر ۳۱۱
(۱۱) حکیم مشرق، ابونصر فارابی ۳۲۵
(۱۲) ابوالفرج اَصفہانی، ایک اُعجوبۂ روزگار ۳۳۵
(۱۳) شیخ الرئیس ابن سینا، نامور فلسفی اور عالم ۳۴۵
(۱۴) ابوالعلاء المعرّی، اسلامی فکر وادب میں نئے دور کا آغاز ۳۵۷
(۱۵) ابن منظور افریقی کی لسان العرب پر ایک نظر ۳۶۷
(۱۶) شہاب الدین الحجازی (مؤلف کتاب نوادر الاخبار وظرائف الاشعار) . ۳۸۱
۴۔ تصوف اور صوفیہ کرام ۳۹۵
(۱) تصوف، صوفیہ کی نظر میں ۳۹۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۲) سلطان ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ، ایک نامور صوفی ۴۰۳
(۳) اندلس کا صوفی، ابن عربی ۴۰۹
(۴) شیخ جلال الدین بخاری رحمہ اللہ ۴۱۷
(۵) حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمہ اللہ، ایک نامور عالم اور صوفی ۴۲۱
(۶) حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ ۴۲۷
(۷) حضرت خواجہ محمد سعید رحمہ اللہ ۴۳۳

۵۔ مشرق اوسط کی علمی، لسانی، سیاسی اور فکری تاریخ ۴۳۷

(۱) مشرق اوسط ۴۳۹
(۲) عربی ادب پر ایک نظر ۴۴۵
(۳) جدید عربی ادب ۴۴۹
(۴) جدید عربی شاعری۔ حصہ اوّل ۴۵۱
(۵) جدید عربی شاعری۔ حصہ دوم ۴۶۵
(۶) عربی شاعری میں جدید رجحانات کے چند نمونے ۴۸۱
(۷) عربی صحافت (ابتداء وارتقا) ایک تاریخی وتنقیدی جائزہ ۴۹۵
(۸) مفتی محمد عبدہٗ، مصر جدید کا بانی ۵۱۳
(۹) مصطفٰی کامل پاشا، تحریک آزادی کا علمبردار ۵۳۱
(۱۰) قاسم بک امین، آزادیٔ خواتین مصر کا پیغامبر ۵۳۹
(۱۱) زعیم مصر، سعد زغلول پاشا ۵۵۱
(۱۲) ڈاکٹر طٰہٰ حسین، مصر کا مشہور ادیب ونقاد ۵۶۳

۶۔ ادب واقبالیات ۵۷۳

(۱) سررابندرناتھ ٹیگور ۵۷۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۲) اقبال کا تصورِ ختم نبوت ۵۸۱
(۳) سفرنامہ یورپ و حرمین الشریفین ۶۰۳
۷۔ تبصرۂ کتب ۶۱۷
(۱) امام غزالی کی کتاب الاربعین فی اصول الدین کا اجمالی جائزہ ۶۱۹
(۲) سیرت النبی ﷺ از مولانا شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی ۶۲۷
(3). Jinnah-Wavell Correspondence(1943-47)
مؤلف شیر محمد گریوال 631
۸۔ دارالمعارف، لاہور کی اہم تالیفات ۶۳۵

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تفصیلی فہرست

حرفِ آغاز ۲۱
دیباچہ ۲۳
عرضِ ناشر (طبع اوّل) ۲۷
اظہارِ تشکر ۲۹
مقدمہ ۳۱
۱۔ مقالات و صاحب مقالات ۳۱
(۱) خاندانی پس منظر ۳۱
(۲) منشی فضل دین کی اولاد ۳۲
(۳) ولادت اور تعلیم و تربیت ۳۲
۲۔ اعزازات اور کارنامے ۳۳
(۱) میکلوڈ سکالرشپ کا حصول ۳۳
(۲) تدریسی خدمات ۳۴
(۳) ماہرین کی آراء ۳۴
• ڈاکٹر سید عبداللہ کی رائے ۳۴
• ڈاکٹر محمد عنایت اللہ کی رائے ۳۵
• مولانا عبدالعزیز میمنی کی رائے ۳۵
۳۔ تصنیفی و تحقیقی خدمات ۳۶
(۱) اشاریہ لسان العرب ۳۶
(۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں بطور
مدیر اور سینئر مدیر خدمات ۳۸
(۳) بحیثیت عظیم علمی و فکری رہنما ۳۹
(۴) بحیثیت ایک عظیم مخلص انسان ۴۰
(۵) وفات ۴۲
۴۔ تحقیقی و علمی تصانیف ۴۲
طلبہ کی رہنمائی کے لیے لکھی گئی تصانیف ۴۵
۵۔ مقالات کا زیر نظر مجموعہ ۴۵
۶۔ مقالات پر ایک نظر ۴۵
۷۔ تاریخ علوم قرآن و علومِ حدیث و علم سیرت ۴۸
۸۔ برصغیر پاک و ہند کی مسلم تاریخ و تہذیب ۴۸
۹۔ مصری تاریخ و تمدن ۴۸
۱۰۔ تاریخ اہل حدیث ۴۹
۱۱۔ تصوف و اہل تصوف ۴۹
۱۲۔ تشریحات قرآن و سنت ۴۹
۱۳۔ سفرنامہ ۵۰
۱۴۔ کتب پر تبصرے ۵۰

۱۔ قرآن مجید اور علوم اسلامیہ

(۱) قرآن مجید اور علوم اسلامیہ ۵۳
قرآن، علوم اسلامیہ کا سرچشمہ ۵۳
قرآن کی چند اہم تفاسیر ۵۴
قرآن اور شرعی علوم ۵۶
قرآن اور علم تاریخ و سیر ۵۷
قرآن اور دیگر متفرق علوم ۵۸
(۲) قرآن اور علوم قرآن کی ضرورت و اہمیت ... ۶۱
(۳) جواہر اللسان فی لغات القرآن ... ۶۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا صحابہ کرام مکمل قرآن کے معانی سمجھتے تھے؟ ۶۵
معانی القرآن پر لکھی گئی کتب ۶۷
"لسان العرب" سے "لغات القرآن" کا استخراج ۶۸
لسان العرب سے مستفاد لغات القرآن کی چند مثالیں ۶۹
(۴) اسلام میں علم کی اہمیت ۷۵
علم کی دو اقسام، فرض عین و کفایہ ۷۶
فضائل علم ۷۷
حصول علم کے آداب ۷۹
(۵) خاکہ برائے کتاب "تاریخ علوم اسلامیہ" .. ۸۵
• علوم القرآن ۸۵
• علم التفسیر ۸۶
• علوم الحدیث ۸۶
• علم الفقہ ۸۷
• تاریخ نگاری ۸۷
• سیرت و تراجم نویسی ۸۷
• علم جغرافیہ ۸۸
• لغت نویسی ۸۸
• علم اللغہ ۸۸
• علم الطب ۸۸
• علم البلاغۃ ۸۸
• علم الفلسفہ ۸۸
• علم الانساب ۸۸
• علم الاحتساب ۸۹
• دیگر مروّجہ علوم و فنون ۹۰

۲۔ سیرت النبی ﷺ و سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم

(۱) معاشرے کی تشکیل میں سیرت النبی ﷺ کی اہمیت ۹۳
خاندان کی اصلاح ۹۴
اولاد کے حقوق ۹۴
والدین کے حقوق ۹۶
پڑوسیوں کے حقوق ۱۰۰
تمام اہل اسلام سے حسنِ سلوک ۱۰۳
تاجروں کی اصلاح ۱۰۵
ذکرِ الٰہی اور پرامن معاشرہ ۱۰۷
(۲) نبی اکرم ﷺ کے اسمائے مبارکہ ۱۰۹
اسماء نبی ﷺ ۱۰۹
(۳) نبی اُمّی ﷺ ۱۲۵
اُمّی نبی کا تذکرہ اور مفہوم ۱۲۵
لفظ اُمّی کے متعلق مفسرین کی آرا ۱۲۸
دورِ حاضر کے اہل علم کے نزدیک اُمّی کا مفہوم ۱۳۲
نبی کی ضرورت ۱۳۷
نبی کی عصمت ۱۳۷
انبیاء علیہم السلام کا باہمی رشتہ ۱۳۸
اسلام اور دیگر مذاہب میں انبیاء کی حیثیت کا تقابل ۱۳۸
(۴) آنحضرت ﷺ بحیثیتِ سپہ سالار .. ۱۴۱
مشاورت ۱۴۲
میدان جنگ میں ۱۴۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جنگ میں رازداری ۱۴۴

(۵) حیاتِ طیبہ ایک نظر میں ۱۴۷

ولادت تا غارِ حرا ۱۴۷

بعثت ونبوت ۱۴۸

ہجرت تا رحلت ۱۴۹

(۶) سیرت طیبہ ﷺ پر ایک جامع تصنیف کا خاکہ ۱۵۳

(۷) ذمی، سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں .. ۱۷۱

معاہدین ۱۷۴

مفتوحین ۱۷۵

حفاظت مال ۱۷۷

مذہبی آزادی ۱۷۸

(۸) ابو محجن ثقفی رضی اللہ عنہ، شاعر شمشیر زن ۱۸۱

ابو محجن میدانِ کارزار میں ۱۸۱

ابو محجن کا خاندان ۱۸۲

ابو محجن کی شاعری ۱۸۳

ابو محجن کے حالات زندگی ۱۸۵

ابو محجن جنگ قادسیہ میں ۱۸۶

(۹) دربار نبوی ﷺ کے ملک الشعراء

حضرت حسان رضی اللہ عنہ ۱۹۱

ولادت ۱۹۲

حلیہ ۱۹۲

مختصر حالات زندگی ۱۹۲

جبن (کم دلی) ۱۹۵

شعروشاعری ۱۹۵

رسول اللہ ﷺ کی نظروں میں ۱۹۹

وفد بنو تمیم کا اعتراف ۲۰۰

نقادانِ فن کی شہادتیں ۲۰۱

شاعر کی اپنی زبانی ۲۰۲

مدح رسول اللہ ﷺ ۲۰۳

مرثیہ ۲۰۷

۳۔ تاریخ وتمدنِ عالم، تاریخ اسلام، ماہرین علوم اسلامیہ وشعراء

(۱) قدیم تہذیبوں کا تعارف، تاریخ

اسلام کا پس منظر ۲۱۱

مشرق قریب میں قدیم تہذیبیں ۲۱۱

بابل ونینوا ۲۱۲

اشور (Assyrns) ۲۱۳

کنعانی یا فنیقی ۲۱۳

عبرانی ۲۱۴

بنی اسرائیل ۲۱۴

یہودی ۲۱۵

قدیم یونانی قوم ۲۱۵

قدیم رومی قوم ۲۱۷

عیسائیت کا ظہور ۲۱۸

بزنطینی (Byzantine) حکومت ۲۱۸

ساسانی سلطنت ۲۱۹

زرتشتی ۲۲۰

(۲) عہد عباسی کی ثقافت، معاشرتی و

اقتصادی حالات ۲۲۱

معاشرت ۲۲۱

اقتصادی حالت ۲۲۲

علم وادب ۲۲۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فنون لطیفہ ۲۲۴
کتب خانے ۲۲۴
مدرسے ۲۲۵
(۳) عباسی دربار کے اثرات عربی
ادب وثقافت پر ۲۲۷
چند خصائص ۲۲۷
فارسی ثقافت ۲۲۸
وزارت ۲۲۹
ہندوستانی ثقافت ۲۳۱
یونانی ثقافت ۲۳۴
(۴) اندلس میں اسلامی حکومت ۲۳۷
فتح اندلس ۲۳۷
اندلس کے امیر ۲۳۸
عبدالرحمٰن الداخل ۲۳۸
عبدالرحمٰن الناصر ۳۰۰ھ تا ۳۵۰ھ =
۹۱۲ء تا ۹۶۱ء ۲۴۱
الحکم الثانی المستنصر باللہ ۳۵۰ھ تا ۳۶۶ھ =
۹۶۱ء تا ۹۷۶ء ۲۴۲
ہشام بن حکم ۲۴۳
قرطبہ کی شان وشوکت ۲۴۴
مدینۃ الزہراء ۲۴۵
ملوک الطوائف ۲۴۵
مرابطین ۲۴۶
موحدین ۱۱۴۷ء تا ۱۲۱۲ء ۲۴۷
سلطنت غرناطہ ۲۴۸
(۵) تحریک خوارج، تاریخ اسلامی میں
نیا فکر وعمل ۲۵۱
تاریخی پس منظر ۲۵۱
تحریک کا پہلا دن ۲۵۲
خارجی کی وجہ تسمیہ ۲۵۴
خارجی میدان کارزار میں ۲۵۴
خارجی فکر ونظر ۲۵۵
پہلی عوامی سازش ۲۵۷
(۶) خوارج کے مختلف فرقے ۲۵۹
شجاعت اور بہادری ۲۶۱
خارجی ادب ۲۶۴
(۷) عربی وفارسی ثقافتوں کا امتزاج ۲۶۷
دور جاہلیت میں عربی ثقافت پر فارسی
اثرات ۲۶۷
اموی دور اور عربوں پر فارسی اثرات ۲۶۸
عربوں کی موسیقی پر فارسی ثقافت کے
اثرات ۲۷۱
عباسی دور میں عربوں پر فارسی اثرات ۲۷۲
فارسی علوم کی عربی میں منتقلی ۲۷۴
عربوں کی معاشرتی زندگی پر فارسی اثرات ۲۷۵
(۸) حجاج بن یوسف، تاریخ وتنقید کی
روشنی میں ۲۷۷
حجاج کی اہمیت ۲۷۸
مذہبی اور سیاسی پس منظر کا جائزہ ۲۷۹
مختصر حالات زندگی ۲۸۲
داخلی فتنے ۲۸۶
حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ۲۸۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نفسیاتی مطالعہ ۲۹۰
عمدہ کھانوں کا شوق ۲۹۲
نیکی اور خدا خوفی ۲۹۲
خاندان ابوطالب سے حسن سلوک ۲۹۴
رقت قلب ۲۹۶
سخاوت، دیانت اور پاس عہد ۲۹۷
جذبہ اطاعتِ قرآن ۲۹۹
امن عامہ کا خیال ۲۹۹
انسانی جذبات ۳۰۰
بحیثیت خاوند ۳۰۱
(۹) امام ابوحنیفہ اور ان کا فکری مقام ۳۰۵
ابتدائی حالات ۳۰۶
فقہی اصول اور فقہی مقام ۳۰۶
اہم شاگردانِ رشید ۳۰۸
اخلاق حسنہ ۳۰۹
(۱۰) جعفر برمکی، خلیفہ ہارون الرشید کا
وزیر ۳۱۱
برمک خاندان کا تعارف ۳۱۱
خالد برمکی ۳۱۱
جعفر برمکی ۳۱۲
جعفر برمکی بحیثیت وزیر ۳۱۴
جعفر برمکی کا علم وفضل ۳۱۵
جعفر برمکی کے اخلاق حسنہ ۳۱۶
جعفر کی علمی وادبی مجلسیں ۳۱۸
جعفر برمکی کا قتل اور اس کی وجہ ۳۲۱
(۱۱) حکیم مشرق، ابونصر فارابی ۳۲۵
ابتدائی حالات ۳۲۵
فارابی کا علوم حکمت میں مقام و مرتبہ ۳۲۶
فارابی کا مزاج وطبیعت ۳۲۸
فارابی کی تصانیف ۳۲۹
علمی دنیا میں فارابی کے اثرات ۳۳۰
فارابی کا فلسفہ ۳۳۲
فارابی کا علم سیاست میں مقام ۳۳۴
(۱۲) ابوالفرج اصفہانی، ایک اُعجوبۂ
روزگار ۳۳۵
ابتدائی حالات ۳۳۵
نقادوں کے ہاں ابوالفرج کا علمی مقام ... ۳۳۷
ابوالفرج کی طبیعت وعادات ۳۳۸
ابوالفرج کی تصانیف ۳۳۹
کتاب الاغانی کا تعارف ۳۴۰
کتاب الاغانی کے جدید ایڈیشن ۳۴۳
(۱۳) شیخ الرئیس ابن سینا، نامور فلسفی
اور عالم ۳۴۵
علمی مقام ۳۴۵
خاندان وماحول ۳۴۶
پیدائش اور نام ونسب ۳۴۶
تعلیم اور اساتذہ ۳۴۷
شوق مطالعہ ۳۴۷
فارابی سے استفادہ ۳۴۸
سلطان بخارا کا کتب خانہ ۳۴۸
پریشان حالی ۳۴۹
قلمدان وزارت ۳۵۰
قید وبند میں ۳۵۰
شوق تصنیف ۳۵۱
اسلوب نگارش ۳۵۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معاصرین اور تلامذہ ۳۵۴
چند علمی نظریے ۳۵۴
وفات ۳۵۶
(۱۴) ابو العلاء المعرّی (اسلامی فکر و ادب
میں نئے دور کا آغاز) ۳۵۷
ابتدائی حالات ۳۵۷
ابو العلاء کی قدر دانی ۳۵۹
ابو العلاء کے دور کے حالات ۳۶۰
ابو العلاء کے اخلاق و عادات ۳۶۲
ابو العلاء کا علمی مقام اور فکر و فلسفہ ۳۶۳
ابو العلاء کی شاعری ۳۶۵
(۱۵) ابن منظور افریقی کی لسان العرب
پر ایک نظر ۳۶۷
مؤلف لسان العرب کے مختصر حالات ۳۶۸
ولادت اور تعلیم ۳۶۹
مشاغل ۳۷۰
لسان العرب ۳۷۲
وجہ تالیف ۳۷۳
لسان کی ترتیب ۳۷۵
کتاب کی اہمیت ۳۷۵
تسامحات ۳۷۷
(۱۶) شہاب الدین الحجازی (مؤلف
نوادر الاخبار وظرائف الاشعار) ۳۸۱
۱۔ نسب نامہ اور ولادت ۳۸۱
۲۔ عہد طفولیت و تعلیم ۳۸۲
۳۔ اساتذہ ۳۸۲
۴۔ شعر و شاعری اور ادب ۳۸۴
۵۔ نویں صدی ہجری اور ادبی ذوق ۳۸۶
۶۔ سیاسی حالات ۳۸۸
۷۔ تبحر علمی ۳۹۰
۸۔ معموں (چیستانوں) کی مہارت ۳۹۱
۹۔ شغل تدریس ۳۹۱
۱۰۔ تقسیم اوقات ۳۹۱
۱۱۔ عادات و خصائل ۳۹۲
۱۲۔ مختصر واقعات زندگی ۳۹۲
۱۳۔ وفات ۳۹۳

۴۔ تصوف اور صوفیہ کرام

(۱) تصوف، صوفیہ کی نظر میں ۳۹۷
تصوف کا معنی و مفہوم ۳۹۷
تصوف کا آغاز و ارتقاء ۳۹۹
تصوف کے کارنامے ۴۰۱
(۲) سلطان ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ، ایک
نامور صوفی ۴۰۳
ابتدائی حالات ۴۰۳
اخلاق و اوصاف ۴۰۵
طبقہ اولیٰ کے صوفی ۴۰۶
ابراہیم بن ادھم کے ملفوظات ۴۰۶
(۳) اندلس کا صوفی، ابن عربی ۴۰۹
ابتدائی حالات ۴۰۹
علمی شہرت و مقبولیت ۴۱۰
ابن عربی کی تصانیف ۴۱۱
شیخ ابن عربی کے تصوف کا بنیادی اصول ... ۴۱۴
(۴) شیخ جلال الدین بخاری رحمہ اللہ ۴۱۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابتدائی حالات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۱۷
نواب صدیق حسن کے جد امجد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۱۸
علوم ظاہری و باطنی میں مقام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۱۹
تصانیف ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۰
(۵) حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمہ اللہ ایک
نامور عالم اور صوفی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۱
ابتدائی حالات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۱
اساتذہ و اسفار ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۲
اصلاحی خدمات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۳
تصانیف ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۴
اخلاق و دینی خدمات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۴
(۶) حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۷
ابتدائی حالات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۷
علمی و دینی خدمات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۸
سیاسی خدمات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۲۹
(۷) حضرت خواجہ محمد سعید رحمہ اللہ ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۳۳
ابتدائی حالات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۳۴
علمی خدمات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۳۵
تصانیف ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۳۵
سیاسی خدمات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۳۶

۵۔ مشرق اوسط کی علمی، لسانی، سیاسی اور فکری تاریخ

(۱) مشرق اوسط ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۳۹
مشرق اوسط کا تعارف ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۳۹
۱۹۳۹ء میں مشرق اوسط کے ممالک ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۴۰
مشرق اوسط کی عالمی سیاست میں اہمیت ۔۔۔ ۴۴۲
(۲) عربی ادب پر ایک نظر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۴۵
عربی ادب کے ادوار ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۴۵
جاہلی نثر و شاعری کا تعارف ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۴۶
(۳) جدید عربی ادب ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۴۹
الف۔ امریکی سکول ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۴۹
ب۔ مصری سکول ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۰
ج۔ شامی سکول ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۰
(۴) جدید عربی شاعری (حصہ اوّل) ۔۔۔۔۔ ۴۵۱
جدید عربی شاعری کے دلچسپ پہلو ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۲
جدید عربی شاعری کا پس منظر ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۳
خصوصیات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۶
ڈاکٹر منصور فہمی (پ ۱۸۸۶ء) ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۷
ڈاکٹر محمد حسین ہیکل (پ ۱۸۸۸ء) ۔۔۔۔۔۔ ۴۵۷
خلیل جبران ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۸
ماری زیادہ المعروف بہ می زیادہ (۱۸۹۵ء
تا ۱۹۴۱ء) ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۸
سلامہ موسیٰ (پ ۱۸۸۸ء) ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۹
عقاد (پ ۱۸۸۹ء) ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۰
ایلیاء ابو ماضی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۱
میخائل نعیمہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۱
جمیل صدقی الزھاوی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۲
(۵) جدید عربی شاعری (حصہ دوم) ۔۔۔۔۔ ۴۶۵
عربی شعر میں عروض کا استعمال ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۷
جدید عربی شاعری کے چند نمونے ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۷۰
فخر و حماسہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۷۰
مرثیہ نگاری ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۷۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غزلیات ۴۷۷
جدید نقطہ نظر ۴۷۹
(۶) عربی شاعری میں جدید رجحانات
کے چند نمونے ۴۸۱
اصلاح معاشرہ ۴۸۱
وصف مغنیۃ ۴۸۳
تربیۃ البنات ۴۸۳
جدید عربی غزل ۴۸۹
(۷) عربی صحافت (ابتداوارتقا) ایک
تاریخی وتنقیدی جائزہ ۴۹۵
عربی صحافت کا آغاز ۴۹۶
پہلا دور ۴۹۷
دوسرا دور ۴۹۹
تیسرا دور (۱۸۶۳ء۔۱۸۸۲ء) ۵۰۱
چوتھا دور ۵۰۵
عربی ادب کے ارتقا میں صحافت کا حصہ ۵۰۹
عربی صحافت اقصائے عالم میں ۵۱۰
(۸) مفتی عبدہٗ، مصر جدید کا بانی ۵۱۳
شخصیت کا جائزہ ۵۱۳
خاندان ۵۱۴
تعلیم وتربیت ۵۱۵
تعلیمی مشکلات ۵۱۶
شیخ درویش کے قدموں میں ۵۱۷
طنطا میں واپسی ۵۲۰
جامعہ ازہر میں ۵۲۰
سید جمال الدین افغانی کی صحبت میں ۵۲۲
استاد جامعہ ازہر ۵۲۳
نظر بندی ۵۲۵
میدان صحافت میں ۵۲۵
جلاوطنی ۵۲۶
سرزمین فرانس میں ۵۲۶
لندن کے سیاسی حلقوں میں ۵۲۶
واپس مصر میں ۵۲۷
تعلیمی امور میں دلچسپی ۵۲۷
منصب عدالت ۵۲۸
مجلس شوریٰ کی رکنیت ۵۲۹
جذبۂ خدمت خلق ۵۲۹
(۹) مصطفےٰ کامل پاشا، تحریک آزادی کا
علمبردار ۵۳۱
تعلیم وتربیت ۵۳۱
آزادی کی پہلی مہم ۵۳۲
آزادی کا مطالبہ ۵۳۳
پہلا عوامی لیڈر ۵۳۳
فرانس سے ساز باز ۵۳۴
اخبار اللواء کا اجر ۵۳۴
بساط سیاست ۵۳۴
سیرت وکردار ۵۳۶
وفات ۵۳۷
(۱۰) قاسم بک امین، آزادیٔ خواتینِ مصر
کا پیغامبر ۵۳۹
قاسم کا خاندان ۵۳۹
بچپن اور تحصیل علم ۵۴۰
تحریک آزادی کا پس منظر ۵۴۰
تحریک بیداری کا پہلا دور ۵۴۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تحریک کا ردِعمل ۵۴۳
تحریک کا دوسرا دور ۵۴۴
اصلاحی کوششوں کا دائرہ عمل ۵۴۶
نئی یونیورسٹی کا مقصد ۵۴۶
ترقی پسند رجحانات ۵۴۷
نیا فکر وادب ۵۴۸
کرسی عدالت پر ۵۴۹
طلبائے رومانیہ کا وفد ۵۵۰
وفات ۵۵۰
(۱۱) زعیم مصر، سعد زغلول پاشا ۵۵۱
شخصیت ۵۵۱
تعلیم وتربیت ۵۵۲
جمال الدین افغانی کا اثر ۵۵۳
سیاسی موڑ پر ۵۵۴
صحافی کی حیثیت میں ۵۵۴
ذہنی انقلاب ۵۵۵
مصر میں انگریزی فوجوں کا داخلہ ۵۵۶
منصب عدالت ۵۵۶
وکالت کا پیشہ ۵۵۶
مصر کا قاضی ۵۵۷
وزیر تعلیم ۵۵۷
جمعیت تشریعی کی رکنیت ۵۵۸
نظر بندی ۵۵۹
آزادی اور جلا وطنی ۵۵۹
(۱۲) ڈاکٹر طٰہٰ حسین، مصر کا مشہور ادیب و
نقاد ۵۶۳
شخصیت ۵۶۳
پیدائش اور ابتدائی تعلیم ۵۶۴
بچپن ۵۶۴
گھر کا ماحول ۵۶۴
سماج کے خلاف بغاوت ۵۶۵
تحصیل علم ۵۶۶
اساتذہ مغرب کا اثر ۵۶۶
فرانس میں ۵۶۷
پروفیسری ۵۶۸
بحیثیت صحافی ۵۶۸
ادب ونقد ۵۶۸
بے باکی ۵۷۰
خطابت ۵۷۰
نظریے ۵۷۱
وزارت تعلیم ۵۷۲

۶۔ ادب واقبالیات

(۱) سر رابندر ناتھ ٹیگور ۵۷۵
ابتدائی حالات ۵۷۵
ٹیگور کی قادر الکلامی اور شاعری ۵۷۹
(۲) اقبال کا تصور ختم نبوت ۵۸۱
حیوانوں اور نباتات کو وحی الٰہی ۵۸۱
انسان کا علم بالوحی کا منبع داخلی ہے یا خارجی؟ ... ۵۸۲
انسانی زندگی کا ارتقاء اور انبیاء کی ضرورت .. ۵۸۴
سلسلۂ نبوت ختم ہونے کی توجیہ ۵۸۶
جدید دور کے لیے سائنسی علم کی ضرورت ... ۵۸۷
کیا دور جدید میں وحی کی جگہ عقل نے
لے لی؟ ۵۸۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا وحی محمدی ﷺ ہمیشہ کے لیے حجت ہے؟ ۵۹۲
نبوت کے دو اجزاء: خاص واردات اور ایک معاشرتی سیاسی ادارہ کا قیام ۵۹۳
خلافت کا قیام واجب ہے ۵۹۵
پیغامِ رسالت محمدی ﷺ کی سائنسی ماہیت ۵۹۷
فطرت کی اتباع کا قرآنی حکم ۵۹۹
اسلام دینِ فطرت ۶۰۰
وحی محمدی ﷺ کا علم سائنسی نظام کا حامل ہے، قرآنی دلائل ۶۰۱
(۳) سفرنامہ یورپ وحرمین شریفین ۶۰۳
ایمسٹرڈیم ۶۰۴
لائیڈن یونیورسٹی ۶۰۸
ہالینڈ، شہری و دیہی زندگی ۶۰۹
سفرِ لندن ۶۱۱
عمرہ وزیارت حرمین الشریفین ۶۱۳

۷۔ تبصرۂ کتب

(۱) امام غزالی کی کتاب ''الاربعین فی اصول الدین'' کا اجمالی جائزہ ۶۱۹
تعارف امام غزالی ۶۱۹
الاربعین فی اصول الدین ۶۲۰
کتاب اربعین کے مباحث ۶۲۱
(۲) سیرت النبی ﷺ از مولانا شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی ۶۲۷
سیرت النبی ﷺ کا پس منظر ۶۲۷
جلدوں کا تعارف ۶۲۸
سیرت شبلی کی خصوصیات ۶۲۹
(3) Jinnah-Wavell Correspondence (1943-47)، مؤلف شیر محمد گریوال ۶۳۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

یہ ''مقالات پروفیسر عبدالقیوم'' کی دوسری اشاعت ہے جو ''دارالمعارف'' لاہور کے تعاون سے شائع کی جارہی ہے۔ اس سے پہلے یہ کتاب ۱۹۹۷ء میں ''المکتبۃ السلفیہ، لاہور'' سے شائع ہوئی۔

پروفیسر عبدالقیوم ایک بین الاقوامی شہرت یافتہ نامور محقق، عربی و اسلامی علوم کے اُستاذ اور نابغہ روزگار شخصیت تھے۔ یہ مقالات ان کی علمی و تحقیقی زندگی کے آئینہ دار ہیں۔ مقالات کی پہلی جلد پروفیسر صاحب نے اپنی زندگی ہی میں مرتب فرمادی تھی، جبکہ دوسری جلد کی ترتیب ان کے تلمیذ رشید ''ڈاکٹر محمود الحسن عارف'' اور پروفیسر صاحب کے فرزند ''میجر زبیر قیوم (ر)'' کی مرہونِ منت ہے۔

زیرنظر اشاعت درج ذیل خصوصیات کی حامل ہے:

۱۔ پروفیسر صاحب کے چھ نئے مقالات کا اضافہ کیا گیا ہے جو پچھلے ایڈیشن میں شامل نہیں ہو سکے۔

۲۔ پروفیسر صاحب کی تین مختصر کتابوں ''مبادیات مطالعہ قرآن، حدیث و فقہ''، ''اربعین پروفیسر عبدالقیوم'' اور ''شرح اربعین نووی'' کو بھی شامل کیا گیا ہے تاکہ قارئین کرام ان سے استفادہ کر سکیں۔

۳۔ اس اشاعت میں پروفیسر صاحب کے تمام مقالات کی تخریج کا اہتمام کیا گیا ہے۔ کئی مقالات کی تخریج و حوالے پروفیسر صاحب کے اپنے قلم سے ہیں۔ بقیہ مقالات کی تخریج کے فرائض دارالمعارف کے محقق حافظ محمد فیاض الیاس نے انجام دیے، جن کی نشاندہی ہر مقالے کے آخر میں حاشیے میں کر دی گئی ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

۴۔اس ایڈیشن میں لفظی اغلاط اور طباعتی اخطاء کی اصلاح کے لیے دقیق نظر سے پروف ریڈنگ کی گئی اور بہتری کی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے۔

۵۔قارئین کی سہولت کے لیے تفصیلی فہرست، بہتر ہیڈر اور حواشی کا اہتمام کیا گیا۔

۶۔جن مقالات کی ذیلی سرخیاں موجود نہیں تھیں، بقدر ضرورت ان کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اور حاشیہ میں ''از ادارہ'' کے الفاظ سے ان کے اضافے کی نشاندہی کی گئی۔

امید ہے کہ ''مقالات پروفیسر عبدالقیوم'' کی طبع ثانی اساتذہ و محققین اور طلباء و طالبات کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہو گی۔

ڈاکٹر مظہر معین

ناظم ادارہ ثقافتِ اسلامیہ

۳۰ر اپریل ۲۰۲۳ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ، اما بعد:

''مقالات پروفیسر عبدالقیومؒ'' کی پہلی طبع ۱۹۹۷ء میں ہوئی جسے اہل علم نے پزیرائی بخشی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن بہتر پیشکش کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ پروفیسر عبدالقیوم عربی و اسلامی علوم کے منجھے ہوئے اُستاذ اور محقق تھے، اسی وجہ سے اُن کا ہر مقالہ، خطبہ اور نگارش لائقِ التفات ہے۔

پروفیسر صاحب نے یہ مقالات ۱۹۲۸ء سے اپنی وفات ۱۹۸۹ء تک مختلف ماہ و سال میں لکھے۔ ان کے اوّلین مقالوں میں ''شہاب الدین الحجازی'' کا مقالہ ہے جو ۱۹۳۶ء میں اورینٹل کالج میگزین میں شائع ہوا۔ ''سر رابندر ناتھ ٹیگور'' کا مضمون ایف اے کے دورِ طالب علمی میں اسلامیہ کالج کے مجلّے ''کریسنٹ'' میں ۱۹۲۸ء میں شائع ہوا۔ ان کا مقالہ ''اقبال کا تصور ختم نبوت'' ان کی وفات کے بعد مجلّہ اقبالیات میں ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا۔ پروفیسر صاحب کے یہ مقالات مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں کے رسائل اور قومی جرائد میں چھپتے رہے۔

قرآن وحدیث، سیرت وتصوف، تاریخ وسوانح اور عربی واردو زبان وادب سے دلچسپی رکھنے والے اہل علم، طلبہ و طالبات اور عام قارئین ان مقالات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ پروفیسر عبدالقیوم کے کچھ مقالات تو ہر مسلمان کے لیے مفید ہیں جیسے قرآن، حدیث، فقہ، سیرت طیبہ اور تعلیمات دین سے متعلق مقالات اور خطبات۔ اسی طرح پروفیسر صاحب کی تین مختصر، جامع اور وقیع علمی کتب آئینہ اسلام، اربعین نووی اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اربعین پروفیسر عبدالقیوم بھی ہر قاری کے لیے اِفادہ بخش ہیں۔ مقالات کا ایک حصہ اسی نوعیت کا ہے۔

بعض مقالات دین، علوم اور تحریک کے حوالے سے اُصول وقواعد کی حیثیت رکھتے ہیں، جیسے قرآن مجید اور علوم اسلامیہ، اسلام میں علم کی اہمیت، امام ابوحنیفہؒ اور ان کا فکری مقام، تصوف صوفیہ کی نظر میں، مسلک اہل حدیث اور ان کی دینی وملی خدمات وغیرہ۔

کچھ مقالات اہل علم، اساتذہ اور طلبہ وطالبات کے لیے بہت خاص اہمیت کے حامل ہیں، جو معلومات سے لبریز ہیں اور وسیع تر علمی وتحقیقی ذوق کو پروان چڑھاتے ہیں۔ یہ مقالات مشاہیر تاریخ اسلام، محدثین، صوفیہ، فلاسفہ، ادبا وشعرا سے متعلق ہیں۔ اس کے علاوہ برصغیر کی علمی وفکری تاریخ، تحریک آزادی، تحریک اہل حدیث وغیرہ برصغیر کے پرآشوب دور کی عکاسی کرتے ہیں۔

پروفیسر عبدالقیوم عربی زبان وادب کے استاذ تھے، اس لیے ان کے مقالات کا ایک بڑا حصہ جدید عربی شاعری وصحافت، عرب قوم کے احیا اور احوال مصر سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ یہ مقالات عربی زبان وادب کے طلبہ وطالبات کے لیے خاص طور پر اہمیت کے حامل ہیں۔

شخصیات پر لکھے گئے مقالات سادہ انداز میں ہیں لیکن حسن کردار، اخلاقی اقدار کی ترویج اور ملی شعور سے لبریز ہیں، جیسے سید مودودی، مولانا روحی، مولانا حنیف ندوی، ثناء اللہ امرتسری وغیرہ سے متعلق عناوین۔

دار المعارف ان مقالات کو موجودہ حالات کے تناظر میں نظر ثانی کے بعد پیش کر رہا ہے۔ قرآن وحدیث کی نصوص اور ائمہ کرام کے اقوال کی تخریج کر دی گئی ہے۔ حواشی میں بعض نکات کی وضاحت اور معرکہ آرا مباحث کی توضیح وتوسیع کے لیے قدیم یا جدید معتبر کتب کا حوالہ دیا گیا ہے۔ جدید عربی شعرا، مفکرین اور زعماء کے احوالِ زندگی پر تازہ ترین سوانحی وانتقادی کتب کا تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح برصغیر کے علماء و مفکرین، اصحاب الحدیث اور زعماء پر بھی سوانحی وعلمی کتب کا تذکرہ بطور توسیع مطالعہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شامل کیا گیا ہے۔ لہٰذا ''مقالات عبدالقیوم'' اپنے تازہ علمی و تحقیقی حواشی اور ترتیبِ نو کی بدولت قارئین کے لیے زیادہ دلچسپ، آسان اور مفید تر ہو گئے ہیں۔

پروفیسر عبدالقیوم مرحوم کے حالاتِ زندگی پر ایک ضخیم علمی و تحقیقی کتاب بنام ''استاذ الاساتذہ پروفیسر عبدالقیوم، حیات و خدمات'' بزمِ اقبال سے ۲۰۲۲ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ دارالمعارف سے ان کی دو عدد عربی، تین عدد انگریزی اور پانچ عدد اُردو کتب بھی شائع ہو چکی ہیں۔ ان کی تین عدد کتب پر کام جاری ہے جو عنقریب شائع ہوگا۔[1]

دارالمعارف کے علمی منصوبوں میں ایک ''دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ'' ہے۔ یہ گیارہ جلدوں (سات ہزار سے زائد صفحات) پر مشتمل سیرت طیبہ کا انسائیکلو پیڈیا ہے جو بزم اقبال لاہور سے اپریل ۲۰۲۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔ یہ برصغیر پاک و ہند میں ایک منفرد علمی و تحقیقی کام ہے۔ اسی طرح ''سیرت طیبہ ایک نظر میں'' ایک جلد میں (۱۰۰۰ صفحات سے زائد) پر مشتمل ہے جو زیر طبع ہے۔ اس کے علاوہ پروفیسر صاحب کے ''تاریخ علوم اسلامیہ'' پر تیارہ کردہ خاکے پر بھی کام جاری ہے۔ امید ہے یہ علمی کام بارہ سے پندرہ جلدوں میں مکمل ہوگا اور علمی دنیا میں وقیع اثرات کا حامل ہوگا۔ مذکورہ بالا تینوں پروجیکٹ پروفیسر عبدالقیوم کے تیار کردہ خاکوں پر استوار کیے گئے ہیں۔

دارالمعارف کا سلسلۂ سیرت چار کتب پر مشتمل ہے جو ہر عمر اور طبقے کے لیے راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ بچوں کے لیے ''ہمارے رسول ﷺ''، نوعمر طلبہ و طالبات کے لیے ''سیرت رحمت عالم ﷺ''، اساتذہ کے لیے ''سیرت طیبہ ایک نظر میں'' اور محققین کے لیے ''دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ''۔

مقالات پروفیسر عبدالقیوم کی دوسری اشاعت میں دارالمعارف کے ارکان بھی معاون بنے۔ تخریج کی علمی خدمت حافظ محمد فیاض الیاس نے انجام دی۔ پروف ریڈنگ

[1] پروفیسر صاحب کے مطبوع، زیرِطبع اور زیرِترتیب کام کی تفصیل زیرِنظر کتاب کے آخر میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور فنی اصلاح کی ذمہ داری قاری کاشف الرحمٰن سیف نے نبھائی۔ ترتیبِ نو، بعض مقالات میں ذیلی سرخیاں اور حوالوں کا کام محمد زکریا رفیق نے انجام دیا۔ اس کی وضاحت ہر مقالے کے آخر میں کر دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے مقالات کے گہرے مطالعے کے بعد مفید حواشی اور ترتیبِ نو کے حوالے سے کئی مفید مشوروں سے بھی نوازا۔ اللہ تعالیٰ صدرِ ادارہ اور اراکین و جملہ معاونین کی کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین!

شعبہ تحقیق و تالیف

دارالمعارف، لاہور

۲۹/اپریل ۲۰۲۳ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عرضِ ناشر[1]

مقالات پروفیسر عبدالقیومؒ کی اشاعت مطبوعات ''المکتبة السلفیہ'' میں الحمدللہ ایک وقیع علمی اضافہ ہے۔ محترم پروفیسر صاحب علمی دنیا، خصوصاً حاملین علوم عربیہ واسلامیہ کے حلقہ میں محتاج تعارف نہیں۔ ان کے سیکڑوں شاگرد تعلیم، تدریس اور تحقیق کے میدان میں مصروف عمل ہیں۔ لاہور میں نصف صدی سے زیادہ انھوں نے تعلیم و تعلّم کی زندگی گزاری۔ وہ اصحاب علم کے قدر شناس، علم دوست اور علم پرور بھی تھے۔ طبعاً خلوت گزینی اور گوشہ نشینی کا مزاج رکھتے تھے۔ ان کا حلقہ احباب شاید اتنا زیادہ تو نہ ہو لیکن وہ اصحاب علم و فضل ہی پر مشتمل تھا۔

کالج کی سرگرمیوں اور مقالات نویسی کے علاوہ ان کی توجہ، محبت اور خدمت کا مرکز مسجد مبارک تھی۔ جس کی وہ بے لوث خدمت کرتے رہے اور جس کے ماحول کو انھوں نے حتی الامکان علمی اور سنجیدہ رکھا جو بفضلہٖ تعالیٰ اب بھی جاری و ساری ہے اور ان کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔

یہ گرانقدر علمی و تحقیقی مقالات انھوں نے زندگی کے مختلف ادوار میں تحریر فرمائے۔ ایک جلد تو وہ ترتیب دے بھی چکے تھے کہ عمر نے وفا نہ کی۔ اب وہ جلد اور ان کے دیگر بکھرے ہوئے مضامین اور بعض غیر مطبوعہ مقالات ان کے شاگرد محترم ڈاکٹر محمود الحسن عارف اور پروفیسر صاحب مرحوم کے بیٹے برادرم میجر (ر) زبیر قیوم نے اپنے شوق و تعاون سے دو جلدوں میں ترتیب دے دیے ہیں۔ ایک جلد میں علمی و تحقیقی مقالات ہیں

[1] یہ عرضِ ناشر سابقہ ایڈیشن (۱۹۹۷ء) کا ہے۔ اس میں معمولی لفظی اصلاح کی گئی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور دوسری میں مضامین وخطبات ہیں۔

اس علمی ودینی خدمت کا موقع دینے پر ہم ان کے صاحبزادگان خصوصاً میجر (ر) زبیر قیوم کے شکر گزار ہیں۔ ان مقالات کی طباعتی اغلاط اور اشاعتی خامیوں سے مطلع کرنے پر ہم اصحاب علم کے ممنون ہوں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کو محترم پروفیسر صاحب کے اعمال حسنہ میں شامل فرمائے اور مصنف کے ساتھ مرتبین اور ناشر کے والدین اور اساتذہ کے لیے بھی ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین!

احمد شاکر

ناظم

المکتبۃ السلفیۃ۔ لاہور

اکتوبر ۱۹۹۷ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اظہارِ تشکر[1]

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام

علی رسولہ الکریم، امابعد

یہ میرے اور میرے پورے خاندان کے لیے انتہائی خوشی اور مسرت کا موقع ہے کہ والد مرحوم کی وہ تمام تحریریں جو انھوں نے مختلف رسائل و جرائد کے لیے لکھیں اور جن تحریروں میں ان کی زندگی بھر کے ولولے، جذبے اور ان کے خیالات و افکار کی جولانیاں موجود ہیں، پہلی دفعہ چھپ کر منظر عام پر آ رہی ہیں۔

ہماری اس خوشی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان مقالات کی اشاعت مرحوم کی زندگی کی ایک اہم خواہش تھی جس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ مرحوم نے اپنی زندگی میں اس مجموعہ میں شامل بارہ اہم مقالات کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ اس کی کتابت بھی مکمل ہو چکی تھی، مگر اس کی اشاعت سے قبل آپ کی حیات مستعار کا وقت ختم ہو گیا۔

مقالات کے اس مجموعے میں مرحوم کے نادر اور اچھوتے موضوعات پر مقالات و مضامین شامل ہیں جن کی اہمیت کا حقیقی اندازہ ان کے مطالعے کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔

مقالات کے اس مجموعے کو مکمل کرنے میں ہمیں جن اہل علم کا تعاون حاصل رہا ان کا ذکر موجب طوالت ہو گا۔ ہم ان سب کے شکر گزار ہیں۔ خصوصاً ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب کے، جن کی کاوش سے یہ علمی جواہر پارے آپ تک پہنچ رہے ہیں۔

---

[1] یہ اظہار تشکر پچھلے ایڈیشن (۱۹۹۷ء) کا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مقالات کے اس مجموعے کو اہل علم کے استفادے کا ذریعہ بنائے اور اسے والد مرحوم کے درجات میں ترقی کا ذریعہ بنائے۔

میجر (ر) زبیر قیوم

بی بی جے پائپ انڈسٹریز

۳۲ فرسٹ فلور، بلال سنٹر، نکلسن روڈ، لاہور[1]

اکتوبر ۱۹۹۷ء

---

[1] موجودہ ایڈریس یہ ہے: بی بی جے ہاؤس۔ ۴۰ ایبٹ روڈ، لاہور

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ

ا۔ مقالات و صاحب مقالات

یوں تو زندگی آنے جانے کا نام ہے۔ یہاں کوئی آ رہا ہے اور کوئی جا رہا ہے۔ یہاں آنا نہ تو آنے والے کی مرضی سے ہوتا ہے اور نہ ہی جانے میں جانے والے کی مرضی کا عمل دخل ہے، مگر کچھ جانے والے ایسے ہوتے ہیں جن کی یادوں کے پھول سدا بہار رہتے ہیں اور دنیا کے چمن میں ان کی مشام انگیز خوشبو سے ایک دنیا معطر رہتی ہے۔ پروفیسر عبدالقیومؒ ایسے ہی ایک سدا بہار یادوں کی حامل شخصیت تھے۔ وہ صحیح معنوں میں اقبال کا مردِ مومن تھے۔ انھوں نے تمام زندگی ورع و تقویٰ، نیکی و پارسائی، عفت و پاک دامنی اور زہد و توکل کے ساتھ گزاری اور اسی کا دوسروں کو درس دیا۔ انھوں نے ہمیشہ اعلیٰ ترین انسانی اور اخلاقی اقدار و روایات کا علم بلند رکھا اور انھی پر عمل کرتے دنیا سے چلے گئے۔

(۱) خاندانی پس منظر

پروفیسر صاحب کے اجداد شوپیاں (علاقہ جموں و کشمیر) کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد محترم منشی فضل دین ولد عبداللہ ولد قادر بخش وہاں سے نقل مکانی کر کے لاہور میں رہائش پذیر ہوئے۔ انھوں نے لاہور میں ایک اچھے، محنتی اور بااصول ٹھیکیدار کی حیثیت سے نام کمایا اور اچھی اخلاقی روایات اپنی تمام اولاد کے لیے ورثہ میں چھوڑ گئے۔ مرحوم انجمن اہل حدیث لاہور کے بانی ارکان میں سے تھے۔

پروفیسر صاحب کے نانا مولوی سلطان احمد مرحوم بھی اپنے زمانے کے ایک جید عالم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دین تھے، جو کافی عرصہ انجمن اہلحدیث لاہور کے صدر اور جامع مسجد مبارک کے اعزازی خطیب رہے۔ آپ کے خاندان کی نیک شہرت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے ہاں متعدد اہل علم، مثلاً: مولانا قاضی سلیمان سلمان منصور پوری، مولانا سلیمان ندوی اور مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری کی آمد و رفت رہتی تھی۔ منشی صاحب اور ان کا خاندان ان کی میزبانی کر کے دلی مسرت محسوس کرتا تھا۔

اس خاندان کی علمی اور دینی یادگاروں میں مسجد مبارک کی تاسیس اور اس کی تعمیر و ترقی میں نمایاں حصہ لینا بھی شامل ہے۔ اس میں پروفیسر صاحب کے والد محترم اور نانا مولوی سلطان دونوں کا بڑا حصہ ہے۔

(۲) منشی فضل دین کی اولاد

منشی فضل دین (م ۱۹۵۸ء) بہت ہی خوش نصیب انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں کثیر المال ہونے کے ساتھ ساتھ کثیر الاولاد ہونے کا اعزاز بھی بخشا تھا۔ منشی صاحب کی تمام اولاد پڑھ کر اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز ہوئی۔ ان کے دو بیٹوں (پروفیسر عبدالقیوم، پروفیسر عبدالحیٰ) نے تعلیم میں نام کمایا۔ ایک بیٹے (عبداللہ بٹ) کو صحافت میں شہرت ملی، ایک بیٹا (محمد سلمان بٹ) پولیس میں اہم عہدے پر فائز رہا اور وطن دشمن عناصر کے خلاف دادِ شجاعت دیتے جان قربان کی۔ چار بیٹوں (ونگ کمانڈر عبدالسلام بٹ، سکواڈرن لیڈر محمد یحییٰ بٹ، ائر کموڈور محمد زکریا بٹ اور گروپ کیپٹن محمد یونس بٹ) نے ائرفورس میں نام کمایا۔

(۳) ولادت اور تعلیم و تربیت

پروفیسر صاحب کی ولادت ۱۵، جنوری ۱۹۰۹ء کو ہوئی۔ اس وقت آپ کے والدین اندرون موچی دروازہ میں رہائش پذیر تھے۔ خاندان میں چونکہ وہ دوسرے نمبر پر تھے اس لیے ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ مبذول رہی۔ آپ نے ابتدائی عمر میں قرآن مجید (ناظرہ) پڑھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ نے عصری تعلیم کا آغاز منشی فاضل کے امتحان سے کیا، جو آپ نے اورینٹل کالج لاہور میں داخل ہو کر ۱۹۲۶ء میں پاس کیا۔ بعد ازاں ۱۹۲۷ء میں پرائیویٹ امیدوار کے طور پر میٹرک کیا اور ایف اے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور سے کیا۔ اس وقت اس کالج میں بہت سے مشاہیر علوم اسلامیہ جدیدہ کی تعلیم پر مامور تھے، جن میں خصوصی طور پر مولانا روحی، علامہ عبداللہ یوسف علی، ایم اے غنی، سرالیگزنڈر ولسن، پروفیسر سراج الدین آرزو، سید عبدالقادر، مسٹر یوکرامت، پروفیسر غلام حسین، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی اور ڈاکٹر محمد دین تاثیر شامل تھے۔ پروفیسر صاحب نے ان سب سے استفادہ کیا۔

اسی کالج سے آپ نے ۱۹۳۲ء میں بی اے آنرز کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں ۱۹۳۴ء میں اورینٹل کالج لاہور سے ایم اے عربی کا امتحان پاس کیا۔ یہاں آپ کو پروفیسر محمد شفیع صاحب جیسے مشفق استاذ ملے جو اپنی مثال آپ تھے۔

۲۔ اعزازات اور کارنامے

(۱) میکلوڈ سکالرشپ کا حصول

جامعہ پنجاب میں اس زمانے میں ممتاز اہلیت کے حامل طلبہ کو متعدد سکالرشپ دیے جاتے تھے، جن میں ایک میکلوڈ سکالرشپ بھی تھا۔ جس وقت پروفیسر صاحب نے ۱۹۳۴ء میں ایم اے کا امتحان پاس کیا، اس وقت شعبہ عربی کے صدر اور اورینٹل کالج کے وائس پرنسپل ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم تھے۔ ڈاکٹر مولوی شفیع صاحب برصغیر پاک و ہند کے ممتاز اساتذہ اور محققین میں سے تھے۔ انھوں نے اعلیٰ تعلیم کیمبرج سے حاصل کی اور عمر بھر اورینٹل کالج میں عربی زبان و ادب کی تدریس پر مامور رہے۔ ڈاکٹر صاحب ہی آپ کے لیے اس مسند تک پہنچنے کا ذریعہ بنے تھے۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع سے پروفیسر صاحب کا علمی اور تحقیقی تعلق عمر بھر قائم رہا۔ ڈاکٹر صاحب بھی چار سال (۱۹۱۳ء تا ۱۹۱۶ء) اسی سکالرشپ پر کام کرتے رہے۔ ان سے قبل ڈاکٹر علامہ اقبال بھی اس پر کام کر چکے تھے۔ آپ نے اس عرصے میں لسان العرب کے اشاریے پر کام کیا، جسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بین الاقوامی سطح پر پذیرائی حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ آپ نے اس عرصے میں الحجازی کی ''نوادر الاخبار وظرائف الاشعار'' کو بھی ایڈٹ کیا۔ ۱۹۶۱ء میں جامعہ پنجاب نے آپ کو کیمبرج میں اعلیٰ تعلیم و تحقیق (پی ایچ ڈی) کے لیے منتخب کیا، مگر آپ بوجوہ نہ جا سکے۔

(۲) تدریسی خدمات

آپ نے ۱۹۳۹ء سے لے کر ۱۹۶۸ء تک تقریباً تیس سال کا زمانہ عربی زبان و ادب کی تدریس اور تحقیق میں صرف کیا۔ اس عرصے میں آپ لغت و ادبِ عربی کی تدریس پر مامور رہے۔ آپ نے زمیندارہ کالج گجرات، گورنمنٹ کالج ہوشیارپور، گورنمنٹ کالج لدھیانہ اور گورنمنٹ کالج لاہور میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ مؤخر الذکر مقام پر آپ اکیس برس (۱۹۴۷ تا ۱۹۶۸ء) تک مامور رہے۔ نیز اس عرصے میں آپ اعزازی طور پر اورینٹل کالج لاہور میں ایم اے (عربی) کے طلبہ کو بھی پڑھاتے رہے۔

اس عرصے میں آپ نے حسب ذیل مضامین کی تدریس کی:

- قدیم شاعری اور عروض (Classical Poetry and Prasody)
- جدید عربی ادب
- قدیم نثر
- اسلام کی ادبی و سیاسی تاریخ
- تاریخ ادبِ عربی

علاوہ ازیں آپ ایم فل اور پی ایچ ڈی کے طلبہ کی رہنمائی اور ان کے ممتحن کے فرائض بھی خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔

(۳) ماہرین کی آراء

آپ کی تدریس کے متعلق چند ماہرین کی آراء کا ذکر بھی مناسب ہوگا:

• ڈاکٹر سید عبداللہ کی رائے

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ آپ کی تدریس کے متعلق لکھتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''میں نے انھیں بہت ہی اعلیٰ درجے کا استاد اور بہت اچھا رفیق کار پایا۔ انھوں نے نہ صرف تدریس میں جامعہ پنجاب کے ساتھ بھرپور تعاون کیا، بلکہ ان تحقیقی منصوبوں میں بھی پورا پورا ہاتھ بٹایا جو جامعہ نے ترتیب دیے۔ انھوں نے بے شمار طلبہ کے ایم اے کے مقالات (Theses) کی نگرانی کی۔ جو لوگ عربی زبان وادب کا مطالعہ کرتے اور زبان وادب کے بعض پیچیدہ مسائل کے حل کے متلاشی رہتے ہیں، وہ اس شعبے میں ان کے تصنیفی کام سے بخوبی آشنا ہیں۔ وہ تقریباً دس برس تک جامعہ کی عریبک اینڈ پرشین سوسائٹی کے سیکریٹری رہے اور انھوں نے متعدد کانفرنسوں میں اعلیٰ تخلیقی و تحقیقی مقالات پیش کیے۔ انھوں نے لسان العرب کا ایسا اشاریہ تیار کیا ہے جسے اندرون و بیرون ملک کے ماہرین نے بے حد سراہا۔''

● ڈاکٹر محمد عنایت اللہ کی رائے

ڈاکٹر محمد عنایت اللہ صاحب کہتے ہیں:

''میں پروفیسر عبدالقیوم کو گورنمنٹ کالج کے زمانۂ تدریس سے، جہاں وہ ۱۹۴۷ء میں تبدیل ہو کر آئے تھے اور میرے رفیق کار رہے، جانتا ہوں۔ ان کا شعبۂ عربی کی تدریس میں اہم حصہ ہے اور اس شعبے کی کامیابی ان کے اخلاص، صمیم قلب سے ان کے تعاون اور ان کی روح پرور ہدایات کی رہین منت ہے۔ گورنمنٹ کالج لاہور کی اجازت سے وہ اورینٹل کالج میں ایم اے کی جماعت کو بھی پڑھاتے رہے۔ وہ مختلف سالوں میں مختلف پرچوں کے نگران بھی رہے۔ روز مرّہ کی تدریس کے علاوہ پروفیسر عبدالقیوم صاحب متعدد ایم اے کے طلبہ کے مقالات کی نگرانی بھی کرتے رہے۔ انھوں نے متعدد پی ایچ ڈی کے طلبہ کی (بطور گائیڈ) رہنمائی بھی کی۔ ان کے طلبہ ان کی نگرانی سے نہ صرف مطمئن رہے بلکہ ان کے تبحر علمی اور مطالعہ کی وسعت سے بہت متاثر ہوئے۔''

● مولانا عبدالعزیز میمنی کی رائے

مولانا صاحب پروفیسر مرحوم کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

"پروفیسر عبدالقیوم استاد عربی گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر تھے۔ موصوف گزشتہ بیس برس سے ایم اے کی تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ تجربہ، تحقیقات اور وسعتِ معلومات کے لحاظ سے موصوف پاکستان میں ایک ممتاز حیثیت رکھنے کے علاوہ بین الاقوامی شہرت بھی رکھتے ہیں۔"

الغرض! آپ معلّم کے طور پر انتہائی کامیاب اور مضمون میں ماہر مدرّس تھے۔ آپ کی تدریس سے گورنمنٹ کالج لاہور اور اورینٹل کالج لاہور کے عربی شعبے بڑی حد تک مستفید ہوئے۔ اپنی اس حیثیت سے آپ نے سیکڑوں طلبہ کی زندگیوں میں انقلاب پیدا کیا۔

۳۔ تصنیفی و تحقیقی خدمات

پروفیسر صاحب اپنے زمانے کے ایک نامور محقق بھی تھے، جن کے علم وفضل سے استفادے کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ آپ کی تدریسی خدمات کی طرح آپ کی تحقیقی و تصنیفی خدمات کی فہرست بھی خاصی طویل ہے۔ آپ نے چھوٹی بڑی تقریباً ۲۷ کتب تصنیف کی ہیں، جن میں سے بعض انتہائی اہمیت اور وقعت کی حامل ہیں۔ یہاں بطور مثال آپ کی دو تحقیقی کاوشوں کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے:

(۱) اشاریہ لسان العرب

پروفیسر عبدالقیوم صاحب نے اپنی زندگی میں جو تحقیقی کام کیے ان میں سے آپ کا ایک یادگار کارنامہ لسان العرب کا اشاریہ ہے۔ لسان العرب عربی زبان وادب کا وہ شاہکار ہے جس کی مثال دنیا کے ادب میں ملنا مشکل ہے۔ یہ عربی زبان کی ایک قدیم اور انتہائی مستند ڈکشنری ہے، جسے مؤلف نے بیس جلدوں میں مرتب اور مدوّن کیا، جسے وقت اشاعت چار جلدوں میں تقسیم کر دیا گیا؟ مگر اتنی اہم اور ضخیم کتاب اشاریہ کے بغیر تھی۔ خاص طور پر عربی اشعار اور شعراء کے اشاریے کی کمی بے حد محسوس ہوتی تھی، اس کمی کو آپ نے پورا کرنے کی کوشش کی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پروفیسر صاحب نے یہ اشاریہ دو حصوں میں مرتب کیا۔ ایک جلد میں ان شعراء کا حروف تہجی کی ترتیب سے تذکرہ ہے، جن کے اشعار لسان العرب میں بطور شواہد استعمال کیے گئے ہیں۔ ایک جلد میں ان اشعار وقوافی اور ان کی بحور کا ذکر ہے جن اشعار کا صاحب لسان نے مختلف الفاظ کے تحت حوالہ دیا ہے۔[1]

یہ کام چونکہ بین الاقوامی نوعیت کا حامل تھا، اس لیے بین الاقوامی سطح پر اس کی پذیرائی اور تعریف ہوئی۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے جب فہارس لسان العرب کا مطالعہ کیا تو معارف (شمارہ نمبر۳، جلد۲۴، ص۲۳۳) میں اس پر حسب ذیل تبصرہ کیا:

> ''خوشی کی بات ہے کہ لسان العرب، جو ابن منظور الافریقی (م۷۱۱ھ) کی کتاب ہے، کی یہ خدمت ایک ہندی نژاد کی قسمت میں آئی ہے۔ مولوی عبدالقیوم صاحب ایم۔اے ریسرچ سٹوڈنٹ پنجاب یونیورسٹی نے اس کام کو بڑی محنت سے انجام دیا ہے۔ انھوں نے پہلے تو یہ کیا ہے کہ لسان العرب میں جتنے شاعروں کے نام جہاں جہاں آئے ہیں ان کو یکجا کیا ہے اور پھر ان کو حروف تہجی پر ترتیب دیا ہے اور ہر جلد کے جس صفحہ میں وہ نام آئے ہیں ان کا حوالہ دیا ہے۔ اس طرح آپ نہایت آسانی سے یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ کس شاعر کا نام کہاں کہاں آیا ہے اور اس کے اشعار اس کتاب میں کہاں کہاں ہیں۔ اس کی دوسری جلد میں اشعار کی فہرست ہوگی کہ کون سا شعر اس میں ہے۔ یہ کام جتنی محنت، ہمت اور دیدہ ریزی کا ہے، اس کا اندازہ اہل علم ہی کر سکتے ہیں۔ مؤلف نے اپنی اس محنت سے خدا جانے کتنے عالموں اور طالب علموں کو تلاش کی محنت اور زحمت سے بچا دیا ہے۔''

اسی طرح کیمبرج برطانیہ کے مشہور مستشرق ایف کرنکو (F.KRENKOW) نے اسلامک کلچر (ISLAMIC CULTURE) حیدر آباد دکن (اپریل ۱۹۳۹ء) میں اس پر جامع تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

[1] فہارس لسان العرب کی پہلی جلد ''أسماء الشعراء'' پر مشتمل ہے۔ دوسری اور تیسری یعنی دو جلدوں میں ''قوافی'' کو جمع کیا گیا ہے۔ جبکہ چوتھی جلد ''أنصاف الأبیات'' پر مشتمل ہے۔ یہ چار جلدوں کا عمدہ سیٹ ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

''اشاریہ لسان العرب، اشاریہ اسمائے شعراء، مرتبہ عبدالقیوم، ایم۔ اے لاہور ۱۹۳۷- ۱۹۳۸ء۔ جب میں نے ۱۹۰۱ء میں لسان العرب کا اپنا نسخہ وصول کیا تو میں فوراً ہی اس بات کا قائل ہو گیا کہ عربی زبان کی اس سب سے عمدہ کتاب لغت میں جو شواہد پیش کیے گئے ہیں، انھوں نے اسے شاعری کی جامع بیاض بنا دیا ہے۔ میں نے ذاتی استعمال کے لیے اس کا ایک الف بائی اشاریہ بنا لیا۔ جس نے اشعار تلاش کرنے میں نہ صرف میری مدد کی، بلکہ میرے علاوہ بہت سے لوگوں کا کام بھی آسان کیا۔ اسی لیے میں مسٹر عبدالقیوم کے اس کام کو سراہتا ہوں، جس نے اس گراں قدر عربی ادب کو سب لوگوں کے مطالعے کے لیے آسان بنا دیا ہے۔ اس قوافی کے اشاریے سے ہمارے لیے بکھرے ہوئے اور متفرق اشعار کو باہم ملا کر مطالعہ کرنا آسان ہو گیا ہے۔

ایک اور نکتہ جو اس اشاریہ قوافی سے واضح ہوتا ہے، یہ ہے کہ اس سے ایک ہی نام کے دو شاعروں کا کلام ایک دوسرے سے متمیز کیا جا سکتا ہے۔ اس بات کا افتخار (Credit) بھی انھی (مولوی محمد شفیع) کو حاصل ہے کہ وہ حقیقی طور پر خالص ایک سائنسی انداز میں مصر اور یورپ سے کہیں بہتر طریقے سے نئی نسل کی عربی زبان و ادب میں تربیت کر رہے ہیں۔ میں شدید اشتیاق کے ساتھ بقیہ اشاریے کا انتظار کر رہا ہوں۔'' (اسلامک کلچر، حیدر آباد دکن، بابت ماہ اپریل ۱۹۳۹ء)

(۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں بطور مدیر اور سینئر مدیر خدمات

پروفیسر عبدالقیوم صاحب کا دوسرا عظیم الشان تحقیقی کارنامہ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ کی ترتیب، تدوین اور طباعت میں بطور مدیر اور سینئر مدیر خدمات ہیں۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ یہ عظیم الشان سعادت صرف پاکستان اور اردو کے حصے میں آئی ہے کہ دائرۂ معارف اسلامیہ اس میں مکمل ہوا ہے۔ ورنہ باقی اسلامی ممالک مثلاً: ترکی، عرب ممالک اور ایران میں دائرۃ المعارف ابھی تک مکمل نہیں ہو سکا۔ مولوی محمد شفیع، جو اس کے پہلے ڈائریکٹر اور صدرِ شعبہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

تعینات ہوئے تھے، پروفیسر صاحب کے خصوصی مربی اور استاد تھے، اس لیے آپ کا اس موسوعۂ علمیہ سے تعلق روزِ اول سے ہی قائم ہو گیا۔ یہ تعلق تینوں شعبوں، یعنی لائیڈن کے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (Encyclopaedia of Islam) کے ترجمہ، نظر ثانی اور اس کے لیے نئے نئے مقالات لکھنے تک وسیع تھا۔ بعد میں ۱۹۶۸ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد آپ اسی شعبے سے مستقل طور پر وابستہ ہو گئے۔

یہاں بطور مدیر اور سینئر مدیر آپ نے جو فرائض انجام دیے، ان کی تفصیل بہت طویل ہے، البتہ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے اس کے لیے بے شمار مقالات کا ترجمہ اور نظر ثانی کی۔ بہت سے موضوعات پر نئے مقالات لکھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ اس ادارتی ٹیم میں شامل تھے جس نے اردو دائرۂ معارف اسلامیہ کی نہ صرف تکمیل کی بلکہ اس میں وہ مشرقی اور اسلامی رنگ پیدا کیا جس پر بجا طور پر ناز کیا جا سکتا ہے اور جس کی بنا پر اردو دائرۂ معارف اسلامیہ محض لائیڈن کے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا ترجمہ ہی نہیں رہا بلکہ اس کے علاوہ بھی اس میں بہت کچھ شامل ہو گیا ہے۔

علاوہ ازیں جس زمانے میں مرحوم اورینٹل کالج لاہور میں عربی کی تدریس پر مامور تھے، اس زمانے میں ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم کی صدارت میں ''عربیک اینڈ پرشین سوسائٹی'' کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے تحت ایک جریدہ (جرنل آف عربیک اینڈ پرشین سوسائٹی) شائع ہوتا تھا۔ اس میں بہت سی تصنیفی و تحقیقی خدمات انجام دی جاتی تھیں۔ آپ ایک مدت تک اس کے جنرل سیکریٹری رہے۔

(۳) بحیثیت عظیم علمی وفکری رہنما

پروفیسر صاحب کو علوم اسلامیہ اور علوم عربیہ میں اعلیٰ ترین مہارت اور تبحر حاصل ہونے کے باعث اپنے وقت میں ایک ممتاز علمی اور فکری رہنما کا مقام حاصل ہو گیا تھا۔ چنانچہ آپ کا دروازہ ہر خاص و عام کے لیے ہمہ وقت کھلا رہتا تھا اور آپ کے ہاں سے رہنمائی کے لیے کسی تخصیص یا سفارش کی ضرورت نہ تھی۔ بلاشبہ آپ قوم کے ایک ایسے مخلص اور قومی درد رکھنے والے رہنما تھے جو معاشرے کی صفوں میں رہ کر خاموشی اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملی درد کے ساتھ اپنا کردار ادا کرتے رہتے ہیں۔ پاکستان کے مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور ایم۔اے، پی ایچ ڈی کے طالب علموں کا آپ سے رہنمائی کے لیے تانتا بندھا رہتا تھا۔ آپ کی وسعتِ علمی کے پیش نظر بعض بیرونی محققین بھی آپ سے مشاورت اور علمی و تحقیقی رہنمائی کے لیے حاضر ہوتے اور آپ کے علم و فضل سے مستفید ہو کر واپس لوٹتے تھے۔

(۴) بحیثیت ایک عظیم مخلص انسان

آپ کی ذات بحیثیت مخلص و بے لوث انسان ایک مثالی نمونہ تھی۔ آپ اپنوں کے تو کام آتے ہی تھے، دوسروں اور اجنبی افراد سے بھی ہر طرح کا تعاون کیا کرتے تھے۔ اپنی زبان اور اپنے قلم کی حفاظت آپ کا ہمیشہ معمول رہا۔ خاکسار نے کبھی آپ کو اپنے دوستوں کی مجلس میں اخلاق و معیار سے گری ہوئی گفتگو کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

دوست احباب اور اپنے خدّام و ملازمین کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کرنا آپ کا معمول تھا۔ آپ کی گفتگو ہمیشہ مہذب اور شائستہ ہوتی تھی۔

آپ ایک دیندار، مہذب و متشرع شخص تھے۔ آپ کا قول آپ کے فعل کا اور آپ کا فعل آپ کے قول کا آئینہ دار تھا۔ آپ نماز اتنے اطمینان اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرتے کہ رشک آتا۔ نماز میں تمام مسنون دعائیں پڑھتے تھے۔

قیام اللیل کا اکثر معمول تھا۔ خاص طور پر رمضان المبارک کی راتوں میں اکثر طویل قیام کرتے اور صبح کو دفتر میں حاضری کا معمول بھی جاری رہتا۔ قرآن مجید اور حدیث نبوی سے گہرا شغف تھا۔ قرآن مجید کے رسم الخط اور اس کے طریقۂ املاء و کتابت پر پاکستان بھر میں آپ اتھارٹی سمجھے جاتے تھے۔ قرآنی رسم الخط کی معمولی سے معمولی غلطی بھی آپ کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہتی تھی۔ انجمن حمایت اسلام کے نسخۂ قرآنی کی تصحیح میں پروفیسر صاحب کا بھی بڑا حصہ ہے، جو برصغیر پاک و ہند میں تصحیحِ متن اور املاء کے اعتبار سے مستند ترین نسخہ تصور کیا جاتا ہے۔

پروفیسر صاحب مسلک و مشرب کے اعتبار سے ''اہل حدیث'' ہونے کے باوجود

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسرے مسالک کے لیے حد درجہ احترام اور محبت کے جذبات رکھتے تھے۔ آپ دیگر مسالک بالخصوص ''اَحناف'' کا خصوصی احترام کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے مجموعہ مضامین و مقالات میں سید الاحناف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر بھی ایک مستقل مضمون ملتا ہے، جس میں آپ نے امام صاحب کی ذات کو واضح الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ مزید برآں آپ کے حلقۂ احباب میں ہر مسلک و مشرب کے لوگ شامل تھے۔

آپ کو صوفیائے کرام سے بھی بے حد محبت تھی۔ چنانچہ آپ نے متعدد صوفیہ، مثلاً: ابراہیم بن ادھم، امام غزالی، مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور خواجہ محمد معصوم رحمہم اللہ وغیرہ پر مستقل مقالات لکھے ہیں۔

آپ بہت اچھے میزبان تھے۔ دوست احباب اور عزیز و اقارب کی میزبانی کے فرائض انجام دے کر آپ کو بے حد خوشی اور مسرت محسوس ہوتی تھی۔ آپ کا گھر ہمیشہ دارالضُیوف رہا، جہاں دور دراز سے لوگ آتے رہتے تھے۔

اپنے خدّام کے ساتھ آپ کا رویہ مہر و محبت اور شفقت و نرمی کا تھا۔ آپ ان کے دکھ درد میں کام آتے۔ اگر کسی کو قرض کی ضرورت ہوتی تو خندہ پیشانی سے قرض مہیا کرتے اور اگر کسی کا کوئی مسئلہ ہوتا تو اس کے حل کی مناسب کوشش کرتے۔

پروفیسر صاحب بڑے صابر اور ہمت والے شخص تھے۔ آپ کی صحت بہت اچھی بلکہ مثالی تھی۔ دیکھنے والے انھیں اسّی سال کی عمر میں بھی دوسروں سے زیادہ ہشّاش بشّاش دیکھتے۔ اگر کوئی تکلیف ہو جاتی تو اسے خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔

آپ کو کچھ عرصے سے معدے کے السر کی تکلیف تھی، مگر کمال ضبط و تحمل کا یہ عالم تھا کہ آپ نے گھر میں یا گھر کے باہر کسی شخص کو بھی اپنی تکلیف سے آگاہ تک نہ کیا۔

بیماری کے دوران میں آپ کو بے حد صابر و قانع پایا گیا۔ آپ کو بیک وقت تین موذی بیماریوں کا سامنا تھا: پیشاب کی بندش، معدے میں السر اور گلے میں کینسر کی تکلیف تھی۔ آپ نے کئی ماہ بستر علالت پر پڑے پڑے ہی گزار دیے، مگر بایں ہمہ آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی زبان پر کوئی حرف شکایت نہیں آیا، بلکہ لوگوں نے آپ کو ہمیشہ صابر اور راضی بقضا ہی پایا۔ الغرض! مرحوم بہت ہی اعلیٰ خصوصیات اور بلند اوصاف و کمالات کے حامل شخص تھے۔

(۵) وفات

آپ چار ماہ بستر پر گزار کر ۸ ستمبر ۱۹۸۹ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ۹ ستمبر کی صبح دس بجے میانی قبرستان میں آپ کے خاندان کے دوسرے افراد کے قریب آپ کو دفن کیا گیا (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات اپنے ہاں بلند فرمائے۔ آمین!

ذیل میں آپ کی علمی و تصنیفی خدمات کا مختصراً تذکرہ کیا جاتا ہے:

۴۔ تحقیقی و علمی تصانیف

اس موضوع پر آپ نے حسب ذیل کتابوں کی تصنیف/تحقیق فرمائی:

(۱) اشاریہ شعرائے لسان العرب، مطبوعہ اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

(۲) فہرس قوافی، لسان العرب، مطبوعہ اوری اینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ (۲ جلد)۔

(۳) فہرس أنصاف الأبیات، لسان العرب، مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی۔[۱]

(۴) تحقیق کتاب نوادر الأخبار وظرائف الأشعار، از شہاب الدین احمد الحجازی، مخطوطہ، مخزونہ کتاب خانہ جامعہ پنجاب، لاہور۔[۲]

(۵) تاریخ ادب عربی، عربی کتاب الوسیط کا اردو ترجمہ۔

(۶) تاریخ ادبیاتِ پاکستان و ہند، جلد اول، بحیثیت مدیر خصوصی

(۷) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، تقریباً ۲۱ جلدیں بحیثیت مدیر اور سینئر مدیر

[۱] یہ کتاب مطبوع ہے۔ فہارس لسان العرب، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۷

[۲] اس کتاب کے ترجمہ اور رجال پر کام ہو چکا ہے۔ جلد ہی یہ کتاب عربی اور اردو میں طبع ہو جائے گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۸) Specimens of Arabic Literature and Poetry for English Readers.

(۹) Aid to the Study of Simt ud Durar[۱]

(۱۰) Biography and Criticism

(۱۱) Arabic Grammer (English)

(۱۲) Poems of the Desert

یہ تینوں کتابیں مطبوع ہیں۔

(۱۳) مقالات پروفیسر عبدالقیوم (اردو، حصہ اول ودوم)

(۱۴) مقالات پروفیسر عبدالقیوم (انگریزی، زیر ترتیب)[۲]

طلبہ کی رہنمائی کے لیے لکھی گئی تصانیف

مذکورہ بالا خاص علمی کتب کے علاوہ پروفیسر صاحب نے حسب ذیل کتابیں میٹرک سے لے کر ایم۔اے تک کے طلبہ کی رہنمائی کے لیے تصنیف فرمائیں:

(۱۵) آئینہ اسلامیات، حصہ اول۔ بی اے و مابعد کے امتحانات کے لیے، مطبوعہ انڈس پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۶۶ء

(۱۶) آئینہ اسلام، بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن کے جدید نصاب کے مطابق، ایف۔اے کے طلبہ کے لیے، مطبوعہ یونیورسٹی بک ایجنسی، ۲ کچہری روڈ، لاہور۔

(۱۷) فہم اسلام، بی۔اے کے طلبہ اسلامیات کے لیے، مطبوعہ یونیورسٹی بک ایجنسی، لاہور ۱۹۵۷ء

(۱۸) رہبر اسلامیات، ڈگری کلاسز کے طلبہ کے لیے، فضل اقبال صدیقی کے فرضی نام سے، مطبوعہ یونائیٹڈ پبلشرز، لاہور

---

۱ یہ کتاب ماڈرن بک ڈپو سے ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئی۔

۲ دارالمعارف سے پروفیسر عبدالقیوم کی تین انگریزی کتب شائع ہو چکی ہیں اور کتاب سرائے اردو بازار لاہور پر دستیاب ہیں۔ تفصیل زیر نظر کتاب کے آخر میں دیکھیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۱۹) مطالعہ اسلامیات، برائے بی۔ اے سال اول، تعارف قرآن و حدیث، مطبوعہ پبلشرز یونائیٹڈ ۱۹۶۲ء لاہور

(۲۰) خلافت راشدہ، بی۔ اے اسلامیات آپشنل کے طلبہ کے لیے، مطبوعہ انڈس پبلشنگ ہاؤس لاہور۔

(۲۱) تاریخ اسلام، قبل از اسلام سے لے کر زوال بنو عباس تک، مطبوعہ انڈس پبلشنگ ہاؤس لاہور۔

(۲۲) مختصر تفسیر سورۃ الأنفال، ضمیمہ رہبر اسلامیات، سورۃ الأنفال مع اردو ترجمہ و مطالب، مطبوعہ پبلشرز یونائیٹڈ لاہور۔

(۲۳) آئینہ اسلامیات (حصہ دوم)، سورۃ النساء مع ترجمہ و مطالب، مطبوعہ انڈس پبلشنگ ہاؤس لاہور۔

(۲۴) اسلامی تعلیم، طلبائے انٹرمیڈیٹ کے لیے، مطبوعہ پبلشرز یونائیٹڈ ۱۹۵۳ء، لاہور۔

(۲۵) علوم اسلامیہ، بارہویں جماعت کے طلبہ اسلامیات کے لیے، مطبوعہ پبلشرز یونائیٹڈ ۱۹۶۲ء، لاہور۔

(۲۶) مدارج الأدب، حصہ اول۔

(۲۷) مدارج الأدب، حصہ دوم۔

(۲۸) مدارج الأدب، حصہ سوم۔ مطبوعہ پبلشرز یونائیٹڈ ۱۹۵۳ء لاہور۔

(۲۹) مدارج القواعد[1]

(۳۰) سورۃ الأحزاب مع ترجمہ و مطالب۔[2]

---

[1] اس کتاب کا ذکر آئینہ اسلام میں موجود ہے۔

[2] یہ کتاب ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہمیں جو نسخہ ملا ہے اس پر پروفیسر صاحب نے اپنے قلم سے یکم جون ۱۹۵۶ء لکھ کر مسجد مبارک کی لائبریری کے لیے وقف کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵۔ مقالات کا زیرِ نظر مجموعہ

پروفیسر صاحب کے مقالات علمی جواہر پارے ہیں۔ ان مقالات کے مطالعے سے علم و ادب کے کئی مخفی گوشے سامنے آتے ہیں اور بہت سے حقائق و معارف سے آگاہی ہوتی ہے۔ افادہ عام کے لیے مرحوم کے تمام مقالات کو یکجا کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔

ان میں سے کچھ مقالات تو وہ ہیں جو مرحوم اپنی زندگی میں ایک مجموعہ میں مرتب کر گئے تھے، مگر ان کی اشاعت کی نوبت نہ آ سکی۔ کچھ مقالات مختلف علمی رسائل و جرائد میں طبع ہو کر داد تحقیق پا چکے ہیں، جبکہ کچھ مقالات ابھی تک قلمی صورت میں محفوظ تھے۔ ان تمام کو موضوعی ترتیب میں یکجا کر دیا ہے۔ کوشش کی ہے کہ یہ علمی جواہر پارے بہتر سے بہتر شکل میں اہل علم تک پہنچ جائیں۔ بایں ہمہ اگر ان مقالات کی ترتیب و تدوین میں کوئی کوتاہی نظر آئے تو ہم اس پر پیشگی معذرت خواہ ہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ زیرِ نظر مقالات ادب عربی اور علوم اسلامیہ سے شغف رکھنے والوں کی دلچسپی اور ان کی معلومات میں اضافے کا باعث ہوں گے۔

۶۔ مقالات پر ایک نظر

پروفیسر عبدالقیوم مرحوم و مغفور کے جو مقالات اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہیں، یہ مرحوم کی زندگی بھر کی وہ متاع ہے جسے قطرہ قطرہ کر کے جمع کیا گیا ہے۔ یہ مقالات مرحوم نے اپنی زندگی کے مختلف ایام میں لکھے۔ ان میں ایسے مقالات بھی ہیں جو اس وقت (۱۹۳۴۔۱۹۳۸ء میں) مرتب کیے گئے۔ تب آپ پنجاب یونیورسٹی میں ریسرچ سکالر کے طور پر اپنا تحقیقی کام انجام دینے میں مصروف تھے۔ اس زمانے کے مقالات میں قلم کی روانی، جوش کی فراوانی اور تحقیق کا گہرا جذبہ واضح طور پر نظر آتا ہے۔ لسان العرب اور صاحب لسان العرب، الحجازی اور ابن حجر عسقلانی وغیرہ پر مقالات اس کی عمدہ مثال ہیں۔

مقالات کی دوسری قسط اس زمانے میں مرتب کی گئی جب آپ گورنمنٹ کالج

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لاہور میں بطور استاذ لغۃ العربیہ خدماتِ تدریس انجام دینے میں مصروف تھے۔ جوش و فراوانیِ تحقیق کے ساتھ ساتھ پختگیِ عقل اور تجربے کی مہارت وغیرہ کی کارفرمائیاں ان مقالات کی خصوصیت ہیں۔

زندگی کے آخری دور (۱۹۸۸-۱۹۸۹ء) کے دوران میں آپ نے زیادہ تر تدریسی اور خطابتی نوعیت کے مضامین و مقالات لکھے۔ اس دور میں ریڈیو کی تقاریر اور مختلف کانفرنسوں یا اجتماعات میں پڑھے گئے مقالات ملتے ہیں، جن میں ایک واعظ کا درد، ایک مخلص رہنما کی فکر اور پختہ کار استاد کی خیر خواہی کے جذبات موجزن نظر آتے ہیں۔

الغرض! تحقیق و مطالعے کی گہرائی اور اسلوب تحریر کی بنا پر یہ مقالات دو حصوں میں منقسم نظر آتے ہیں:

(۱) تحقیقی وتنقیدی مقالات (۲) خطبات و مضامین

جہاں تک تحقیقی وتنقیدی مقالات کا تعلق ہے، انھیں پھر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ حصہ جس میں آپ نے ہر بات اور ہر روایت و آیت کا باقاعدگی کے ساتھ حوالہ دینے کا التزام کیا ہے۔ اس نوع کے مقالات تعداد میں کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ دوسرا حصہ ایسے مقالات پر مشتمل ہے، جن کا انداز تو بہت محققانہ ہے، مگر ان مقالات میں ہر بات کے لیے حوالہ دینے کا اہتمام نہیں کیا گیا، گو جزوی طور پر ان مقالات میں بھی جا بجا کتابوں کے حوالے نظر آتے ہیں۔[۱]

رہے خطبات و مضامین تو ان میں شاذ و نادر ہی کوئی حوالہ دیا گیا ہے۔ البتہ ان کا انداز عملی پختگی اور بصارت کا مظہر ہے۔ حوالہ نہ ہونے کے باوجود بھی ہر بات پختہ کاری اور اعلیٰ فکر و تحقیق کی نمائندہ نظر آتی ہے۔

جہاں تک اسلوب و انداز تحریر کا تعلق ہے، پروفیسر صاحب کا اسلوب مکمل طور پر اپنا ایک منفرد اسلوب ہے۔ تاہم اس پر مولانا شبلی نعمانی، مولانا سید سلیمان ندوی، بالخصوص ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کے اسلوب تحریر کا ہلکا سا پرتو بھی نظر آتا ہے۔ یہ اسلوب تحریر بیک وقت

[۱] اب ان میں حوالے لگا دیے گئے ہیں۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ایک طرف تو محققانہ اور عالمانہ ہے اور دوسری طرف توضیحی انداز و اسلوب لیے ہوئے ہے۔ آپ کی تحریر میں قاری کے سامنے ایک ایسی شخصیت جلوہ فرما نظر آتی ہے جو اپنے موضوع کے ہر پہلو پر حاوی ہے۔ جس کی معلومات کا میدان بے حد وسیع ہے اور وہ اس میں سے ایک ایک کر کے معلومات قارئین تک پہنچاتی چلی جاتی ہے۔ تا آنکہ قاری کا ظرف پُر ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ موضوع اپنے اختتام کو پہنچ جاتا ہے۔

آپ کے اسلوب تحریر میں یہ بات بڑی نمایاں ہے کہ آپ نے میدان تحقیق میں اکثر و بیشتر اپنا راستہ خود تلاش کیا ہے۔ آپ لگے بندھے اسلوب کی پابندی خود پر ضروری نہیں سمجھتے اور نہ ہی کسی خاص نقطۂ نظر کی ترجمانی اپنے لیے ضروری خیال کرتے ہیں۔ آپ خیالات و افکار کے ہجوم میں سے اپنا راستہ خود تلاش کرتے ہیں اور اپنے راستے کی حفاظت کا فریضہ بھی خود ہی انجام دیتے ہیں۔

حجاج بن یوسف مسلم تاریخ کی ایسی شخصیت کا نام ہے جس کے لیے ہر مسلمان کے دل میں حقارت ونفرت کے جذبات موجود ہیں، مگر پروفیسر صاحب نے اپنے مقالات میں اس تاریخی شخصیت کے متعلق پہلی مرتبہ تاریخ کی گرد ہٹائی ہے اور اس کے نیچے سے حجاج بن یوسف کا اصلی چہرہ قارئین کرام کو دکھانے کی پوری کوشش کی ہے، جو یقیناً ویسا نہیں ہے جو عام طور پر نظر آتا ہے۔ یہ بات آپ جیسا پختہ کار محقق ہی کر سکتا ہے۔

مصری علماء میں سے ڈاکٹر قاسم امین کی ذات مصر و عرب میں ہمیشہ معتوب رہی ہے۔ اس کی کتاب تحریر المرأۃ (عورت کی آزادی) کی بنا پر تمام مذہبی لوگ اس کے سخت ترین مخالف ہو گئے تھے۔ مگر پروفیسر صاحب کا قلم آپ کے مذہبی خیالات کے باوجود اس کی حمایت میں شدومد سے چلا ہے اور اس کے متعلق نہایت عمدہ اور اعلیٰ خیالات پیش کیے ہیں۔

السخاوی رحمہ اللہ اور السیوطی رحمہ اللہ کے باہمی مقابلے میں اکثر لوگوں نے السخاوی کا ساتھ دیا ہے۔ اس لیے کہ وہ ایک عظیم مؤرخ اور محقق ہونے کے ساتھ ساتھ ابن حجر العسقلانی کے نامور ترین شاگرد اور تربیت یافتہ بھی ہیں۔ ان کے مقابلے میں عام طور پر

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

السیوطی رحمہ اللہ کو موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ مگر آپ نے اس تاریخی غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے اور السیوطی کی مظلومیت اور السخاوی کے قلم کی ان کے متعلق بے احتیاطیاں بلکہ زیادتیاں واضح کی ہیں۔

جہاں تک ان مقالات کے موضوعات کا تعلق ہے، اس کی تفصیل تو ان کے مطالعے سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ یہاں مختصراً یہ عرض کیا جا سکتا ہے کہ پروفیسر صاحب کے مقالات حسب ذیل موضوعات پر مشتمل ہیں:

۷۔ تاریخ علوم قرآن و علومِ حدیث و علمِ سیرت

پروفیسر صاحب کو قرآن مجید، حدیث نبویہ اور سیرت طیبہ سے والہانہ قلبی تعلق اور خصوصی لگاؤ تھا۔ ان موضوعات پر آپ سند سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ اس حوالے سے آپ کے بہت سے مقالات اور مضامین ہیں، جن کے مطالعے سے ذہنی اور فکری گرہیں کھلتی ہیں اور انسانی ذہن و فکر کی وسعتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ تاریخ علوم اسلامیہ اور سیرت طیبہ پر آپ نے دو خاکے بھی مرتب فرمائے ہیں، جن پر غالباً آپ مستقل کتب لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے، مگر زندگی نے آپ کو مہلت نہ دی۔

یہ خاکے آپ ہی کے الفاظ میں اس مجموعے میں شامل کر دیے گئے ہیں۔

۸۔ برصغیر پاک و ہند کی مسلم تاریخ و تہذیب

برصغیر پاک و ہند کے مسلمان علماء، ان کی تحقیقی کاوشیں اور یہاں کی تہذیب و تاریخ آپ کا خصوصی موضوع ہے۔ اس عنوان پر آپ کو شروع سے ہی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی جو کہ آخر تک برقرار رہی۔ ان مقالات میں اس حوالے سے متعدد مضامین نظر آتے ہیں۔

۹۔ مصری تاریخ و تمدن

برصغیر پاک و ہند کے بعد عربی، بالخصوص مصری تاریخ و تمدن پروفیسر صاحب کا خصوصی میدان تحقیق ہے۔ اس کے بارے میں آپ کے مقالات و مضامین پر ایک نظر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرحوم کو اس موضوع سے خاص دلچسپی تھی اور اس حوالے سے آپ کو اتنی معلومات حاصل تھیں جو آپ کے معاصر مصری علما کو بھی شاید ہی حاصل ہوں۔ آپ نے نامور عربی اور مصری ادبا، شعرا اور علماء وفضلا پر قلم اٹھایا ہے اور ان پر خوب دادِ تحقیق دی ہے۔ آپ کے اس موضوع پر مقالات ومضامین بلاشبہ قارئین کی معلومات میں بے حد اضافے کا موجب ہیں۔

۱۰۔ تاریخ اہل حدیث

اس کے علاوہ مرحوم کو اپنے مسلک ومشرب، یعنی تاریخ اہل حدیث سے بھی بہت گہری دلچسپی تھی۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں اہل حدیث پر جو مقالہ موجود ہے وہ آپ ہی کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔[1] ان مقالات میں بھی آپ اس موضوع پر پروفیسر صاحب کے متعدد مضامین پائیں گے، جو قاری کی معلومات میں اضافے کا باعث ہیں۔

۱۱۔ تصوّف واہل تصوف

مکتب اہل حدیث سے تعلق رکھنے کے باوجود پروفیسر صاحب کو تصوف اور اہل تصوف سے گہری دلچسپی اور عقیدت تھی۔ یہاں بھی آپ کا منفرد اسلوب اور پختہ کار اندازِ تحریر پوری عمدگی کے ساتھ نمایاں ہے۔ آپ نے تصوف اور اہل تصوف پر لکھتے وقت ان کے متعلق اپنے ہم مسلکوں کے رویے اور ان کے نقطہ نظر کا قطعاً کلی خیال نہیں رکھا، بلکہ ان کا خود انھی کے اہل قلم کے مستند حوالوں اور توصیفی پیرائے میں تذکرہ کیا ہے۔ اس سے اس بات کا بخوبی اظہار ہوتا ہے کہ آپ نے تحقیق وتفحص میں اپنا راستہ خود تلاش کیا ہے۔

۱۲۔ تشریحات قرآن وسنت

آپ نے قرآن مجید کی کچھ آیات اور احادیث طیبہ پر بھی بعض تشریحی مضامین لکھے ہیں، جو دراصل آپ کی ریڈیو اور دیگر مجالس میں کی گئی تقاریر پر مشتمل ہیں۔ ان تشریحات

---

[1] دیکھیے اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۳/ ۵۷۹-۵۸۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں آپ قرآن وسنت کے ایک عظیم سکالر اور ایک قومی مفکر و رہنما نظر آتے ہیں۔

۱۳۔ سفر نامہ

۱۹۸۳ء میں آپ نے ہالینڈ، برطانیہ اور حجاز مقدس کا سفر کیا۔ اس کا سفر نامہ لکھا، جو بڑا دلچسپ اور معلومات افزا ہے۔

۱۴۔ کتب پر تبصرے

مزید برآں کچھ مضامین مختلف کتب پر تنقید و تبصرے پر مشتمل ہیں، جن سے آپ کے مطالعے کی وسعت اور آپ کی بصیرت کی گہرائی کا علم ہوتا ہے۔[۱]

الغرض! یہ مقالات گوناگوں خوبیوں اور متنوع خصوصیات کے حامل ہیں، اس کا صحیح اندازہ ان کے مطالعے سے ہی ممکن ہے۔

آخر میں اگر مرحوم کے خاندان کا شکریہ ادا نہ کیا جائے تو یہ احسان ناشناسی ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان مقالات و مضامین کی تالیف و کتابت کا تمام افتخار (Credit) آپ کے صاحبزادے میجر (ر) زبیر قیوم کو جاتا ہے۔ انھوں نے نہ صرف ان تمام مضامین کو اکٹھا کیا بلکہ ان کی ترتیب و تدوین میں بھی قدم قدم پر مدد کی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ان مقالات و مضامین کو ملک و قوم کے لیے استفادہ اور استفاضہ کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

ڈاکٹر محمود الحسن عارف
بیت العرفان، رحمان پارک
گلشن راوی، لاہور

---

[۱] زیر نظر طبع میں پروفیسر صاحب کی تین اہم کتب بھی شامل کی گئیں: مبادیات مطالعۂ قرآن، حدیث وفقہ، شرح اربعین نووی اور اربعین عبدالقیوم۔ اس کے علاوہ پانچ نئے مقالات بھی شامل کیے گئے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن مجید
اور
علوم اسلامیہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن مجید اور علوم اسلامیہ[1]

قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا اور ایک ایسے زمانے میں نازل ہوا جب مروجہ علوم وفنون کا کوئی وجود نہ تھا۔ عربی زبان میں قرآن مجید پہلی اور آخری کتاب ہے۔ اس سے پہلے کوئی آسمانی کتاب عربی زبان میں نہیں ملتی۔ لے دے کر عربوں کا کل علمی سرمایہ شعروشاعری اور چند خطبات تھے۔ قرآن مجید کے نزول کے بعد عربی اور اسلامی علوم نے ساری دنیا کو محوِ حیرت کر دیا۔[2]

قرآن، علوم اسلامیہ کا سرچشمہ

قرآن مجید ایک الہامی اور انقلاب آفریں کتاب ہے۔ اس نے اُمّی اور جاہل لوگوں کو علوم و معارف کی قیادت و سیادت بخشی۔ صحرا میں بسنے والے شتربانوں کو علم و حکمت کی اجارہ داری عطا کر دی۔ قرآن مجید کی بدولت مسلمانوں نے اس وقت کے علوم وفنون کی تدریس وتعلیم اور تالیف وتصنیف کی جانب توجہ دی اور دنیا کی قیادت و رہنمائی کی۔ اُس وقت سارا یورپ جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں گم تھا اور دنیا کے اکثر حصوں میں بسنے والے لوگ علوم ومعارف کے نام تک سے ناآشنا تھے۔

قرآن مجید نے عربوں کے اخلاق و اطوار بدلے، ان کے عقائد و ایمان کی اصلاح کی، انھیں روحانیت کے اعلیٰ مراتب پر پہنچایا اور نئی اقتصادی اور معاشرتی اقدار سے بہرہ ور کیا۔ قرآن مجید کے عظیم احسانات میں ایک بڑا احسان یہ ہے کہ اس مقدس اور پاک کتاب کی بدولت بے شمار علوم معرض وجود میں آ کر پروان چڑھے۔ ان سے عربی زبان و ادب کا دامن علم وحکمت سے اس طرح بھر گیا کہ پھر عربوں نے یہ گوہر

---

[1] بشکریہ مجلہ مرغزار، گورنمنٹ ڈگری کالج، شیخوپورہ، جون:۱۹۶۶ء

[2] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، عنوان:علم، ۱۴۱،۱/۴۸۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہائے نایاب بڑی فیاضی اور فراخدلی سے ساری دنیا میں لٹائے اور ہر خطۂ ارضی کو ان علوم سے بہرہ اندوز ہونے کا وافر موقع بہم پہنچایا۔[1]

ہمارا یہ موضوع گو بے حد وسیع و عریض ہے، تاہم وقت کی قلت کے پیشِ نظر ہم حتی الاِمکان اسے سمیٹنے اور مختصر کرنے کی کوشش کریں گے۔

قرآنِ مجید نے مختلف علوم و معارف کی جانب جو توجہ دلائی ہے وہ کبھی تو اشارہ و کنایہ کے انداز میں ہے اور کبھی وضاحت و صراحت کے ساتھ۔ کہیں تو اختصار و ایجاز سے کام لیا ہے اور کہیں بڑی تفصیل و تشریح سے بات سمجھائی ہے۔ قرآن مجید نے اوامر و نواہی اور احکام کے ساتھ انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات و واقعات بھی سنائے ہیں۔ کائنات کی تخلیق، حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش، سلسلۂ نبوت کی مختلف کڑیوں کا ذکر، احوالِ آخرت اور جنت و دوزخ بھی قرآن مجید کا موضوع ہے۔ عقائد و ایمانیات، اخلاق و عبادات، حدود و تعزیرات، تدبیر منزل، نظام سلطنت اور فلسفۂ عروج و زوال سے بھی قرآن مجید بحث کرتا ہے۔[2]

قرآن کی چند اہم تفاسیر

قرآن مجید کی بدولت جو علوم معرض وجود میں آئے ان میں سب سے اہم، اشرف اور افضل علم، تفسیر قرآن کا ہے۔ تفسیر کے ذریعے قرآن مجید کے مطالب و معانی کی وضاحت و صراحت مقصود ہوتی ہے۔ ویسے تو علم تفسیر عہد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے شروع ہو چکا تھا، لیکن باضابطہ، مستند اور جامع تفسیر کا آغاز امام محمد بن جریر الطبری کی تفسیر سے ہوا۔ امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اپنے زمانے تک کی تمام تفسیری معلومات کو جمع کر دیا ہے، تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے تمام مروجہ معلومات دستیاب ہو سکیں۔ انھوں نے جو کچھ اہل فن اور اساتذۂ تفسیر سے سنا اسے قلمبند کر دیا۔ امام ابن جریر

۱۔ دیکھیے: ابن الجوزی، فنون الأفنان فی عیون علوم القرآن والزرکشی، البرہان فی علوم القرآن۔

۲۔ البقرہ: ۲/ ۱۷۸ والاعراف: ۷/ ۸۶ والحجر: ۱۵/ ۳۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی تفسیر اپنے چند تسامحات کے باوجود آج بھی علمی اور فنی اعتبار سے مستند اور بلند پایہ تسلیم کی جاتی ہے۔ چند صدیوں کے بعد اسی جامع تفسیر کی تہذیب وتلخیص امام ابن کثیر نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر کی شکل میں پیش کی۔ جمع بین الروایات اور وفور کے لحاظ سے امام ابن جریر کا کوئی شریک وسہیم نظر نہیں آتا۔[1]

دنیائے تفسیر میں قرآنِ مجید کے افہام وتفہیم کے لیے مختلف انداز واسلوب اختیار کیے گئے ہیں۔ امام زمخشری نے اپنی مشہور تفسیر ''الکشاف'' میں ایک نیا انداز اختیار کیا۔ ادب ولغۃ اور صَرف ونحو کا امام ہونے کی وجہ سے امام زمخشری نے قرآن مجید کے ادبی اور نحوی پہلوؤں پر بڑی معلومات مہیا کر دیں۔ علاوہ ازیں صفات وعقائد باری وغیرہ کے مسائل میں مسلک اعتزال کی خوب ہی نیابت اور نمائندگی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علمی وادبی بلندی کے باوجود اہل السنّت والجماعت نے امام زمخشری کو بہت کم قابل اعتماد سمجھا اور اختلاف مسلک کی بنا پر ان کے فلسفیانہ افکار سے بھی بے اعتنائی برتی۔[2]

امام بیضاوی رحمہ اللہ نے تفسیر میں ادب ولغت اور صَرف ونحو کے اکثر وبیشتر مسائل نہایت اختصار سے امام زمخشری سے لیے ہیں، بلکہ امام زمخشری کے تتبع میں بعض ضعیف روایات بھی نقل کر دی ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کا دور آیا تو اس وقت علم کلام، فلسفہ اور اس قبیل کے دیگر علوم زوروں پر تھے۔ مختلف مدارسِ فکر کے علماء قرآن مجید پر غور وخوض کر رہے تھے۔ بہت سی ذہنی اور فکری الجھنیں قرآن فہمی کی راہ میں حائل نظر آتی تھیں۔ امام رازی نے اپنے عہد تک کے مفکرین اور فلاسفہ کے اعتراضات اور الجھنوں کو ذہن میں رکھ کر تفسیر قرآن کو مرتب کیا اور ان کے ایک ایک سوال کو بڑی شرح وبسط سے لکھا اور ہر ایک کا جواب نہایت عالمانہ طور پر دیا۔ چونکہ مسائلِ فلسفہ وکلام پیش نظر تھے، اس لیے انھی علوم کی زبان اسی اسلوب کے ساتھ استعمال کی گئی۔ زبان کی دقت، علمی اصطلاحات اور فنی

[1] الزرکلی، الأعلام: ۶/ ۶۹ والذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۱۴/ ۲۶۸

[2] الزمخشری، مقدمۃ التفسیر، ص: ۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انداز و اسلوب نے تفسیر رازی کو مشکل بنا دیا۔ امام رازی کی فنی مہارت اور مشکل پسند طبیعت قارئین کے لیے قصور فہم کا موجب بن گئی اور بعض لوگ پکار اٹھے کہ ''تفسیر رازی میں تفسیر کے سوا سب کچھ موجود ہے۔''[۱]

اندلس میں امام قرطبی نے ''الجامع لأحکام القرآن'' کے نام سے ایک نہایت بلند پایہ، مفصل اور مستند تفسیر لکھی۔ جس میں تمام تفسیری ضرورتوں کو پورا کرنے کے علاوہ احکام قرآن کی وضاحت اور استنباط مسائل پر خاص توجہ مرکوز کی گئی۔ قرطبی کی یہ تفسیر اپنی ضخامت کے باوجود بہت مقبول اور بڑی مفید ثابت ہوئی۔[۲]

مختصر یہ کہ ہر دور کے علمی اور دینی رجحانات اور ضروریات کے پیش نظر علمائے اسلام نے قرآن مجید کی وضاحت کرنے میں کبھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ متاخرین کی تفسیروں میں امام شوکانی کی فتح القدیر بھی بڑی مفید اور مقبول تفسیر تسلیم کی جاتی ہے۔ عصر حاضر کی عربی تفسیروں میں مفتی محمد عبدہٗ مصری، علامہ جمال الدین القاسمی اور المراغی کی تفسیر خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

قرآن مجید کے مختلف زبانوں میں تراجم، بالخصوص اردو تفاسیر بھی اپنی ندرت اور اسلوب کے لحاظ سے ہماری توجہ کی مستحق ہیں، لیکن اردو میں تفسیر مواہب الرحمٰن مؤلفہ سید امیر علی، جامع ہونے میں اردو کی تمام تفاسیر پر سبقت لے گئی ہے۔

قرآن اور شرعی علوم

قرآن مجید کی بدولت ایک اور نہایت معزز اور متبرک علم وجود میں آیا ہے۔ یہ حدیث شریف کا علم ہے۔ یہ وہ اہم علم دین ہے جو قرآن مجید کے بعد شریعت اسلامی کا سرچشمہ اور دین کا نہایت ضروری اور لازمی مقصد و ماخذ ہے۔ اس علم کی بدولت سیرت النبی کے تمام پہلو، احکام دین اور آئین شریعت کی تمام جزئیات و تفصیلات بڑی احتیاط اور حفاظت کے ساتھ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوگئیں۔ رسول اللہ ﷺ کی روایات کی

[۱] أبوحیان الأندلسی، البحر المحیط: ۵۴۴/۱

[۲] الصفدی، الوافی بالوفیات: ۸۷/۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حفاظت اور صحت کے ساتھ روایت مطلوب و منظور تھی، اس لیے آپ ﷺ نے اس کے بارے میں پوری احتیاط اور صحت روایت کے لیے ضروری ہدایات عطا فرمائیں۔[۱] نتیجہ یہ ہوا کہ شریعت کی تفصیلات کی تکمیل ہوگئی اور ائمہ حدیث و محدثین کرام نے کتب حدیث کے انبار لگا دیے۔ اس ضمن میں امام مالک رحمہ اللہ کی الموطا، امام شافعی رحمہ اللہ کی مسند، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی مسند، مسند طیالسی، صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[۲]

محدثین کرام کے امت اسلامیہ پر بڑے احسانات ہیں۔ انھوں نے انتھک کوششیں کر کے آنحضرت ﷺ کی زندگی کے ہر پہلو کو ضبط کر کے ہم تک بحفاظت تمام پہنچا دیا۔ پھر شارحین حدیث کے قربان جایئے کہ انھوں نے ہر حدیث کے مطالب و معانی کو اس وضاحت اور تفصیل سے بیان کیا کہ مسائل زندگی کا کوئی پہلو بھی تشنہ نظر نہیں آتا۔ ہماری سیاست، معاشرت، اقتصادیات، اخلاقیات، عمرانیات، ثقافت اور تعلیمات وغیرہ پر ایسی تفاصیل موجود ہیں جن کے بعد امت کو کسی نئے ہدایت نامہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

قرآن و حدیث سے مسائل استنباط کیے گئے تو علمِ فقہ جیسا وقیع اور جامع علم پیدا ہوا۔

قرآن اور علم تاریخ وسیر

قرآن مجید کی بدولت علم تاریخ و سیر بھی معرض وجود میں آیا۔ مسلمانوں نے سیرت النبی، سیر صحابہ، سیر تابعین اور پھر ساری امت کے مختلف طبقات پر بے شمار کتب تالیف کیں۔ آنحضرت ﷺ کے حالات زندگی بیان کرنے کے لیے بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ جن میں سیرت ابن ہشام اور اس کی شرح روض الانف، البلاذری کی أنساب الأشراف (جلد اول)، ابن حزم کی جوامع السیرۃ، القسطلانی کی مواہب اللدنیہ اور اس کی شرح الزرقانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عصر حاضر کے بے شمار سیرت نگاروں نے

۱۔ صحیح البخاری: ۱۰۷ و صحیح مسلم: ۳۰۰۴

۲۔ کتب احادیث کی تفصیل کے لیے دیکھیے: صدیق حسن خان، الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ، ص: ۲۲۶-۲۵۶

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

آنحضرت ﷺ کی سیرت مبارکہ پر انگریزی، اردو، عربی اور دیگر زبانوں میں عمدہ عمدہ کتب تالیف کی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات میں طبقات ابن سعد، ابن عبدالبر کی الاِستیعاب، ابن الاثیر کی اسد الغابہ اور ابن حجر کی الاِصابہ عربی زبان میں بڑی مشہور اور مستند کتابیں ہیں۔ عربوں نے سیرت نگاری پر اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ دنیا کی کوئی زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اطباء، فلاسفہ، شعراء، صوفیائے کرام، محدثین، ادباء، حفاظ و قراء، علمائے لغت ونحو، ملوک وسلاطین، وزراء وقضاۃ، غرض کہ ہر ملک، ہر دور، ہر طبقہ اور ہر قسم کے لوگوں کے حالاتِ زندگی ہمارے پاس موجود ہیں۔ عرب ہی پہلے مفکر ہیں جنھوں نے اپنے اکابر کے حالات زندگی صدی وار مرتب کیے۔ ان کی سیر وتراجم اور احوال ورجال کی کتابیں دیکھنے سے انسانی عقل وفکر دنگ رہ جاتی ہے۔[1]

اس طرح قرآن مجید کی بدولت ہماری اسلامی تاریخ دنیا کے مفکروں کے لیے حیرانی اور تعجب کا باعث بنی ہوئی ہے۔ ابن جریر طبری کی کتاب الرسل والملوک سے لے کر ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن کی مختصر تاریخ الاسلام تک ہزاروں مؤرخین نے اسلام کی سیاسی اور ثقافتی تاریخ پر طبع آزمائی کی۔ تاریخ نویسی ہمارے اسلاف کا اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔

قرآن اور دیگر متفرق علوم

قرآن مجید کی بدولت ہمیں جو ایک اور اہم علم نصیب ہوا وہ لغت ہے۔ قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے اس کے الفاظ کی تشریح وتوضیح کے پیش نظر ساری عربی زبان کی لغات تیار کی گئیں۔ یہ علم اتنا شاندار اور اہم ہے کہ دنیا کی کوئی زبان عربی لغت نویسی کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ قرآن کی لغات الگ لکھی گئیں۔ حدیث شریف کی لغات علیحدہ تالیف کی گئیں۔ عام لغات میں صرف ابن منظور افریقی کی لسان العرب ہی کو لیجیے، اتنی ضخیم، اتنی مفصل اور جامع لغت کی کتاب دنیا کی کسی اور زبان میں موجود نہیں ہے۔[2]

---

1. تاریخ وسیرت اور طبقات ورجال کے لیے دیکھیے: حاجی خلیفہ، کشف الظنون: ۱/۲-۱۵۰
2. تفصیل کے لیے بطور مثال صفدی کی ''الوافی بالوفیات'' دیکھیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علم فلسفہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو الکندی، الفارابی، ابن سینا، ابن باجہ، ابن طفیل، ابن رشد، الغزالی اور الرازی کے نام بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ مسلمان فلسفیوں نے ایک طرف تو فلسفہ یونان کو نئی زندگی بخشی اور دوسری طرف اسلامی فلسفہ کی بنیاد رکھ کر اس کو چار چاند لگا دیے۔

مسلمانوں نے قرآن مجید کی بدولت جدید سائنسی علوم پر بھی اپنے خاص انداز و اسلوب میں بہت کام کیا۔

چونکہ بات بہت لمبی ہوتی جا رہی ہے اور ابھی بہت سے علوم قابل ذکر ہیں۔ اس لیے میں ان علوم سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف یہ عرض کروں گا کہ آج کے دور میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہمارے نوجوان قرآن مجید سے مضبوط تعلق قائم کریں۔ قرآن مجید کو پڑھیں اور اس پر غور و خوض کریں۔ قرآن مجید کے تقاضوں کو سمجھیں۔ یہی وہ کتاب ہدیٰ تھی جس نے عربوں کو دنیا پر غالب کر دیا تھا اور ان کی سیاسی اور علمی ساکھ قائم کر دی تھی۔ آج ہمیں بھی اس نسخۂ کیمیا کو آزمانا چاہیے۔ یہ کتاب آج بھی ہماری تمام مشکلات کا حل پیش کرتی ہے۔ صرف ایک مضبوط ارادے اور عزم کی ضرورت ہے۔ نوجوان آگے بڑھ کر قرآن مجید سے اپنا رشتہ پھر سے استوار کریں اور یقین جانیے کہ کل کا آفتاب اپنے ساتھ رفعت اور سربلندی کا پیغام لے کر آئے گا۔ قرآن مجید ہماری تمام بیماریوں کا علاج ہے۔ اللہ تعالیٰ سے، اسلام سے اور پیغمبر اسلام ﷺ سے تعلق استوار کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے قرآن مجید۔ قرآن مجید کی تلاوت اور اس پر عمل دین و دنیا میں عزت و سرخروئی کا موجب ہے۔ قرآن مجید سے اعراض و بے اعتنائی ذلت و ادبار اور افلاس و فقر کا باعث ہے۔[1] اقوام و ملل کی ترقی کا انحصار تعلیم یافتہ نوجوانوں پر ہوتا ہے اور مسلمان قوم کی ترقی کا راز قرآن خواں اور عامل بالقرآن نوجوان ہیں۔

---

[1] طٰہٰ: ۲۰/۱۲۴ و صحیح مسلم: ۸۱۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیئے! آج سے ہم سب مل کر یہ عزم کریں کہ قرآن پڑھا کریں گے، قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کریں گے اور قرآن مجید کے احکام پر صدق دل سے عمل کریں گے۔ اگر ہم اپنے اس ارادے میں کامیاب ہو گئے تو پھر دنیا کی قیادت و سیادت ہمارے ہی ہاتھ ہوگی۔[1]

[1] تخریجِ مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس۔ سرخیوں کی تدوین از ادارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن اور علوم قرآن کی ضرورت واہمیت

قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے، جس نے افراد اور اقوامِ عالم میں بے مثال روحانی، اخلاقی اور سیاسی انقلاب پیدا کر کے انھیں دنیا کی قیادت و سیادت بخشی۔ دنیا میں معاشرتی عدل اور معاشی انصاف نافذ کیا۔ اخوت و مساوات کی بنیاد رکھ کر رنگ و نسل کے امتیازات کو یکسر مٹا دیا۔

جب تک مسلمان قرآن مجید پر کاربند رہے اور اس کے احکام کی اطاعت کرتے رہے، وہ دنیا میں ہر اعتبار سے سربلند رہے۔ حکومت و سیادت، دانش و حکمت، دولت و ثروت اور علوم و معارف غرضیکہ ہر میدان میں مسلمانوں کے نام کا ڈنکا بجتا تھا۔ زندگی کے ہر شعبے میں دنیا ان کی رہبری و قیادت تسلیم کرتی تھی۔

آج ہمارے اِدبار و تنزل کا سبب صرف یہ ہے کہ ہم

﴿اِتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوْرًا﴾[1]

''انھوں نے قرآن مجید پر عمل چھوڑ دیا۔''

کے زمرے میں شامل ہو گئے ہیں۔ ہم نے قرآن مجید کی تعلیمات سے انحراف کر لیا ہے۔ اسی لیے اس سزا کے مستحق ٹھہرے، جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا تھا:

---

1. الفرقان: ٣٠/٢٥

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴾[1]

"اور جس شخص نے میرے ذکر سے اعراض کیا تو اس کی زندگی تنگ ہوگی اور ہم اسے قیامت کے روز اندھا کر کے اٹھائیں گے۔"

دنیا کی اس ذلت و رسوائی اور اِدبار و تنزل کے علاوہ آخرت کا عذاب بڑا دردناک اور ناقابل برداشت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق مرحمت فرمائے کہ ہم قرآن مجید کے حقوق کو پوری طرح ادا کر کے دنیا میں بھی عزت و آبرو حاصل کر سکیں اور آخرت کے ہولناک عذاب سے بھی خلاصی پاسکیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجتے وقت یہ فرمان جاری کیا تھا:

﴿ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾[2]

"پھر اگر آئے تمھارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت، سو جو پیروی کریں گے میری اس ہدایت کی تو نہ کچھ خوف ہوگا ان پر اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے۔"

جب قرآن نازل فرمایا تو اعلان ہوا:

﴿ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾[3]

"اس کتاب کے منجانب اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں، یہ ہدایت ہے

۱۔ طٰہٰ: ۱۲۴/۲۰

۲۔ البقرہ: ۳۸/۲

۳۔ البقرہ: ۲/۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

متقی لوگوں کے لیے۔"

آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنایا اور قرآنی تعلیمات کے ذریعے ان کا تزکیہ نفس کیا۔ اتباعِ سنت، اطاعتِ رسول اور اسوۂ حسنہ کے تتبع کا تقاضا یہ ہے کہ ہم میدانِ عمل میں نکلیں، ہر چھوٹے بڑے، بچے بوڑھے اور مرد عورت سب کو قرآن پڑھائیں اور قرآن سکھائیں۔ اس طرح امت کے لیے قرآن کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی راہ ہموار کریں۔ اس سلسلے میں دو تین باتیں خاص طور پر ذہن میں رکھنا بڑا ضروری ہے:

۱۔ ایمان بالرسول ﷺ کا عقیدہ کمزور ہوا تو محبتِ رسول کے زبانی دعوے تو قائم رہے لیکن حقیقی محبتِ رسول سے ہم تہی دامن ہو گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اطاعتِ رسول کا جذبہ اور داعیہ کمزور تر ہوتا چلا گیا اور آج ہم صاحبِ قرآن کی سنت سے ناآشنا ہوتے جا رہے ہیں۔

۲۔ ایمان بالآخرہ کا عقیدہ کمزور ہوا تو ہم نے دنیوی مفادات ہی کو مطمحِ نظر ٹھہرا لیا اور ایمان کا سبق بھول گئے۔[1]

آیئے! آج تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ عہد کریں کہ ہم قرآن مجید کو سنت نبوی کی روشنی میں اپنی زندگیوں پر لاگو کریں گے اور زندگی کے ہر شعبے میں قرآن و سنت کو اپنا دستورِ حیات سمجھتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہوں گے۔ اگر ہم اس میں کامیاب ہو جائیں تو ہماری دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گی۔

اگر ہمیں بحیثیت مسلمان جینا اور بحیثیت مسلمان مرنا ہے تو اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ قرآن و سنت کو اپنائیں اور قرآن و سنت کے مطابق زندگی بسر کریں۔ یہی اور صرف یہی طریق کار ہے جس سے دنیوی زندگی میں آسائش، اطمینان،

---

[1] قرآن کریم میں ایمانیات پر بہت زور دیا گیا ہے خاص کر عہد مکی میں، اس لیے مکی سورتوں کا مطالعہ بہت اہم ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امن وسکون اور چین وراحت میسر آئیں گے۔اس وقت دنیا اور ہماری آخرت درست ہو سکتی ہے۔اگر ایمان بالآخرہ پکا اور سچا ہو جائے تو ہمارے مسائل یک دم حل ہو جائیں گے۔[1]

[1] تخریجِ مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواہر اللّسان فی لُغات القرآن[1]

قرآن شریف کے مخاطبِ اول عرب تھے۔ وہ زندگی اور ماحول کی سادگی کے ساتھ ذہنی سادگی کی نعمت سے بھی بہرہ مند تھے۔ ایمان وایقان کی دولت نے انھیں تعمق وتکلّف اور فلسفیانہ موشگافیوں سے بے نیاز کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی دور میں قرآن مجید کے بہت کم مقامات ایسے تھے جنھیں تفسیر طلب سمجھا گیا۔ اگر احادیث کے ذخیرۂ تفسیر کو جمع کیا جائے تو چند آیتوں کی تفسیر کے سوا کچھ نہ مل سکے گا۔[2]

کیا صحابہ کرام مکمل قرآن کے معانی سمجھتے تھے؟

اس ضمن میں دو نظریے ہمارے سامنے ہیں۔ ایک نظریے کی ترجمانی کرتے ہوئے ابن خلدون رقمطراز ہیں:

"إِنَّ الْقُرْآنَ نُزِلَ بِلُغَةِ الْعَرَبِ وَعَلٰى أُسَالِيْبِ بَلَاغَتِهِمْ، فَكَانُوا كُلُّهُم يَفْهَمُونَهُ وَيَعْلَمُونَ مَعَانِيَهِ فِي مُفْرَدَاتِهِ وَتَرَاكِيْبِهِ"[3]

قرآن مجید عربوں کی زبان اور ان ہی کے اسلوبِ بیان میں نازل ہوا، تمام عرب قرآن مجید کو سمجھتے تھے، اس کے مفرد اور مرکب الفاظ کے حقیقی و مجازی معانی جانتے تھے۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ اگرچہ قرآن مجید عربوں کی زبان میں نازل ہوا، پھر بھی سارے عرب قرآن مجید کے اجمال وتفصیل سے پوری طرح آگاہ نہ تھے۔ ہر شخص اپنی

---

[1] یہ مقالہ اورینٹل کالج میگزین، مئی ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا۔

[2] صحیح مسلم کے آخر میں کتاب التفسیر کے تحت کل ۳۴ حدیثیں مذکور ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو صحیح بخاری اور ترمذی بذیل تفسیر القرآن۔

[3] ابن خلدون، المقدمہ، ص: ۳٦٦

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عقل و دانش اور فہم و فراست کے مطابق کتاب کو سمجھنے کی استعداد نہ رکھتا ہے۔ دنیا کے ہر ملک میں ایسی استعداد اور قابلیت کے لحاظ سے خاصا ذہنی فرق ہوتا ہے۔ عربوں کی بھی یہی حالت تھی، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تمام عرب قرآن مجید کے تمام الفاظ اور ان کے معانی کو نہ سمجھتے تھے۔[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے آیت ﴿وَفَاكِهَةً وَّأَبًّا﴾[2] میں لفظ ''اَبًّا'' کے معنی پوچھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہمیں تعمق اور تکلّف سے روک دیا گیا ہے۔[3]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایسے بزرگ بھی ملتے ہیں جو قرآن مجید کی چند آیات حفظ کرتے اور جب تک ان کے مطالب و معانی کو پوری طرح سمجھ نہ لیتے آگے نہ چلتے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دس دس آیتیں سیکھتے تو ساتھ ہی ان کا پورا مفہوم بھی ذہن نشین کرتے جاتے اور علم و عمل کے تمام حقائق سے آگاہی حاصل کر لینے کے بعد آگے بڑھتے۔[4]

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آٹھ برس تک سورۂ بقرہ کو حفظ کرتے رہے۔ ان کا دستور یہ تھا کہ ایک آیت حفظ کرتے اور اس کا پورا مفہوم و مطلب سمجھ لینے کے بعد دوسری آیت شروع کرتے۔''[5]

صحابہ عرب تھے، قرآن مجید ان کی زبان میں نازل ہوا، لیکن اس کے باوجود قرآن فہمی میں ان کے مختلف مدارج ہیں۔ جب قرآن عجمیوں تک پہنچا تو الفاظ کی تشریح و توضیح اور تفسیری حواشی کی ضرورت اور زیادہ ہوگئی۔

---

[1] أحمد أمین، فجر الإسلام: ٢٣٠
[2] عبس: ٨٠/٣١
[3] الشاطبی، الموافقات: ٢/ ٥٧ والسیوطی، الاتقان: ٢/ ٢٠٨
[4] أحمد بن حنبل، المسند: ٢٣٤٨٢
[5] السیوطی، الدر المنثور: ١/ ٥٤

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معانی القرآن پر لکھی گئی کتب

قرآن مجید کی تفسیری تشریحات و توضیحات کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے گئے۔ یہاں محض ان تفسیری کوششوں کے ذکر پر اکتفا کیا جائے گا، جن کا تعلق لفظی تشریح و توضیح اور لغات و معانی سے ہے۔

ابن ندیم نے اس قسم کی کوششوں کے لیے تین عنوان قائم کیے ہیں۔ پہلے عنوان کے نیچے ان کتابوں کی فہرست اور مؤلفین کے اسماء درج کیے ہیں جو معانی القرآن کے نام سے لکھی گئی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ مندرجہ ذیل لوگوں نے اس نام سے کتابیں لکھی ہیں:

یونس بن حبیب (متوفی ۱۸۳ھ)، ابوفید مؤرج السدوسی (م۱۹۵ھ)، الکسائی (م۱۹۷ھ) قطرب النحوی (م۲۰۶ھ)، الفراء (م۲۰۷ھ)، ابوعبید (م۲۱۰ھ)، الاخفش سعید بن مسعدہ (م۲۱۱ھ)، المبّرد (م۲۸۵ھ)، ثعلب (م۲۹۱ھ) الزجاج (م۳۱۰ھ)، الرؤاسی، ابومحمد السدوسی، المفضّل بن مسلمہ، ابن کیسان، ابن الانباری، الخلف النحوی، ابومعاذ الفضل بن خلف النحوی۔

دوسرے عنوان کے نیچے ان مؤلفوں کی فہرست دی گئی ہے جنھوں نے قرآن مجید کا لغت غریب القرآن کے نام سے لکھا ہے، مثلاً: ابوعبیدہ، مؤرج السدوسی، ابن قتیبہ، ابوعبدالرحمٰن الیزیدی، محمد بن سلام الجمحی، ابوجعفر بن رستم الطبری، ابوعبید القاسم، محمد بن عزیز السجستانی، ابوبکر بن الوراق، ابوالحسن العروضی، محمد بن دینار الاحول، ابوزید البلخی اور نفطویہ۔[1]

تیسرے عنوان کے تحت ابن ندیم نے لغات القرآن کے مؤلفوں کے نام درج کیے ہیں۔ مثلاً: الفراء، ابوزید، الاصمعی، الہیثم بن عدی، محمد بن نجیح، القطیعی اور ابن درید۔ کہا جاتا ہے کہ ابن درید لغات القرآن کو مکمل نہ کر سکا۔[2]

اس ضمن میں یہ اولین کوششیں تھیں۔ پھر ہر زمانہ میں علمائے کرام اور ماہرینِ لغت

---

[1] ابن منظور اور اس کی لسان العرب پر میرا ایک مفصل مضمون ''معارف'' بابت ماہ جنوری ۱۹۴۴ء میں شائع ہو چکا ہے وہاں ملاحظہ کیا جائے۔ مؤلف (اب وہ ان مقالات میں بھی شامل ہے۔ ادارہ)

[2] ابن الندیم، الفہرست: ۳۴/۱، ۳۵، ۸۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس موضوع پر طبع آزمائی کرتے رہے۔ امام راغب کی مفردات کو اس نوع کے لٹریچر میں ایک ممتاز درجہ حاصل ہے۔

''لسان العرب'' سے ''لغات القرآن'' کا استخراج

ابن منظور افریقی مصری (۶۳۰۔۷۱۱ھ) کی ''لسان العرب'' عربی کا سب سے بڑا مفصل، جامع اور مستند لغت ہے۔ یہ درست ہے کہ اس سے پہلے بھی عربی زبان کے مستند لغات کا ایک خاطر خواہ ذخیرہ موجود تھا، لیکن ابن منظور کو ان سب پر کوئی نہ کوئی اعتراض ضرور تھا۔ کسی کی ترتیب پسند نہ تھی اور کسی کی جامعیت، مواد اور ذخیرہ الفاظ غیر تسلی بخش نظر آیا۔ بہرکیف لسان العرب اپنی ضخامت، وسعتِ معلومات، شواہد کی فراہمی، ذخیرۂ الفاظ اور مطالب و معانی کے بیان کے اعتبار سے بے نظیر لغت ہے۔ یہ کتاب بیس ضخیم جلدوں میں بڑے سائز کے کوئی آٹھ دس ہزار صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی ترتیب بھی ایسی ہے کہ جس سے آج کل کے ذہن کم آشنا ہیں۔ اس کے علاوہ الفاظ کی تشریح، معانی کی وسعت، اشعار کی سندیں، محاورات اور مثالیں اس مشغولیت کے زمانے میں صبر آزما اور اکتا دینے والی چیزیں ہیں۔

جن دنوں مَیں لسان العرب کے شعراء اور قوافی کی فہرستیں تیار کر رہا تھا میں نے مناسب سمجھا کہ ایک تو اتنے اہم ذخیرۂ معلومات کے افادی پہلو سے لوگوں کو آشنا کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اس کی افادی حیثیت سے استفادہ آسان اور سہل بنا دیا جائے۔ چنانچہ میں نے ''جواہر اللِّسان فی لُغات القرآن'' کے نام سے ایک کتاب کی تالیف شروع کر دی۔ تمام اشعار و شواہد، مثالیں اور محاورات نظر انداز کرتے ہوئے صرف الفاظ قرآنی کے معانی کو اکٹھا کر دیا، تاکہ عوام و خواص دونوں اس بابرکت ذخیرۂ الفاظ سے بآسانی مستفید ہو سکیں۔ یہ لغتِ قرآن اپنی نوع کی دوسری کتابوں میں علمی حیثیت میں معتد بہ اضافہ کا موجب ہوگا۔[1]

[1] پروفیسر صاحب کی وفات کے بعد ''جواہر اللسان'' کا یہ مسودہ ان کے ورثاء کو ملا۔ یہ پانچ چھ بڑے سائز کے اوراق کے بنڈلوں پر مشتمل تھا۔ پروفیسر صاحب نے انھیں سنبھال کر اپنی الماری کی درازوں میں >>>

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لسان العرب سے مستفاد لغات القرآن کی چند مثالیں

ابن منظور کا انداز بیان بڑا سادہ اور آسان ہے۔ ایک معمولی استعداد رکھنے والا طالب علم بھی اس لغت قرآن سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ کچھ الفاظ اور ان کے معانی بطور نمونہ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں، تاکہ قارئین کرام اس کی افادیت کا صحیح اندازہ کر سکیں۔ پہلے الفاظِ قرآنی درج کیے ہیں، پھر وہ آیت قرآنی جس میں ان الفاظ کو استعمال کیا گیا ہے۔ بعد ازاں اس نشان (:) کے بعد معنی مندرج کیے ہیں۔ سب سے آخر میں لسان العرب کا حوالہ بھی درج کر دیا گیا ہے تاکہ تفصیلات کا شوق رکھنے والے حضرات تشنگی کا گلہ نہ کریں۔ کتاب کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے ہوگی۔[1]

عِوَجْ، اَمْتٌ ﴿لَا تَرٰى فِيهَا عِوَجًا وَّلَا اَمْتًا﴾ (طٰہٰ: ۲۰/۱۰۷):
لَا انْخِفَاضَ فِيهَا وَلَا ارْتِفَاعَ (۲/۲۰۹)

جِبْتٌ، طَاغُوتٌ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِينَ اُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ﴾ (النساء: ۴/۵۱) اَلْجِبْتُ: اَلسِّحْرُ، اَلطَّاغُوتُ: الشَّيْطَانُ (۲/۳۲۵)

اَشْتَاتٌ ﴿يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا﴾ (الزلزال: ۹۹/۶): قَالَ اَبُو إِسْحَاقَ اَيْ يَصْدُرُونَ مُتَفَرِّقِينَ، مِنْهُمْ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا وَمِنْهُمْ مَنْ عَمِلَ شَرًّا (۲/۳۵۳)

عَنَتٌ ۱۔ ﴿وَاعْلَمُوا اَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ﴾ (الحجرات: ۴۹/۷): لَوْ وَقَعْتُمْ فِي عَنَتٍ اَيْ فِي فَسَادٍ وَهَلَاكٍ (۲/۳۶۵)

>>> سلیقے سے رکھا ہوا تھا۔ پروفیسر صاحب کے ورثاء نے پروفیسر صاحب کی لائبریری کے ساتھ یہ بنڈل بھی اورینٹل کالج لائبریری میں جمع کرا دیے۔ بوجوہ مسودے کے یہ بنڈل دوبارہ نہ مل سکے۔ (ادارہ)

[1] خواہش تو یہ بھی ہے کہ ہر آیت کا حوالہ یعنی سورت اور آیت کا نمبر بھی درج کر دوں۔ وما توفیقی الا باللہ، مؤلف۔
نوٹ: پروفیسر عبدالقیومؒ کی خواہش کے مطابق ان آیات کے حوالے لگا دیے گئے ہیں۔ (ادارہ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۔﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ﴾ (البقرة۲/۲۲۰): لَوشَاءَ لَشَدَّدَكُم وَتَعَبَّدَكُم بِمَا يَصْعُبُ عَلَيكُم، وَقِيلَ: لَأَهْلَكَكُم (۲/۳٦٦)

۳۔ ﴿ ذٰلِكَ لِمَن خَشِيَ الْعَنَتَ مِنكُمْ﴾ (النساء:٤/٢٥): الْفُجُورُ وِالزِّنَا(۲/۳٦٦)

مُقِيتٌ ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتاً﴾ (النساء:٤/٨٥): اَلْمُقْتَدِرُ، اَلْقَدِيرُ الْحَفِيظُ (۲/۳۸۰)

مَوقُوتٌ ﴿ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتاً ﴾ (النساء: ٤/١٠٣): كُتِبَتْ عَلَيهِمْ فِي أَوقَاتٍ مُوَقَّةٍ (۲/۱٤۳)

بَثَّ ﴿ وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً﴾ (النساء:٤/١): نَشَرَ وَ كَثَرَ (۲/٤۱۸)

مُنْبَثًّا ﴿ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثّاً﴾ (الواقعة:٥٦/٦): غُبَارًا مُنْتَشِرًا(۲/٤۱۸)

وَزَر ﴿كَلَّا لَاوَزَرَ﴾ (القيامة:٧٥/١١): اَلْوَزَرُ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ الْجَبَلُ الَّذِى يُلْتَجَأُ إِلَيهِ، هَذَا أَمْلُه: وَكُلُّ مَا الْتَجَأْتَ إِلَيهِ وَتَحُصَّنْتَ بِهِ فَهُوَ وَزَرٌ وَمَعْنَى الْآيَةِ: لَا شَيْءٍ يُعْتَصَمُ فِيهِ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ (۷/۱٤٥)

اِشْمَأَزَّتْ ﴿ وَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾(الزمر:٣٩/٤٥): نفرت (۷/۲۲۹)

مُعَاجِزِيْنَ ﴿ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ﴾ (الحج ٢٢/٥١): مُعَاجِزِيْنَ (۷/۲۳٥)

أَعِزَّةٌ ﴿ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ (المائدة:٥/٥٤): غَلِيظٌ وَاشِدَّاءَ (۷/۲٤۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عَزَّ	﴿وَعَزَّنِی فِی الْخِطَابِ﴾ (ص ۲۳/۳۸): غَلَبَنِی فِی الْاِحْتِجَاجِ (۲۴۵/۷)
اِمْتَازُوا	﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ) (یٰس:۵۹/۳۶): اِنْفَرِدُوا عَنِ الْمُومِنِيْنَ (۲۸۰/۷)
هُزِّی	﴿وَهُزِّیْ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ﴾ (مریم:۲۵/۱۹): حَرِّكِی (۲۹۱/۷)
يَيْئَس	﴿اَفَلَمْ يَيْئَسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ لَّوْ يَشَاءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ (الرعد:۳۱/۱۳) : أَفَلَمْ يَعْلَمْ (۴۱۷/۸)
اَلْفَحْشَاءُ	﴿اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَوَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ﴾ (البقرة: ۲۶۸/۲): اَلْبُخْلُ، وَالْعَرَبُ تُسَمِّی الْبَخِيْلَ فَاحِشًا (۲۱۶/۸)
قِطٌّ	﴿عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا﴾ (ص۱۶/۳۸): نَصِيْبَنَا مِنَ الْعَذَابِ (۲۵۸/۸)
حَافِظُوا	﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ﴾ (البقرة:۲۳۸/۲): صَلُّوهَا فِی أَوْقَاتِهَا، الْأَزْهَرِی: وَاظِبُوا عَلَى إِقَامَتِهَا فِی مَوَاقِيْتِهَا (۳۲۰/۹)
الرَّجْع	﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ﴾ (الطارق:۱۱/۸۶): ذَاتُ الْمَطَرِ، وَيُقَالُ: ذَاتُ النَّفْعِ (۴۷۹/۹)
يُنْزَفُون	﴿لَا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ﴾ (الواقعة:۱۹/۵۶) لَا يُسْكَرُوْنَ (۲۳۹:۱۱)
السُّوْق	﴿فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ﴾ (ص۳۳/۳۸:۳۳) السُّوْقُ جَمْعُ سَاقٍ، مِثْلُ دَارٍ وَدُوْرٍ (۳۴/۱۲)
شَقّ	﴿لَمْ تَكُوْنُوْا بَالِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ﴾ (النحل:۷/۱۶):

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

أَصْلُهُ مِنَ الشَّقِّ نِصْفُ الشَّيْءِ كَأَنَّهُ قَدْ ذَهَبَ بِنِصْفِ أَنْفُسِكُمْ حَتَّى بَلَغْتُمُوهُ (۱۲/۵۰)

شِقَاق ﴿إِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ﴾ (الحج:۲۲/۵۳): الشِّقَاقُ الْعَدَاوَةُ بَيْنَ فَرِيقَيْنِ وَالْخِلَافُ بَيْنَ اثْنَيْنِ (۱۲/۲۲۸)

نَتَق ﴿وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ﴾ (الاعراف:۷/۱۷۱): زَعْزَعْنَاهُ وَرَفَعْنَاهُ وَجَاءَ فِي الْخَبَرِ إِنَّهُ اقْتَلَعَ مِنْ مَكَانِهِ (۱۲/۲۲۸)

تَلَّ ﴿فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِيْنِ﴾ (الصافات:۳۷/۱۰۳): تَلَّهُ صَرَعَهُ كَمَا تَقُولُ كَبَّهُ لِوَجْهِهِ (۱۳/۸۲)

حمل ﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ﴾ (الاحزاب:۳۳/۷۲) قَالَ الزَّجَاجُ: مَعْنٰى يَحْمِلْنَهَا يُخِيْنَهَا...... لَمْ تَحْمِلِ الْاَمَانَةَ أَيْ أَدَّتْهَا وَكُلُّ مَنْ خَانَ الْاَمَانَةَ فَقَدْ حَمَلَهَا (۱۳/۱۵۸، ۱۸۶)

ضل ﴿لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسٰى﴾ (طٰہٰ:۲۰/۵۲): لَا يَفُوتُهُ، وَقِيلَ: مَعْنَاهُ لَا يَغِيبُ عَنْ شَيْءٍ وَلَا يَغِيبُ عَنْهُ شَيْءٌ (۱۳/۴۱۶، ۴۱۷)

قبل ﴿فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا﴾ (النمل:۲۷/۳۷): لَا طَاقَةَ لَهُمْ بِهَا وَلَا قُدْرَةَ لَهُمْ عَلَى مُقَاوَمَتِهَا (۱۴/۵۹)

المحال ﴿شَدِيْدُ الْمِحَالِ﴾ (الرعد:۱۳/۱۳): الْغَضَبُ وَالتَّدْبِيرُ (۱۴/۱۴۱)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الحکم ﴿وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا﴾(مریم:۱۹/۱۲): عِلْمًا وَفِقْهًا (۱۵/۳۰)

زعیم ﴿وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ﴾ (یوسف:۱۲/۷۲): وَأَنَا بِهِ كَفِيلٌ (۱۵/۱۵۸)

کریم ﴿وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾(الاسراء:۱۷/۲۳): سَهْلًا لَيِّنًا (۱۵/۴۱۷)

اللمم ﴿الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ﴾ (النجم ۵۳/۳۲): هُوَ صِغَارُ الذُّنُوبِ (۱۶/۲۳)

سقیم ﴿فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ﴾ (الصافات: ۳۷/۸۹): تَفَكَّرَ لِيُدَبِّرَ حُجَّةً. قَالَ إِنِّي سَقِيمٌ أَيْ مِنْ كُفْرِكُمْ (۱۶/۴۸)

هَمَّ ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْ لَا أَنْ رَّأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ﴾ (یوسف:۱۲/۲۴): قَالَ أَبُو عُبَيْدَةَ: هَذَا عَلَى التَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ كَأَنَّهُ أَرَادَ: وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَلَوْ لَا أَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ لَهَمَّ بِهَا (۱۶/۱۰۴)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اسلام میں علم کی اہمیت

اسلام نے علم کو بڑی اہمیت اور فضیلت دی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے علم الأسماء حاصل کر کے فرشتوں پر برتری پائی۔ قرآن مجید کی جو پہلی وحی نازل ہوئی اس میں بھی انسان کی تخلیق اور اس کے حصولِ علم کا بطور انعامِ الٰہی اور عطیۂ ربانی ذکر فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾[1]

''اس نے سکھایا انسان کو وہ کچھ جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

اس پہلی وحی میں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ تخلیقِ انسان کو بطور نعمت رب کی طرف منسوب کیا گیا ہے، مگر دولتِ علم کو رب اکرم کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ علم ایسی گراں قدر نعمت ہے جو از حد کرم کرنے والے پروردگار کا خاص کرم اور خاص لطف وعنایت ہے۔ اس آیت کی رو سے علم اللہ کا سب سے بڑا کرم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین کی خلافت و نیابت کے ساتھ علم و حکمت کی خلافت بھی بخشی ہے۔

قرآن مجید نے طالوت کے قصے میں بھی علم کی فضیلت بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ طاقت وعظمت کا سرچشمہ صرف دولت ہی نہیں بلکہ قوت وعظمت کا اصلی منبع علمی قوت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿زَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾[2]

''اللہ تعالیٰ نے اس (طالوت) کو علم اور جسم میں کشادگی عطا فرمائی۔''

فی الواقع طالوت نے اپنے علم اور جسم کی قوتوں سے اسرائیل کے کھوئے ہوئے

---

[1] العلق: ۹۶/۴

[2] البقرہ: ۲/۲۴۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وقار اور عظمتِ رفتہ کو دوبارہ بحال کیا۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنی جلالتِ قدر اور عظمتِ شان کے باوجود حکم الٰہی تھا کہ آپ ﷺ علم کی فراوانی کے لیے دعا کرتے رہا کریں، فرمایا:

﴿قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا﴾[1] ''اے میرے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما۔''

علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے۔[2] لیکن اس کی فرضیت اور حدودِ علم کی تفصیل میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے: وضو، نماز، زکوٰۃ اور حج وغیرہ ضروریاتِ دین کا علم حاصل کرنا لازمی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آدمی کو اتنا علم ضرور حاصل کرنا چاہیے کہ اپنے دین میں فائدہ اٹھا سکے۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ جس بات میں شک ہو اس میں سوال کرنا فرض ہے، تاکہ شک دور ہو جائے۔ حضرت سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ تحصیلِ علم اور جہاد مسلمانوں کی جماعت پر فرض کفایہ ہے۔ ایک گروہ ادا کر دے تو باقی لوگ سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ احمد بن صالح بھی یہی مراد لیتے ہیں۔[3]

علم کی دو اقسام، فرض عین و کفایہ

علما کے نزدیک علم کی دو قسمیں ہیں: (۱) فرض عین اور (۲) فرض کفایہ۔ دین کے فرائض کا اجمالی علم سیکھنا فرض عین ہے۔ اس کی تحصیل ہر آدمی کے لیے لازمی ہے۔ اس میں کلمۂ شہادت کے ساتھ زبان وقلب سے اس بات کا اقرار بھی ضروری ہے کہ اللہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، کوئی نظیر نہیں۔ ان باتوں کا علم بھی ضروری ہے، جن کے بغیر نماز پوری نہیں ہوتی، مثلاً: طہارت، نماز کے ارکان واحکام اور یہ کہ رمضان کے روزے فرض ہیں اور روزے کے احکام کا علم بھی فرض ہے۔ مالدار آدمی کے لیے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ زکوٰۃ کن چیزوں پر فرض ہے۔ اسی طرح انفرادی اور اجتماعی زندگی

---

1. طٰہٰ: ۲۰/۱۱۴
2. سنن ابن ماجہ: ۲۲۴
3. ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۱/۹۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں حلال وحرام چیزوں کا علم بھی لازمی ہے۔

ان کے علاوہ دوسرے علوم کی تحصیل و ترویج اور ان میں تبحر فرض کفایہ ہے۔ ایسے علم کو اگر ایک آدمی بھی حاصل کر لے تو اس علاقے کے باقی لوگوں سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔[۱]

جعفر بن محمد کے نزدیک علم چار باتوں میں منحصر ہے: (۱) پروردگار کی معرفت، (۲) اس کے احسانات کی معرفت، (۳) اس کے احکام کی معرفت، (۴) ان امور کی معرفت جو انسان کو دین سے نکال کر بے دین بنا دیتے ہیں۔[۲]

فضائل علم

ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے علم کے حصول کو رحمت الٰہی کا موجب قرار دیا ہے۔ نیز طلب علم کو حصول جنت کا ذریعہ ٹھہرایا۔[۳]

ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے علم و ہدایت کو جو آپ ﷺ کو خدا کی طرف سے ملی تیز بارش سے تشبیہ دی ہے۔[۴]

ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے بذریعہ وحی فرمایا کہ میں علیم ہوں اور ہر صاحب علم سے محبت کرتا ہوں۔[۵] ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ سیکھنا اور سکھانا ذکر خداوندی سے بہتر ہے۔ نیز فرمایا کہ خود مجھے اللہ تعالیٰ نے علم کتاب سکھانے کے لیے بھیجا ہے۔[۶]

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ محض اللہ کی خاطر علم حدیث کا حصول دنیا

[۱] ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۱/۹۲

[۲] الجرجانی، ترتیب الأمالی: ۱/۴۴ و ابن عبدالبر، جامع بیان العلم: ۱/۹۷

[۳] صحیح مسلم: ۲۶۹۹ و سنن الترمذی: ۲۶۸۲

[۴] صحیح البخاری: ۷۹

[۵] ابن عبدالبر، جامع بیان العلم: ۱/۲۰۹

[۶] سنن ابن ماجہ: ۲۲۹

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔[1] امام زہری کہتے ہیں کہ علم سے بہتر کوئی ایسا طریقہ نہیں، جس سے عبادات الٰہی ممکن ہو۔[2]

اسحاق بن ابراہیم کے نزدیک علم ضرور حاصل کرنا چاہیے، کیونکہ علم ہدایت کی راہ دکھاتا اور ہلاکت سے بچاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عالم زمین میں خدا کا امین ہے۔

حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ علم کا ایک باب سیکھنا اور اس پر عمل کرنا دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔[3]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لڑکوں کو پڑھتے دیکھتے تو فرماتے: شاباش! تم حکمت کے سرچشمے ہو، تاریکی میں روشنی ہو۔ تمھارے کپڑے پھٹے پرانے ہیں، مگر تمھارے دل تروتازہ ہیں۔ تم علم کے لیے گھروں میں قید ہو، مگر تم قوم کے مہکنے والے پھول ہو۔[4]

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: علم حاصل کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے علم کی تعلیم خشیّت ہے۔ علم طلب کرنا عبادت ہے۔ علم کا مذاکرہ تسبیح ہے۔ علم حلال وحرام کا نشان ہے، جنت کے راستوں پر روشنی کا ستون ہے، تنہائی میں مونس ہے، پردیس میں رفیق ہے، خلوت میں ندیم ہے، دشمن کے مقابلے میں ہتھیار ہے، دوستوں میں زینت ہے، علم کے ذریعے سربلندی اور امامت ملتی ہے۔ علم سے ہی اہل علم کی سیرت کو نمونہ بنایا جاتا ہے اور ان کے لیے بر و بحر کے رہنے والے دعا کرتے ہیں۔[5]

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے نزدیک علم دنیا میں بھی باعثِ عزت ہے اور آخرت میں بھی۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان نے علم کو دولت مند کا جمال اور غریب کی دولت قرار

---

۱ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم: ۲۱۳/۱

۲ البیہقی، شعب الایمان: ۴۳۷۳

۳ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم: ۲۱۶/۱، ۲۱۷

۴ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم: ۲۱۸/۱

۵ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم: ۲۲۳/۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیا ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ علم کی دولت خوش نصیب آدمی کو ملتی ہے اور بدنصیب اس سے محروم رہتا ہے۔

داناؤں کا کہنا ہے کہ اہل علم کی برتری کا ثبوت یہ ہے کہ لوگ ان کی تائید کرتے ہیں۔ علم کو عبادت پر بھی فضیلت حاصل ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز کا ستون ہوتا ہے اور اس دین کا ستون علم ہے۔

حضرت سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ نیک نیت ہو کر طلب علم سے افضل کوئی عمل نہیں [1]

ایک حدیث میں طلب علم کے دوران موت کو شہادت قرار دیا گیا ہے۔ دوسری حدیث میں عالم کو شہید پر فضیلت دی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک مسجد میں بیٹھ کر فرائض و سنت کی اور علم دین کی تعلیم دینا جہاد سے افضل عمل ہے۔

اسلام میں نیکی کی تعلیم کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ بھلائی کرنے والا اور بھلائی کی راہ دکھانے والا ثواب میں دونوں برابر ہیں۔

حصول علم کے آداب

کم عمری میں تحصیل علم ضروری اور مفید ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لڑکا طلب علم اور عبادت میں نشو ونما پاتا ہے، یہاں تک کہ بڑا ہو جاتا ہے اور اپنی اسی حالت پر استوار رہتا ہے اسے ستر صدیقوں کا ثواب ملتا ہے۔[2]

حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ بچپن میں تحصیل علم پتھر پر لکیر کی طرح ہے۔[3]

ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بوڑھا آدمی جوان سے علم حاصل

---

[1] ابن عبدالبر، جامع بیان العلم: ۱/۲۲۹

[2] الہیثمی، مجمع الزوائد: ۵۰۶

[3] العجلونی، کشف الخفاء: ۱۷۵۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنے میں نہ شرمائے۔[۱]

طلب علم کے لیے سوال ضروری ہے۔ محدثین کے نزدیک علم ایک خزانہ ہے اور سوال اس کی کنجی (ابن شہاب)۔ کثرت سوال سے علم کے نئے نئے دروازے کھلتے ہیں اور علم سکھانے سے علم تازہ رہتا ہے۔ اہل علم سلیقہ سوال کو نصف علم قرار دیتے ہیں (سلیمان بن یسار)۔

طالب علم میں شرم اور حجاب محرومی کا باعث ہے۔ حصول علم کے لیے آسائش اور تن آسانی کو خیر باد کہنا پڑتا ہے۔[۲]

محدثین نے طلب علم کے لیے بڑے دور دراز کے سفر اختیار کیے۔ بعض اوقات ایک ایک حدیث کے لیے کئی کئی دن اور کئی کئی راتیں سفر کرنا پڑا۔

محدثین کا اصول ہے کہ حاصل کردہ علم پر قناعت نہ کرنی چاہئے۔ علم کے لیے ہر وقت کوشاں رہنا چاہیے۔

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: علم سے مومن کو کبھی سیری نہیں ہوتی۔ وہ علم حاصل ہی کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جنت میں پہنچ جاتا ہے۔[۳]

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: آپ کب تک علم حاصل کرتے رہیں گے؟ جواب دیا کہ موت تک۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ طلب علم کی ضرورت سب سے زیادہ کسے ہے؟ جواب دیا: جو سب سے زیادہ صاحبِ علم ہے۔

ابن ابی غسان کا قول ہے: آدمی اس وقت تک عالم ہے جب تک طالب علم ہے اور جب طالبِ علمی کو خیر باد کہہ دے تو جاہل ہے۔[۴]

---

۱ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم: ۱/۳۱۳

۲ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم: ۱/۳۲۰

۳ سنن الترمذی: ۲۶۸۶

۴ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم: ۱/۳۴۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مشہور قول ہے کہ آدمی عالم پیدا نہیں ہوتا بلکہ علم سیکھ کر عالم بنتا ہے۔[۱]

ابن شبیب کہا کرتے تھے کہ طبیعت تربیت سے بنتی ہے اور علم تلاش وطلب سے ملتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے کہ علم گمشدہ متاع ہے، جہاں ملے لے لو۔[۲]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ علم سیکھنے میں عیب نہ سمجھو۔ آپس میں ملو جلو اور علم کا چرچا کرو، ورنہ علم جاتا رہے گا۔ حدیث کا مذاکرہ کرو، کیونکہ علم مذاکرے سے بڑھتا ہے۔[۳]

فراء کا قول ہے کہ مجھے دو آدمیوں پر بڑا رحم آتا ہے: ایک اس پر جو علم حاصل کرنا چاہتا ہے مگر سمجھ نہیں رکھتا اور دوسرے اس پر جو سمجھ رکھتا ہے مگر علم حاصل کرنا نہیں چاہتا۔ ان لوگوں پر بڑا تعجب ہے جو علم حاصل کرنے پر قدرت اور طاقت رکھتے ہیں مگر علم حاصل نہیں کرتے۔[۴]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ علم کو چھوڑ دیا جائے تو علم ضائع ہو جاتا ہے۔ زہری کا قول ہے کہ آدمی تھک جاتا ہے مگر علم ختم نہیں ہوتا۔ علم کو بتدریج حاصل کرو۔ محدثین احادیث روایت کر چکتے تو شعر وشاعری اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگتے تاکہ تھکاوٹ دور ہو سکے اور دل ودماغ کو راحت وسکون میسر آ سکے۔

علم کو چھپانا، علم میں جھوٹ کی آمیزش کرنا، اہل علم کی ناقدری کرنا علم کے لیے بربادی، ہلاکت اور آفت کا حکم رکھتا ہے۔

محدثین کا قول ہے کہ اپنا علم جاہلوں کو دو اور عالموں کا علم خود لو۔ اس طرح تمھارا علم محفوظ رہے گا اور جہالت دور ہو جائے گی۔

محدثین علم میں تدریجی ترقی کے حامی اور قائل تھے۔ ابن شہاب الزہری کہا کرتے

---

۱ ابن أبي شيبة، المصنف: ۲۶۱۲۳

۲ سنن الترمذي: ۲۶۸۷ وسنن ابن ماجه: ۴۱۶۹

۳ ابن عبدالبر، جامع بيان العلم: ۳۵۱/۱

۴ ابن عبدالبر، جامع بيان العلم: ۳۵۶/۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھے کہ علم کو بتدریج حاصل کرو۔ لیل ونہار کی سست رفتاری کے ساتھ چل کر اسے حاصل کرو۔ اسے یک مشت لینے کی کوشش نہ کرو، کیونکہ ایسی کوشش علم کے باب میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔[۱]

محدثین حصول علم کے دوران میں تفریح کے بھی قائل تھے۔ ابن شہاب الزہری کا دستور تھا کہ جب بہت سی حدیثیں روایت کر چکتے تو شاگردوں سے فرماتے: ہاں! ذرا اپنے اشعار لاؤ، کچھ ادھر ادھر کی باتیں کرو، کان تھک جاتے ہیں دل اکتا جاتا ہے۔ ابن شہاب ہی کا قول ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے شعر وشاعری وغیرہ سے دل بہلا لیا کرو۔[۲]

محدثین علم کے باب میں انتخاب کے بھی قائل تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ علم کا احاطہ نہیں ہوسکتا، لہٰذا علم میں انتخاب سے کام لو۔[۳]

ایک قدیم مقولہ ہے کہ جید عالم وہ ہے جو اپنی بہترین مسموعات لکھتا ہے، اپنی بہترین مکتوبات حفظ کرتا ہے اور اپنی بہترین محفوظات روایت کرتا ہے۔

محدثین حصولِ علم کے بارے میں حسنِ نیت اور خلوص کے بھی قائل تھے۔ رہا بحث ومباحثہ یا فخر ومباہات کے ارادے سے حصولِ علم تو اسے ناپسند کیا جاتا تھا۔ طلب علم میں شرم وحجاب، علم کی ناقدری اور جہالت سے محبت کو بھی معیوب اور مذموم سمجھا جاتا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ علم حاصل کرو مگر عقل و وقار کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ استادوں اور شاگردوں سے نرمی اور حلم سے پیش آؤ۔ جبار عالم نہ بنو کہ تمھارا باطل تمھارے حق کو برباد کر ڈالے۔[۴]

محدثین کے نزدیک علم کے لیے کچھ آفات بھی ہیں۔ امام زہری کا قول ہے کہ

[۱] ابن عبدالبر، جامع بیان العلم: ۱/ ۳۵۸، ۳۵۹

[۲] ابن الجوزی، أخبار الحمقی، ص: ۱۵

[۳] ابن عبدالبر، جامع بیان العلم: ۱/ ۳۶۳

[۴] ابن عبدالبر، جامع بیان العلم: ۱/ ۳۲۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علم پر بھی بربادیاں آتی ہیں۔ ایک بربادی یہ ہے کہ عالم کو ناقدری سے چھوڑ دیا جائے اور عالم اپنا علم سینے میں چھپائے ہوئے مر جائے۔ ایک بربادی یہ ہے کہ علم میں جھوٹ کی آمیزش کر دی جائے، جو علم کی سب سے بڑی بربادی ہے۔[1]

ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ علم کی آفت نسیان ہے اور علم کی تباہی یہ ہے کہ اسے کسی نااہل کے حوالے کر دیا جائے۔[2،3]

---

1. أبو نعیم الأصفہانی، حلیۃ الأولیا: ۳/۳۶۴
2. ابن أبی شیبہ، المصنف: ۲۶۱۳۹ والدارمی، السنن: ۶۴۸
3. تخریج مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس۔ ذیلی سرخیاں از ادارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

خاکہ برائے کتاب ''تاریخِ علوم اسلامیہ''

پروفیسر عبدالقیوم صاحب کے کاغذات دیکھنے سے پتہ چلا کہ مرحوم کے ذہن میں سیرت طیبہ کی طرح علوم اسلامیہ کی ایک جامع اور مفصل ومبسوط تاریخ لکھنے کا منصوبہ بھی موجود تھا، مگر قدرت نے آپ کو اس کارِ خیر کو مکمل کرنے کی مہلت نہ دی۔

مرحوم نے اس عنوان پر جو خاکہ مرتب کیا تھا اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علوم اسلامیہ کی تاریخ پر آپ کو شرح صدر حاصل تھا اور اگر آپ کو اس کا موقع ملتا تو یہ کتاب علمی اور تحقیقی اعتبار سے ایک یادگار کتاب ہوتی۔[1]

بہرحال اس توقع پر کہ شاید کوئی صاحبِ نظر اس پروگرام کو مکمل کر سکے، ہم ان کا مرتبہ خاکہ من وعن شائع کر رہے ہیں۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔ علوم القرآن

علوم القرآن ایک وسیع اصطلاح ہے۔ اس اصطلاح کے تحت حسب ذیل عنوانات پر بحث کی جائے گی:

ا۔ نزولِ قرآن مجید: جمع وکتابت قرآن

۲۔ الاحرف السبعہ کا مفہوم

۳۔ علم سُور المکی والمدنی

۴۔ علم الناسخ والمنسوخ

۵۔ علم اَحکام القرآن

[1] اس خاکے کے مطابق دارالمعارف میں ''تاریخ علوم اسلامیہ'' کے پروجیکٹ کا آغاز ہو چکا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۶۔علم المحکم والمتشابہ

۷۔علم اَقسام القرآن

۸۔علم اِعجاز القرآن

۹۔علم القراءات

۲۔علم التفسیر

اس عنوان کے تحت حسب ذیل علوم پر بحث کی جائے گی:

التفسیر بالماثور

التفسیر بالرأی، (الرأی الجائز والرأی المذموم)

مثلاً: ابن جریر الطبری، ابن کثیر، السیوطی، الشوکانی، الرازی، البیضاوی، ابوالسعود، النسفی، الخازن، الزمخشری، القرطبی، الآلوسی، اَبو حیان الأندلسی، علی المھائمی (الھندی)، دیگر نامور مفسرین اوران کی فارسی اور اردو تفاسیر۔

نواب صدیق حسن خاں اور ان کی ترجمان القرآن، تفسیر مواہب الرحمٰن مؤلفہ سید امیر علی۔

علاوہ ازیں ہر مکتب فکر کے علماء نے جو تفاسیر لکھی ہیں ان کا مختصر جائزہ۔

جدید مفسرین مثلاً: مفتی عبدہٗ، سید رشید رضا، جمال الدین القاسمی، المراغی اور سید قطب وغیرہ۔

۳۔علوم الحدیث

۱۔حدیث وسنت کا معنی ومفہوم اوراس کا پس منظر

۲۔کتابتِ حدیث عہد نبوی میں

۳۔کتابتِ حدیث عہد صحابہ میں

۴۔کتابتِ حدیث عہد تابعین میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵۔کتب مسانید

۶۔الصحاح ستہ اور دیگر اہم مجموعے

۷۔مکانۃ الحدیث فی التشریع

۸۔علم الجرح والتعدیل

۹۔علم رجالِ الحدیث

۱۰۔علم مختلفِ الحدیث

۱۱۔علم عللِ الحدیث

۱۲۔علم غریبِ الحدیث

۱۳۔علم الناسخ والمنسوخ

۴۔علم الفقہ

۱۔اصلی مآخذ: ۱۔قرآن، ۲۔حدیث، ۳۔اجماع اور ۴۔قیاس

۲۔فقہی مذاہب: ۱۔احناف، ۲۔شوافع، ۳۔مالکی اور ۴۔حنبلی

۳۔مشہور فقہاء اور کتب فقہ۔

۵۔تاریخ نگاری

۱۔کتب فتوحات

۲۔کتب تاریخ

۳۔اقسام کتب تاریخ

۶۔سیرت وتراجم نویسی

۱۔سیرت النبی ﷺ، اس کا تاریخی پس منظر اور عہد بہ عہد اس کا ارتقاء

۲۔سیر الصحابہ

۳۔سیر اور عام کتبِ تراجم

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

۴۔ کتب تراجم کے طبقات

۵۔ عمومی کتب تراجم

۶۔ صدی وار کتب تراجم

۷۔ علم جغرافیہ

مشہور مسلم جغرافیہ دان اور ان کی تصانیف

۸۔ لغت نویسی

مشہور لغت نویس اور ان کے علمی کارنامے

۹۔ علم اللّغہ

علم النحو، علم الشعر، فقہ اللغہ

۱۰۔ علم الطّب

مشہور اطباء اور ان کی طبی خدمات

۱۱۔ علم البلاغۃ

عبدالقاہر جرجانی، جار اللہ الزمخشری اور دیگر علماء کی تصانیف

۱۲۔ علم الفلسفہ

قدیم فلسفے کا تعارف، فلسفی کتابوں کے تراجم، اہم فلاسفہ اور ان کے کارنامے

۱۳۔ علم الاَنساب

علم الانساب کی ابتدا

۱۔ علم الانساب عہد نبوی میں

۲۔ علم الانساب عہد صحابہ میں

۳۔ تاریخ اور علم الاَنساب پر اہم کتب کا تذکرہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

۱۴۔ علم الاِحتساب

آغاز وارتقاء، اس کے فوائد، کتب اِحتساب و حِسبہ پر مستقل کتابیں:

۱۔ السقطی المالقی: کتاب فی آداب الحسبہ (تالیف: ۵۰۰ھ)

۲۔ ابن عبدون الاشبیلی: رسالہ فی القضاء والحسبہ (چھٹی صدی ہجری)

۳۔ عبدالرحمٰن بن نصر الشافعی الشیرازی (م ۵۸۹ھ/۱۱۹۳ء) نھایۃ الرتبہ فی طلب الحسبہ

۴۔ ضیاء الدین محمد ابن الاخوۃ (م ۷۲۹ھ/ ۱۳۲۸ء) معالم القربہ فی أحکام الحسبہ

۵۔ ابن بسام المصری (آٹھویں صدی ہجری/ چودھویں صدی عیسوی) نھایۃ الرتبہ فی طلب الحسبہ

۶۔ ابن تیمیہ: الحسبہ فی الإسلام (قاہرہ)

۷۔ ضیاء الدین السنامی: نصاب الاحتساب

۸۔ مستقل تصانیف کے علاوہ الماوردی: الأحکام السلطانیہ اور ابو یعلیٰ: الأحکام السلطانیہ، الغزالی: إحیاء علوم الدین اور القلقشندی: صبح الأعشیٰ میں بھی حسبہ اور محتسب پر مباحث موجود ہیں۔

ان سب کتابوں میں حسبہ کے فضائل، محتسب کی ذمہ داریوں اور اس کے منصب کے مذہبی اور قانونی پہلوؤں کا ذکر ہے۔

بعض کتابوں میں محتسب کے فرائض منصبی کی انجام دہی کے لیے علمی اور فنی ہدایات اور معلومات مذکور ہیں۔ چونکہ یہ نگرانی مختلف پیشوں کی ہوتی تھی، اس لیے یہ کتابیں تمام تر ان کی نگرانی کے لیے سرکاری دستور العمل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

الشیرازی نے اپنی کتاب نہایۃ الرتبہ فی طلب الحسبہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے ایماء پر لکھی، تا کہ ایوبی حکومت کے اربابِ صنعت وحرفت کی نگرانی کے لیے دستور العمل کا کام دے سکے۔ اسی طرح ماوردی (۴۵۰ھ/ ۱۰۵۸ء) نے الأحکام السلطانیہ بھی حکومتِ وقت کے لیے تصنیف کی تھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۵۔ دیگر مروّجہ علوم وفنون

مثلاً: علم الصرف، علم النحو، علم الاشتقاق، علم بدیع و معانی، علم عروض و قوافی وغیرہ پر صدی وار بحث۔[1]

[1] تاریخ علوم کا یہ خاکہ جدید دور کے تناظر میں بعض اضافوں اور ترتیب کا تقاضا کرتا ہے۔ محمد زکریا رفیق نے اسے نئی ترتیب دی جس پر دارالمعارف میں کام جاری ہے۔ امید ہے یہ پروجیکٹ ۱۲ سے ۱۵ جلدوں میں ایک مفید علمی کام ثابت ہوگا۔ (ادارہ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیرت النبی ﷺ
و
سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

معاشرے کی تشکیل میں سیرت النبی ﷺ کی اہمیت[1]

سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ کی جامع الصفات ذات بابرکات کو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کے لیے ایک مکمل نمونہ اور پاکیزہ اسوہ قرار دیا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[2]

''تحقیق تمھارے لیے اللہ کے رسول (ﷺ) میں بہترین نمونہ ہے۔''

نبی اکرم ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور صرف آپ ﷺ کی فرمانبرداری سے راہنمائی اور ہدایت حاصل ہوتی ہے:

﴿وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾[3] ''اگر تم نبی کی اطاعت کرو گے تو ہدایت یافتہ ہو گے۔''

آپ ﷺ کی راہ ترک کر دینے سے گمراہی، بے راہ روی اور ضلالت انسان کا مقدر بن جاتی ہے۔ آپ ﷺ کے بغیر اعلیٰ اخلاق، بلند اوصاف اور عمدہ کردار کا تصور پیدا نہیں ہو سکتا۔ نبی ﷺ کے مکارم اخلاق اور اوصاف حمیدہ کی بدولت ہی دنیا جہان والوں کو اخلاقی روشنی اور روحانی نور میسر آ سکتا ہے اور یہی مقصد قرآن مجید کے اس اعلان کا ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾[4] ''آپ بہت بلند اخلاق کے مالک ہیں۔''

یہ حقیقت بھی جانی بوجھی ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد مکارم اخلاق کی تکمیل و تتمیم بھی ہے:

﴿بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ﴾[5]

---

[1] یہ مقالہ اسلامیہ کالج، سول لائنز لاہور کے مجلے ''فاران'' سیرت نمبر، ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔
[2] الاحزاب: ۳۳/۲۱
[3] النور: ۲۴/۵۴
[4] القلم: ۶۸/۴
[5] البیہقی، السنن الکبریٰ: ۲۰۷۸۲ والبزار، المسند: ۸۹۴۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

’’مجھے اس لیے بھیجا گیا ہے کہ میں عمدہ اخلاق کی تکمیل کروں۔‘‘

یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر اور عمر کے ہر دور میں آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے راہنمائی کی ضرورت ہے۔ انفرادی اور اجتماعی، معاشی اور سیاسی، ملکی اور ملی، فوجی اور شہری ہر قسم کے معاملات و مسائل میں سیرت النبی ﷺ ہمارے لیے چراغِ راہ ہے۔

اگر ہم اپنے معاشرے کی تشکیل انھی خطوط پر کر پائیں جو سیرت النبی ہمیں مہیا کرتی ہے تو ہمارا معاشرہ امن و سلامتی کا گہوارہ بن سکتا ہے اور ہر شخص کو سکون قلب میسر آ سکتا ہے۔ عدم اطمینان اور عدم اعتماد کی موجودہ فضا ختم ہو سکتی ہے۔ انفرادی بے چینی اور عدم تحفظ کا احساس اور اجتماعی اضطراب اس وقت تک ہمارے اعصاب پر سوار رہے گا جب تک ہم رحمۃ للعالمین ﷺ کے اسوہ حسنہ اور سیرت طیبہ کو اپنی ذات پر اور پورے معاشرے میں نافذ نہیں کر لیتے۔[1]

خاندان کی اصلاح

معاشرے کا نقطہ آغاز خاندان اور گھر ہے اور یہیں سے معاشرے کی تشکیل کا عمل شروع ہوتا ہے۔ گھر اور خاندان کا سربراہ مرد ہوتا ہے۔[2] وہ ایک شوہر ہے جو اپنی رفیقہ حیات کی عزت و آبرو اور عفت و عصمت کا پاسبان ہے۔ وہ ایک بیٹا ہے جو اپنے ماں باپ کا فرماں بردار اور اطاعت شعار ہے اور ان کے بڑھاپے کا سہارا اور ان کی امیدوں کا آسرا ہے۔ وہ ایک باپ ہے جو اپنی اولاد کا کفیل و ضامن ہے، ان کی تعلیم و تربیت کا ذمہ دار اور نگران ہے اور ان کے دین اور عقیدے کا محافظ اور مربی و معلم ہے۔

اولاد کے حقوق

اولاد سے محبت و الفت ایک فطری جذبہ اور تقاضا ہے لیکن رحمۃ للعالمین ﷺ نے اس میں بھی ایک حسن اور دل فریبی پیدا کر دی ہے۔ پیکر رحمت و راحت ﷺ محبت و

۱؎ سیرت کی اہمیت و افادیت کے لیے دیکھیے، دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۱/ ۴۵-۵۶

۲؎ النساء: ۴/ ۳۴

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

شفقت سے اپنے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا منہ چوم رہے تھے۔ حضرت اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ پاس بیٹھے تھے۔ بنو تمیم کے اس سردار نے یہ دیکھ کر تعجب سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے دس بیٹے ہیں، میں نے تو کبھی کسی کو اس قسم کا پیار نہیں دیا اور نہ کسی کا منہ چوما ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَا يَرْحَمُ، لَا يُرْحَمُ))[1] "جو رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔"

آپ ﷺ نے اس مختصر جواب میں محبت و شفقت کا فلسفہ بیان فرما دیا اور بڑے لطیف انداز اور حکیمانہ پیرایہ بیان میں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اپنی اولاد سے محبت و شفقت ایک طرف تو رحمت کی علامت ہے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی کرم نوازیوں اور رحمتوں کے حصول کا ایک بہانہ بھی۔ اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے بچوں کی اچھی تعلیم و تربیت کے بدلے جنت کی بشارت دی ہے۔

گھر میں امن و سکون کا ماحول پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات نہایت خوشگوار ہوں۔ وہ ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کریں اور ایک دوسرے کے مزاج شناس ہوں۔ چونکہ میاں کی ذمے داریاں زیادہ بھی ہیں اور اہم بھی۔ وہ اہل و عیال کا کفیل ہے، وہ اپنی رفیقہ حیات کی عزت و ناموس کا پاسبان اور اس کی جان و مال کا محافظ ہے، اس لیے بیگم کے لیے ضروری قرار دیا گیا کہ وہ مزاج شناسی کے ساتھ قدر شناسی کا ثبوت دے اور اپنے میاں کی خدمت اور دلداری میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنے پائے اور میاں کو یہ اعلان نبوی ﷺ سنا دیا:

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي))[2]

"تم میں سے بہترین وہ مرد ہے جو اپنی گھر والی کے حق میں بہت اچھا ہے اور میں اپنی گھر والی کے لیے تم سب سے اچھا ہوں۔"

ایک اور حدیث میں فرمایا کہ "عورتوں کا خاص خیال رکھو، وہ تمھارے عقد میں

---

[1] صحیح البخاری: ۵۹۹۷ و صحیح مسلم: ۲۳۱۸

[2] سنن الترمذی: ۳۸۹۵ و سنن ابن ماجہ: ۱۹۷۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کی ضمانت پر آئی ہیں۔" نیز جب آپ ﷺ اس دنیا سے سفر آخرت اختیار فرما رہے تھے تو اس وقت بھی اپنی عورتوں اور بیویوں سے حسن سلوک کی تلقین فرمائی۔[۱]

خاندانی اور گھریلو مسائل میں سے ایک مسئلہ بزرگوں اور بچوں کے باہمی تعلقات کا ہے۔ معاشرے کا یہ بھی بڑا نازک مسئلہ ہے۔ عام طور پر بزرگ حضرات اپنی بزرگی کے خیال میں چھوٹوں سے بات بات پر خفا اور رنجیدہ ہو جاتے ہیں اور چھوٹے تو ہوتے ہی چھوٹے ہیں۔ وہ بدتمیزی پر اتر آتے ہیں اور عزت، وقار اور احترام وادب کا سوال ان کی نظروں میں اوجھل ہو جاتا ہے۔ اس مسئلے کو رحمۃ للعالمین ﷺ نے بڑی عمدگی اور خوبی سے حل فرما دیا کہ ہماری ملّی اور دینی روایات یہ ہیں کہ بڑوں کا احترام بہر حال کیا جائے اور چھوٹوں پر رحمت وشفقت ہمارا دینی اخلاق ہے:

((مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَ يُوَقِّرْ كَبِيرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا))[۲]

"جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

اگر ہم ان ارشادات عالیہ اور حکیمانہ فرمودات کو مشعل راہ بنالیں اور بزرگ حضرات چھوٹوں سے محبت وشفقت سے پیش آئیں، ان پر رحم وکرم کی نظر رکھیں اور چھوٹے اپنے بزرگوں کا ہر طرح ادب واحترام ملحوظ رکھیں تو ہمارا معاشرہ جنت نظیر بن سکتا ہے۔[۳]

والدین کے حقوق

اولاد کی پرورش اور تعلیم وتربیت کا مسئلہ چنداں اہم اس لیے نہیں کہ ہر طبقے اور ہر گروہ کے والدین کی یہ دلی خواہش ہوتی ہے کہ ہماری اولاد بہترین تعلیم وہنر سے آراستہ ہو کر رزمگاہ جہاں میں قدم رکھے اور ہر لحاظ سے اس قابل ہو جائے کہ سکھ اور چین اور عزت وآبرو کی زندگی بسر کر سکے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ ماں باپ کی

---

۱ صحیح البخاری: ۵۱۸۶ وصحیح مسلم: ۱۴۶۸

۲ سنن أبي داود: ۴۹۴۳ وسنن الترمذي: ۱۹۲۰، ۱۹۱۹

۳ نبوی اخلاق وآداب کے لیے دیکھیے، دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ، جلد ۱۱، باب: ۱۴، ۳۱۴، ۳۴۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہی خواہش ہوتی ہے اور یہ بات تو ہم میں سے اکثر اصحاب کے مشاہدے اور علم میں آئی ہوگی کہ ایک نہایت غریب اور نادار کا بیٹا اپنی محنت اور ذہانت سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے بڑی سے بڑی اور اونچی سے اونچی کرسی کی رونق بنا۔ یہی صورت وکیفیت خواتین میں نظر آتی ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اصل مسئلہ اولاد کی تعلیم وتربیت اور نگہداشت وپرداخت کا نہیں، اس لیے کہ یہ مسئلہ مہر مادری اور شفقت پدری کی بدولت خود بخود حل ہو جاتا ہے۔

اصل مسئلہ ماں باپ کی دیکھ بھال، ان کی ضروریات کا اہتمام اور ان کی آسائش و سہولت کا لحاظ رکھنا ہے۔ یہ مسئلہ بوجوہ الجھا ہوا اور مشکلات سے بھرا ہوا ہے۔ جب انسان جوان ہو کر متاہل زندگی بسر کرنے لگتا ہے تو اہل و عیال اور بیوی بچوں کی ضروریات اور مطالبات اسے پریشان کرنے لگتے ہیں۔ شادی سے پہلے اس کی محبت اور توجہ کا مرکز والدین تھے۔ اب زندگی کے نئے دور میں رفیقہ حیات اور اپنی اولاد اس کی توجہ اور محبت کا مرکز بن جاتے ہیں۔ مزے کی یہ بات ہے اور قابل صد ستائش بھی کہ تنہا ایک والد کسی نہ کسی صورت اپنے آٹھ دس بچوں کی کفالت کا بوجھ خندہ پیشانی سے اٹھاتا ہے اور دن رات محنت ومشقت کر کے انھیں پروان چڑھاتا ہے، لیکن آٹھ دس بچے بوڑھے ماں باپ کی کفالت کو اپنے لیے ناقابل برداشت بوجھ تصور کرتے ہیں اور والدین کی بے مثال قربانی اور ایثار کو یکسر فراموش کر دیتے ہیں۔ ان حالات سے معاشرے میں بددلی، بداعتمادی، احسان فراموشی بلکہ بدسلوکی اور بے مروتی کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ اس قسم کی صورت حال کا سدِ باب کرنے کے لیے قرآن مجید میں خالقِ ارض وسماء نے والدین سے حسن سلوک کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے:

﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾[1] ''والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔''

رب تعالیٰ نے بار بار اس کا درس دیا ہے، بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھایا اور فرمایا کہ

[1] البقرۃ:۲/۸۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والدین کی دلجوئی اور دلداری کو ہر بات پر مقدم رکھو، یہاں تک کہ عالم پیری میں ان کے ناگوار طرز عمل کو بھی بخندۂ پیشانی گوارا کرو۔ ان سے بات کرو تو نرمی سے، ان کے سامنے اونچی آواز سے گفتگو کرنے یا چلاّ کر بولنے سے منع کر دیا، ترش روئی سے پیش آنے سے روک دیا اور ان کے حضور دل آزار کلمات کے استعمال کی ممانعت کر دی۔ فرمایا:

﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾[1]

''والدین کو اُف تک بھی نہ کہو اور نہ انھیں جھڑکو، ان کے ساتھ بڑے اچھے انداز سے گفتگو کیا کرو۔''

بات یہیں ختم نہیں کر دی گئی۔ والدین کی نافرمانی سے سختی سے روکا گیا۔ رحمتِ عالم ﷺ نے والدین کی نافرمانی یعنی عقوق الوالدین کو اکبر الکبائر میں شمار کیا ہے۔ اکبر الکبائر میں پہلا درجہ شرک باللہ کا ہے اور اس کے بعد عقوق الوالدین یعنی ماں باپ کی نافرمانی کا۔[2]

والدین سے نیکی کی تاکید کے سلسلے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک مشہور روایت ہے۔ انھوں نے حضرت رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بر وقت نماز ادا کرنا۔'' عرض کیا: پھر؟ فرمایا: ''والدین سے نیک سلوک کرنا۔''[3] رحمۃ للعالمین ﷺ کے نزدیک اس نیک سلوک (برّ) کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ علمائے اسلام اور محدثین کرام برّ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان میں والدین کی اطاعت و فرمانبرداری، ان سے حسن سلوک کرنا، ان کے حالات سے باخبر رہنا اور ان کی دیکھ بھال کرنا ہے۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ﴾[4] ''میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا۔''

[1] بنی اسرائیل: ۲۳/۱۷
[2] صحیح البخاری: ۵۹۷۶ و صحیح مسلم: ۸۷
[3] صحیح البخاری: ۵۹۷۰ و صحیح مسلم: ۸۵ و سنن الترمذی: ۱۷۳
[4] لقمان: ۱۴/۳۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والدین کے شکر میں وہ تمام باتیں شامل ہیں جن کا ابھی ابھی پیچھے ذکر ہوا ہے۔

بعض احادیث میں والدین کی خدمت کو جہاد پر ترجیح دی گئی ہے۔[1] نیز صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! میری خدمات کا حق دار کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''تیری ماں۔'' اس نے پھر عرض کیا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''تیری ماں۔'' اس نے پھر تیسری مرتبہ پوچھا تو آپ ﷺ نے جواب دیا: ''تیری ماں۔'' چوتھی مرتبہ پوچھنے پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''تیرا باپ۔''[2]

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جنت تیری ماں کے قدموں تلے ہے۔''[3] یعنی ماں کی خدمت کرو گے تو جنت ملے گی۔ یہ تو معلوم ہے کہ جنت اور دوزخ کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ قرآن مجید نے اس عقیدے اور حقیقت کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ فوز و کامرانی سے ہم کنار ہو گیا۔ حصول جنت مقصود و مطلوب مومن ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ مَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ﴾[4]

''جو جہنم سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا، بلاشبہ وہی کامیاب ہے۔''

بہر حال حقیقی کامیابی جنت کا حصول ہے۔ مذکورہ بالا حدیث میں اسے ماں کی خدمت و اطاعت سے مشروط کر دیا گیا ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''والدین کی رضامندی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہے اور والدین کی

---

[1] صحیح البخاری:۳۰۰۴ و صحیح مسلم:۲۵۴۹

[2] صحیح البخاری:۵۹۷۱ و صحیح مسلم:۲۵۴۸

[3] الہیثمی، مجمع الزوائد:۱۳۴۰۱ والہندی، کنز العمال:۴۵۴۴۳

[4] آل عمران ۳:۱۸۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ناخوشی اللہ کی ناراضی کا ذریعہ ہے۔“[۱] رسول کریم ﷺ نے والدین کی عزت وحرمت کے تحفظ کی ضمانت یوں بھی فراہم کی کہ کسی کے ماں باپ کو گالی دینے کو کبیرہ گناہ قرار دیا۔[۲] اس طرح اس مذموم فعل کو روک دیا، تاکہ گالی کے بدلے مخالف اس کے ماں باپ کو گالی نہ دینے پائے۔

درحقیقت والدین کی عزت وآبرو اور ان کے تقدس واحترام کے تحفظ کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ معاشرے میں بزرگوں کے تقدس واحترام کو یوں برقرار رکھ کر امن وسکون اور راحت وآسائش کی طرح ڈال دی گئی۔ گھریلو چین اور اطمینان اور روحانی سکون اور ذہنی آسائش اس بات میں مضمر ہے کہ ایک طرف تو بوڑھے والدین کی دیکھ بھال اور خدمت میں کسی قسم کی سستی اور کوتاہی نہ ہونے پائے اور دوسری طرف صلہ رحمی کے ذریعے فرائض سے سبکدوش ہوکر قلبی راحت کے علاوہ معاشی برکات سے بھی بہرہ مندی کے مواقع میسر آسکیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اعزہ واقارب سے حسن سلوک، میل جول اور نیکی ایسے اوصاف ہیں کہ جن کے واسطے سے رزق میں فراخی اور کشائش پیدا ہوتی ہے اور عمر لمبی ہوتی ہے۔[۳] اس طرز کے اپنانے سے معاشرے میں باہمی اعتماد، رواداری اور تعاون وہمدردی کی فضا پیدا ہوتی ہے جس سے قلبی سکون اور روحانی مسرت میسر آجاتی ہے۔

پڑوسیوں کے حقوق

معاشرے کے عناصر ترکیبی میں دوسرا اہم درجہ ہمسائے اور پڑوسی کو حاصل ہے۔ گھر کے اندر پرسکون فضا اور پرامن ماحول پیدا کرنے کے بعد رحمۃ للعالمین ﷺ چاہتے ہیں کہ گھر کے باہر بھی ایسا ہی خوشگوار اور دل پسند ماحول اور اطمینان بخش فضا پیدا ہوجائے تاکہ معاشرے کا ہر فرد خوشگوار زندگی بسر کر پائے۔ امت کا غم کھانے والا اور

۱۔ البیہقی، شعب الایمان: ۷۸۴۵ والالبانی، صحیح الجامع: ۳۴۹۹

۲۔ صحیح البخاری: ۵۹۷۳ وصحیح مسلم: ۹۰

۳۔ صحیح البخاری: ۲۰۶۷ وصحیح مسلم: ۲۵۵۷

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بنی نوع انسان کے خیر خواہ سید المرسلین ﷺ کو ہر فرد کا کتنا خیال ہے اور ہماری بہبود و بہتری آپ کو کتنی عزیز ہے۔ اسی ضمن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت جبریل علیہ السلام مجھے ہمسایوں کے بارے میں مسلسل اور پیہم وصیت کیا کرتے، یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ ہمسائے کو بھی وارثوں میں شامل کر لیا جائے گا۔''[1] ہمسائے سے خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے خوش رکھا جائے، اس سے حسن سلوک اور نیکی کی جائے۔ اس بارے میں ارشاد نبوی ہے:

''جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کرے۔''[2]

لفظ احسان بڑے وسیع معنوں اور اعلیٰ مفہوم کا حامل ہے۔ اس میں ہر طرح کی بھلائی، خیر خواہی اور نیکی شامل ہے۔ اچھا اور نیک سلوک ایک مسلسل عمل ہے جو کئی جہتوں کو حاوی ہے، مثلاً: آپ کا ہمسایہ ضرورت مند ہے تو آپ اس کی ضرورت پوری کیجیے، اگر وہ آپ سے مدد کا طلب گار ہے تو آپ پر ضروری ہے کہ اس کی اعانت کریں، اگر وہ بیمار ہے تو اس کی عیادت کیجیے۔ یا اگر اسے کوئی خوشی دیکھنی نصیب ہوئی ہے تو اسے مبارکباد کہیے، اسے کوئی صدمہ پہنچے یا حادثہ پیش آجائے تو اس سے تعزیت کیجیے اور تسلی دے کر اس کی ڈھارس بندھایئے اور ہمت بڑھایئے۔ مختصر یہ کہ احسان کا مفہوم یہ ہوا کہ اپنے ہمسائے کے رنج و غم اور خوشی و مسرت میں شریک ہو کر اپنے فرائض ہمسائیگی بجا لایئے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس معاملے کو یہیں ختم نہیں کر دیا بلکہ آپ نے مزید احتمالات اور خدشات کو رفع کرتے ہوئے پڑوسی کے حقوق میں یہ بات بھی شامل فرما دی اور اتنی تاکید کے ساتھ کہ تین مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر فرمایا: ''وہ شخص مومن کہلانے کا قطعاً حق نہیں رکھتا جس کا پڑوسی اس کے غیظ و غضب، مکر و فریب اور ایذا و تکلیف سے محفوظ نہیں۔''[3]

---

1 صحیح البخاری: ۶۰۱۴ و صحیح مسلم: ۲۶۲۵

2 صحیح البخاری: ۶۰۱۸ و صحیح مسلم: ۴۷

3 صحیح البخاری: ۶۰۱۶ و احمد بن حنبل، المسند: ۷۸۷۸

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

معاشرتی روابط اور اجتماعی تعلقات کے سلسلے میں اس سے بہتر تعلیم و تربیت کہیں اور نہیں مل سکتی۔ ہمسائے کی بہتری و بہبود اور خیر خواہی کو ایمان کی بنیاد اور اصل قرار دیا، گویا کہ ایک مسلمان کا یہ دینی خلق بھی ہے اور معیار ایمان بھی کہ وہ اپنے پڑوسی کو ہر حال میں خوش و خرم رکھے اور ایذا رسانی کی کسی قسم کی مہم اپنے پڑوسی کے خلاف نہ چلائے۔

ہمارے ہادی و رہنما رحمۃ للعالمین ﷺ ہیں۔ بھلا آپ ﷺ کو یہ کب گوارا ہوسکتا تھا کہ ایک مکان کے باسی تو پیٹ بھر کر کھائیں اور ساتھ والے مکان میں رہنے والے بھوکے ہی رات بسر کردیں۔ رحمت عالم ﷺ نے اس صورت حال کو اسلام اور ایمان کے سراسر منافی قرار دیا۔ ارشاد نبوی ہے:

((مَا يُؤْمِنُ مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ وَجَارُهُ طَاوٍ إِلَى جَنْبِهِ))[1]

''وہ شخص ایمان کی دولت سے محروم ہو گیا جس کے پڑوسی نے رات بھوکے بسر کی۔''

یہ چونکا دینے والا فرمان نبوی ہمارے لیے تازیانہ عبرت ہے۔ معاشرے کی اصلاح، باہمی تعاون اور ہمدردی اور ایک دوسرے کی خبر گیری اور خیر خواہی کا دم بھرنے اور ضرورتوں اور تکلیفوں کا خیال رکھنے کے لیے اس سے زیادہ سخت حکم اور کیا ہوسکتا ہے۔ اس حکم پر عمل پیرا ہونے سے ہمارے بے شمار مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

یہ تو پیٹ کے تقاضے پورے کرنے کے لیے فرمایا تھا۔ دوسری حدیث میں ہمسایوں کے جذبات اور احساسات کا خیال رکھنے کے لیے آپ ﷺ نے یوں رہنمائی فرمائی کہ سالن اور کھانا پکاتے وقت ہمسایوں کو نظر انداز نہ کرو۔ کچھ اسے بھی بھیج دو۔[2] گنجائش نکالنے کے لیے سالن میں پانی زیادہ ڈالنے کی ترغیب بھی دلائی۔[3] یہ بھی

---

[1] ابن أبي شيبة، المصنف: ۳۰۳۵۹ والطبرانی، المعجم الكبير: ۷۵۱

[2] صحيح البخاري: ۲۲۵۶۶ و صحيح مسلم: ۱۰۳۰

[3] صحيح مسلم: ۲۶۲۵ و سنن الترمذي: ۱۸۳۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرمایا کہ اگر ہمسائے کو کچھ بھیجنے کا ارادہ نہیں تو پھر کوشش کرو کہ ہنڈیا اور کھانے کی خوشبو ہمسائے کے گھر تک نہ جانے پائے۔[1] ایک حدیث میں یہ تلقین فرمائی کہ جب گھر پر کوئی پھل وغیرہ لاؤ تو ہمسائے کو بھی شریک کرلو اور اس کے بچوں کے لیے بھی کچھ بھیج دو۔ اگر ایسا نہ ہوسکے تو پھل کے چھلکے وغیرہ گھر کے اندر رکھو، باہر نہ پھینکو تاکہ ہمسائے کے بچے چھلکے دیکھ کر ترسنے نہ پائیں۔[2] سبحان اللہ! انسانی جذبات کا کتنا احترام ملحوظ خاطر ہے۔ بظاہر یہ چھوٹی باتیں معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں اعلیٰ اقدار اور بلند اخلاق کی غمازی کرتی ہیں۔

تمام اہل اسلام سے حسن سلوک

گھر کے بعد پڑوس ومحلہ، پھر سارا گاؤں، سارا شہر اور سارا ملک بلکہ سارا عالم پیش نظر ہے۔ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: ''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ خود اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے کسی ظالم کے سپرد کرتا ہے اور جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورتیں پوری فرماتے ہیں۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی تکلیف دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی سختیوں اور تکلیفوں کو دور فرمائیں گے اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔''[3]

اس حدیث میں نبیِ رحمت ﷺ نے جس وسعت ظرفی، بلند حوصلگی اور اعلیٰ اخلاق وعمدہ کردار کی تلقین فرمائی ہے اس سے ہمارا معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بن سکتا ہے۔ معاشرے میں بگاڑ اور فساد کی راہیں بھی بند کردیں تاکہ لوگوں کے امن وسکون میں خلل اندازی نہ ہوسکے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ معمولی سی گالی گلوچ سے بہت بڑا

---

1. البیہقی، شعب الإیمان: ۹۱۱۳ والہندی، کنز العمال: ۲۴۹۳۵
2. البیہقی، شعب الإیمان: ۹۱۱۳ و الہندی، کنز العمال: ۲۵۶۱۳
3. صحیح مسلم: ۲۵۸۰ وسنن الترمذی: ۱۴۲۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیجان واضطراب اور ہنگامہ وفساد بپا ہوجاتا ہے۔ اس صورت حال کی روک تھام کے لیے فرمادیا کہ اہل ایمان کو گالی دینا مجرمانہ حرکت اور اسے قتل کرنا کافرانہ عمل ہے۔[1]

ایک اور حدیث میں مسلمانوں کا کردار یوں بیان فرمایا: ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''[2] مسلمان اپنے کسی بھائی کے لیے ایذا کا باعث نہیں بنتا، گالی بکنا اور چغلی کھانا اس کی شان کے منافی ہے۔ وہ دوسرے کی عزت وحرمت، نام وناموس اور جان ومال کا محافظ وپاسبان ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ نیکی اور اچھائی کی دعوت دیتا ہے۔ مسلمان کی یہ خوبی اور خاصیت ہے کہ وہ کسی کی دل آزاری نہیں کرتا، کسی کی بدخواہی اور برائی نہیں کرتا، بلکہ دوسرے کے لیے وہی کچھ چاہتا ہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔ مسلمان اس فرمان مصطفوی پر پوری طرح عمل پیرا ہوتا ہے:

((لَا یُؤْمِنُ أَحَدُ کُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِأَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ))[3]

''تم میں سے کوئی اتنی دیر تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ وہی چیز اپنے بھائی کے لیے پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

معاشرے کے بے شمار مسائل ایسے ہیں جن سے عوام دوچار رہتے ہیں۔ کوئی بیمار ہے، کوئی بھوک کا ستایا ہوا، کوئی بیوہ اور بے کس عورت ہے، کوئی مسکین بدحال ہے، کوئی فقیر بےنوا، کوئی یتیم رہ گیا ہے اور کوئی اس کا پرسان حال نہیں۔ نبی رحمت ﷺ کی سیرت کی جامعیت اور کاملیت ملاحظہ ہو کہ سیرت طیبہ میں ان تمام مسائل کے بارے میں ہدایات موجود ہیں۔ رسول رحمت ﷺ نے فرمایا:

((اَلسَّاعِیْ عَلَی الْأَرْمِلَةِ وَالْمِسْکِیْنِ کَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ))[4]

---

1. صحیح البخاری: ۴۸ و صحیح مسلم: ۶۴
2. صحیح البخاری: ۱۰ و صحیح مسلم: ۴۱
3. صحیح البخاری: ۱۳ و صحیح مسلم: ۴۵
4. صحیح البخاری: ۵۳۵۳ و صحیح مسلم: ۲۹۸۲

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص کسی بیوہ عورت اور کسی مسکین ونادار کی حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کوشاں رہتا ہے تو اس کا درجہ مجاہد فی سبیل اللہ کے برابر ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک مجاہد اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے جان ومال کی قربانی پیش کرتا ہے۔ وہ دین کی عزت اور ملت کے وقار کی حفاظت کے لیے میدان جہاد میں نکل آتا ہے۔ اس کی خدمت، قربانی اور شوق شہادت اسے بلند مقام پر فائز کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا صلہ جنت ہے۔ معاشرے میں کسی بیوہ خاتون اور کسی مسکین کی اعانت کرنے والے کا مقام ودرجہ بھی مجاہد فی سبیل اللہ کے درجے سے کسی صورت کم نہیں۔[1]

مسکینوں اور بیواؤں کا مددگار محنت ومشقت کر کے روزی کماتا ہے اور ذاتی آسائش اور عیش وعشرت کے بجائے وہ معاشرے کے نادار اور محتاج وضرورت مند افراد کی زندگی کا سہارا بن کر ان کی تلخیوں کو کم کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس انسان کا یہ کردار اتنا پسند ہے کہ وہ ایسے شخص کو وہی مقام عطا کرتا ہے جو ایک مجاہد فی سبیل اللہ کے لیے مقرر ہے۔ یہی کیفیت وصورت یتیم کی کفالت کرنے والے کی ہے۔ ایک یتیم بچہ شفقت پدری سے محروم ہو جاتا ہے اور بعض اوقات مہر مادری سے بھی محرومی ہو جاتی ہے، تو اس صورت میں معاشرے میں اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ نبی رحمت ﷺ کو تو معاشرے کے ہر فرد کی فکر ہے اور ہر فرد کی تکلیف اور ضرورت کا احساس ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیاں کھڑے کر کے فرمایا: ''یتیم کی سرپرستی اور کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح میرے ساتھ ہوگا جس طرح یہ دو انگلیاں ساتھ ساتھ ہیں۔''[2] اس سے بہتر ترغیب وتحریض کیا ہو سکتی ہے۔

معاشرے میں جہاں کھاتے پیتے لوگ ہوتے ہیں وہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بھوک سے دوچار ہوتے ہیں۔ اسی طرح جہاں صحت منداور تندرست وتوانا حضرات موجود ہوتے ہیں وہاں چند بیمار اور مریض بھی ہوتے ہیں۔ پیغمبر رحمت ﷺ کو

---

[1] یتیم ومسکین سے حسن سلوک کے لیے دیکھیے، دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ، جلد ۱۱، باب: ۳۲۴

[2] صحیح البخاری: ۵۳۰۴ وصحیح مسلم: ۲۹۸۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہر طبقے اور ہر قسم کے لوگوں کا خیال ہے اور ہر ایک کی تکلیف کی نوعیت کا احساس ہے۔ ایسی صورت کے پیش نظر ارشاد نبوی ہے کہ بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور اگر تمھارے آس پاس کوئی بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرو اور اسے تسلی دو کہ اللہ تعالیٰ جو شافی مطلق ہے اپنی رحمت سے شفا اور صحت عطا کر دے گا۔ فرمان نبوی ہے: ''بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور بیمار کی عیادت کرو۔''[1]

تاجروں کی اصلاح

معاشرے میں کاروباری اور تاجر لوگ بھی ہوتے ہیں۔ رحمت للعالمین ﷺ نے گاہک اور دکاندار دونوں کی راہنمائی کی ہے۔ ایک طرف دوکاندار سے فرمایا کہ وہ کم نہ تولے، بازار کا بھاؤ برتے اور ناقص اشیاء اور ملاوٹ کی چیزیں فروخت نہ کرے۔ تجارتی کاروبار میں دھوکا اور فریب ودغا نہ کرے۔ دوسری طرف گاہک کو چوکس رہنے کی ہدایت فرمائی، خرید وفروخت میں خندہ پیشانی اور خیر خواہی کے جذبے کا مظاہرہ ہونا چاہیے، تنگ دلی، بد نیتی اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے جذبے سے احتراز کی تلقین فرمائی۔[2]

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ بازار سے گزرے۔ ایک جگہ منڈی میں غلے کا ڈھیر لگا ہوا دیکھا۔ آگے بڑھ کر اس ڈھیر میں ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا کہ اوپر خشک اور اچھی گندم ہے اور نیچے ناقص اور گیلی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ دھوکے اور فریب سے تجارت کرنے والا اور ملاوٹ کر کے مال تجارت فروخت کرنے والا ہماری ملی روایات کا دشمن ہے، لہٰذا وہ ہمارے طریقے پر نہیں۔ ارشاد نبوی ملاحظہ ہو:

((مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا))[3] ''جس نے ہم سے دھوکا کیا وہ ہم میں سے نہیں۔''

اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ''جب کسان اور زمیندار غلہ وغیرہ لے کر

---

[1] صحیح البخاری: ۳۰۴۶ و سنن أبی داود: ۳۱۰۵
[2] صحیح مسلم: ۱۰۲ و سنن الترمذی: ۱۳۱۵
[3] صحیح مسلم: ۱۰۱ و سنن أبی داود: ۳۴۵۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شہر کو آئیں تو انھیں راستے ہی میں روک کر سودا نہ کر لیا جائے، بلکہ انھیں منڈی میں پہنچنے دو،[۱] تاکہ چیزوں کا بھاؤ ٹھیک اور صحیح قائم رہ سکے۔ نہ تم اس کی بے خبری اور لاعلمی سے ناجائز فائدہ اٹھاؤ اور نہ اشیا کا بے جا طور پر بھاؤ چڑھنے پائے۔ قیمتوں کو متوازن رکھنے کے لیے آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ غلہ لا کر منڈی میں فروخت کیا جائے۔

نبی رحمت ﷺ نے قتل وخون ریزی اور چوری ڈاکے کی روک تھام کے لیے بھی واضح ہدایات ارشاد فرمائی ہیں۔ اس سلسلے میں فرمایا کہ ''مسلمان کا خون اور اس کا مال اور عزت تکریم وتقدس کے اعتبار سے بیت الحرام کے برابر ہے۔ نہ مسلمان کا خون بہایا جائے، نہ مال ودولت پر ڈاکہ ڈالا جائے اور نہ اس کی عزت وناموس پر کوئی آنچ آنے پائے۔''[۲] مختصر یہ کہ آپ ﷺ نے ہر طرح اسلامی معاشرے کے افراد کو روحانی، ذہنی اور قلبی سکون اور امن وسلامتی کے مواقع بہم پہنچا دیے۔

ذکر الٰہی اور پر امن معاشرہ

پُر امن اور پرسکون معاشرے کی تشکیل کے ضمن میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ معاشرے کے افراد بکثرت ذکر الٰہی کریں اور فکر معاش سے زیادہ فکر معاد کا دھیان رکھیں۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی کا کوئی لمحہ ذکر الٰہی سے خالی نظر نہیں آتا، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے آنحضرت ﷺ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔[۳] یہاں تک کہ میدان جنگ میں بھی بکثرت ذکر الٰہی کا حکم قرآن مجید میں مذکور ہے۔[۴] ذکر الٰہی کی تمام مسنون صورتیں اور کیفیتیں ہمارے سامنے ہیں اور ان میں سے آسان ترین اور اہم صورت نماز ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴾[۵] ''نماز قائم کر کے مجھے یاد کیا کرو۔''

---

۱ صحیح البخاری: ۲۱۵۰ وسنن النسائی: ۴۴۸۷

۲ صحیح البخاری: ۶۷ وصحیح مسلم: ۱۲۱۸

۳ صحیح مسلم: ۳۷۳ وسنن الترمذی: ۳۸۴۴

۴ الانفال: ۴۵/۸

۵ طٰہٰ: ۱۴/۲۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اہم ذریعہ اور طریقہ قیام نماز ہے۔ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

((قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ))[1] ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔''

اسلامی معاشرے کا اہم وصف اور کردار قیام صلوٰۃ ہے۔ آج بھی ہم نماز میں پابندی اختیار کر کے سکون قلب کا سامان کر سکتے ہیں:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾[2]

''اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون واطمینان نصیب ہوتا ہے۔''

ذکر کا ایک اہم طریقہ تلاوتِ قران مجید ہے۔ یہ وہ مقدس کتاب ہے جو خدائے رحمٰن نے نبی کریم ﷺ کو سکھائی اور پڑھائی۔ پھر آپ ﷺ نے خود بھی اس کتاب عظیم کی تلاوت فرمائی اور اپنی امت کو بھی اس کی تعلیم دی۔ آنحضرت ﷺ کے منصب نبوت کا اہم فریضہ یہ بھی تھا کہ آپ لوگوں کو قرآن مجید اور سنت وحکمت کی تعلیم دیتے اور اس قرآن کریم کے ذریعے سے تزکیہ نفوس اور تطہیر قلوب فرماتے۔[3]

قرآن مجید کی تعلیم و تدریس اور افہام و تفہیم اسلامی معاشرے کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔ قرآن مجید کو پڑھنے پڑھانے، سمجھنے اور پھر اس پر عمل پیرا ہونے سے معاشرے میں اسلامی انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے۔ اسی طریق کار میں ہماری نجات اور فلاح کا راز مضمر ہے اور اسی کتاب مقدس اور سنت نبوی کی اطاعت اور فرمانبرداری میں ہماری بقا اور سلامتی ہے۔[4]

---

[1] سنن أبي داود: ۳۹۳۹ وسنن النسائي: ۳۹۳۹

[2] الرعد ۲۸/۱۳

[3] البقرۃ: ۱۲۹/۲ و آل عمران: ۷۷/۳

[4] تخریج مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس۔ ذیلی سرخیاں از ادارہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

نبی اکرم ﷺ کے اسمائے مبارکہ

بقول قاضی ابوبکر ابن العربی ؒ بعض صوفیاء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار نام ہیں اور اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے اسمائے مبارکہ کی تعداد بھی ہزار تک پہنچتی ہے۔[۱] بہرحال صفات و اوصاف کے اعتبار سے آپ ﷺ کے متعدد اسماء اہل علم نے قلمبند کیے ہیں۔[۲]

اسماء نبی ﷺ

ذیل میں آپ کے مشہور اور خاص اسمائے مبارکہ درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ **محمد:** آپ کا مشہور ذاتی نام ہے، جو قرآن مجید میں ۴ مرتبہ آیا ہے۔[۳] اس سے مقصود وہ ذات گرامی ہے جس کی تعریف وتوصیف اور مدح وستائش میں ہر مخلوق رطب اللسان اور کائنات کا ذرہ ذرہ جس کا ثناء خواں ہو۔ افعال واعمال کے ساتھ جب تک آپ ﷺ کی رسالت کا اقرار ''محمد رسول اللہ'' کہہ کر نہ کیا جائے کوئی شخص مسلمان نہیں بن سکتا۔ آپ کی ولادت باسعادت سے پہلے جزیرۃ العرب میں اہل کتاب کے ہاں یہ بات مشہور تھی کہ عنقریب ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے جس کا نام محمد ہوگا۔ بہت سے گھرانوں اور خاندانوں کی یہ تمنا تھی کہ عزت وشرف ان کے حصے میں آئے اور اسی وجہ سے کئی لوگوں نے اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھ لیے۔[۴] بعض علماء کے نزدیک ایسے نام والوں کی تعداد

---

۱ ابن العربی، أحکام القرآن: ۵۸۰/۳

۲ الصالحی، سبل الہدیٰ: ۴۰۷/۱

۳ آل عمران: ۱۴۴/۳ والاحزاب: ۴۰/۳۳ ومحمد: ۲/۴۷ والفتح: ۲۹/۴۸

۴ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ: ۱۹۷/۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پندرہ بیس افراد تک پہنچ جاتی ہے،[۱] مگر اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی ملاحظہ فرمایے کہ محمد نامی افراد میں سے کسی نے بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا، کیونکہ یہ سعادت وکرامت ہمارے نبی اکرم ﷺ کے لیے مخصوص تھی۔ الغرض! یہ نام ہر لحاظ سے بڑا بابرکت ہے۔

۲۔ أحــمــد: آپ ﷺ کا یہ اسم گرامی قرآن مجید میں ایک مرتبہ آیا ہے اور وہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے بطور بشارت:

﴿ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ﴾[۲]

''اور میں ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔''

نبی اکرم ﷺ سے پہلے کسی شخص کا نام احمد نہیں رکھا گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے خالق و مالک کی حمد و ثناء اس کثرت سے کی کہ دوسرا کوئی شخص اس معاملے میں آپ کا شریک و سہیم نہیں ہوسکتا۔ اپنے رب کی تعریف وحمد بیان کرنے میں آپ ﷺ سب پر سبقت لے گئے۔ آپ ﷺ اللہ کے ہاں بھی محمود ہیں، فرشتوں کے ہاں بھی۔ انبیائے کرام کے ہاں بھی محمود ہیں اور اہل زمین کے نزدیک بھی، آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے اتنے چرچے کیے کہ آپ کی امت ''حمادون'' کہلاتی ہے۔[۳] جو ہر آن اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتی رہتی ہے۔ دکھ سکھ میں حمد کو ضروری ٹھہرایا گیا۔ ہر موقع اور ہر تقریب پر حمد کا ورد ہوتا ہے۔ آپ ﷺ صاحب مقامِ محمود ہیں۔[۴] آپ قیامت کے دن لوائے حمد کے حامل ہوں گے۔[۵]

۳۔ الْاَبَــرُّ: یعنی محسن، خیر و بھلائی کا جامع۔ آپ ﷺ حسن وصدق، خصائل جمیلہ اور اطوار حمیدہ کا پیکر تھے۔

---

۱ ابن حجر، فتح الباری:۶/۵۵۶

۲ الصف:۶۱/۶

۳ الطبرانی، المعجم الکبیر:۱۰۰۴۶ والدارمی، السنن:۷

۴ صحیح البخاری:۴۷۱۸

۵ سنن الترمذی:۱۳۴۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۔ اَلْأَبْطَحِي: بطحائے مکہ کی نسبت سے یہ لقب ٹھہرا۔ آپ کے دادا زمانۂ جاہلیت میں سید الابطح کہلاتے تھے۔[1]

۵۔ اَلْأَبْلَجُ: خندہ پیشانی اور رخ انور کی وجہ سے ''ابلج'' مشہور ہوئے۔

۶۔ اَلْأَبْيَضُ: لفظی معنی ہیں: روشن و تابناک اور اس سے مراد ہے صاحبِ سخاوت۔ نیز اس لیے بھی کہ آپ ﷺ کی زندگی نہایت پاک وصاف اور بے داغ گزری۔

۷۔ اَلْأَتْقٰی: آپ سب سے زیادہ متقی ہیں۔ تقویٰ آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ زندگی کے کسی لمحے میں بھی آپ ﷺ نے دامن تقویٰ کو نہیں چھوڑا۔

۸۔ اَلْأَجْوَدُ: آپ بہت ہی زیادہ جود و کرم کے مالک تھے۔ آپ ﷺ ہر انسان پر احسان کرتے۔ مستحق تو تھے ہی آپ غیر مستحق لوگوں کو بھی نوازتے، غیر سوالی کو بھی عطا کر دیتے اور فقر و فاقہ سے بے نیاز ہو کر کثرت سے سخاوت کرتے۔ حدیث میں اس بات کا ذکر آتا ہے کہ آپ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور بالخصوص رمضان المبارک کے مہینے میں تو آپ ﷺ کی سخاوت کا کوئی اندازہ ہی نہ تھا۔[2]

۹۔ اَلْأَجَلُّ: نبی کریم ﷺ کی عظمت و جلالت اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مسلم تھی اور بندوں کے ہاں بھی۔

۱۰۔ اَلْأَحْسَنُ: آپ ﷺ حسن و جمال میں بے مثال اور صفات کمال کا پیکر تھے۔ حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے آپ کو احسن الناس کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔[3]

۱۱۔ اَلْأَحْشَمُ: نبی اکرم ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ باوقار اور پر سکینت تھے۔ آپ ﷺ نے شرک سے نجات دلا کر توحید کا راستہ دکھایا، نیز اس لیے بھی کہ آپ ﷺ اپنی امت کو دوزخ کی آگ سے بچانے والے ہیں۔

۱۲۔ اُحَيْدُ: آپ ﷺ نے لوگوں کو راہ باطل سے ہٹا کر راہ حق پر گامزن کر دیا۔

---

[1] البیہقی، دلائل النبوۃ: ۲/ ۱۶ و الزرقانی، شرح المواہب: ۴/ ۱۷۱

[2] صحیح البخاری: ۱۹۰۲ و صحیح مسلم: ۲۳۰۷

[3] صحیح البخاری: ۲۸۲۰ و صحیح مسلم: ۲۳۷۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۳۔ اَلْاٰخِذُ بِالْحُجُزَاتِ: نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ ''میں لوگوں کو کمر سے پکڑ کر آگ میں گرنے سے بچانے والا ہوں۔''[۱] لوگ آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے ہیں اور قریب ہے کہ وہ اس آگ میں اوندھے منہ گر پڑیں۔ آپ ﷺ ازراہِ ہمدردی وتلطف انھیں کمر سے پکڑ پکڑ کر پیچھے کی جانب ہٹاتے ہیں اور انھیں بچانے کے لیے مسلسل کوشش فرما رہے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت کا مقصد خلق خدا کو جہنم کی آگ سے بچانا ہے اور آپ اس مقصد کے حصول کے لیے رات دن کوشاں ہیں۔

۱۴۔ آخِذُ الصَّدَقَاتِ: اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو اس امر پر مامور فرمایا کہ آپ اہلِ ثروت اور صاحبِ حیثیت مسلمانوں سے زکوٰۃ مفروضہ اور نفلی صدقات لے کر مستحق لوگوں میں تقسیم کریں:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾[۲]

''آپ ان کے اموال سے صدقہ لے کر ان کی طہارت اور تزکیہ کریں۔''

اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ معاشرے کے تنگ اور بدحال لوگوں کے ساتھ مالی تعاون کی راہ نکل آتی ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ مال خرچ کرنے والوں کی تطہیر مال وجان اور تزکیہ نفس ہو جاتا ہے۔

۱۵۔ اَلْاَخْشٰی: قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾[۳]

''اللہ تعالیٰ کے بندوں میں صرف علم والے ہی اس سے ڈرتے ہیں۔''

خشیت وتقویٰ علم کی راہ سے حاصل ہوتا ہے۔ جتنا اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال اور قدرت وکمال کا علم واعتقاد ہوگا اور اس ذات اقدس پر جتنا ایمان ہوگا، اتنا ہی

۱۔ صحیح البخاری:۶۴۸۳ وصحیح مسلم:۲۲۸۴

۲۔ التوبہ:۹/۱۰۳

۳۔ فاطر:۳۵/۲۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوف خدا دل میں جاگزیں ہوگا۔ جتنا خوفِ خدا ہوگا، اتنا ہی انسان گناہوں اور معاصی سے دور رہے گا۔ آپ ﷺ کائنات میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی جلالت وقدرت اور عظمت وہیبت کا علم رکھتے تھے اور سب سے زیادہ اس پر ایمان رکھتے تھے، اس لیے آپ سب سے بڑھ کر اللہ کے خوف وخشیت کے حامل تھے۔

۱۶۔ اَلْأَدْوَمُ: نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت پر سب سے زیادہ مداومت اور مواظبت کرنے والے تھے۔[1]

۱۷۔ أُذُنُ خَيْرٍ: آپ ﷺ سب لوگوں کی باتیں بڑی توجہ اور غور سے سنتے تھے۔ معذرت خواہ لوگوں کا عذر قبول فرما لیا کرتے تھے، گویا کہ آپ ﷺ ہر ایک کی بات سننے کے لیے ہمہ تن گوش بن جاتے تھے۔ اس میں لوگوں کی بھلائی اور خیر خواہی کی دلیل بھی ہے اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی ہے کہ جو شخص تمھارے عذر قبول کر لیتا ہے وہ تمھارے لیے ہمہ تن خیر ہے۔

۱۸۔ اَلْأَرْجَحُ: نبی اکرم ﷺ علم وفضل، حلم وشرف اور عقل ودانش میں تمام بنی نوع انسان پر فضیلت رکھتے تھے۔

۱۹۔ اَلْأَرْحَمُ: آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔ رحمت وشفقت میں آپ کا کوئی ثانی ونظیر نہیں ہے۔

۲۰۔ اَلْأَزْكٰى: پاکیزگی ونظافت اور طہارت میں نبی کریم ﷺ سب پر فوقیت لے گئے ہیں۔

۲۱۔ اَلْأَزْهَرُ: نبی اکرم ﷺ کے رخ روشن پر سب سے زیادہ رونق اور وقار تھا۔

۲۲۔ اَلْأَشَدُّ: قول وعمل میں استقامت وصداقت اور توفیق کے اعتبار سے آپ ﷺ سب پر سبقت لے گئے ہیں۔

۲۳۔ اَشْجَعُ النَّاسِ: نبی اکرم ﷺ بڑے ہی باہمت، بہادر اور دلیر تھے۔ شجاعت وبسالت میں آپ ﷺ سب پر فضیلت رکھتے تھے۔[2]

۲۴۔ اَلْأَصْدَقُ: آپ ﷺ سب سے زیادہ قول کے سچے، بات کے پکے، حق پر ثابت رہنے

---

[1] أحمد بن حنبل، المسند: ۲۶۷۱۸

[2] صحیح البخاری: ۲۸۲۰ و صحیح مسلم: ۲۳۰۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں سب سے قوی اور طاقت ور تھے۔[1]

۲۵۔ اَلْاَطْیَبُ: آپ ﷺ سب سے افضل و اشرف بھی تھے اور آپ کے جسم اطہر سے خوشبو کی مہک بھی آتی تھی۔

۲۶۔ اَلْاَعَزُّ: آپ ﷺ قوت و غلبہ اور عزت و طاقت میں سب لوگوں پر فوقیت رکھتے تھے۔

۲۷۔ اَلْاَعْظَمُ: آپ حسنِ خلقت اور حسن یعنی ذاتی کمالات و صفات میں سب پر فضیلت رکھتے تھے۔

۲۸۔ اَلْاَعْلٰی: رفعتِ مرتبت اور بلندیٔ درجات میں آپ ﷺ سب سے بلند و بالا تھے۔

۲۹۔ اَلْاَعْلَمُ بِاللّٰہِ: اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں آپ ﷺ کو سب سے زیادہ فوقیت حاصل تھی۔

۳۰۔ اَفْصَحُ الْعَرَبِ: فصاحت و بلاغت، زبان و بیان، طلاقتِ لسان اور وضاحت مطالب کے اعتبار سے آپ ﷺ عرب کے سارے باشندوں پر سبقت لے گئے ہیں۔

۳۱۔ اَکْثَرُ الْاَنْبِیَاءِ تَبَعًا: آپ ﷺ کی امت کی تعداد فرداً فرداً سارے انبیاء کی امتوں سے زیادہ ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ بعض نبی ایسے ہوں گے جن کی امت ایک فرد پر مشتمل ہو گی۔[2] ایک حدیث میں فرمایا: مجھے امید ہے کہ میری امت سب سے زیادہ ہوگی۔[3]

۳۲۔ اَلْاَکْرَمُ: آپ ﷺ جود و کرم اور شرافت و کرامت میں سب سے بڑھ گئے، اسی لیے آپ ﷺ کو اکرم الناس اور اکرم ولد آدم بھی کہا جاتا ہے۔[4]

۳۳۔ اَلْاِکْلِیْلُ: آپ تاج الانبیاء اور رأس الاصفیاء ہیں۔

۳۴۔ اَلْاٰمِرُ وَالنَّاهِیُ: آپ ﷺ نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہیں لہٰذا آپ کی امت پر بھی لازم ہے کہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔

۳۵۔ اَلْاِمَامُ: آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لیے رہنما بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کی اقتدا و اتباع میں ہی نجات ہے۔ آپ ﷺ ہی امام الخیر، امام العالمین، امام المتقین

---

[1] سنن الترمذی: ۳۶۳۸

[2] صحیح البخاری: ۵۷۵۲

[3] صحیح مسلم: ۱۹۶ و سنن ابن ماجہ: ۴۳۰۱

[4] سنن الترمذی: ۳۶۱۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام الناس اور امام النبیین ہیں۔[۱]

۳۶۔ اَلْأَمَانُ: آپ ﷺ اپنی امت کے لیے امن و سلامتی کا باعث ہیں۔ جب تک آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان میں تشریف فرما رہے امت عذابِ الٰہی سے محفوظ رہی اور آپ ﷺ کے بعد استغفارِ امت باعث امان قرار پایا۔[۲]

۳۷۔ اَلْأُمَّۃُ: ہر نوع کے خصائل جمیلہ اور اوصاف حمیدہ کا پیکر ہونے کے باعث آپ کو یہ لقب ملا تھا۔ آپ کے اوصاف و خصائل اس قدر زیادہ ہیں کہ مجموعی طور پر کوئی جماعت اور امت بھی آپ ﷺ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

۳۸۔ اَلْأَلْمَعِيُّ: نبی اکرم ﷺ نہایت ہی ذہین و ذکی، فصیح و بلیغ، قادر الکلام، روشن دماغ اور معاملہ فہم تھے۔

۳۹۔ اَلْأَمْنُ: آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے طمانیتِ نفس سے بہرہ وافر عطا کیا تھا۔ آپ ﷺ ہر قسم کے خوف و خطرے سے بے نیاز ہو کر تبلیغ اسلام میں مصروف رہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا:

﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾[۳] ”اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔“

دنیا میں عصمت و حفاظت اور امن و سلامتی کے علاوہ آخرت میں بھی سروری و سرفرازی اور عزت و وقار کے قائم رکھنے کا وعدہ کرتے فرمایا:

﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ﴾[۴]

یعنی ”اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو قیامت کے دن (بھی) رسوائی سے بچائے گا۔“

یہ شفاعتِ امت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

۴۰۔ اَلْأَمِيْنُ: آپ ﷺ امانت و دیانت کے لیے مشہور و معروف ہیں۔ بعثت سے پہلے بیت اللہ

---

۱ سنن ابن ماجہ:۴۳۱۴

۲ سنن الترمذی:۳۰۸۲ و احمد بن حنبل، المسند:۱۹۵۰۶

۳ المائدۃ:۵/۶۷

۴ التحریم:۶۶/۸

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کی تعمیر کے وقت بھی قریش مکہ آپ ﷺ کو دیکھ کر پکار اٹھے: ''ھٰـــذَا الْأَمِیْـــنُ''[1] آپ ﷺ ہی تو امین ہیں۔ پھر آپ امین بمعنی مامون بھی ہیں کہ لوگ اپنی قیمتی چیزیں آپ ﷺ کے پاس بطور امانت رکھ جاتے اور آپ ﷺ ان امانتوں کی حفاظت فرماتے تھے۔ آپ ﷺ اس لیے بھی امین ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کی امانت آپ ﷺ کے سپرد کی اور آپ نے اس امانت کو من وعن لوگوں تک پہنچا دیا۔

۴۱۔ اَلْاُمِّیُّ: قرآن مجید میں آپ ﷺ کو ﴿اَلرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ﴾[2] کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ امی اسے کہتے ہیں جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ امی ہونا بھی آپ کے لیے معجزہ ہے۔ اس معجزے کی عظمت کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قرآن مجید جیسی عظیم الشان اور بے مثال کتاب عطا فرمائی جو بذات خود ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ آپ کی ذات گرامی کے لیے یہ لقب بطور تعظیم و تکریم استعمال ہوا ہے اور اسے نبوت و رسالت کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾[3]

''آپ تو اس (قرآن) سے پہلے نہ تو کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے، ورنہ باطل پرست لوگ ضرور شک کرنے لگتے۔''

۴۲۔ اَنْعَمَ اللّٰہِ: رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر بے شمار انعامات اور احسانات فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت تو یہ ہے کہ اس نے اپنے حبیب کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور اپنے بندوں کو اسلام جیسی نعمت غیر مترقبہ سے نوازا۔

---

[1] الحاکم، المستدرک: ۱۶۸۳، وابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۱/۲۸۰

[2] الاعراف: ۷/۱۵۷

[3] العنکبوت: ۲۹/۴۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۳۔ اَلْأَوَّاهُ: آپ ﷺ نہایت حلیم اور نرم دل تھے۔ دعائیں بڑے خشوع وخضوع اور تضرع سے کرتے۔ ہر وقت خدا کے حضور میں استغفار کرتے رہتے اور اس کی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے تھے۔

۴۴۔ أَوَّلُ شَافِعٍ: قیامت کے دن آپ ﷺ ہی سب سے پہلے شفاعت کریں گے۔

۴۵۔ أَوَّلُ مُشَفَّعٍ: سب سے پہلے آپ ﷺ کی شفاعت ہی قبول کی جائے گی۔[1]

۴۶۔ اَلْبَارِعُ: رسول اللہ ﷺ علم و فضل، حلم و حکم، خصائل و کمالات اور مکارم اخلاق میں تمام مخلوق پر فوقیت رکھتے تھے۔

۴۷۔ اَلْبَاهِرُ: آپ ﷺ پیکر حسن و جمال تھے۔ مخلوق خدا میں سے کوئی آپ کا نظیر و سہیم نہ تھا۔ آپ ﷺ کا نور نبوت تمام انبیاء کے نور پر غالب آ گیا اور آپ ﷺ کے نورِ ہدایت نے ساری دنیا کو منور کر دیا۔

۴۸۔ اَلْبَحْرُ: آپ ﷺ جود و کرم، طہارت و پاکیزگی اور عمومی نفع رسانی کے اعتبار سے ایک بحر زخار (ٹھاٹھیں مارتا ہوا) سمندر تھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو پاکبازی، طہارت اور اخلاق حسنہ کی تعلیم دی۔ جود و کرم میں آپ ﷺ ہواؤں سے بھی بازی لے گئے۔ آپ اتنی سخاوت کرتے کہ لوگوں کو فقر و فاقہ سے نجات مل جاتی۔ آپ ﷺ نے جسمانی صفائی اور طہارت کے ساتھ تزکیہ قلوب کا بھی اہتمام فرمایا۔

۴۹۔ اَلْبَدْرُ: رسول اللہ ﷺ اپنے فیوض و برکات، فوائد و کمالات اور حسنات و درجات کے باعث کائنات کے لیے چودھویں کے چاند کی حیثیت رکھتے تھے۔

۵۰۔ اَلْبَرُّ: بر سے اسم فاعل ہے۔ بر کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ اس میں نیکی، احسان، اطاعت، صدق سب شامل ہیں۔ آپ ﷺ نیکی اور احسان میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں آپ ﷺ کی مثال نہیں ملتی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے اپنے وعدوں کو ہمیشہ پورا فرمایا۔ حسن خلق میں آپ سے بڑھ کر نہ

---

[1] صحیح مسلم: ۲۲۷۸ و سنن الترمذی: ۳۶۱۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو کوئی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ قرآن مجید نے بھی اس امر کی شہادت دی ہے۔[۱]

۵۱۔ اَلْبُرْھَانُ: رسول اللہ ﷺ اس اعتبار سے بھی واضح دلیل اور روشن حجت ہیں کہ آپ ﷺ ایسی آیات اور ایسے معجزات لے کر آئے جو آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور اس لحاظ سے بھی کہ آپ ﷺ مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتمام حجت کے لیے تشریف لائے۔ سفیان بن عیینہ، ابن عطیہ، النسفی اور دیگر علماء نے آیت: ﴿قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾[۲] میں برہان سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس لی ہے۔

۵۲۔ اَلْبَشَرُ: آپ ﷺ بنی نوع انسان میں اعظم البشر ہیں۔ وحی الٰہی اور منصبِ نبوت نے آپ ﷺ کی جلالت و عظمت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ معارفِ جمیلہ اور امتیازاتِ عالیہ نے آپ کو سرور کائنات کے بلند مقام پر فائز کر دیا ہے۔

۵۳۔ بُشْرٰی عِیْسٰی: آپ ﷺ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت تھے۔[۳]

۵۴۔ اَلْبَیَانُ: آپ ﷺ نہایت بلیغ الفاظ میں اظہارِ خیال فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ جس فصاحت و بلاغت سے اظہار مقصود کرتے تھے اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ ﷺ کا فرمایا ہوا ہر جملہ ادب کا ایک شہ پارہ ہے۔

۵۵۔ اَلتَّذْكِرَةُ: دلیل اور علامت کا تعلق حسی امور سے ہوتا ہے، جبکہ تذکرہ کا تعلق ذہنی امور سے۔ آپ ﷺ نے دلائل و براہین اور علامات و آیات سے بھی لوگوں کو سمجھایا اور ذہنی لحاظ سے بھی جھنجھوڑا۔ آپ ﷺ نے غافلوں کو بھی تنبیہ کی اور بھولے بھٹکے لوگوں کو بھی راہ راست پر ڈالا۔

۵۶۔ اَلتِّهَامِيُّ: تہامہ کی طرف نسبت ہے۔ مکہ مکرمہ کا ایک نام تہامہ بھی ہے۔ نیز مکے

[۱] النساء:۴/۱۷۴

[۲] القلم:۶۸/۴

[۳] أحمد بن حنبل، المسند:۲۲۲۶۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ایک جگہ کا نام بھی ہے۔

۵۷۔ اَلثِّمَالُ: آپ ﷺ لوگوں کا ملجا و ماویٰ تھے۔ ہر ایک کی مدد فرماتے، یتیموں، بیواؤں اور بے کسوں کے لیے سہارا اور آسرا تھے۔

۵۸۔ اَلْجَبَّارُ: دنیا میں آپ ﷺ کی عظمت و جلالت اور دبدبہ و رعب مسلّم ہے۔ نیز آپ ﷺ اپنی امت کی تعلیم اور ہدایت و اصلاح کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔

۵۹۔ اَلْجَدُّ: آپ ﷺ ہر لحاظ سے کامل الصفات اور جلال و عظمت کا پیکر تھے۔

۶۰۔ اَلْجَلِيْلُ: آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اور مخلوق خدا کے نزدیک بھی بڑے جلیل القدر اور عظیم المرتبت تسلیم کیے گئے ہیں۔

۶۱۔ اَلْجَوَّادُ: آپ ﷺ اجود بھی تھے اور الجواد بھی۔ جود و کرم کے سلسلے میں آپ خرچ کرنے سے کبھی دریغ نہ فرماتے تھے۔ جو کچھ ہوتا راہ خدا میں خرچ کر دیتے۔

۶۲۔ اَلْحَاشِرُ: قیامت کے روز رسول اللہ ﷺ کو سب سے پہلے مرقد مبارک سے اٹھایا جائے گا، لوائے حمد آپ کے دست مبارک میں ہوگا اور پھر ساری مخلوق کو آپ کے سامنے اٹھایا جائے گا۔[1]

۶۳۔ اَلْحَاكِمُ: اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن مجید کا ایک مقصد یہ بیان فرمایا ہے کہ آپ لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کیا کریں۔[2] فیصلوں کے سلسلے میں آپ کا عدل و انصاف تاریخ عدالت کا نہایت درخشاں اور روشن باب ہے۔

۶۴۔ اَلْحَامِدُ: آپ ﷺ نے زندگی بھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کثرت سے کی کہ آپ ساری کائنات سے سبقت لے گئے۔ آپ ہی قیامت کے دن لوائے حمد اٹھائیں گے اور اپنے خالق حقیقی کی حمد و ثناء کرتے کرتے منصب امامت و سیادت پر فائز ہوں گے۔[3]

---

[1] سنن الترمذی: ۳۶۱۰ و أحمد بن حنبل، المسند: ۲۵۴۶

[2] النساء: ۴/۱۰۵

[3] سنن الترمذی: ۳۱۴۸ و أحمد بن حنبل، المسند: ۲۶۹۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۶۵۔ اَلْحَامِی: آپ ﷺ اپنی امت کے حامی و ناصر تھے۔ آپ امت کے لوگوں کو تباہی و بربادی اور ہلاکت سے بچاتے رہے۔

۶۶۔ حَبِیْبُ اللّٰہِ: محبت سے فعیل کا وزن بمعنی فاعل اور مفعول۔ یہ ایک روحانی کیفیت ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ احکام الٰہی کی سختی سے اطاعت کی جائے۔ سعادت و قربِ الٰہی کے حصول کے تمام ذرائع اختیار کیے جائیں۔ اہل علم نے خلیل اور حبیب میں فرق بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ حبیب کا درجہ خلیل سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ خلیل کا اتصال واسطے سے ہوتا ہے اور حبیب کا اتصال بلا واسطہ۔ خلیل مغفرت کی امید و خواہش رکھتا ہے اور حبیب کو مغفرت کا یقین حاصل ہوتا ہے۔ خلیل نیک نامی (لسان صدق) کے لیے دعا کرتا ہے اور حبیب کو ﴿ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ﴾[1] کا مژدہ سنا دیا جاتا ہے۔ خلیل رب جلیل سے دعا کرتا ہے کہ مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے بچائے رکھنا اور حبیب کو یہ جاں فزا خبر دی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے گھرانے کو پاکیزگی اور طہارت سے سرفراز کرنا چاہتا ہے۔[2] آپ ساری کائنات میں سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر آپ کا ایمان سب سے زیادہ ہے۔ اس طرح آپ کو اللہ تعالیٰ سے محبت بھی سب سے زیادہ ہے اور اللہ تعالیٰ کو آپ سے کہ آپ ہی حبیب الرحمٰن ہیں۔

۶۷۔ اَلْحِجَازِیُّ: حجاز کی طرف نسبت ہے۔

۶۸۔ حُجَّۃُ اللّٰہِ: آپ ﷺ مخلوق خدا کے لیے حجۃ اللہ بھی ہیں اور الحجۃ البالغۃ بھی۔ آپ نے دلائل و براہین سے لوگوں کو دین اسلام سمجھایا اور پورے طور پر اتمام حجت کر دیا۔ تبلیغ دین میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ کھول کھول کر عقیدۂ توحید بیان کر دیا اور صاف صاف الفاظ میں منصب رسالت اور مقامِ نبوت کی وضاحت فرما دی۔ آپ کے اولین مخاطب اُمی تھے، اس لیے یہ ترکیب استعمال ہوئی۔

---

[1] الانشراح:۹۴/۴

[2] الصالحی، سبل الہدیٰ:۱/۴۴۶ والنووی، شرح مسلم:۱۵/۱۵۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۶۹۔ حِـرْزُ الْاُمِّيِّـيْـن: رسول اللہ ﷺ لوگوں کو برائیوں سے روکنے اور گناہوں سے بچانے کے لیے تشریف لائے تھے۔ برائی کو ختم کرنے، نیکی اور بھلائی کو پھیلانے کے لیے آپ دن رات کوشش فرماتے رہے۔ برائی کا خاتمہ اسلام کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ آپ کی رسالت تمام جہانوں اور تمام زمانوں کے لیے ہے۔[1]

۷۰۔ اَلْحَرَمِيُّ: حرم مکہ کی طرف نسبت ہے۔

۷۱۔ اَلْحَرِيْصُ عَلَى الْاِيْمَان: رسول اللہ ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ لوگ دولت ایمان و ہدایت سے بہرہ مند ہو جائیں۔ آپ کی رسالت کا مقصد ہی یہ تھا کہ لوگ رشد و ہدایت حاصل کر کے ضلالت و گمراہی سے بچ کر صراط مستقیم پر گامزن ہو جائیں۔

۷۲۔ اَلْحَسِيْبُ: بمعنی محاسب و مکافی۔ آپ ﷺ نے اپنی امت کے لیے دین و دنیا کے تمام امور میں ایسی جامع اور مکمل رہنمائی فرمائی کہ اس کے بعد کسی اور رہنما کی حاجت اور ضرورت باقی نہیں رہی۔ آپ کی جامع تعلیمات اور کامل اسوۂ حسنہ نے دین کی تکمیل کر دی۔

۷۳۔ اَلْحَقُّ: قرآن مجید میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی فرمایا:

﴿وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ﴾[2]

امام بخاری نے اپنی صحیح میں بھی ایک حدیث درج فرمائی ہے جس میں ہے:

"مُحَمَّدٌ حَقٌّ"[3] یہاں لفظ حق سے مراد ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت اور صداقت برحق ہے۔ آپ نے لوگوں کو حق سنایا، حق کی دعوت دی اور حق پھیلا کر باطل کو مٹا دیا۔

۷۴۔ اَلْحَكِيْمُ: اللہ تعالیٰ نے آپ کے منصب کی وضاحت فرمائی:

---

[1] الصالحی، سبل الہدیٰ: ۱/۴۴۸ والزرقانی، شرح المواہب: ۴/۱۸۳

[2] آل عمران: ۳/۸۶ والزخرف: ۴۳/۹۲

[3] صحیح البخاری: ۶۳۱۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ [۱]
''آپ لوگوں کو قرآن وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:
﴿ ذَالِكَ مِمَّا اَوْحىٰ اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ﴾ [۲]
''یہ باتیں اس حکمت سے ہیں جو آپ کے رب نے آپ پر وحی کی ہے۔''

حکمت عطیۂ الٰہی ہے اور آپ علم و تعلیم کے اعتبار سے حکمت سے متصف ہونے کی وجہ سے حکیم ہیں۔ اہل علم نے حکمت سے مختلف معانی مراد لیے ہیں، جن میں سے مشہور اقوال یہ ہیں: قرآن مجید کی معرفت وفہم، علم کی عملی صورت، سنت، اللہ کا خوف وخشیت، دین اسلام کی سمجھ بوجھ، موجودات کی معرفت اور نیک افعال۔ یہ تمام معانی آپ کی تعلیمات پر صادق آتے ہیں اور ہر لحاظ سے آپ کا حکیم ہونا برحق ہے۔

۷۵۔ اَلْحَلِيْمُ: آپ ﷺ نہایت بردبار اور متحمل مزاج تھے۔ خوب سمجھ کر ہر کام کرتے، کبھی جلد بازی سے کام نہ لیتے۔ ہیجانِ غضب کے وقت بھی ضبطِ نفس سے کام لیتے۔ تکالیف و مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے اور اذیت والم پر صبر وتحمل فرمایا کرتے۔

۷۶۔ اَلْحَمَّادُ: آنحضرت ﷺ احمد ہیں اور کثیر الحمد حامد ہیں۔ [۳]

۷۷۔ اَلْحَمِيْدُ: بمعنی محمود، نیز حامد۔ آپ ﷺ کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف محمودہ کا شہرہ چار دانگ عالم میں ہے۔ آپ ﷺ کی حمد وثناء کے زمزمے زمین وآسمان میں گونج رہے ہیں۔

۷۸۔ اَلْحَنِيْفُ: آنحضرت ﷺ نہ صرف دین اسلام کی طرف مائل تھے بلکہ آپ نہایت استقامت اور پامردی سے اس پر قائم ودائم بھی رہے۔ دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کی۔

---

۱ الجمعہ:۶۲/۲۰
۲ بنی اسرائیل:۱۷/۳۹
۳ الصف:۶۱/۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کو کفر و شرک سے نکال کر اسلام کی طرف ایسا راغب کیا کہ وہ بھی آخری دم تک اسلام پر ثابت قدم رہے۔

۷۹۔ اَلْحَیِیُّ: آپ ﷺ شرم و حیا کے پیکر تھے۔ اتنے کثیر الحیاء کہ کسی بھی شخص کا سوال رد نہ فرماتے، وہ جو چیز مانگتا آپ عطا فرما دیتے۔ آپ برائیوں سے طبعًا نفرت کرتے اور ہمیشہ ان سے دور رہتے تھے۔

۸۰۔ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کو اس معزز لقب سے یاد فرمایا ہے۔[۱]
امام بخاری اور امام مسلم نے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے ایک شاندار اور نہایت خوبصورت مکان بنایا، اسے ہر لحاظ سے مکمل کیا، مگر ایک زاویے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہی۔ یہ خالی جگہ میرے لیے ہے۔ میں نے اسے پُر کر دیا ہے اور میں خاتم النبیین ہوں۔''[۲]
دوسری حدیث میں فرمایا کہ ''میں سب انبیاء کے آخر میں آیا ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔''[۳]

۸۱۔ اَلْخَاشِعُ: آنحضرت ﷺ کے دل میں ساری دنیا کے لوگوں سے بڑھ کر خوف خدا تھا۔ آپ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں خشوع کا اظہار کرتے رہتے تھے۔

۸۲۔ اَلْخَاضِعُ: خشوع کے ساتھ آپ خضوع اور تواضع کا بھی پیکر تھے۔

۸۳۔ خَطِیْبُ النَّبِیِّیْنَ: آپ انبیاء کے امام بھی ہیں اور خطیب بھی۔ قیامت کے روز آپ تمام لوگوں نیز انبیاء کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر شفاعت کریں گے۔

۸۴۔ خَلِیْلُ اللّٰہِ: آپ نے ایک حدیث میں فرمایا کہ میں اللہ کا خلیل ہوں۔[۴]

---

[۱] الاحزاب: ۳۳/۴۰

[۲] صحیح البخاری: ۳۵۳۵ و صحیح مسلم: ۲۲۸۶

[۳] سنن ابن ماجہ: ۴۰۷۷ و الطبرانی، المعجم الکبیر: ۷۶۴۴

[۴] صحیح مسلم: ۲۳۸۳ و سنن الترمذی: ۳۷۵۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۸۵۔ اَلْخَیْرُ: آپ کا عطا کردہ دستورِ حیات امت بلکہ ساری انسانیت کے لیے موجب خیر ہے۔ آپ صاحب کوثر ہیں۔ آپ صاحب فضل و احسان ہیں، نیز آپ خیر الناس، خیر البریہ، خیر العالمین اور خیر خلق اللہ ہیں۔

۸۶۔ اَلدَّاعِیُ اِلَی اللّٰہِ: آپ ﷺ نے لوگوں کو اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری اور توحید و عبادت کی طرف بلایا۔

۸۷۔ اَلدَّامِغُ: آپ ﷺ نے باطل کو حق کے ذریعے مٹایا اور باطل قوتوں کے لشکروں کو کاری ضرب لگائی۔ [۱،۲]

---

۱ آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی کی تفصیل کے لیے دیکھیے، دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۲/۵۴۷-۶۰۱

۲ تخریج مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نبی اُمّی ﷺ [1]

اُمّی ہونا ہمارے پیارے رسول ﷺ کی خاص صفت ہے۔اس سے مراد ہے وہ ہستی جس نے کسی انسان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے علم حاصل نہیں کیا۔ ایسی ہستی پر قرآن کا نزول، آپ ﷺ کی طرف سے اس کی تشریح اور امت کو اس کی تعلیم دینا اس بات کی شہادت ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے اور امانت دار رسول ہیں۔

آپ ﷺ نے نبوت سے پہلے کسی سے کچھ سیکھا، نہ اپنے علم سے کچھ مرتب کر کے امت کے سامنے پیش کیا۔ آپ ﷺ نے جو کچھ پیش فرمایا وہ سراسر وحی الٰہی پر مبنی ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ کے معجزے کا اظہار بھی ہے اور منکرین کے اِس گمان کا ردّ بھی کہ آپ ﷺ پہلے ہی سے تعلیم یافتہ تھے اور کسی خاص علم کی تبلیغ فرماتے تھے۔

اُمّی نبی کا تذکرہ اور مفہوم

قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کا بکثرت ذکر آتا ہے، کہیں تو آپ ﷺ کے منصب کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ کہیں آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ اور خصائل حمیدہ کا ذکر فرمایا، کہیں آپ کی عبادات کا تذکرہ کیا، کہیں آپ ﷺ کو رحمتِ عالم قرار دیا، کہیں گھریلو معاملات کی طرف اشارات کیے، کہیں آپ ﷺ کے جنگی معرکوں کی تفصیلات بیان فرمائیں، کہیں آپ کے القاب کا ذکر فرمایا، اسی طرح چند ایک مقامات پر آنحضرت ﷺ کو اُمّی لقب سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا

---

[1] یہ مضمون ہفت روزہ ''لیل ونہار'' اگست ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيْلِ﴾[1]

''وہ لوگ جو (حضرت محمد) رسول اللہ (ﷺ) کی، جو اُمّی نبی ہیں، پیروی کرتے ہیں، جن کے اوصاف کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں۔''

پھر اسی سورت کی اگلی آیت میں فرمایا:

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۝﴾[2]

''اے لوگو! اللہ پر اور اس کے رسول اُمّی نبی پر جو اللہ پر اور اس کے تمام کلام پر ایمان رکھتے ہیں، ایمان لاؤ اور ان کی پیروی کرو، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔''

سورۃ الجمعہ میں فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝﴾[3]

''وہی ذات تو ہے جس نے اَن پڑھوں میں انھی میں سے حضرت محمد (ﷺ) کو پیغمبر بنا کر بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیات پڑھتے ہیں، ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور انھیں قرآن وسنت کی تعلیم دیتے ہیں اور اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔''

اس کے علاوہ قرآن مجید نے ''اُمّی'' کا لفظ سورۂ بقرہ کی آیت: ۷۸ میں ذکر کیا۔ سورۂ آل عمران کی آیت: ۲۰ اور آیت: ۷۵ میں بھی ذکر فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے:

---

[1] الاعراف: ۷/۱۵۷

[2] الاعراف: ۷/۱۵۸

[3] الجمعہ: ۶۲/۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ۝﴾[1]

''بعض اُن میں اَن پڑھ ہیں کہ اپنے خیالاتِ باطل کے سوا اللہ کی کتاب سے واقف ہی نہیں اور وہ صرف ظن سے کام لیتے ہیں۔''

سورۂ آل عمران کے مقامات بھی ملاحظہ ہوں:

﴿ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ﴾[2]

''اہل کتاب اور اَن پڑھ لوگوں سے کہو کہ کیا تم بھی اسلام لائے ہو؟''

پھر فرمایا:

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ﴾[3]

''اہل کتاب امانت میں خیانت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں: اُمّی لوگوں کے بارے میں ہم سے مواخذہ اور باز پرس نہیں ہوگی۔''

ان مقامات کو پیش نظر رکھتے ہوئے لفظ اُمی کی تشریح وتوضیح کے لیے کتب لغت، تفسیر، حدیث اور تاریخ وسیرت کی ورق گردانی کرنی چاہیے۔ عربی زبان کی سب سے مستند اور ضخیم لغت ابن منظور افریقی کی لسان العرب ہے۔ یہ لغت اتنی بڑی ہے کہ شاید ہی کسی اور زبان کی لغت اس کی وسعت اور پھیلاؤ کا مقابلہ کر سکے۔ لسان العرب میں ''اَلْاُمِّيُّ'' کی تشریح کرتے ہوئے مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مواد درج ذیل ہے:

" اَلْاُمِّيُّ الَّذِي لَا يَكْتُبُ" یعنی اُمّی وہ ہے جو لکھنا نہ جانے۔

پھر اور وضاحت کی کہ یہ لکھنا اکتسابی ہے۔ بعد ازاں حدیث سے سند پیش کرتے ہوئے عبارت نقل کرتے ہیں:

۱۔ ((إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ))[4]

---

[1] البقرہ:۲/۷۸

[2] آل عمران:۳/۲۰

[3] آل عمران:۳/۷۵

[4] صحیح البخاری:۱۹۱۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''ہم ان پڑھ لوگ ہیں، نہ لکھنا جانتے ہیں نہ حساب۔''

۲۔ ((بُعِثْتُ إِلَى أُمَّةٍ أُمِّيَّةٍ))[1] ''میں ایک ان پڑھ قوم میں مبعوث ہوا ہوں۔''

پھر ابن منظور لکھتے ہیں کہ عربوں کو اس لیے اُمّی کہتے تھے کہ ان میں لکھنے کا رواج بڑا نادر تھا۔ بعدازاں اپنی تائید میں ﴿بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ﴾ والی قرآنی آیت پیش کرتے ہیں اور اس کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی اُمّی لقب سے یاد کیا جاتا ہے، کیونکہ عرب قوم لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ بھی لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے۔

سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے ابن منظور لکھتے ہیں کہ البتہ تلاوتِ قرآن آپ ﷺ کا ایک معجزہ تھا، جب بھی آپ تلاوت فرماتے نہ تو کبھی الفاظ کا ردّ و بدل ہوتا اور نہ زبر زیر میں فرق آتا۔[2]

لفظ اُمّی کے متعلق مفسرین کی آرا

صاحب لسان العرب کی اس وضاحت کے بعد آیئے قدیم و جدید اور مشرق و مغرب کے مفسروں سے پوچھیں کہ ان کے ذہن میں اُمّی کا کیا مفہوم ہے؟

ہمارے قدیم ترین مفسروں میں سے علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) کے نام سے کون واقف نہیں۔ وہ اُمِّيُّونَ (جمع اُمِّی) کا مفہوم یوں قلم بند کرتے ہیں:

''اَلَّذِينَ لَا يَكْتُبُونَ وَلَا يَقْرَءُونَ'' وہ لوگ جو نہ لکھ سکیں نہ پڑھ سکیں۔

آگے لکھتے ہیں:

''اَلْأُمِّيُّ عِنْدَ الْعَرَبِ هُوَ الَّذِي لَا يَكْتُبُ''[3]

---

[1] ابن حبان، الصحیح: ۷۳۹
[2] ابن منظور، لسان العرب: ۳۴/۱۲
[3] الطبری، التفسیر، البقرۃ: ۷۸

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

عربوں کے نزدیک اُمّی وہ شخص ہے جو لکھنا نہ جانتا ہو۔

مصر کے دو جید عالم محمود محمد شاکر اور احمد محمد شاکر تفسیر طبری (طبع جدید) کے حاشیہ میں اس امر کی تحقیقی وضاحت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ لکھنا پڑھنا قطعاً نہ جانتے تھے۔[1]

علامہ جاراللہ زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) بڑے جید عالم اور عالی مرتبہ مفسر گزرے ہیں۔ وہ اپنے زمانے میں تفسیر، لغت، ادب اور نحو کے امام تھے۔ انھوں نے لفظ اُمّی کی تفسیر یوں کی ہے:

"اَلْاُمِّیُّ مَنْسُوْبٌ إِلَی الْعَرَبِ لِأَنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَكْتُبُوْنَ وَلَا يَقْرَءُوْنَ مِنْ بَيْنِ الْاُمَمِ"[2]

اُمّی کی نسبت عربوں کی طرف ہے، کیونکہ دیگر امتوں کے برعکس وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔

سورۃ الجمعہ کی اسی سلسلے کی آیت ﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ﴾[3] کے تحت رقم طراز ہیں کہ نبی کریم ﷺ باقی عربوں کی طرح امّی ہونے کے باوجود ان کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کرتے ہیں، حالانکہ عربوں کو معلوم تھا کہ آپ پڑھ نہیں سکتے اور نہ کبھی کسی استاد سے پڑھنا سیکھا تھا اور اُمّی آدمی کا "پڑھنا" سیکھے بغیر تلاوت کر لینا ایک معجزہ ہے۔[4]

اندلس کے شہرۂ آفاق مفسر امام قرطبی (متوفی ۶۷۱ھ) اپنی تفسیر میں ﴿وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ﴾[5] کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] الطبری، التفسیر، البقرہ:۷۸، حاشیہ
[2] الزمخشری، الکشاف، الجمعہ:۲
[3] الجمعہ:۶۲/۲
[4] الزمخشری، الکشاف، الجمعہ:۲
[5] البقرہ:۲/ ۷۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" أيْ مَنْ لَا يَقْرَأُ وَلَا يَكْتُبُ وَاحِدُهُمْ أُمِّيٌّ، مَنْسُوبٌ إِلَى الْأُمَّةِ الْأُمِّيَّةِ هِيَ عَلَى أَصْلِ وِلَادَةِ أُمَّهَاتِهَا، لَمْ تَتَعَلَّمِ الْكِتَابَةَ وَلَا قِرَاءَ تَهَا" [1]

اُمّی وہ ہے جو نہ پڑھ سکے، نہ لکھ سکے۔ اُمّیوں کی واحد اُمّی ہے۔ اُمّی کا لفظ اَن پڑھ لوگوں کی طرف منسوب ہے۔ اُمّی وہ لوگ ہیں جو اسی حالت پر ہوں جس حالت میں ماؤں نے انھیں جنم دیا۔ اُنھوں نے نہ لکھنا سیکھا نہ پڑھنا۔

امام قرطبی سورۂ اعراف کی آیت:۱۵۷ کی تفسیر کرتے ہوئے اُمّی کی یہی تشریح لکھتے ہیں:

" وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كَانَ نَبِيُّكُمْ ﷺ أُمِّيًّا لَا يَكْتُبُ وَلَا يَقْرَأُ وَلَا يَحْسُبُ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِيْنِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ٥﴾ [2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ تمھارے پیغمبر ﷺ اُمّی تھے، آپ لکھنے، پڑھنے اور حساب سے ناواقف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: "اے پیغمبر! آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ لکھنا جانتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو اہل باطل (جو آپ کو جھٹلاتے ہیں) ضرور شک کرنے لگتے۔" [3]

امام بیضاوی قاضی عبداللہ بن عمر (متوفی ۶۸۵ھ) اپنی مشہور و معروف تفسیر میں سورۃ الجمعہ والی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ﴿فِي الْأُمِّيِّيْنَ﴾ کی توضیح یوں کرتے ہیں:

"أَيْ فِي الْعَرَبِ لِأَنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَكْتُبُوْنَ وَلَا يَقْرَؤُوْنَ"

یعنی اللہ نے آنحضرت ﷺ کو عربوں میں مبعوث فرمایا کیونکہ ان کی اکثریت لکھنا پڑھنا نہ جانتی تھی۔

پھر ﴿رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] القرطبی، التفسیر، البقرہ:۷۸

[2] العنکبوت:۲۹/۴۸

[3] القرطبی، التفسیر، الاعراف:۱۵۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"مِنْ جُمْلَتِهِمْ اُمِّيًّا مِثْلَهُمْ" [1] انھی عربوں میں سے انھی جیسا اُمّی۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ضمن میں فاضل مفسر رقمطراز ہیں:

"اَلْعَرَبُ، وَكَانَتِ الْعَرَبُ اُمَّةً اُمِّيَّةً، لَا تَكْتُبُ وَلَا تَقْرَأُ...... اَلْاُمِّيُّ هُوَ الَّذِي عَلٰى مَاخُلِقَ عَلَيْهِ، كَاَنَّهُ مَنْسُوْبٌ إِلٰى أُمِّهِ"

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو عربوں میں مبعوث فرمایا۔ عرب اَن پڑھ قوم تھی، نہ لکھنا جانتے نہ پڑھنا...... اُمّی ماں کی طرف منسوب ہے۔ اُمّی وہ ہے جو پیدائشی صلاحیتوں اور خصلتوں پر قانع رہے۔

پھر ﴿ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ﴾ کی تفسیر بیان کرتے ہیں:

"يَعْنِي مُحَمَّدًا ﷺ يَعْلَمُوْنَ نَسَبَهُ، وَهُوَ مِنْ جِنْسِهِمْ. وَقِيْلَ اُمِّيًّا مِثْلَهُمْ، وَإِنَّمَا كَانَ اُمِّيًّا لِاَنَّ نَعْتَهُ فِي كُتُبِ الْاَنْبِيَاءِ: اَلنَّبِيُّ الْاُمِّيُّ، وَكَوْنِهِ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ أَبْعَدُ مِنْ تَوَهُّمِ الْإِسْتِعَانَةِ بِالْكِتَابَةِ عَلٰى مَا أَتٰى بِهِ مِنَ الْوَحْيِ وَالْحِكْمَةِ." [2]

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو انھی عربوں میں سے رسول بنا کر بھیجا۔ وہ آپ ﷺ کے حسب ونسب سے خوب واقف ہیں، نیز انھی جیسا اُمّی۔ آپ ﷺ اُمّی اس لیے تھے کہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں آپ کی ایک صفت اُمّی نبی بھی درج تھی اور آپ ﷺ کا اُمّی ہونا اس بات کی قطعی شہادت تھی کہ قرآن وسنت وحی الٰہی ہے، آپ نے خود نہیں لکھا۔ آپ کے اُمّی ہونے کی وجہ سے خود لکھ لینے کے وہم کا ازالہ ہوگیا۔

تفسیر مدارک میں بھی اسی آیت کے ضمن میں فاضل مصنف نے یوں تحریر کیا ہے:

"اَيْ بَعَثَ رَجُلًا اُمِّيًّا فِي قَوْمٍ اُمِّيِّيْنَ...... وَالْاُمِّيُّ مَنْسُوْبٌ إِلٰى أُمَّةِ الْعَرَبِ لِاَنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَكْتُبُوْنَ وَلَا يَقْرَءُوْنَ مِنْ بَيْنِ الْاُمَمِ." [3]

---

[1] البیضاوی، التفسیر، الجمعہ:۲

[2] الخازن، التفسیر، الجمعہ:۲

[3] النسفی، التفسیر، الجمعہ:۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ نے ایک اُمّی آدمی کو اَن پڑھ لوگوں میں نبی بنایا...... اُمّی کی نسبت عرب قوم کی طرف ہے، کیونکہ وہ باقی قوموں کی نسبت لکھنے پڑھنے سے ناواقف تھے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے لفظِ اُمّی کی تشریح بھی اسی طرح کی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ اُمّی کا لفظ ''اُمت اُمِیَّہ'' کی طرف منسوب ہے اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو ایسے ہی رہیں جیسے ان کی ماؤں نے انھیں جنم دیا ہو۔ وہ نہ تو لکھنا سیکھیں اور نہ لکھا ہوا پڑھ سکیں۔ آنحضرت ﷺ کی حدیث بھی اس طرف اشارہ کرتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ))[1]

''ہم اَن پڑھ لوگ ہیں، نہ لکھنا جانتے ہیں نہ اعداد وشمار۔''

پھر سورۂ آل عمران کی آیت: ۲۰ کی تفسیر کے سلسلے میں لفظ ''اُمِیِّنَ'' کا مفہوم لکھتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

'' هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَكْتُبُوْنَ ''[2] یعنی اُمّی وہ لوگ ہیں جو لکھنا نہیں جانتے۔

اسی طرح شیخ علی المہائمی اپنی نادر تفسیر ''تبصیر الرحمٰن'' میں رقم طراز ہیں کہ اُمّی لوگوں کو رسول کی زیادہ ضرورت تھی اور اُمّی نبی سے بلند مرتبہ علوم کا اظہار بطورِ معجزہ تھا، تا کہ لوگ یقین کر لیں کہ یہ تعلیم الٰہی ہے، انسان کو اس میں کوئی دخل نہیں۔[3]

دورِ حاضر کے اہل علم کے نزدیک اُمّی کا مفہوم

اب تک تو گفتگو نامور متقدمین اور متاخرین مفسروں کے گرد گھومتی رہی اور ان سب کا ایک مرکزی نقطے پر اتفاق ہے۔ آیئے اب ذرا دورِ حاضر کے جانے پہچانے مفسروں سے بھی استصواب رائے کر لیں۔ بیسویں صدی کی مشہور عربی تفسیروں میں تفسیر المنار سرفہرست ہے، یہ تفسیر درحقیقت مفتی محمد عبدہٗ کی تفسیر ہے جسے ان کے

[1] الشوکانی، فتح القدیر، البقرہ: ۷۸
[2] الشوکانی، فتح القدیر، آل عمران: ۲۰
[3] أبوبکر السجستانی المہائمی، التفسیر، الجمعہ: ۲

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

شاگرد رشید سید رشید رضا نے مرتب کیا ہے۔ اس تفسیر میں مرقوم ہے:

"النَّبِیُّ الْاُمِّیُّ نِسْبَةٌ اِلٰی اُمٍّ وَالْمُرَادُ :الَّذِیْ لَا یَقْرَاُ وَلَا یَکْتُبُ"[1]

یعنی اُمّی کی نسبت اُم (ماں) کی طرف ہے۔ مراد ہے وہ شخص جو لکھ پڑھ نہ سکے۔

پھر جلد:۹، صفحہ۱۹۲ پر لکھتے ہیں:

"اَلْاُمِّیَّةُ آیَةٌ مِنْ اَکْبَرِ آیَاتِ نُبُوَّتِهِ."

آنحضرت ﷺ کا اُمّی ہونا آپ ﷺ کی نبوت کا بہت بڑا معجزہ ہے۔

دورِ حاضر کی دوسری مشہور اور ہر دلعزیز تفسیر المراغی کی ہے۔ علامہ مراغی جامعہ ازہر کے شیخ الشیوخ اور ناظم اعلیٰ رہے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"اُمِّیٌّ وَهُوَ مَنْ لَا یَقْرَاُ وَلَا یَکْتُبُ"[2] اُمّی وہ ہے جو لکھ پڑھ نہ سکے۔

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"فَاِنَّ رَجُلًا اُمِّیًّا لَا یَقْرَاُ وَلَا یَکْتُبُ وَلَمْ یَتَعَلَّمِ الْعِلْمَ وَلَمْ یُدَارِسْ اِنْسَانًا مَدٰی حَیَاتِهٖ یَاْتِیْ بِهٰذِهِ الْحُکْمِ وَالْاَحْکَامِ"[3]

ایک اُمّی آدمی جو نہ لکھ سکے نہ پڑھ سکے اور کوئی علم بھی حاصل نہ کیا ہو اور عمر بھر کسی انسان کے سامنے زانوئے تلمذ بھی تہہ نہ کیا ہو، ایسا اُمّی ایسے حکم احکام لائے تو اس کی نبوت میں کون اور کیونکر شک کر سکتا ہے۔

جلد:۷، صفحہ:۱۹۳ پر اُمّیت کو نبوت کا معجزہ قرار دیا ہے۔

عصرِ حاضر کی ایک مختصر مگر بڑی مقبول تفسیر مصر کے تین علماء محمود حمزہ، حسن علوان اور احمد برانق نے تفسیر القرآن الکریم کے نام سے شائع کی ہے، اس تفسیر میں مرقوم ہے:

"اَلْاُمِّیُّ الَّذِیْ لَا یَقْرَاُ وَلَا یَکْتُبُ" اُمّی وہ ہے جو لکھ پڑھ نہ سکے۔

عصرِ حاضر کے ایک اور نامور مصری عالم اور شہرۂ آفاق مصنف استاد ابوزہرہ ہیں،

[1] رشید رضا، التفسیر، الاعراف:۱۵۸

[2] المراغی، التفسیر، البقرہ:۷۸

[3] المراغی، التفسیر، العنکبوت:۴۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں اور ان کی کئی ضخیم کتابوں کے اُردو تراجم لاہور سے شائع ہو چکے ہیں۔ مصر کے کلیۃ الحقوق (لاء کالج) میں اسلامی فقہ کے مشہور استاد ہیں۔ یہ مصری عالم اپنی ایک گرانقدر تصنیف میں ضمناً اُمّی کے معانی پر بھی روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أَنَّ الْقُرآنَ الْكَرِيمَ يَقُولُ فِي قَوْمٍ أُمِّيِّينَ لَا يَقْرَءُوْنَ وَلَا يَكْتُبُوْنَ.......... وَكُلُّ هٰذَا جَاءَ عَلٰى لِسَانِ أُمِّيٍّ لَا يَقْرَأُ وَلَا يَكْتُبُ، لَمْ يَجْلِسْ إِلٰى مُعَلِّمٍ.......... وَهٰذَا كُلُّهُ جَاءَ عَلٰى يَدِ أُمِّيٍّ لَمْ يَقْرَأْ وَلَمْ يَكْتُبْ." [1]

اُمّی قوم کے بارے میں قرآن کریم کہتا ہے کہ نہ وہ پڑھنا جانتی ہو اور نہ لکھنا۔.......... یہ سب کچھ اس اُمّی کی زبان سے نکلا جو لکھ پڑھ نہ سکتا تھا اور نہ کسی استاد کے پاس بیٹھا تھا۔.......... یہ سب کارنامہ اس اُمّی کا ہے جو لکھ پڑھ نہ سکتا تھا۔

بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی وغیرہ کتبِ احادیث میں بھی اس امر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اوپر ایک دو احادیث کا ذکر آ چکا ہے۔ اَب ذرا سیرت کی کتابوں کا جائزہ لیجیے اور دیکھیے کہ سیرت النبی ﷺ پر لکھنے والے مؤرخ کس چیز کی شہادت بہم پہنچاتے ہیں؟

ابن حزم اندلسی (۳۸۴-۴۵۶ھ) مشہور سیرت نگار، فقیہ اور محدث ہیں، وہ اپنی سیرت میں یوں رقمطراز ہیں:

"وَهُوَ أُمِّيٌّ لَا يَقْرَأُ وَلَا يَكْتُبُ وَ نَشَأَ فِي بِلَادِ الْجَهْلِ وَالصَّحَارٰى." [2]

آنحضرت ﷺ اُمّی تھے، آپ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے۔ آپ نے جاہل ملک اور صحراؤں میں نشو ونما پائی۔

علامہ سُہیلی (متوفی ۵۸۱ھ) صلح حدیبیہ کے ذکر میں آنحضرت ﷺ کے اُمّی ہونے

---

[1] اَبوزہرہ، مصادر الفقہ الإسلامی، ص:۲۱-۲۵

[2] ابن حزم، جوامع السیر ہ، ص:۴۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ''رسول اللہ'' کا لفظ اپنے ہاتھ سے مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھنے کا حکم دیا۔[1]

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ حدیث اور تاریخ کی بعض کتابوں میں ''کَتَبَ'' کا لفظ مذکور ہے جن میں صحیح بخاری[2] اور تاریخ ابن خلدون بھی شامل ہیں۔ امام سُہیلی نے صاف لکھ دیا ہے کہ ''کَتَبَ'' کا مفہوم ہے: ''أَمَرَ أَنْ یُکْتَبَ'' یعنی جہاں کہیں ''لکھا'' مرقوم ہے، اس سے مراد محض یہ ہے کہ لکھنے کا حکم دیا۔

اس کی تائید امام قرطبی نے بھی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب حدیبیہ کا صلح نامہ لکھا جانے لگا تو قریش کے نمایندے سہیل بن عمرو نے ''محمد رسول اللہ'' کے جملے پر اعتراض کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نشاندہی پر اپنے ہاتھ سے مٹا دیا اور اس کی جگہ ''محمد بن عبداللہ'' لکھا گیا۔[3]

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے ''محمد رسول اللہ'' اپنے ہاتھ سے مٹا دیا اور کاتب کو حکم دیا کہ وہ محمد بن عبداللہ لکھے۔[4]

تمام مؤرخوں اور سیرت نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے۔

علامہ زرقانی نے اس موضوع پر بڑی طویل اور عالمانہ بحث کی ہے۔ اس دلچسپ اور محققانہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اُمی تھے، آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بتانے پر آپ ﷺ نے ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ مٹا کر ''محمد بن عبداللہ'' لکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبارت یوں بنا دی: ''محمد بن عبداللہ''۔

پھر وہ دلچسپ واقعہ لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی ایک روایت کے ظاہر الفاظ کی

---

[1] السہیلی، الروض الأنف: ۴/۵۶

[2] صحیح البخاری: ۲۶۹۹

[3] السہیلی، الروض الأنف: ۴/۵۶

[4] ابن حزم، جوامع السیرہ، ص: ۲۰۹

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بنا پر اندلس کے ایک عالم ابو الولید الباجی (۴۰۳-۴۷۴ھ) نے اس بات کا اظہار کیا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ''محمد بن عبداللہ'' تحریر فرمایا تھا۔ بس اتنا کہنا تھا کہ اندلس میں ایک ہنگامہ بپا ہو گیا اور علمائے اندلس نے اس پر زندیق کا فتویٰ لگاتے ہوئے اس کے اس عقیدے کو قرآن مجید کے صریح حکم کے خلاف قرار دیا۔ چنانچہ امام ابو الولید الباجی نے اس موضوع پر ایک خط کے ذریعے سے مصر، شام اور عراق کے علماء سے فتویٰ پوچھا، اس کے جواب میں جمہور علماء نے یہ فتویٰ دیا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے ہاتھ سے قطعاً نہیں لکھا تھا، بلکہ بخاری کے الفاظ بطریق مجاز ہیں یعنی لکھنے کا حکم دیا تھا۔[1]

مصر کے مشہور عالم علامہ سخاوی امام ابو اسحاق احمد بن محمد ثعالبی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اُمّی تھے۔ آپ ﷺ نے کسی مؤدب اور معلّم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا تھا۔ مکہ مکرمہ سے باہر بھی کسی شخص سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے گزشتہ انبیاء علیہم السلام اور سابقہ امتوں کے احوال قرآن مجید میں ذکر کیے تو عرب کے عقلمند لوگوں نے غور و فکر کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ حالات اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی و الہام آپ پر نازل ہوئے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کرنے لگے اور یہ بھی معجزات نبوت میں سے ہے۔[2]

ان ساری معروضات کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ اُمّی کا مفہوم ہے: ایسا شخص جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔

۲۔ عرب قوم کی بھاری اکثریت لکھنے پڑھنے سے عاری تھی۔

۳۔ آنحضرت ﷺ بھی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔

۴۔ تمام مفسرین، مؤرخین اور سیرت نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے۔

ان حالات کے پیش نظر یہ بات کتنی قابل اعتنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایسی اَن پڑھ قوم کو کتنے علوم کا حامل بنا دیا، علم کا شوق دلایا، لکھنے پڑھنے کو رواج دیا، علم و ادب

---

[1] الزرقانی، شرح المواہب: ۲۰۱/۳

[2] السخاوی، الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ، ص: ۱۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور تہذیب و ثقافت کی بنیاد رکھ کر بامِ عروج تک پہنچایا۔ نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ علم و فن کا وہ کون سا گوشہ ہے جس میں امّی ﷺ کی اُمت نے گہرے نقوش مرتسم نہیں کیے!

نبی کی ضرورت

انسان کو چاہیے کہ اپنی روحانی قوت کو اپنی جسمانی قوت سے فائق اور برتر رکھے اور اس قدر فوقیت دے کہ جسمانی اور مادی قوت روحانی قوت کے ماتحت ہو۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو انسان اور حیوان میں فرق مشکل ہوگا، کیونکہ جسمانی ضرورت تو وہ بھی پوری کر لیتے ہیں۔ اب ہر شخص کی عقلی استعداد اتنی نہیں ہے کہ وہ اسے معیار بنا لے اور ملکوتیت اور بہیمیت کو اسی پر تولنا شروع کر دے۔ اگر کوئی عقل سلیم رکھتا ہے تو وہ بھی امکان کی حد تک فیصلہ کر سکتا ہے، مگر عملی میدان میں صورت حال یہ ہے کہ اس کی عقل و دانش پر، اس کی آنکھوں اور زبان پر، جسم اور جان پر دنیاوی لذتوں کے ایسے حملے ہوتے ہیں اور خواہشوں اور غفلتوں کے ایسے پردے پڑ جاتے ہیں کہ بیمار انسان کی طرح منہ کا ذائقہ ہی بدل جاتا ہے۔ بڑی بڑی پُر لطف چیزیں کڑوی لگنے لگتی ہیں۔ اس طرح نیکی اور بدی اور حق و باطل کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ اس لیے نوع انسانی کے لیے ایسے راہنماؤں کی ضرورت تھی جن کی حس اور وجدان کا آئینہ بالکل شفاف ہو۔

اگر افراد، معاشرے اور ملک کو ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اپنی سیاسی بصیرت سے ملک کا پہیہ چلاتا رہے تو قافلۂ انسانیت کو ایسے راہنما کی ضرورت کیوں نہیں جو ہر ایک کی صلاحیت اور حالت کے مطابق اس کی راہنمائی ایسے کرے کہ وہ کسی دوسرے سے ٹکرائے بغیر اپنا کام کرتا رہے اور ٹکرائے بھی تو کسی ضابطے کی روشنی میں۔ دنیا کا کوئی فن ایسا نہیں جو افراد کے بغیر وجود میں آ جائے، اسی طرح انسانوں کی راہنمائی بھی ایک اہم ترین مشن ہے جس کے لیے انبیاء و رسل عظام علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا۔

نبی کی عصمت

ایسی راہنما ہستی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے قول و کردار اور حکموں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور فیصلوں سے یہ ثابت کرے کہ اس کے اصول، قواعد اور تعلیمات غلطی اور گمراہی سے محفوظ ہیں۔ کیونکہ ان کا سرچشمہ ہر قسم کے عیب سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو اسی لیے عصمت کے درجے پر فائز کیا ہے۔ اسی سے ایمان و یقین کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ نبی کو ماننے والے بغیر کسی حیل و حجت اور بلا چون و چرا پورے یقین سے مانتے ہیں کہ جو اصول، ضابطہ، فیصلہ یا حکم زبان نبوت سے جاری ہوا ہے، اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں۔ ہاں! تعلیمات نبویہ کے استنادی اثبات اور عدم اثبات کے سلسلے میں تحقیق و تجسس کی ضرورت تو ایک یقینی امر ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا باہمی رشتہ

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کو ایک ہی سلسلہ نبوت و رسالت کا تسلسل بتایا ہے اور نبی ﷺ نے اس تسلسل کو ایک رشتے سے تشبیہ دی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

((وَالْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ))[1]

''انبیاء علیہم السلام باپ کی طرف سے بھائیوں کی طرح ہیں۔ ان کا دین (بنیادی عقائد) ایک ہیں، جبکہ ان کی مائیں (شرائع) مختلف ہیں۔''

ہر چند انبیاء علیہم السلام کے عہد، زبانیں، علاقے اور احکام شریعت متعدد تھے مگر مبادیات دین ایک تھے۔ اللہ پر ایمان اور اس کی توحید، شرک کی نفی، رسولوں پر ایمان اور آخرت کا یقین تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مرکز و محور تھے۔

اسلام اور دیگر مذاہب میں انبیاء کی حیثیت کا تقابل

اسلام میں وقت کے نبی کی بہت نرالی شان اور اعلیٰ مقام ہے۔ نبی وقت کا سب سے پرہیزگار، اطاعت گزار، امانتدار، فرض شناس اور باوقار ہوتا تھا، جو اللہ کے دین کی دعوت دیتا اور اس کے احکامات اور قوانین زمین پر نافذ کرنے کی اَز حد جستجو کرتا تھا۔

قرآنِ مجید سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کو مبشرین (خوشخبری دینے والے)، منذرین

[1] صحیح البخاری: ۳۴۴۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(متنبہ کرنے والے)، بندوں پر حجت پوری کرنے والے،[1] قوموں سے احسن انداز سے مکالمہ کرنے والے،[2] روشن دلائل کے انبار لگانے والے، نیکی کے لیے جستجو کرنے والے، اللہ کی محبت اور اللہ کے خوف سے سرشار رہنے والے اور اللہ کے منتخب کردہ قرار دیتا ہے۔ یہ ایسے اوصاف ہیں جو انبیاء و رسل علیہم السلام کی حیثیت اس معاشرے میں اس قدر بڑھا دیتے ہیں جیسے آفتاب کو دیے پر فوقیت حاصل ہے۔ اسی لیے مسلمانوں کے ہاں نبی اور رسول کا مقام بڑا ہی مقدس ہے۔ ہر نبی کی عزت و ناموس کا برابر خیال تقاضائے ایمان سمجھا جاتا ہے اور کسی بھی پیغمبر کی شان میں ہرزہ سرائی مسلم معاشرے میں قطعاً قبول نہیں کی جاتی۔

اس کے برعکس سابقہ آسمانی مذاہب کی کتب میں انبیائے کرام علیہم السلام کے مقام و مرتبے کا کچھ پاس نظر نہیں آتا بلکہ نبی کا لفظ ان کے ہاں انتہائی غیر محتاط انداز سے استعمال کیا گیا ہے، جو موجودہ تورات و انجیل کی تحریف کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مثلاً بائبل میں ایک جگہ ہے:

> ''اور جب تو (ساؤل) وہاں شہر میں داخل ہوگا تو نبیوں کی ایک جماعت جو اونچے مقام سے اترتی ہوگی تجھے ملے گی اور ان کے آگے ستار اور دف اور بانسلی اور بربط ہوں گے اور وہ نبوت کرتے ہوں گے۔''[3]

اس سے اگلی درس میں ہے:

> ''تب خداوند کی روح تجھ پر زور سے نازل ہوگی اور تو ان کے ساتھ نبوت کرنے لگے گا۔''[4]

اسی کتاب مقدس میں کچھ آگے جا کر ''ساؤل'' کے متعلق لکھا ہے:

---

[1] النسآء: ۴/ ۱۶۵

[2] النحل: ۱۶/ ۱۲۵ والعنکبوت: ۲۹/ ۴۶

[3] کتاب مقدس: ۱، سموئیل: ۱۰/ ۶

[4] کتاب مقدس: ۱، سموئیل: ۱۰/ ۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"اور خداوند کی روح ساؤل سے جدا ہوگئی اور خداوندی کی طرف سے اسے ایک بری روح ستانے لگی۔"[۱]

گویا بائبل کی رُو سے اللہ کے نبی سے بعد میں عہدہ نبوت واپس بھی لے لیا جاتا ہے اور بری روح اسے ستانے لگ جاتی ہے اور نبی آسمانی صحائف اور تعلیمات سے نہیں بلکہ آلاتِ موسیقی سے نبوت کرتے ہیں۔ العیاذ باللہ![۲]

[۱] کتاب مقدس: ا، سموئیل: ۱۶/۱۴

[۲] تخریجِ مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آنحضرت ﷺ بحیثیتِ سپہ سالار[1]

اسلام طبعی اور فطری طور پر امن و سلامتی کا دین ہے، لیکن ظالموں کے ظلم کو روکنے اور دشمنان اسلام کے ناپاک عزائم کو ناکام بنانے کے لیے مجبوراً جنگ کرنے کی اجازت قرآن مجید میں دینا پڑی۔ تاریخ شاہد ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مسلسل تیرہ برس تک کفار مکہ اور سردارانِ قریش کے مظالم جس صبر و استقامت اور ہمت و حوصلے سے برداشت کیے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ وطن مالوف کو خیر باد کہہ کر یثرب کا رخ کرنا پڑا۔ وہاں پہنچ کر نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ کو اسلام کا مرکز ٹھہرایا اور مسجد نبوی تعمیر کر کے پہلی اسلامی ریاست کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔ جب مخالفین اسلام نے آپ کو یہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا تو اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی اس بات کی اجازت دے دی کہ ظلم وتعدی کا مقابلہ تلوار سے کیا جائے۔[2]

فریضۂ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے ساتھ ایک مثالی معاشرے اور پہلی اسلامی ریاست کے قیام سے ابھی فرصت نہ ملی تھی کہ آپ کو سپہ سالاری کی ذمہ داریاں بھی سنبھالنا پڑیں۔ آپ نے جس خوش اسلوبی سے اس اہم فریضے کو انجام دیا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے جس تدبر سے اسلامی فوجوں کی قیادت فرمائی اور جو تدابیر میدان جنگ کے انتخاب اور جنگ کے دوران میں اختیار کیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ فن حرب میں نبی اکرم ﷺ کو عظیم مہارت حاصل تھی اور آپ لشکر کشی، فوجی تربیت، عسکری نظام اور میدان جنگ میں قیادت اور سپہ سالاری کے اصولوں سے اچھی طرح واقف تھے۔[3]

---

[1] یہ مضمون ماہنامہ ''اوقاف'' مارچ ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا۔

[2] الحج:۲۲/۳۹

[3] اسلامی اصول ضرب وحرب کے لیے دیکھیے منیر احمد الغضبان کی کتاب ''أخلاقیات الحرب''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مشاورت

نبی اکرم ﷺ کا یہ دستور تھا کہ جب کسی کام یا مہم کا ارادہ کرتے یا کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو آپ ﷺ اپنے لشکر کے چند تجربہ کار مجاہدین اور ممتاز صائب الرائے اصحاب کو بلا کر مشورہ کرتے۔ مختلف تجاویز اور خیالات کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد جو معاملہ طے پاتا اس پر عمل کرتے۔ اس انداز اور طریق کار سے ایک طرف تو ساتھیوں کا اعتماد حاصل ہو جاتا اور دوسری طرف خود مجاہدین میں خود اعتمادی پیدا ہو جاتی تھی۔ اس سے لوگ مشورے کی اہمیت اور قدر و منزلت پہچاننے لگے۔

میدانِ جنگ میں

نبی اکرم ﷺ ہمیشہ اپنی ذات سے بے نیاز ہو کر میدان جنگ میں فوج کی قیادت فرماتے۔ آپ کا یہ دستور تھا کہ آپ اپنے لشکر کی صفوں میں گھوم پھر کر اپنے بہادر سپاہیوں کو ہمت و جرأت دلاتے۔ ثابت قدمی اور بہادری سے لڑنے کی تلقین فرماتے[1] آپ کی عزیمت اور شجاعت کو دیکھ کر آپ کے ساتھی بے خوف و خطر ہو کر داد شجاعت دیتے تھے۔

آپ کی جنگی مہارت و عسکری قیادت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے پیش قدمی کر کے ہمیشہ یہ کوشش فرمائی کہ جنگ کا میدان مدینے سے دور ہو۔ غزوۂ بدر میں مقام بدر کو میدان کے لیے منتخب کرنا اور پھر پانی کے چشمے پر قبضہ کر کے دشمن کے عزائم کو ناکام بنا دینا بھی آپ ﷺ کی عسکری تدبیر کا نمایاں ثبوت ہے۔[2]

غزوۂ اُحد میں بھی آپ نے ایک ماہر فن سپہ سالار کا کردار ادا کیا۔ مدینہ منورہ سے باہر فاصلے پر میدان جنگ منتخب کیا۔ لڑائی کے لیے ایسی جگہ پسند فرمائی جو عسکری اعتبار سے کم تعداد والے لشکر کے لیے ممد و معاون ہو سکتی تھی۔ آپ نے اس گھاٹی پر پچاس تیر انداز متعین فرما دیے۔ جہاں سے دشمن کے حملے کا خطرہ تھا۔ گھاٹی کے محافظ تیر اندازوں کو حکم دیا کہ وہ کسی حالت میں بھی گھاٹی کو ہرگز نہ چھوڑیں اور دشمن کے گھوڑوں

۱۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۱/۶۲۷

۲۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۱/۶۲۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر تیر برساتے رہیں، کیوں کہ گھوڑے تیروں کے مقابلے پر نہیں ٹھہر سکتے۔

جب گھاٹی کے محافظوں نے آپ کی ہدایت کے خلاف گھاٹی کو چھوڑ دیا تو دشمنوں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گھاٹی کی طرف سے حملہ کر دیا۔[1] بایں ہمہ نبی اکرم ﷺ کی ثابت قدمی، استقامت، تدبر اور بہادری کی وجہ سے مسلمانوں کی فوج شکست سے بچ گئی اور دشمن نامراد و ناکام لوٹ گئے۔

غزوۂ خندق جسے غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں، اس موقع پر نبی اکرم ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی تجویز کو پسند فرمایا۔[2] اس موقع پر مسلمانوں کی قلیل تعداد کے مقابلے میں دشمن کا لشکر بہت زیادہ تھا۔ اس لیے جنگی اعتبار سے یہی مناسب سمجھا گیا کہ شہر کے گرد خندق کھود کر شہر کی حفاظت کی جائے۔ یہ تدبیر بڑی کارگر ثابت ہوئی۔ عربوں کے ہاں خندق کھود کر شہر کی حفاظت کرنے اور دشمن کے حملے کو روکنے کا رواج بالکل نہ تھا۔ وہ اس طریق جنگ سے بالکل ناواقف تھے۔ آپ نے ایرانیوں کے اس طریق کار کو پسند فرما کر مسلمانوں کی حفاظت کی اور دشمن کے لشکر جرار کے عزائم کو ناکام بنا دیا۔ اس جنگ میں آپ ﷺ نے ایک اور قائدانہ تدبیر کا ثبوت یوں دیا کہ کفار قریش اور یہودیوں کے ناپاک گٹھ جوڑ کو توڑنے کے لیے حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تاکہ وہ قریش اور یہود کے سرداروں سے مل کر ان کے درمیان بے اعتمادی اور شکوک و شبہات کی فضا پیدا کر کے ان کے باہمی تعلقات میں کشیدگی پیدا کر دیں۔ چنانچہ حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے تعلقات کی بنا پر یہ کام نہایت تدبّر اور خوش اسلوبی سے سرانجام دیا، یہود بنونضیر اور قریش مکہ میں بے اعتمادی کی فضا پیدا کر کے پھوٹ ڈلوا دی۔[3] نتیجہ یہ ہوا کہ حملہ آوروں کو یہودیوں کی متوقع اور موعودہ امداد نہ مل سکی۔ چنانچہ کفار مکہ کو مایوس ہو کر ناکام لوٹنا پڑا۔

---

[1] صحیح البخاری: ۳۰۴۳، وسنن أبي داود: ۲۶۶۲

[2] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲/۲۲۴ والمقریزی، إمتاع الأسماع: ۸/۸۷۲

[3] البیہقی، دلائل النبوۃ: ۳/۴۰۵ وابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۳/۲۱۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جنگ حنین میں نبی اکرم ﷺ نے غیر مساعد اور ناموافق حالات میں جس شجاعت اور استقامت کا ثبوت دیا اور جس ثابت قدمی، بہادری اور ہمت و جرأت سے دشمن کا مقابلہ کیا اس سے آپ کی عسکری قیادت کی صلاحیتوں کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے میدان جنگ سے بھاگتے ہوئے مسلمانوں کو دوبارہ جمع کیا۔[1] ان کی صفوں کو از سر نو ترتیب دیا اور ان کے حوصلے بلند کیے۔ حملہ کر کے دشمن کو مار بھگایا اور بے شمار مال غنیمت پر قبضہ کر لیا۔

محاصرۂ طائف اپنی نوعیت کا نیا اور اہم معرکہ تھا۔ یہاں آپ نے منجنیق اور دوسرے آلاتِ جنگ استعمال کیے۔[2] جنگی ضرورتوں کے پیش نظر نئے طریقے اختیار کر کے اور نئے ہتھیاروں کو استعمال کر کے آپ ﷺ نے یہ ثابت کر دیا کہ آپ عسکری ضرورتوں سے بخوبی واقف تھے اور ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے آپ نے جو اقدامات کیے وہ آپ کی عسکری قابلیت کے مظہر ہیں۔

جنگ میں راز داری

نبی اکرم ﷺ جنگی معاملات میں بڑی راز داری سے کام لیتے تھے۔ لشکر کی روانگی کے وقت بڑی احتیاط برتی جاتی تھی۔[3] فتح مکہ کے لیے فوج روانہ کرتے وقت پوری کوشش کی گئی تھی کہ دشمن کو خبر نہ ہونے پائے۔ روانگی کے وقت تک کسی کو علم نہ ہونے دیا کہ کہاں جا رہے ہیں۔[4] آپ کی عسکری لیاقت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے اپنا مقصد اور منزل فوج پر بھی ظاہر نہ کیا، بلکہ دکھاوے کے لیے چکر کاٹ کر نامعلوم راستوں سے گزرتے ہوئے مکے جا پہنچے۔ رات کے وقت ساری فوج

[1] صحیح البخاری: ۲۸۶۴ و صحیح مسلم: ۱۷۷۶

[2] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲/ ۴۷۸

[3] صحیح البخاری: ۲۹۴۷ و صحیح مسلم: ۲۷۶۹

[4] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲/ ۳۹۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے یک دم آگ روشن کی جس سے مکے والے ڈر کر ہمت ہار بیٹھے۔[1]

نبی اکرم ﷺ کا یہ بھی دستور تھا کہ حالات سے باخبر رہنے کے لیے جاسوس مقرر فرماتے جو دشمنوں کی فوجی نقل و حرکت کی اطلاع برابر آپ تک پہنچاتے رہتے تھے۔[2]

مختصر یہ کہ آپ نے جنگ کے میدان میں اپنی عسکری قابلیت، قائدانہ استعداد اور فوجی نظم و نسق میں بے نظیر مہارت کا مظاہرہ کر کے مخالفین سے اپنی غیر معمولی عسکری قیادت کا لوہا منوایا۔[3]

---

۱ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۲/۴۰۲ والبیہقی، دلائل النبوۃ: ۵/۳۳

۲ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ: ۳/۲۱۹

۳ تخریج مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس۔ ذیلی سرخیاں از ادارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حیات طیبہ ایک نظر میں[1]

ولادت تا غارِ حرا

ولادت:	۱۲ ربیع الاول، اعام الفیل۔ ۲۲ اپریل ۵۷۱ء بمقام مکہ مکرمہ
رضاعت:	حضرت حلیمہ سعدیہ کی گود میں چار سال کی عمر تک
آغوش مادر:	۴ سال کی عمر میں
والدہ کا انتقال:	۶ سال کی عمر میں
دادا کی وفات:	۸ سال کی عمر میں
شام کا پہلا تجارتی سفر:	۱۲ سال کی عمر میں، چچا ابو طالب کے ہمراہ
حرب فجار:	۱۵ یا (بقول بعض مورخین ۲۰) سال کی عمر میں
حِلفُ الفُضُول:	۱۶ یا ۲۰ سال کی عمر میں
شام کا دوسرا تجارتی سفر:	۲۴ سال کی عمر میں، تاجر کی حیثیت سے
نکاح مبارک:	پچیس سال کی عمر میں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ
نصب حجرِ اسود:	۲۵ سال کی عمر میں، تعمیر خانہ کعبہ کے وقت حجرِ اسود کی تنصیب کے موقع پر تمام قبائل کی طرف سے حکم بنائے گئے۔

[1] دار المعارف میں اس خاکے پر تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ایک علمی و تحقیقی کتاب تیار ہو چکی ہے جو زیر طبع ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خلوت و تفکر: ۳۷ سال کی عمر میں غارِ حرا میں خلوت گزینی، عبادت اور ذکر و فکر

بعثت و نبوت

نزولِ وحی: ۴۰ سال کی عمر میں

فرضیت نمازِ فجر و عصر: ۴۰ سال کی عمر میں (بروز بعثت)

آغاز نزولِ قرآن: ۴۰ سال کی عمر میں، ۱ نبوی

تبلیغ اسلام کا آغاز: ۱ نبوی (ربیع الاول) ۴۰ سال کی عمر میں

پوشیدہ تبلیغ کا دور: ۱ تا ۳ نبوی ۴۳ سال کی عمر میں۔ چالیس زن و مرد مسلمان ہوئے اور کوہ صفا میں خفیہ طور پر نماز پڑھی گئی۔

علانیہ تبلیغ کا دور: ۴ نبوی ۴۳ سال کی عمر میں، کوہ صفا سے علانیہ تبلیغ کا آغاز

کفار کی مخالفت: ۳ تا ۵ نبوی، ۴۳ تا ۴۵ سال کی عمر میں، قریش مکہ کی مخالفت کا پہلا دور

کفار کی شدید مخالفت: ۵ تا ۷ نبوی، قریش کی طرف سے شدید مظالم شروع ہوئے

ہجرتِ حبشہ: ۵ نبوی ۴۵ سال کی عمر میں

حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا قبول اسلام: ۵ ـ ۶ نبوی، ۴۶ سال کی عمر میں

شعب ابی طالب میں محصوری: ۶ تا ۹ نبوی، ۴۹ سال کی عمر میں

دوسری ہجرت حبشہ: ۶، ۷ نبوی ۴۷ سال کی عمر میں

محصوری و مقاطعہ کا اختتام: ۱۰ نبوی، ۵۰ سال کی عمر میں

چچا ابو طالب کا انتقال: ایضاً

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات: ایضاً

طائف کا تبلیغی سفر: ایضاً

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح:	ایضاً
واقعۂ معراج:	ایضاً
فرضیتِ نماز پنج گانہ:	ایضاً
مدینہ میں آغاز اسلام:	ایضاً
آمد وفدِ مدینہ:	۱۱ نبوی، ۵۱ سال کی عمر میں، مدینہ کے چھ افراد کا قبول اسلام
بیعت عَقبہ اُولیٰ:	۱۲ نبوی، ۵۲ سال کی عمر میں مدینے کے ۱۲ افراد کا قبول اسلام
بیعت عَقبہ ثانیہ:	۱۳ نبوی، ۵۳ سال کی عمر میں، مدینے کے ۷۵ افراد کا قبول اسلام
ہجرت مدینہ:	۱۳ نبوی، ۵۳ سال کی عمر میں

ہجرت تا رحلت

مدینے میں ورود نبوی:	۵۴ سال کی عمر میں (۱۲ ربیع الاول) ۱ ہجری
تاسیس مسجد نبوی:	۱ھ، ۵۴ سال کی عمر میں
میثاق مدینہ:	نظام دفاع کا آغاز
مؤاخات:	مدینے کا نظم ونسق
جہاد کی اجازت:	۲ھ، ۵۵ سال کی عمر میں
اذان کا آغاز:	ایضاً
فرضیتِ زکوٰۃ:	ایضاً
تحویلِ قبلہ:	ایضاً
فرضیتِ صیام ماہِ رمضان:	ایضاً
معرکۂ بدر:	ایضاً
نمازِ عید الفطر:	ایضاً
حضرت علی کا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح:	ایضاً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بنو قینقاع کی جلاوطنی:	۳ ہجری، بنو قینقاع کو بدعہدی اور غداری کی پاداش میں جلاوطن کر دیا گیا۔
حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا سے نکاح:	۳ ہجری، ۵۶ سال کی عمر میں
بنت نبی ﷺ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نکاح:	ایضاً
امتناع شراب کا حکم:	ایضاً
غزوۂ اُحد:	ایضاً
حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح:	ایضاً
حادثہ رجیع:	۴ ہجری، ۵۷ سال کی عمر میں بنو عامر کی مکاری اور دس قاریوں کی شہادت۔
حادثہ بئر معونہ:	۶۰/۷۰ علماء صحابہ کو بدعہدی اور غداری سے شہید کر دیا گیا۔
حکم حجاب:	۴ ہجری
حرمت شراب کے قانون کا نفاذ	ایضاً
ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال:	۴ ہجری
غزوۂ بنو نضیر:	مدینے کا یہ یہودی قبیلہ بوجہ جرم بغاوت اور اقدام قتلِ حضور ﷺ جلاوطن کر دیا گیا۔
حکم تیمم:	۵ ہجری، ۵۸ سال کی عمر میں
حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح:	ایضاً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زنا سے متعلق قوانین:	ایضاً
غزوۂ خندق/ احزاب:	ایضاً
حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح:	ایضاً
قذف اور لعان کے احکام کا نزول:	۵ ہجری، ان جرائم کے فوجداری قوانین کا نفاذ
غزوۂ بنو قریظہ:	انھیں بدعہدی، بغاوت اور غداری کی سزا دی گئی
صلح حدیبیہ:	٦ ہجری، ۵۹ سال کی عمر میں
حضرت خالد بن ولید اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا قبول اسلام	ایضاً
تبلیغ اسلام کے سلسلے میں بین الاقوامی سطح پر دعوت نامے:	ایضاً
غزوۂ خیبر:	۷ ہجری، ٦۰ سال کی عمر میں
حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح:	ایضاً
نکاح و طلاق کے تفصیلی قوانین:	ایضاً
حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح:	ایضاً
غزوۂ موتہ:	۸ ہجری، ٦۱ سال کی عمر میں
فتح مکہ:	ایضاً
غزوۂ حنین:	ایضاً
غزوۂ طائف:	ایضاً
سود کی قطعی حرمت:	ایضاً
آپ کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ	

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا انتقال:	ایضاً
غزوۂ تبوک:	ایضاً
جزیہ کا حکم:	ایضاً
فرضیتِ حج:	ایضاً
وفود کی آمد:	۱۰ ہجری، ۶۳ سال کی عمر میں
حجۃ الوداع:	۱۰ ہجری، ۶۳ سال کی عمر میں
آخری خطبہ:	ایضاً
وصال:	(۱۲ ربیع الاول) ۱۱ ہجری، ۶۳ سال کی عمر میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیرت طیبہ ﷺ پر ایک جامع تصنیف کا خاکہ[1]

"پروفیسر عبدالقیوم صاحب نور اللہ مرقدہٗ عربی اور علوم اسلامیہ، بالخصوص علوم قرآن، حدیث اور سیرت طیبہ پر سند تسلیم کیے جاتے تھے۔ انھوں نے یوں تو اس موضوع پر بے شمار مقالات لکھے اور تصانیف مرتب کیں مگر ان کے کاغذات دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مرحوم کے ذہن میں سیرت طیبہ کا ایک جامع نقشہ موجود تھا، جس پر آپ کام کرنا چاہتے تھے۔ مرحوم نے اس کے لیے ایک ابتدائی خاکہ (OUTLINE) بنا لیا تھا، مگر افسوس کہ انھیں اس عظیم الشان کتاب سیرت کی تکمیل کا موقع نہ مل سکا۔ لہٰذا اس خیال سے کہ عین ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کے چھوڑے ہوئے کام کی تکمیل کا کسی اور کو موقع فراہم کر دے، ان کا مرتب کردہ خاکہ انھی کے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے۔"[2]

---

[1] مطبوعہ در اورینٹل کالج میگزین، پنجاب یونیورسٹی لاہور: ج ۶۵/ ۱، ۲۔ عدد مسلسل: ۲۵۵، ۲۵۶۔ ۱۹۹۲ء

[2] پروفیسر صاحب کے اس خاکے پر دو علمی منصوبے استوار ہوئے ہیں، ایک دارالسلام لاہور کا "سیرت انسائیکلوپیڈیا" اور دوسرا ادارالمعارف کا "دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ" یہ دونوں علمی منصوبے شائع ہو چکے ہیں اور منفرد اور جداگانہ خصوصیات کے حامل ہیں۔ دونوں منصوبے گیارہ جلدوں پر مشتمل ہیں اور بالترتیب چھ ہزار اور سات ہزار ایک سو چار (۷۱۰۴) صفحات پر مشتمل ہیں۔ تاریخ میں عام طور پر یہ نظر نہیں آتا کہ کسی کے مرتب کردہ خاکے پر دو علمی کام استوار ہوئے ہوں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب ا۔ (حصہ اول) عرب کا مختصر جغرافیہ
(حصہ دوم) عرب کے مختصر حالات
باب ۲۔ (حصہ اول) آنحضرت ﷺ کا شجرۂ نسب
(حصہ دوم) قبیلہ قریش پر مختصر نوٹ
باب ۳۔ آنحضرت ﷺ کے آباء و اَجداد کے فضائل کا بیان
باب ۴۔ (حصہ اول) عبدالمطلب کی اولاد، رسول اللہ ﷺ کے چچا اور پھوپھیاں
(حصہ دوم) آنحضرت ﷺ کے ننھیال
باب ۵۔ بئر زمزم کی بازیافت
باب ۶۔ جناب عبداللہ کی ولادت، شادی اور وفات
باب ۷۔ اصحابِ فیل کا واقعہ
باب ۸۔ ولادت باسعادت سرکارِ دو عالم ﷺ
باب ۹۔ آنحضرت ﷺ کی ولادتِ طیبہ کا جشن
باب ۱۰۔ آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی
باب ۱۱۔ آنحضرت ﷺ کو دودھ پلانے والی خواتین
باب ۱۲۔ سینہ مبارک شق ہونے کا واقعہ
باب ۱۳۔ کفار کا آنحضرت ﷺ کو کم سنی میں قتل کرنے کا ناپاک ارادہ
باب ۱۴۔ محترمہ آمنہ کی وفات
باب ۱۵۔ عبدالمطلب کا سَیف بن ذی یَزَن کو مبارک باد دینا
باب ۱۶۔ آنحضرت ﷺ کے جدامجد عبدالمطلب کی وفات
باب ۱۷۔ ابوطالب کی کفالت میں
باب ۱۸۔ آنحضرت ﷺ کا سفرِ شام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۹۔ بُحیرا راہب کا واقعہ

باب ۲۰۔ آپ ﷺ کے ہمراہی کون تھے؟

باب ۲۱۔ مکہ میں آنحضرت ﷺ کے بکریاں چرانے کا بیان

باب ۲۲۔ جنگِ فجار

باب ۲۳۔ حلف الفضول

باب ۲۴۔ کیا نبی کریم ﷺ نے یمن کا سفر فرمایا تھا؟

باب ۲۵۔ جاہلیت کی برائیوں سے آنحضرت ﷺ کی دوری کا بیان

باب ۲۶۔ آنحضرت ﷺ کے دوسرے سفرِ شام کا واقعہ

باب ۲۷۔ ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت ﷺ کے عقد کا بیان

باب ۲۸۔ تعمیرِ خانہ کعبہ کی تجدید

باب ۲۹۔ آنحضرت ﷺ کے لقب ''الامین'' کا بیان

باب ۳۰۔ بچپن اور جوانی میں آنحضرت ﷺ کے اَخلاقِ حسنہ کا بیان

باب ۳۱۔ تورات و انجیل سے آنحضرت ﷺ کی رسالت کا ثبوت

باب ۳۲۔ دیگر قدیم کتب میں آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک

باب ۳۳۔ یہود کا کفار کو آنحضرت ﷺ کی مدد سے ڈرانے کا بیان

باب ۳۴۔ وہ لوگ جن کا نام زمانہ جاہلیت میں محمد تھا

باب ۳۵۔ بتوں کی پرستش کا بیان

باب ۳۶۔ دینِ ابراہیم کے متلاشی چار افراد کا ذکر

باب ۳۷۔ مستشرقین سیل کے قول کی تردید

باب ۳۸۔ زید بن عمرو کے سوانحِ حیات

باب ۳۹۔ نبی منتظر ﷺ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب۴۰۔ وحی کی ابتدا

باب۴۱۔ نبی اُمی ﷺ

باب۴۲۔ وحی کا انقطاع

باب۴۳۔ سب سے پہلی ہستی جو آنحضرت ﷺ پر ایمان لائی

باب۴۴۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے اسلام لانے کا واقعہ

باب۴۵۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکیمانہ مقولے

باب۴۶۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی اور ان کا قبولِ اسلام

باب۴۷۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ

باب۴۸۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ان کا قبولِ اسلام

باب۴۹۔ خفیہ طور پر اسلام کی تبلیغ

باب۵۰۔ (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح کے متعلق) مسٹر مرجولیوث کے قول کی تردید

باب۵۱۔ مشرکین کی طرف سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایذا رسانی

باب۵۲۔ دعوتِ اسلام کا اعلانِ عام

باب۵۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر جو قرآن کریم کی بآوازِ بلند تلاوت کرنے والے پہلے شخص تھے۔

باب۵۴۔ مار پیٹ اور گالی گلوچ متعصب جاہلوں کا شیوہ ہے

باب۵۵۔ قرآنِ کریم نے عرب کے دانشوروں کو مبہوت کر دیا

باب۵۶۔ قریشِ مکہ کا آنحضرت ﷺ کے معاملے میں ابوطالب سے مذاکرہ

باب۵۷۔ کفار کی طرف سے مسلمانوں کو ایذا رسانی

باب۵۸۔ کفار کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو مصالحت کی پیشکش

باب۵۹۔ ابوجہل کی حماقت

باب۶۰۔ قریش کا آنحضرت ﷺ کا امتحان لینا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب ۶۱۔ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

باب ۶۲۔ حبشہ کی طرف مسلمانوں کی پہلی ہجرت

باب ۶۳۔ حاکم حبشہ کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی تقریر

باب ۶۴۔ غرانیق کی شفاعت کا قصہ

باب ۶۵۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان کا قبولِ اسلام

باب ۶۶۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ذکر

باب ۶۷۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب اور واقعہ

باب ۶۸۔ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کا بیان

باب ۶۹۔ شعب ابی طالب کے محاصرے اور عہد نامے کا بیان

باب ۷۰۔ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کے بائیکاٹ کا واقعہ

باب ۷۱۔ طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ اور ان کے اسلام لانے کا واقعہ

باب ۷۲۔ ایک شاعر جو اپنی عقل کو حکم بنا کر اسلام قبول کرتا ہے

باب ۷۳۔ ابوطالب کی وفات

باب ۷۴۔ اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات

باب ۷۵۔ آنحضرت ﷺ کا طائف کی طرف سفر

باب ۷۶۔ اِسراء و معراج کا بیان

باب ۷۷۔ قریش پر معراج کی خبر کا اثر

باب ۷۸۔ معراج کی حقیقت

باب ۷۹۔ کیا آنحضرت ﷺ نے شبِ معراج میں اپنے اللہ کو برملا دیکھا تھا؟

باب ۸۰۔ نماز کی فرضیت

باب ۸۱۔ رسول اللہ ﷺ کا خود کو قبائلِ عرب پر پیش کرنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب ۸۲۔ انصار کے اسلام کی ابتدا (بیعتِ عقبہ اولیٰ اور ثانیہ)
باب ۸۳۔ قریش کا آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کے لیے خفیہ جوڑ توڑ
باب ۸۴۔ قرآنِ کریم اور مکہ میں نازل ہونے والی سورتوں کا بیان
باب ۸۵۔ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا بیان
باب ۸۶۔ قرآنِ کریم میں آنحضرت ﷺ کی ہجرت کا ذکر
باب ۸۷۔ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ میں پہلے خطبے کا بیان
باب ۸۸۔ حضرت عبداللہ بن سلام بن حارث اسرائیلی رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ
باب ۸۹۔ آنحضرت ﷺ کا یہود سے معاہدہ (میثاقِ مدینہ)
باب ۹۰۔ قبیلہ خزرج واَوس اور ان کے یہود سے باہمی معاملات
باب ۹۱۔ اَوس اور خزرج کے درمیان عداوت اور اس کا پس منظر
باب ۹۲۔ شہر یثرب کا بیان
باب ۹۳۔ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر
باب ۹۴۔ آنحضرت ﷺ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عقد فرمانے کا بیان
باب ۹۵۔ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تحویل قبلہ کا حکم
باب ۹۶۔ اذان کا بیان
باب ۹۷۔ ماہِ رمضان کے روزوں اور زکوٰۃ الفطر کی فرضیت کا بیان
باب ۹۸۔ فریضۂ زکوٰۃ کا بیان
باب ۹۹۔ مہاجرین اور انصار کے درمیان مؤاخات کا بیان
باب ۱۰۰۔ یہود کی دشمنیاں اور ان کے جھگڑے
باب ۱۰۱۔ ابن اُبَی کا نفاق اور منافقین
باب ۱۰۲۔ اصحابِ صُفّہ رضی اللہ عنہم کا بیان
باب ۱۰۳۔ اِذنِ جہاد

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۰۴۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لشکر کشی (سریہ سیف البحر)

باب ۱۰۵۔ سریہ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ (سریۂ رابغ)

باب ۱۰۶۔ سریہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (سریۂ خرّار)

باب ۱۰۷۔ غزوۂ وَدّان (غزوۂ اَبواء)

باب ۱۰۸۔ غزوۂ بُواط

باب ۱۰۹۔ بدر کا پہلا غزوہ (غزوۂ سَفوان)

باب ۱۱۰۔ غزوۂ ذوالعُشَیرہ

باب ۱۱۱۔ سریہ عبداللہ بن جحش اسدی رضی اللہ عنہ (سریہ نخلہ)

باب ۱۱۲۔ غزوۂ بدر ثانی یا غزوۂ بدر کبریٰ

باب ۱۱۳۔ ہر دو لشکروں کا کوچ اور بارش کا نزول

باب ۱۱۴۔ ابوسفیان اور ابوجہل کے درمیان اختلاف

باب ۱۱۵۔ کنویں کے کنارے حوض کی تعمیر

باب ۱۱۶۔ آنحضرت ﷺ کے لیے سائبان کی تیاری

باب ۱۱۷۔ عتبہ بن ربیعہ کی واپس ہو جانے کی نصیحت

باب ۱۱۸۔ مسلمانوں کی صفوں کی ترتیب اور آنحضرت ﷺ کی دعا

باب ۱۱۹۔ حوض میں گرنے کا واقعہ

باب ۱۲۰۔ آغازِ جنگ

باب ۱۲۱۔ جہاد کی ترغیب

باب ۱۲۲۔ مسلمانوں اور مشرکوں کے جھنڈے

باب ۱۲۳۔ فریقین کی مڈھ بھیڑ اور جنگ کا بھڑکنا

باب ۱۲۴۔ بدر کے دن مسلمانوں کی مدد کے لیے فرشتوں کا آنا

باب ۱۲۵۔ بدر کے دن ملائکہ کا حلیہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۲۶۔ مقتولین کفار کو گڑھے میں ڈالنے کا ذکر

باب ۱۲۷۔ مدینہ میں غزوۂ بدر کی فتح کا اثر

باب ۱۲۸۔ اموالِ غنیمت کی تقسیم

باب ۱۲۹۔ قیدی اور اُن کا فدیہ

باب ۱۳۰۔ قیدیوں کے متعلق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے

باب ۱۳۱۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی رائے قیدیوں کو قتل کرنے کی

باب ۱۳۲۔ فیصلہ اور اس کی قرآنِ حکیم سے توثیق

باب ۱۳۳۔ قریش پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح کا اثر

باب ۱۳۴۔ جنگِ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب

باب ۱۳۵۔ اہلِ بدر کی فضیلت

باب ۱۳۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات

باب ۱۳۷۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی

باب ۱۳۸۔ غزوۂ بنی قینقاع

باب ۱۳۹۔ غزواتِ بنی سُلیم

باب ۱۴۰۔ غزوۂ سویق

باب ۱۴۱۔ غزوۂ ذی اَمر (غزوۂ بنی غطفان)

باب ۱۴۲۔ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی

باب ۱۴۳۔ اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی

باب ۱۴۴۔ سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما

باب ۱۴۵۔ کعب بن اشرف یہودی کا قتل

باب ۱۴۶۔ ابن سُنَینہ اور دیگر گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قتل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب ۱۴۷۔ غزوۂ اُحد

باب ۱۴۸۔ کفار کا پلٹ کر مسلمانوں پر حملہ آور ہونا

باب ۱۴۹۔ آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والے اصحاب

باب ۱۵۰۔ ایک خاتون کی بہادری اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ثابت قدمی

باب ۱۵۱۔ رسول اللہ ﷺ کا ایک معجزہ

باب ۱۵۲۔ اُبَیّ بن خلف کا قتل

باب ۱۵۳۔ آنحضرت ﷺ کا زخمی ہونا

باب ۱۵۴۔ کفار کا مسلمانوں اور حضرت حمزہ ؓ کی لاش کا مُثلہ بنانا

باب ۱۵۵۔ غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کی شکست کے اسباب

باب ۱۵۶۔ ابوسفیان کی پکار

باب ۱۵۷۔ حضرت سعد بن ربیع انصاری اور دیگر صحابہ کی شہادت

باب ۱۵۸۔ مخیریق کے قتل کا واقعہ

باب ۱۵۹۔ قزمان کی خودکشی

باب ۱۶۰۔ شہدائے اُحد کی تدفین

باب ۱۶۱۔ آنحضرت ﷺ کی مدینہ طیبہ کو واپسی

باب ۱۶۲۔ مسلمانوں پر یہود و منافقین کی طعن و تشنیع

باب ۱۶۳۔ غزوۂ احد میں ملائکہ کا نزول

باب ۱۶۴۔ قرآن کریم میں غزوۂ احد کا ذکر

باب ۱۶۵۔ غزوۂ حمراء الاسد

باب ۱۶۶۔ رجیع کا طلایہ گرد دستہ

باب ۱۶۷۔ غزوۂ بنی نضیر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب۱۶۸۔ شراب کی حرمت

باب۱۶۹۔ غزوۂ ذات الرقاع (غزوۂ انمار، غزوۂ بنو محارب)

باب۱۷۰۔ صلوٰۃ خوف کا حکم

باب۱۷۱۔ آخری غزوۂ بدر

باب۱۷۲۔ غزوۂ دُومۃ الجندل

باب۱۷۳۔ آنحضرت ﷺ کا سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے عقد

باب۱۷۴۔ غزوۂ مریسیع (غزوۂ بنی مصطلق)

باب۱۷۵۔ حضرت ہشام بن صُبابہ رضی اللہ عنہ کا قتل

باب۱۷۶۔ تیمم کے حکم کا نزول

باب۱۷۷۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور افک کا واقعہ

باب۱۷۸۔ غزوۂ خندق (غزوۂ احزاب)

باب۱۷۹۔ سخت چٹان کی برآمدگی اور آنحضرت ﷺ کا معجزہ

باب۱۸۰۔ ہر دو لشکر کی تعداد

باب۱۸۱۔ یہودیوں کی عہد شکنی

باب۱۸۲۔ محاصرے کی سختی

باب۱۸۳۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا جنگ سے خائف ہونا

باب۱۸۴۔ جنگ کا تسلسل اور آنحضرت ﷺ کی نمازوں کا قضا ہونا

باب۱۸۵۔ جنگ ایک دھوکا ہوتی ہے

باب۱۸۶۔ قدرتی جنگ

باب۱۸۷۔ ابوسفیان کی تقریر اور کفار کا راہِ فرار

باب۱۸۸۔ مسلمانوں کے نقصانات

باب۱۸۹۔ مشرکین کے نقصانات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب۱۹۰۔ غزوۂ بنی قریظہ

باب۱۹۱۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

باب۱۹۲۔ مسلمانوں کو ملنے والے اموالِ غنیمت

باب۱۹۳۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات

باب۱۹۴۔ غزوۂ بنوقریظہ میں مسلمانوں کے نقصانات

باب۱۹۵۔ غزوۂ خندق اور بنوقریظہ کے متعلق قرآنی آیات کا نزول

باب۱۹۶۔ مدینہ کے یہود اور ان کا انجام

باب۱۹۷۔ سریہ قُرطاء اور ثمامہ بن اثال حنفی رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

باب۱۹۸۔ غزوۂ بنی لحیان

باب۱۹۹۔ مدینہ منورہ پر عیینہ بن حصن کا چھاپا مارنا

باب۲۰۰۔ غزوۂ ذی قَرد (غزوۂ غابہ)

باب۲۰۱۔ سریہ غُمر یا سریۂ عُکاشہ بن مِحصن اسدی رضی اللہ عنہ

باب۲۰۲۔ محمد بن مَسلَمہ انصاری رضی اللہ عنہ کا مقام ذوالقصہ کی طرف مارچ

باب۲۰۳۔ سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما

باب۲۰۴۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے دیگر سریے

باب۲۰۵۔ دُومۃ الجندل کی طرف حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی روانگی

باب۲۰۶۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی بنوسعد بن بکر کی طرف روانگی

باب۲۰۷۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی اُم قِرفہ کی طرف لشکر کشی

باب۲۰۸۔ سلام بن ابی حُقیق کو قتل کرنے کے لیے عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی روانگی

باب۲۰۹۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی اُسیر بن زارِم کی طرف لشکر کشی

باب۲۱۰۔ حضرت کُرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ کی لشکر کشی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب ۲۱۱۔ حدیبیہ کا واقعہ

باب ۲۱۲۔ بیعتِ رضوان

باب ۲۱۳۔ قریش پر بیعت رضوان کا اثر

باب ۲۱۴۔ معاہدۂ صلح

باب ۲۱۵۔ معاہدۂ صلح کے فوائد

باب ۲۱۶۔ معاہدۂ صلح کا نفاذ

باب ۲۱۷۔ آنحضرت ﷺ کی طرف سے سلاطین وامرائے عالم کے نام تبلیغی دعوت نامے

باب ۲۱۸۔ آنحضرت ﷺ کی انگشتری مبارک

باب ۲۱۹۔ ہرقل کے نام خط

باب ۲۲۰۔ حارث بن ابی شمر غسانی کے نام نامۂ مبارک

باب ۲۲۱۔ کسریٰ شاہِ فارس کے نام نامۂ مبارک

باب ۲۲۲۔ باذان کا قبولِ اسلام

باب ۲۲۳۔ سلطان مُقوقِس فرمانروائے قِبط کے نام خط

باب ۲۲۴۔ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

باب ۲۲۵۔ ابراہیم رضی اللہ عنہ بن رسول اللہ ﷺ کی ولادت

باب ۲۲۶۔ اَصحمہ نجاشی کے نام گرامی نامہ

باب ۲۲۷۔ نجاشی کا قبولِ اسلام

باب ۲۲۸۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا دختر ابی سفیان کا آنحضرت ﷺ سے نکاح

باب ۲۲۹۔ بنام ہوذہ بن علی حنفی شاہِ یمامہ

باب ۲۳۰۔ بنام مُنذِر بن ساویٰ تمیمی

باب ۲۳۱۔ عمان کے دو بادشاہوں کے نام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب۲۳۲۔ آنحضرت ﷺ کے دیگر نامہ ہائے مبارک

باب۲۳۳۔ سلاطین وامرائے وقت کے نام نامہ ہائے مبارک بھیجنے کا نتیجہ

باب۲۳۴۔ غزوۂ خیبر

باب۲۳۵۔ پالتو گدھوں کے گوشت کی حرمت کا بیان

باب۲۳۶۔ خیبر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بخار میں مبتلا ہونا

باب۲۳۷۔ اہلِ فدک کی صلح

باب۲۳۸۔ غزوۂ وادی القریٰ

باب۲۳۹۔ سردی اور بارش میں فوجی دستوں کی روانگی

باب۲۴۰۔ عمرۂ قضا

باب۲۴۱۔ آنحضرت ﷺ کا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے عقد

باب۲۴۲۔ سریہ موتہ سے قبل کے حوادِث کا ذکر

باب۲۴۳۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ان کا قبول اسلام

باب۲۴۴۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کا قبول اسلام

باب۲۴۵۔ روم سے جنگ کے لیے سریۂ موتہ

باب۲۴۶۔ اسلامی لشکر کے موتہ کی طرف کوچ سے قبل آنحضرت ﷺ کا اسے نصیحت فرمانا

باب۲۴۷۔ آنحضرت ﷺ کا متعلقین جعفر رضی اللہ عنہ سے غمگساری و ہمدردی فرمانا

باب۲۴۸۔ فروہ بن عامر جذامی کا قبولِ اسلام

باب۲۴۹۔ سریہ ذات السلاسل

باب۲۵۰۔ سریہ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ (سِیف البحر، سریۃ الخبط)

باب۲۵۱۔ غزوۂ فتح مکہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب ۲۵۲۔ قریش کا ابوسفیان کو مدینہ منورہ بھیجنا
باب ۲۵۳۔ آنحضرت ﷺ کی مکہ پر یلغار کی تیاری
باب ۲۵۴۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا مکہ کی طرف خط بھیجنا
باب ۲۵۵۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنے صحابہ کو رمضان میں اِفطار کی اجازت دینا
باب ۲۵۶۔ مسلمانوں کے لشکر کا آگ روشن کرنا
باب ۲۵۷۔ وہ لوگ جنھیں قتل کر ڈالنے کا حکم دیا گیا تھا
باب ۲۵۸۔ آنحضرت ﷺ کا کعبہ شریف میں داخل ہونا
باب ۲۵۹۔ اہل مکہ کی بیعت
باب ۲۶۰۔ بتوں کا انہدام
باب ۲۶۱۔ خانہ کعبہ کی چھت پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اذان دینا
باب ۲۶۲۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ اور دیگر افراد کا قبولِ اِسلام
باب ۲۶۳۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی عزیٰ پر فوج کشی
باب ۲۶۴۔ حضرت سعد بن زید الاشہلی رضی اللہ عنہ کی منات پر فوج کشی
باب ۲۶۵۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی سواع کی طرف فوج کشی
باب ۲۶۶۔ غزوۂ حنین
باب ۲۶۷۔ دشمن کی طاقت اور اس کی جنگی تیاری
باب ۲۶۸۔ مسلمانوں کی فوجی طاقت اور ان کی تیاری
باب ۲۶۹۔ مسلمانوں کی صفوں کی ترتیب اور جھنڈیوں کی تقسیم
باب ۲۷۰۔ دشمن اور مسلمانوں کے جاسوس
باب ۲۷۱۔ آنحضرت ﷺ کی ثابت قدمی
باب ۲۷۲۔ فتح بعد از شکست

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب ۲۷۳۔ مالِ غنیمت اور انصار

باب ۲۷۴۔ سریۂ اوطاس (ہوازن)

باب ۲۷۵۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کی ذوالکفین کی طرف فوج کشی

باب ۲۷۶۔ غزوۂ طائف

باب ۲۷۷۔ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کی صداء پر فوج کشی

باب ۲۷۸۔ عیینہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہ کی بنو تمیم کی طرف فوج کشی

باب ۲۷۹۔ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی اطلاع پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی بنو مصطلق پر فوج کشی

باب ۲۸۰۔ حضرت قُطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی خَثعم پر فوج کشی

باب ۲۸۱۔ حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ کی بنو کلاب پر یلغار

باب ۲۸۲۔ حضرت علقمہ بن مُجزز مُدلجی رضی اللہ عنہ کی حبشہ پر فوج کشی

باب ۲۸۳۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی فُلس پر فوج کشی

باب ۲۸۴۔ غزوۂ تبوک (غزوۂ عُسرت)

باب ۲۸۵۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اُکیدر کی طرف بھیجنا (دُومۃ الجندل)

باب ۲۸۶۔ سفرِ تبوک کے معجزات و غیر عادی امور

باب ۲۸۷۔ مقام قُباء کی مسجد ضِرار کا انہدام

باب ۲۸۸۔ مسجد ضرار کی تعمیر کی وجہ

باب ۲۸۹۔ سرخیل منافقین عبداللہ بن اُبَیّ کی موت

باب ۲۹۰۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فریضۂ حج ادا کرنا

باب ۲۹۱۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی بنو حارث بن کعب پر بمقام نجران فوج کشی

باب ۲۹۲۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات

باب ۲۹۳۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کی مہمات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب ۲۹۴۔ حجۃ الوداع

باب ۲۹۵۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی فوج کشی

باب ۲۹۶۔ غزوات و دیگر سرایا کی تعداد

باب ۲۹۷۔ وفود کی آمد

باب ۲۹۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال

باب ۲۹۹۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مرثیہ

باب ۳۰۰۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مرثیہ

باب ۳۰۱۔ مدینہ میں نازل ہونے والی سورتیں

باب ۳۰۲۔ وحی کے درجات اور مستشرقین کی تردید

باب ۳۰۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن

باب ۳۰۴۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی کثرت کا سبب

باب ۳۰۵۔ اسلام میں عورت کا مقام

باب ۳۰۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد بیویوں کی حکمت و مصلحت

باب ۳۰۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادگان و صاحبزادیاں

باب ۳۰۸۔ سراپائے اقدس

باب ۳۰۹۔ عادات و خصائل

باب ۳۱۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتِ عفو و حلم

باب ۳۱۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت و کرم

باب ۳۱۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت

باب ۳۱۳۔ اسلامی تعلیمات کا اتباع

باب ۳۱۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمہ کا اتباع

باب ۳۱۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق گرامی کی توصیف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب ۳۱۶۔ آنحضرت ﷺ کے معجزات
باب ۳۱۷۔ قرآن کریم کے عظیم الشان معجزہ ہونے کا بیان
باب ۳۱۸۔ چاند کے دو ٹکڑے ہونا
باب ۳۱۹۔ کھانے کی فراوانی
باب ۳۲۰۔ درخت کے تنے کا گریہ وزاری کرنا
باب ۳۲۱۔ بیماروں اور زخمیوں کا صحت یاب ہونا
باب ۳۲۲۔ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات
باب ۳۲۳۔ غلامانِ رسول ﷺ
باب ۳۲۴۔ آنحضرت ﷺ کے محافظین اور پہرے دار
باب ۳۲۵۔ آنحضرت ﷺ کے امین اور شعراء
باب ۳۲۶۔ آنحضرت ﷺ کے مؤذنین
باب ۳۲۷۔ آنحضرت ﷺ کے خُدّام
باب ۳۲۸۔ آنحضرت ﷺ کے گھوڑے
باب ۳۲۹۔ خچر اور اونٹ
باب ۳۳۰۔ آنحضرت ﷺ کے ہتھیاروں اور تلواروں کے نام
باب ۳۳۱۔ آنحضرت ﷺ کی زرہوں اور کمانوں کے نام
باب ۳۳۲۔ آنحضرت ﷺ کی ڈھالوں اور نیزوں کے نام
باب ۳۳۳۔ حق تعالیٰ کا اپنے رسول ﷺ کو ادب سکھانا
باب ۳۳۴۔ مشورے کا حکم
باب ۳۳۵۔ یتیم وسائل پر مہربانی کا بیان
باب ۳۳۶۔ صبر وعبادت کا بیان
باب ۳۳۷۔ حلال کو حرام کر لینے کی ممانعت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باب ۳۳۸۔ معیوب افعال کو ترک کرنے کا حکم

باب ۳۳۹۔ جاہلوں سے درگزر اور کنارہ کشی اختیار کرنے کا بیان

باب ۳۴۰۔ مومنوں کے سامنے فروتنی اور انکسار اختیار کرنے کا حکم

باب ۳۴۱۔ بہتر طریق پر مناظرہ و مقابلہ کرنے کی تعلیم

باب ۳۴۲۔ دشمن سے معاملہ کرنے کی تعلیم

باب ۳۴۳۔ مصارف میں اقتصاد کا بیان

باب ۳۴۴۔ قرآن کریم میں آنحضرت ﷺ کے مرتبہ و مقام کا ذکر

باب ۳۴۵۔ حق تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت

باب ۳۴۶۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت تمام عالم پر احسان ہے

باب ۳۴۷۔ نبی کریم ﷺ پر دُرود بھیجنے کا بیان

باب ۳۴۸۔ آنحضرت ﷺ کے حضور میں باادب رہنے کی تعلیم

باب ۳۴۹۔ آنحضرت ﷺ کو حَکَم بنانے کا بیان

باب ۳۵۰۔ آنحضرت ﷺ کی مخالفت کا انجام

باب ۳۵۱۔ احادیث نبویہ اور اُن کی تدوین

باب ۳۵۲۔ انتخاب از حدیث

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ذمی، سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور دستور زندگی ہے۔ پیغمبر اسلام سید المرسلین، شفیع المذنبین، خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں اسلام کو نافذ فرمایا۔ اس دین فطرت پر خود بھی عمل کیا اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس حیات بخش دستور پر عمل کرایا۔ اس طرح آپ ﷺ نے ایک ایسا عملی نمونہ اور اسوۂ حسنہ پیش کیا جو رہتی دنیا تک کے مسلمانوں کے لیے ہر دور اور ہر زمانے میں قابل عمل ہے۔

آنحضرت ﷺ نے بعثت کے بعد تیرہ سال تک مکے میں عقائد کی تبلیغ کی۔[1] توحید و رسالت اور آخرت کے اسلامی اور قرآنی نظریے پیش کیے۔ یہ تیرہ سال کا عرصہ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کا دور تھا۔ آپ ﷺ مخالفتوں اور عداوتوں کے ماحول میں لوگوں تک اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچاتے رہے۔ غیر اللہ کی پرستش سے روکتے رہے اور توہمات اور جاہلی رسم و رواج سے عربوں کے دل و دماغ کو صاف اور پاک کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش فرماتے رہے۔

جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینے تشریف لے گئے تو وہاں حالات یکسر مختلف پیدا ہو گئے۔ دس سال کے قیام مدینہ میں آنحضرت ﷺ نے ایک اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ آپ نے اپنے متبعین اور جاں نثاروں کو اسلامی حکومت کے نظم و نسق اور دینی سلطنت کے اصول سیاست سے عملی طور پر روشناس کرا دیا۔ عربوں کے قبائلی معاشرے میں حکومت و سلطنت اور سیاست ملکی کا اسلامی تصور پہلی مرتبہ آنحضرت ﷺ نے نہ صرف پیش کیا بلکہ اس کو عملی طور پر نافذ کر کے لوگوں کو بتا دیا کہ عدل و انصاف کے تقاضے کیا ہوتے ہیں۔ معاشرے کے مختلف افراد اور ملک میں بسنے والے مختلف

[1] صحیح البخاری: ۳۸۵۱ و احمد بن حنبل، المسند: ۲۰۱۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طبقات کے کیا حقوق و فرائض ہیں۔ اس پہلی ریاست میں جو قانون اور حکم نافذ کیا گیا وہ کسی انسان کا بنایا ہوا نہ تھا، بلکہ وہ قانون الٰہی اور حکم خداوندی تھا۔ ہم مختصر یوں بیان کر سکتے ہیں کہ قرآن وسنت کا قانون جاری اور نافذ کیا گیا تھا۔

اب ہم سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اسلامی ریاست میں غیر مسلم رعایا یعنی ذمیوں کی حیثیت کا جائزہ لیتے ہیں۔

سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ لفظ ذمی کا مفہوم سمجھ لیا جائے، کیونکہ یہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک لفظ کا مفہوم کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو، مگر بعض غلط فہمیوں بلکہ سازشوں کی وجہ سے اس لفظ کے مفہوم کو یکسر تبدیل کر کے اس میں ذلت ورسوائی، توہین وتحقیر اور نفرت وحقارت کے عناصر پیدا کر دیے جاتے ہیں۔ پھر وہ لفظ اپنے حقیقی معنی ومفہوم سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کے استعمال میں تحقیر، ذم اور برائی کا پہلو غالب آجاتا ہے۔

دراصل ذمی کا اطلاق اہل ذمہ پر ہوتا ہے اور ذمہ کے معنی ہیں: حق، ذمہ داری، کفالت، عہد اور حرمت وغیرہ۔ اسلامی شریعت اور اسلامی قانون کی اصطلاح میں ذمی اس شخص کو کہتے ہیں جس سے حکومتی سطح پر کوئی عہد وپیمان کیا گیا ہو۔ اس لیے ذمی کو اہل الذمہ کے علاوہ اہل العہد (یعنی وہ شخص جس سے عہد وپیمان کیا گیا ہو) بھی کہتے ہیں۔[۱] الجوہری ایسے ماہر لغت نے ذمی کو اہل العقد کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔[۲] ایک دوسرے ماہر لسانیات نے ذمہ کا مفہوم امان بھی بیان کیا ہے۔

معاہد کو ذمی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ عہد وپیمان کے بعد مسلمانوں کی حمایت وحفاظت میں آجاتا ہے۔ اس کو امان مل جاتی ہے اور اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ وہ ذمی کے مال وجان اور عزت وآبرو اور شہری حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے کسی قسم کی تکلیف، ضرر یا نقصان نہ پہنچنے دے۔[۳] اسلامی ریاست کا یہ مقدس

۱۔ ابن الاثیر، النہایہ:۲/ ۱۶۸

۲۔ الجوہری، الصحاح:۵/ ۱۹۲۵

۳۔ ابن منظور، لسان العرب:۱۲/ ۲۲۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرض ہے کہ وہ غیر مسلم رعایا کے حقوق کی پوری پوری حفاظت کرے، کیونکہ حکومت نے یہ ذمہ لیا ہے۔ اس کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ لفظ ذمی میں تحقیر و تذلیل کا قطعاً کوئی تصور یا پہلو نہیں پایا جاتا۔ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کا یہ بہت بڑا فیضان ہے کہ آپ ﷺ نے غیر مسلم رعایا کو ہر طرح کی امان دی اور ان کے شہری حقوق کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اگر مسلم قوم کا کوئی شخص بھی کسی کو امان دے دے تو ساری مسلم قوم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ جسے امان دی گئی ہے اس کی پوری پوری حفاظت کرے تاکہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچنے پائے۔''[1] تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ جب عہد فاروقی میں میدان جنگ میں ایک غلام نے دشمن کی ایک فوج کو امان دے دی تھی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس غلام کے عہد اور ذمہ کو قائم رکھا۔

آنحضرت ﷺ نے جہاں اسلامی عقائد و عبادات کی تعلیم دی وہاں اخلاق و آداب بھی سکھائے، سیاست کاری اور حکمرانی کے اصول بھی بیان فرمائے اور صلح و جنگ کے قواعد وضوابط کی تشریح بھی فرمائی۔ مختلف طبقات کے شہریوں کے حقوق بھی متعین فرما دیے۔ مسلم اور غیر مسلم رعایا نیز غیر مسلم جنگی قیدیوں کے ساتھ سلوک اور برتاؤ کے بارے میں احکام نافذ ہی نہیں کیے، بلکہ ان پر عمل کر کے ایک نمونہ اور مثال قائم فرما دی۔ جنگ کے دوران میں بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرما دی۔[2] کھیتوں کو برباد کرنے اور درختوں کو کاٹ کر تباہ کرنے سے روک دیا۔ اسلام سے پہلے یہ عام دستور تھا کہ میدان جنگ میں دشمن کو قتل کرنے کے بعد اس کے ناک و کان اور دیگر اعضاء کاٹ دیے جاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے موت اور قتل کے بعد بھی آدمیت کے تقدس کو ملحوظ رکھنے کی غرض سے اس وحشیانہ اور ظالمانہ حرکت سے باز رہنے کا حکم دیا۔[3] جنگی قیدیوں کو جیلوں میں رکھنے اور بیڑیوں میں جکڑنے کے بجائے ایک نہایت شریفانہ اور پر وقار طریقہ بتایا کہ ان کو گھروں میں لے جا کر ان سے خدمت لو،

[1] سنن ابن ماجہ: ۲۶۸۵

[2] صحیح مسلم: ۱۷۳۱ و سنن الترمذی: ۱۴۰۸

[3] صحیح البخاری: ۲۴۷۴ و سنن الترمذی: ۱۴۰۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور انھیں کھانے پینے اور پہننے کے لیے وہی کچھ دو جو تم خود استعمال کرتے ہو۔[1] اس کے دو واضح فائدے نظر آتے ہیں: ایک تو یہ کہ جنگی قیدی قید و بند کی تکالیف و مصائب ہی سے نجات نہیں پاتے بلکہ احساس قید سے بھی محفوظ رہتے ہیں۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے گھریلو ماحول میں ان کے حسن سلوک اور نیک برتاؤ اور صالح کردار سے متاثر ہو کر اپنی زندگی اور اپنے عقیدے کو بہتر بنا کر مومنانہ طرز زندگی کو اپنائیں۔

یہ بات بڑی واضح ہے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلم رعایا کی تین اقسام ہو سکتی ہیں: ایک وہ جو کسی معاہدے یا صلح نامے کے ذریعے اسلامی ریاست کی رعایا بنے ہوں۔ ایسے لوگوں کو معاہد کہتے ہیں۔

دوسرے وہ غیر مسلم جو جنگ میں شکست کھانے کے بعد مغلوب و مفتوح ہوئے ہیں۔ یہ لوگ مفتوحین کہلاتے ہیں۔

تیسرا طبقہ ان غیر ملکیوں کا ہے جو پہلی دونوں صورتوں سے بالکل الگ ہیں۔ وہ اسلامی ریاست کے باشندے ہیں اور انھوں نے اسلامی ریاست کو اپنا وطن بنا لیا ہے۔ اگرچہ ان تینوں اقسام کے عام حقوق برابر و یکساں ہیں، لیکن پہلے دونوں اقسام کے احکام میں تھوڑا بہت فرق ہے۔

معاہدین

معاہدین کے بارے میں رسالت مآب ﷺ نے حکم دیا ہے کہ ان کے تمام معاملات میں شرائط صلح کے مطابق برتاؤ کیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے شرائط صلح کی خلاف ورزی کرنے سے سختی کے ساتھ روک دیا۔ صلح نامے کی شرائط کیسی ہی سخت کیوں نہ ہوں ان پر عمل درآمد ضروری قرار دیا اور شرائط صلح کی پابندی نہ کرنے پر سخت وعید فرمائی ہے۔

امام ابوداود نے اپنی کتاب السنن (کتاب الجہاد) میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”اگر تمھیں کسی قوم سے جنگ کرنی پڑے اور تم ان پر

1. صحیح البخاری: ۳۰ و صحیح مسلم: ۶۰۵۰

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

غالب آ جاؤ اور وہ تم سے کچھ شرائط پر صلح کر لے تو ان مقررہ شرائط سے تجاوز کرنا تمھارے لیے قطعاً جائز نہیں۔‘‘[۱] امام ابوداؤد نے ایک اور حدیث روایت کی ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے مسلمانوں کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا کہ ’’کان کھول کر سن لو کہ جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا، یا اس کے حقوق میں کسی قسم کی کمی کرے گا، یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالے گا، یا اس کی مرضی کے خلاف اس سے کوئی چیز لے گا تو قیامت کے دن میں خود ایسے ظالم شخص کے خلاف مدعی بنوں گا۔‘‘[۲]

ہمارے ہاں حدیثی، فقہی اور شرعی ادب میں غیر مسلم رعایا کے حقوق پر بڑی تفصیلات موجود ہیں، مگر معاہدین کے بارے میں صرف یہ عام قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ اسلامی حکومت ان کے ساتھ طے شدہ شرائط کے مطابق معاہدہ کرے۔ ان شرائط میں کمی بیشی کرنا قطعاً جائز نہیں۔ نہ تو ان پر زرِ صلح بڑھایا جاسکتا ہے، نہ ان کی زمینوں پر حکومت قابض ہوسکتی ہے، نہ ان کو گھربار سے محروم کیا جاسکتا ہے۔ انھیں اپنے مذہبی معاملات اور عبادات میں پوری آزادی حاصل ہے۔ اسلامی ریاست میں ان کی عزت و آبرو اور مال و جان محفوظ و مامون ہیں۔[۳]

مفتوحین

یہ وہ غیر مسلم لوگ ہیں جنھیں مسلمان فوجوں نے میدان جنگ میں بزور شمشیر فتح کیا اور لڑائی کے نتیجے میں ان کے علاقے مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے ہوں۔ ایسے مفتوحین کو اسلامی ریاست میں خاص حقوق دیے جاتے ہیں، جن کے متعلق تفصیلی بیان ہمارے فقہی ادب میں بڑی شرح و بسط سے ملتا ہے، مثلاً جب اسلامی حکومت کا سربراہ ان مفتوحین سے جزیہ لینا قبول کرلے تو اس کے نتیجے میں دوامی عقد ذمہ قائم ہو جاتا ہے۔ ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت و نگہداشت مسلمانوں پر فرض ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد مسلمان سربراہ ریاست کے لیے مفتوحین کو غلام بنانے یا ان کی

---

۱ سنن أبي داود: ۳۰۵۱

۲ سنن أبي داود: ۳۰۵۲

۳ ابن حجر، فتح الباري: ۶/۲۷۰ والموسوعۃ الفقهیۃ الکویتیۃ: ۲۵/۲۳۱

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جائیداد واملاک پر قبضہ کرنے کا کوئی حق نہیں رہتا۔ گویا کہ قبول جزیہ مفتوح ذمیوں کے لیے ایسا پروانہ امن وسلامتی ہے کہ اس کے بعد وہ اپنے گھر بار یا اپنی جائیداد اور اپنی عزت و آبرو کے بارے میں ہمیشہ کے لیے مطمئن ہو کر بے خوف وخطر زندگی بسر کر سکتے ہیں۔[1] عقد ذمہ طے پا جانے کے بعد مفتوحین اپنی زمینوں کے خود مالک قرار پاتے ہیں اور انتقال اراضی ان کے ورثاء کے نام ہو گا۔ ان لوگوں کو اپنی جائیداد اور اراضی کے بارے میں بیع، ہبہ یا رہن کا قانونی حق حاصل ہو گا۔ اسلامی حکومت ان کو بے دخل کرنے کی مجاز نہ ہو گی۔

یہاں جزیے کا ذکر آیا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس کی بھی مختصر طور پر وضاحت کر دی جائے۔ دراصل جزیہ وہ ٹیکس ہے جو ذمیوں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کے بدلے میں وصول کیا جاتا ہے۔ اگر اسلامی حکومت جان و مال کی حفاظت نہ کر سکے تو جزیہ وصول نہیں کیا جاتا۔ اس سلسلہ میں ہمیں اسلام کا یہ اصول حکمرانی بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بوقت ضرورت ملکی دفاع یا جہاد کے ضمن میں ہر مسلمان کو فوجی خدمت کے لیے بلایا جا سکتا ہے، لیکن ذمیوں کو یہ رعایت دی گئی ہے کہ ان کے لیے فوجی خدمت لازمی نہیں۔ جزیہ اس فوجی خدمت کے بدلے میں بھی لیا جاتا ہے اور پھر اس جزیے کی رقم نہایت معمولی ہے۔ علاوہ ازیں کمزور، بیمار، اپاہج، عورتیں، بچے، بوڑھے، دیوانے، اندھے، بے روزگار، عبادت گاہوں کے خادم، راہب، لونڈی اور غلام وغیرہ کو جزیے سے مستثنیٰ ٹھہرایا گیا ہے۔ نیز جزیے کی وصولی کے وقت اسلام نے نرمی کا حکم دیا ہے اور سختی اور ناروا سلوک سے منع کر دیا ہے۔[2]

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے عام حقوق کا بھی ذکر کیا جائے جو اسلامی ریاست میں ذمیوں کو حاصل ہیں:

جان کی حفاظت کے بارے میں قانونی طور پر اسلامی ریاست کے سب شہری برابر ہیں، اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کرے تو اس کا قصاص لیا جائے گا، اسی طرح جس طرح

---

[1] علاء الدین الکاسانی، بدائع الصنائع: ۷/ا؛ ابو یوسف، کتاب الخراج، ص: ۸۲

[2] سنن أبی داود: ۲۶۱۳؛ ابن حجر، فتح الباری: ۶/ ۲۵۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ مسلمان کے قتل پر لیا جاتا ہے۔ عہد نبوی ﷺ میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ

((أَنَا أَحَقُّ مَنْ وَفَّى بِذِمَّتِهِ)) [1]

یعنی "اس کے ذمہ کو وفا کرنے کا میں سب سے زیادہ حق رکھتا ہوں۔"

عہد فاروقی میں ایک مسلمان نے حیرہ کے ایک عیسائی کو قتل کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے مطابق اس قاتل مسلمان کو قصاص میں قتل کر دیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمانوں اور ذمیوں کا قصاص اور دیت برابر ہے۔ [2] ان کے عہد خلافت میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہادت مکمل ہونے کے بعد قصاص کا حکم دے دیا۔ اس طرح کا ایک واقعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے عہد میں پیش آیا اور انھوں نے قصاص پر عمل کیا۔ [3]

حفاظت مال

آغاز اسلام ہی میں یہ مسئلہ طے پا گیا تھا کہ اسلامی حکومت کے غیر مسلم رعایا کی مقبوضہ اراضی انھی کے قبضے میں رہیں گی۔ [4]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ذمیوں کی جاگیروں، ان کے غلاموں یا دیگر اراضی کی خریداری سے منع فرما دیا تھا۔ [5]

شام کے ایک کاشت کار کی کھیتی کو فوجیوں کی نقل و حرکت سے نقصان پہنچا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے بیت المال سے دس ہزار درہم ادا کر دیے۔

ذمیوں کے سلسلے میں اسلامی ریاست کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اگر کوئی دشمن ان پر حملہ کر دے تو اسلامی حکومت دشمنوں کا مقابلہ کر کے ان کی مدافعت و حفاظت کرے۔

---

[1] الدارقطنی، السنن: ۳۲۶۰ و البیہقی، السنن الکبریٰ: ۱۵۹۱۷

[2] عبدالرزاق، المصنف: ۱۸۴۹۶ و الطبرانی، المعجم الکبیر: ۹۷۳۸

[3] یحییٰ بن آدم، الخراج، ص: ۷۶

[4] یحییٰ بن آدم، الخراج، ص: ۱۴

[5] یحییٰ بن آدم، الخراج، ص: ۵۶،۵۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مذہبی آزادی

اسلامی ریاست میں ذمیوں کو پوری پوری مذہبی آزادی حاصل ہے۔ اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ کا فرمان شاہد عادل ہے، آپ نے نجران کے عیسائیوں کو فرمان لکھ کر دے دیا جس کے یہ الفاظ قابل توجہ ہیں:

((لَا يُفْتَنُوا عَنْ دِيْنِهِمْ))[1]

یعنی ''انھیں ان کے مذہب کے بارے میں کوئی تکلیف یا گزند نہ پہنچنے پائے۔''

کتاب الخراج میں امام ابو یوسف نے لکھا ہے کہ پادری، راہب اور گرجاؤں کے پجاری اپنے عہدوں اور منصبوں سے الگ نہیں کیے جائیں گے۔[2]

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فتح حیرہ کے موقع پر وہاں کے عیسائیوں کو یہ عہد نامہ لکھ کر دیا کہ ان کے گرجے اور کنیسے منہدم نہیں کیے جائیں گے۔ انھیں ناقوس بجانے سے بھی نہیں روکا جائے گا اور نہ اپنے تہواروں پر انھیں صلیب کا جلوس نکالنے سے منع کیا جائے گا۔[3] یہ اور اس قسم کی دوسری اقدار سیکڑوں معاہدوں میں مشترک ہیں۔

اسلامی حکومت میں ذمیوں کی مذہبی رسوم اور عبادات سے تعرض نہیں کیا جاتا۔ ذمیوں کو اپنی مذہبی عبادات اور رسوم ادا کرنے کی پوری آزادی حاصل ہوتی ہے۔ اسلامی سلطنت کے سربراہ کا پورا ذمہ ہوتا ہے کہ ذمیوں کے عبادت خانوں کی حفاظت کرے۔ ان کے عبادت خانے منہدم نہ کیے جائیں۔ انھیں اپنی ضرورت کے مطابق نئی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کا اختیار ہے۔ مسلمان حکمرانوں پر گرجے منہدم کرنے کا الزام بدنیتی پر مبنی ہے۔ مسلمان حکمرانوں نے تو منہدم شدہ گرجے سرکاری خزانے سے ازسرنو تعمیر کرا دیے اور ابن تغری بردی نے ''النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرہ'' اور مقریزی نے اپنی کتاب ''الخطط'' میں یہ حقائق قلمبند کیے ہیں کہ مسلمان حکمرانوں نے نہ صرف یہ

---

[1] سنن أبي داود: ۳۰۴۱ و البلاذری، فتوح البلدان، ص: ۶۴

[2] أبو یوسف، الخراج، ص: ۸۵

[3] الطبری، التاریخ: ۳/ ۳۴۵ و ابن الأثیر، الکامل: ۲/ ۲۳۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ پرانے عبادت خانے قائم رکھے، بلکہ معبدوں سے متعلق تمام عہدے اور تمام جائیدادیں قائم اور بحال رہنے دیں۔ پجاریوں اور راہبوں کے مقررہ روزینے مسلمانوں کے بیت المال سے ادا کرتے رہے۔[1]

اسلام کی رواداری اور فراخدلی ملاحظہ ہو کہ ذمی کو کسی قسم کی اذیت یا تکلیف پہنچانے سے منع کر دیا گیا ہے۔ جس طرح کسی مسلمان کو گالی دینا، مارنا پیٹنا، یا اس کی غیبت کرنا جائز نہیں، بالکل اسی طرح یہ باتیں کسی ذمی کے حق میں بھی جائز نہیں ہیں۔ فوجداری قانون مسلمان اور ذمی کے لیے یکساں ہے۔ دونوں کے لیے تعزیرات ایک جیسی ہیں۔ جرائم کی سزائیں مسلمان اور ذمی کے لیے یکساں ہیں۔ چوری، ڈاکہ، زنا اور تہمتِ زنا وغیرہ میں سزا دونوں کے لیے یکساں ہے۔ البتہ شراب کے معاملے میں ذمیوں کو رعایت حاصل ہے۔ دیوانی قانون بھی مسلمان اور ذمی دونوں کے لیے یکساں ہے۔ تجارت اور کاروبار کے ضمن میں بھی رعائتیں اور پابندیاں دونوں کے لیے ایک جیسی ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اگر کسی زمانے میں کسی مسلمان حکمران نے ذمیوں پر ظلم کیا یا کوئی ناانصافی برتی تو علمائے دین اور فقہائے اسلام نے ذمیوں کے حقوق کی حمایت کی اور ظلم و ناانصافی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ علماء نے ہمیشہ اسلامی قانون کی پاسبانی کا اہم کردار ادا کیا ہے اور ہماری تاریخ کو اس شاندار کردار پر فخر ہے، آج بھی فخر ہے اور ہمیشہ رہے گا۔[2]

ہمیں یہ حقیقت ہرگز فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ آنحضرت ﷺ نے غیر مسلم رعایا سے حسن سلوک اور فراخدلانہ رواداری کا حکم دیا ہے۔ معاملات میں نرمی برتنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ایک اسلامی حکومت میں انھیں پوری مذہبی، معاشرتی اور معاشی آزادی حاصل ہے۔ اسلام ان کے عقائد، عبادات اور رسم و رواج پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتا، لیکن اس کے ساتھ یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ اسلام ایک نظریاتی اور اصولی حکومت کا داعی اور

---

[1] ابن تغری بردی، النجوم الزاہرہ: ۴/ ۱۷۸ و المقریزی، المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار: ۴/ ۴۳۸

[2] تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن القیم، أحکام أہل الذمہ، ص: ۷۹-۱۰۶۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حامی ہے۔ نظریاتی حکومت اور جمہوری حکومت میں بڑا فرق ہے۔ اسلامی حکومت غیر مسلم رعایا کو شریعت کے عطا کردہ حقوق پر مجبور ہوتی ہے، ان حقوق کو سلب کرنے یا ان میں کمی کرنے کا اختیار اسلامی حکومت کو ہرگز حاصل نہیں ہے۔ جبکہ جمہوری حکومتیں اقلیتوں کے حقوق غصب کر لیتی ہیں اور اقلیتوں کے وجود کو بھی ختم کر دیتی ہیں۔[1]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں ذمیوں کو وہ تمام بنیادی انسانی حقوق حاصل ہوں گے جو ایک مسلمان شہری کو حاصل ہیں اور اس پر شریعت کی عطا کردہ رعائتیں الگ ہیں۔

دیوانی اور فوجداری قانون میں مسلم اور غیر مسلم دونوں برابر ہوں گے۔ ذمیوں کو مذہبی عقائد وعبادات میں آزادی کے ساتھ اس بات کا بھی حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اپنے مذہب کی تعلیم دیں۔ ذمیوں کو تہذیبی خود اختیاری حاصل ہوگی اور ان کے شخصی اور عائلی معاملات میں ان کے اپنے قوانین ان پر لاگو ہوں گے۔ اسلامی پرسنل لاء ان پر عائد نہیں کیا جائے گا۔[2]

اس کے بعد بھی یہ گنجائش ہے کہ مزید حقوق تعین کرنے کے لیے ایک اجتہادی بورڈ قائم ہو جو وقتاً فوقتاً اقلیتوں کے مسائل و معاملات پر ہمدردانہ غور کرتا رہے۔[3]

---

[1] نظامِ جمہوریت کی تفصیل کے لیے دیکھیے، اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۷/۴۳۰-۴۳۷

[2] مزید تفصیل کے لیے دیکھیے، اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۱۰/۲۵، عنوان ذمہ

[3] تخریجِ مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابو محجن ثقفی رضی اللہ عنہ، شاعر شمشیر زن

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کا واقعہ ہے کہ قادسیہ کے میدان میں مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان سخت معرکہ ہوا۔ مسلمان اور کفار جان پر کھیل جانے کے لیے میدان جنگ میں اترے تھے۔ دونوں طرف کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے۔ کبھی مسلمانوں کا پلہ بھاری ہوتا کبھی ایرانیوں کا۔

ابو محجن رضی اللہ عنہ میدانِ کارزار میں

اتفاق کی بات ہے کہ ایک دن اسلامی فوج کے کمانڈر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ علیل ہو کر میدان جنگ میں شرکت کرنے کے قابل نہ رہے۔ ادھر خالد بن عرفطہ رضی اللہ عنہ عارضی طور پر سپہ سالار مقرر ہوئے۔ ادھر ایرانیوں نے مسلمانوں کو دبانا شروع کر دیا۔ ایرانی مست ہاتھیوں پر سوار ہو کر اسلامی لشکر میں ابتری پھیلانے کے درپے تھے۔ پریشانی اور سراسیمگی کے عالم میں کسی کو کچھ نہ سوجھتا تھا۔ بیمار سعد رضی اللہ عنہ بھی گھبرائے ہوئے قلعے کی دیوار کے اوپر سے حالات دیکھ کر بے چین ہو رہے تھے۔ اتنے میں ایک مرد خدا برق رفتار گھوڑے پر سوار غیب سے آ نمودار ہوا۔ اس مرد قلندر نے دیوانہ وار تلوار چلاتے ہوئے دائیں بائیں دشمنوں کی صفوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ ایرانی فوج میں ابتری پھیل گئی اور ان کے پاؤں اس طرح اکھڑے کہ پھر جم کر لڑنے کی ہمت نہ کر سکے۔[1] دشمنان اسلام کی ہزیمت و بربادی کا سنگ بنیاد رکھ کر وہ بہادر سپاہی آن واحد میں آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ اسلامی لشکر میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے بھی اسے کوئی پہچان نہ سکا۔ بعض نے کہا: یہ کارنامہ حضرت

[1] یہ سیدنا ابو محجن رضی اللہ عنہ تھے۔ تفصیلی احوال کے لیے دیکھیے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۹۰۵/۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خضر علیہ السلام کا ہے اور بعض کہنے لگے کہ خدا نے فرشتہ بھیج کر مسلمانوں کی لاج رکھ لی ہے۔ خود سالارِ اسلام حضرت سعد رضی اللہ عنہ حیران ہو کر سوچ رہے تھے کہ آخر اس بے جگری سے لڑنے والا مردِ مجاہد کون ہے جس نے جنگ کا پانسا پلٹ دیا۔[1]

دوسرے دن پتہ چلا کہ یہ مردِ خدا ابو محجن ثقفی تھا۔ حضرت ابو محجن ثقفی رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں اور اسلام کے دور اول میں عرب کے مشہور و معروف قبیلہ ثقیف کے نامور شہسوار ہو گزرے ہیں۔ بڑے بہادر اور جانباز سپاہی، نڈر شمشیر زن اور نیزہ باز، پھر لطف یہ کہ شاعر بھی تھے۔[2]

زمانہ جاہلیت و اسلام کے دور اول کے عرب شاعر حقیقت نگاری اور سادگی کے باعث ضرب المثل ہیں۔ وہ جو کچھ کہتے کر گزرتے اور جو کرتے اسے شعروں کی صورت میں محفوظ کر دیتے۔ ان کا کردار اور شاعری دو الگ الگ چیزیں نہیں۔ ان کے کلام میں تکلف اور بناوٹ کا کوئی گزر نہیں ہوتا تھا۔ ان کی شاعری انفرادی اور اجتماعی زندگی کی آئینہ داری کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت کی شاعری اس دور کی تمدنی، اخلاقی اور سیاسی تاریخ کا مجموعہ ہے۔

ابو محجن رضی اللہ عنہ کا خاندان

حضرت ابو محجن ثقفی رضی اللہ عنہ کے خاندان کی سیادت و قیادت مسلمہ ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ابوسفیان قریش اور ثقیف کے قبیلوں کے سرکردہ لوگوں کا ایک تجارتی وفد لے کر کسریٰ کے دربار کے ارادہ سے نکلا۔ راستے میں ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہمارا سفر خطرے سے خالی نہیں، کیونکہ ہم بغیر اجازت شاہ ایران کے دربار میں جارہے ہیں۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ کسریٰ کا ملک ہماری تجارتی منڈی نہیں ہے۔ کیا تم میں کوئی ایسا جوانمرد ہے جو دربار میں پہنچنے کی ہمت کرے؟ ساتھ ہی یہ بات بھی واضح

---

[1] الطبری، التاریخ: ۳/۵۷۵ و ابن عبدالبر، الاکتفاء: ۲/۴۸۳

[2] الزرکلی، الاعلام: ۵/۷۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کردی کہ اگر اس شخص کی جان پر بن گئی تو ہم اس کے خون سے بری الذمہ ہوں گے اور اگر وہ کامیاب ہو گیا تو آدھے منافع کا حقدار ٹھہرے گا۔

یہ الفاظ سن کر حضرت ابو محجن ثقفی کا چچا غیلان تیار ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں کسریٰ کے دربار کے سامنے جا پہنچا۔ جب شاہِ ایران کو خبر پہنچی تو داخلے کی اجازت مل گئی۔ بس پھر کیا تھا خوشیاں مناتے ہوئے دربار میں داخل ہوا اور بادشاہ کی خدمت میں عربی نسل کے گھوڑے بطور ہدیہ ونذرانہ پیش کیے۔

حضرت ابو محجن ثقفی رضی اللہ عنہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔

۱۔ وہ میرا ہی چچا تو تھا جس نے کسریٰ کے دربار میں پہنچ کر عمدہ نسل کے گھوڑے پیش کیے۔

۲۔ اس وقت کو یاد کرو جب وہ بادشاہ اور ترجمان کے سامنے کھڑا تھا۔ تنہا اسے ہی تو رسائی حاصل ہوئی۔ وفد میں سے کسی اور کو اجازت نہ مل سکی۔ چنانچہ سارے کا سارا وفد دربار سے باہر کھڑا رہا[1]

ابو محجن رضی اللہ عنہ کی شاعری

ابو محجن ثقفی رضی اللہ عنہ کی شاعری اس کی اپنی ہی زندگی کی روداد ہے۔ حق گوئی اور واقعہ نگاری کی وجہ سے حضرت عمر فاروق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے ابو محجن ثقفی کو بہترین شاعر قرار دیا تھا۔ ان دونوں بزرگوں کو ابو محجن ثقفی کے یہ اشعار بڑے پسند تھے۔ شاعر نے ان شعروں میں سیرت اور نظریہ دولت کی وضاحت کی ہے۔ ابو محجن ثقفی اپنی رفیقہ حیات کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے ۔

۱۔ لوگوں سے میرے وفور مال کے بارے مت پوچھا کر بلکہ یہ دریافت کر کہ میرے اخلاق و عادات اور میری سیرت کیسی ہے؟

۲۔ جب ڈرپوک اور بزدل لوگ کمک اور اعانت کے منتظر ہوں تو ہم ہی میدان جنگ میں سالار اور قائد ہوتے ہیں۔

---

[1] أبو ہلال العسکری، الأوائل: ۱/۲۲۱ و ابن حجر، الإصابہ: ۵/۵۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۔ میں جنگ کے دن نیزے کو دشمنوں کے خون سے سیراب کرتا ہوں اور نیزے کی اَنّی تو ہر وقت خون آلودہ رہتی ہے۔

۴۔ میں دشمنوں کے پہلو میں اتنے گہرے اور خوفناک زخم لگاتا ہوں کہ دیکھنے والا گھبرا کر بھاگ جاتا ہے۔

۵۔ جس چیز کا حاصل کر لینا ممکن نہ ہو میں اس کی آرزو نہیں کرتا، تاکہ مایوسی کا منہ نہ دیکھنا پڑے اور اگر مجھے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنایا جائے تو پھر میں کینہ ور ہو کر انتہائی غیظ و غضب پر اتر آتا ہوں۔

۶۔ میں گھمسان کی لڑائی میں دشمنوں کو تہ تیغ کر کے میدان صاف کر دیتا ہوں۔ میں جان پر کھیل جانا تو گوارا کر لیتا ہوں مگر راز فاش نہیں ہونے دیتا۔

۷۔ قدرت کا کرنا دیکھیے کہ کبھی تو ایک شریف اور معزز گھرانے کا آدمی مفلس و قلاش ہو جاتا ہے اور کبھی بے وقوف اور ناکارہ انسان سونے چاندی میں کھیلتا ہے۔

۸۔ آخر مال و دولت ہے کیا؟ یہ تو محض آنی جانی چیز ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ درختوں کی ٹہنیاں پت جھڑ کی ویرانی و بربادی کے بعد پھر سرسبز و شاداب پتوں سے لہلہانے لگتی ہیں۔[1]

حضرت ابو محجن ثقفی رضی اللہ عنہ کی شاعری صاف و شفاف چشمہ ہے۔ اس کے شعروں میں قدرتی روانی، سلاست اور سادگی کے ساتھ لفظوں کا بانکپن، زبان کا حسن و شکوہ پوری آن بان کے ساتھ موجود ہے۔ اسے شعر کہنے پر بڑی قدرت حاصل ہے۔ وہ جب چاہتا ہے شعر کہہ لیتا ہے۔ اس نے اکثر شعر فی البدیہہ ہی کہے ہیں۔ وہ نہ تو زہیر بن ابی سلمٰی کی طرح سال بھر ایک ہی قصیدے کی قطع و برید کرتا رہتا ہے، نہ ذوالرمہ کی مانند اسے شعر کہنے کے لیے خلوت کی ضرورت ہے، نہ کثیر کی طرح رات کے وقت مکان کی چھت پر چڑھ کر گوشہ تنہائی اختیار کرنے یا لحاف اوڑھ لینے کی اور نہ فرزدق کی طرح اسے کبھی ایسی مشکل پیش آئی کہ شعر کہنا دانت نکال ڈالنے سے دشوار تر ثابت ہوا ہو۔

[1] ابوالفرج الاصفہانی، الأغانی: ۱۹/۱۴؛ ابن عبدربہ، العقد الفرید: ۱/۱۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابو محجن رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی

حضرت ابو محجن ثقفی رضی اللہ عنہ کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض مؤرخین نے اسے عمرو بن حبیب کے نام سے یاد کیا ہے۔ خیال یہ ہے کہ اسلام سے پہلے مالک اور عمرو بن حبیب کے نام سے بھی پکارا گیا اور سچ پوچھیے تو کنیت ابو محجن ثقفی اتنی مشہور ہوئی کہ لوگ اس کا اصلی نام بھول گئے۔[1]

جب قبیلہ ثقیف ۹ھ میں مشرف بہ اسلام ہوا تو ابو محجن ثقفی بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے وہ دین اسلام کا بڑا دشمن تھا۔ جب نبی اکرم ﷺ نے ۸ھ میں طائف کا محاصرہ کیا تو دشمنان اسلام نے بڑی مزاحمت کی۔ ابو محجن ثقفی بھی انھی مخالفین میں شامل تھا اور اس کا ایک تیر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لخت جگر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو لگا تھا۔ جس کے زخموں کی وجہ سے وہ ۱۱ھ میں جاں بحق ہو گئے۔[2]

ابو محجن ثقفی کا دیوان شائع ہو چکا ہے۔ اس میں کل اشعار ۱۰۹ ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اور بھی شعر کہے ہوں جو زمانے کی دستبرد سے نہ بچ سکے ہوں۔ بہر حال ابو محجن ثقفی کا شمار عرب کے ممتاز شاعروں میں نہیں ہوتا، بلکہ وہ متوسط طبقے کا شاعر ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ طبعاً شاعر ہے۔ اس کی زبان ٹکسالی اور اس کا کلام بڑا مستند ہے۔ عربی لغات میں اس کے اشعار کو بطور سند واستشہاد پیش کیا گیا ہے۔ اس کی شاعری کا موضوع زیادہ تر بہادری اور شجاعت کے کارنامے اور شراب ہے۔

شراب ابو محجن ثقفی کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ شراب نوشی کے جرم کی پاداش میں اسے بارہا سزا ملی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں کئی مرتبہ اسے درے لگوائے۔ بالآخر ۱۴ھ میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے چھوٹے سے جزیرے حضوضیٰ میں نظر بند کر دیا۔[3]

---

[1] ابن الاثیر، اُسد الغابہ: ۲۷۱/۶ وابن عبدالبر، الاستیعاب: ۳۴۹/۴

[2] ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۳۰۹/۴ وابن الاثیر، اُسد الغابہ: ۸۹/۵

[3] الصفدی، الوافی بالوفیات: ۶۳/۱۷ وابن حجر، الاصابہ: ۵۸۸/۱۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابو محجن رضی اللہ عنہ جنگ قادسیہ میں

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ اسلامی لشکر قادسیہ کے میدان میں ایرانیوں سے نبرد آزما تھا۔ حسن اتفاق کہیے کہ ابو محجن ثقفی اپنے نگران کی حراست سے بھاگ کر جنگ قادسیہ میں جا شریک ہوا۔ شاعر اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

۱۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے قید و بند سے نجات اور خلاصی بخشی۔

۲۔ جو شخص حضوضیٰ جزیرے میں پہنچنے کے ارادے سے جہاز میں سوار ہو تو اس کا بحری سفر بڑا ہی منحوس ہے۔

۳۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ جہاں کہیں ہوں انھیں میرا پیغام پہنچا دو۔

۴۔ میں ہاتھ میں جھنڈا لیے گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن کے شہسواروں پر ایسے نازک وقت میں حملہ کرتا ہوں جب قوم ڈر کے مارے سہمی ہوتی ہے اور پیش قدمی کرنے کے بجائے پیچھے ہٹ جاتی ہے۔

۵۔ میں صبح کے وقت لوہے کی مضبوط اور موٹی زرہ بکتر پہن کر دشمنوں پر پل پڑتا ہوں۔[1]

جب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ ابو محجن ثقفی کو قید کر دیا جائے۔ چنانچہ سعد رضی اللہ عنہ نے اسے قلعے میں قید کر کے پابہ زنجیر کر دیا۔ خدا کا کرنا دیکھیے کہ ادھر سالار لشکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیمار ہو کر قلعے میں چلے آئے ادھر ایرانیوں نے زور مارا۔ بڑے گھمسان کا معرکہ شروع ہوا۔ یہ دیکھ کر ابو محجن ثقفی کا خون کھولنے لگا۔ وہ ہر چند چاہتا تھا کہ زنجیریں توڑ کر میدان جنگ میں پہنچ جائے اور بہادری کے جوہر دکھائے۔

ابو محجن ثقفی نے سعد رضی اللہ عنہ کی بیوی سلمیٰ کی بڑی منت سماجت کی کہ تھوڑے عرصہ کے لیے وہ اسے رہا کر دے اور ساتھ ہی وعدہ کیا کہ اگر وہ زندہ رہا تو اس کی خدمت میں حاضر ہو کر پھر بیڑیاں پہن لے گا۔ نیز درخواست کی کہ وہ سعد رضی اللہ عنہ کی گھوڑی بھی سواری کے لیے عنایت کر دے۔ اس موقع پر ابو محجن ثقفی کے جذبات ملاحظہ ہوں، وہ کہتا ہے ؎

---

[1] الصفدی، الوافی بالوفیات: ۲۴/۱۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۔ یہ بات کتنی افسوس ناک ہے کہ شہسوار تو نیزوں سے لڑیں اور میں قید و بند میں جکڑا ہوا بے کار پڑا رہوں۔

۲۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ میں مال و دولت کے وفور اور برادری کی کثرت کے نشے میں مخمور تھا، اب یہ حال ہے کہ میں یہاں تنہا پڑا ہوں، میرا کوئی ساتھی بھی نہیں ہے۔

۳۔ مجھے تو یہ غم گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے کہ ہر صبح آفتاب مجھے بیڑیوں میں جکڑا ہوا پاتا ہے۔

۴۔ ادھر سخت جنگ لڑی جا رہی ہے ادھر مجھے قید و بند میں ڈال رکھا ہے اور دوسرے لوگ نیزے ہاتھوں میں لیے لڑ رہے ہیں۔

۵۔ خاتون محترمہ! لاؤ میرے ہتھیار میرے حوالے کرو، میں دیکھ رہا ہوں کہ جنگ لمبی ہوتی چلی جا رہی ہے۔

۶۔ خدا گواہ ہے کہ میں اپنے وعدے سے نہ پھروں گا، اگر زندہ رہا تو ضرور واپس آ جاؤں گا۔

۷۔ اگر میدان جنگ میں کام آ گیا تو شوق شہادت کا دیرینہ جذبہ پورا ہو جائے گا، مگر سعد رضی اللہ عنہ اور فتح کی آرزوئیں میں اپنے پیچھے چھوڑ جاؤں گا۔[1]

حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے اس وقت تو بات ٹال دی، لیکن کچھ دیر سوچنے کے بعد واپس آئی اور کہا کہ میں نے استخارہ کیا ہے۔ مجھے تمھاری شرائط منظور ہیں۔ البتہ سعد رضی اللہ عنہ کی گھوڑی نہ دوں گی۔ یہ کہتے ہوئے ابو محجن ثقفی کی بیڑیاں کھول کر سلمیٰ اپنی قیام گاہ کو چل دی۔ ابو محجن ثقفی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، فوراً حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی گھوڑی کھولی، قلعے سے نکلا، ہوا سے باتیں کرتا ہوا میدان جنگ میں جا پہنچا۔ نیزہ بازی اور شمشیر زنی کے وہ کرتب دکھائے کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے۔ بڑی بے جگری سے لڑتے ہوئے کبھی صفوں کو چیرتا ہوا آگے نکل جاتا کبھی واپس مڑ کر دائیں بائیں وار کرتا۔ غرض کہ آدھی رات گئے تک بہادری اور جواں مردی کے وہ جوہر دکھائے کہ اپنے پرائے سب

[1] الصفدی، الوافی بالوفیات: ۱۷/۶۴ و ابن حجر، الإصابة: ۱۲/۶۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انگشت بدنداں رہ گئے۔ خود حضرت سعد رضی اللہ عنہ متعجب ہو کر دل میں کہنے لگے کہ اگر ابو محجن ثقفی قید نہ ہوتا تو میں کہتا کہ یہ ابو محجن ثقفی ہے اور یہ گھوڑی میری گھوڑی ہے۔

ابو محجن ثقفی میدان جیت کر قلعے کی طرف واپس آ رہا تھا کہ ایک مسلمان عورت نے دیکھ کر سمجھا کہ یہ شخص میدان جنگ سے بھاگ آیا ہے۔ وہ بولی: یہ گھڑ سوار کون ہے جو نیزوں کے ڈر کے مارے میدان چھوڑ کر چلا آ رہا ہے؟ ارے مَردُودے! کیا تو اپنا گھوڑا مجھے عاریتاً دے گا تا کہ میں تم جیسے بزدلوں کی جگہ میدان جنگ میں جا کر لڑوں؟

جواب میں ابو محجن ثقفی نے یہ شعر کہا ؎

اری خاتون! شریف النسل مردوں کا ٹھکانہ گھوڑے کی پیٹھ پر ہوتا ہے،
تمھیں گھوڑے سے کیا مطلب؟ تم تو زینت کا شانہ ہو، رونق رزم نہیں۔

یہ کہہ کر ابو محجن ثقفی قلعے کے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے ہتھیار اتار ڈالے اور پھر بیڑیاں پہن لیں۔[1]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بیوی نے پوچھا: ابو محجن ثقفی! سعد نے تمھیں کیوں قید و بند میں جکڑ رکھا ہے؟ ابو محجن ثقفی بولا: خدا کی قسم! مجھے اس لیے قید نہیں کیا گیا کہ میں نے کوئی حرام چیز کھا لی ہے یا شراب پی لی ہے، البتہ میں زمانہ جاہلیت میں شراب پیا کرتا تھا۔ میں تو ایک شاعر ہوں، شعر میری زبان پر جاری ہو جاتا ہے تو کبھی کبھی گا لیتا ہوں، میری قید کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ میں نے یہ شعر کہے تھے ؎

۱۔ جب میں مر جاؤں تو مجھے انگور کی بیل تلے دفن کیا جائے، کیونکہ انگور کی بیل کی جڑیں میری ہڈیوں کو سیراب کرتی رہا کریں گی۔

۲۔ مجھے صحرا میں دفن نہ کیا جائے، کیونکہ مجھے اس سے قطعی محرومی کا خدشہ ہے۔

۳۔ انگور کی بیل تلے شراب کبھی تو مجھے صبح سویرے مل جایا کرے گی اور کبھی رات گئے، بہر حال محرومی تو نہ ہو گی۔

---

[1] ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۴/ ۳۴۶ے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مؤرخین کہتے ہیں کہ ایک مسافر آذربیجان یا جرجان کے قرب و جوار سے گزرا تو اس نے ایک قبر دیکھی جس پر لکھا تھا کہ یہ قبر ابو محجن ثقفی کی ہے۔ اس مسافر کا کہنا ہے کہ میں نے دیکھا کہ اس قبر پر انگور کی بیل چڑھی ہوئی تھی۔

خیر حضرت سلمٰی ؓ نے دوسرے دن حضرت سعد ؓ کو ابو محجن ثقفی کا سارا قصہ کہہ سنایا۔ حضرت سعد ؓ نے ابو محجن ثقفی کو بلا کر رہا کر دیا اور کہا کہ اتنے کام آنے والے آدمی کو میں قید نہیں کر سکتا۔ ابو محجن ثقفی بولا: خدا کی قسم! جب تک سزا ملتی تھی میں شراب پیتا تھا اور سزا مجھے گناہوں سے پاک کر دیتی تھی۔ اب سزا اٹھ جانے کے بعد میں کبھی شراب نہیں پیوں گا۔[1]

مختصر یہ کہ ابو محجن ثقفی ایک نیک دل مسلمان اور پاک طینت انسان تھا۔ زندگی کا اکثر و بیشتر حصہ راہ خدا میں جہاد کرتے گزار دیا۔ بہادری، جوانمردی اور جرأت و ہمت کا بہترین نمونہ چھوڑ گیا۔[2]

---

[1] الصفدی، الوافی بالوفیات: ۱۷/۶۷ و ابن حجر، الإصابہ: ۷/۲۹۸

[2] تخریج مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس۔ ذیلی سرخیاں از ادارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

دربار نبوی ﷺ کے ملک الشعراء حضرت حسان رضی اللہ عنہ[۱]

حسان نام، ابو الولید کنیت، باپ کا نام ثابت، دادا کا نام منذر اور والدہ کا نام فریعہ تھا۔ وہ خزرج میں ممتاز حیثیت رکھتے اور بنو نجار کے سرداروں میں سے تھے۔ اوس و خزرج کے معرکوں میں سے ایک معرکہ یوم سُمیحہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے فیصلے کے لیے حسان کے دادا منذر بن حرام کو فریقین نے جج تسلیم کیا تھا۔[۲] چنانچہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ شعر ذیل میں اس واقعہ کی جانب اشارہ کرتے ہیں ؎

وَأَبِی فِی سُمَیحَةَ الْقَائِلُ الْفَا
صِلُ یومَ الْتَفَتْ عَلَیهِ الْخُصُومُ[۳]

میرے والد محترم ہی سُمیحہ کے دن بولنے والے اور فیصلہ کرنے والے تھے،
جس دن دونوں فریق آپس میں لڑے تھے۔

اس واقعے سے دور جاہلیت میں خاندانِ حسان کی اہمیت و منزلت کا اندازہ بخوبی ہوسکتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ الاصابہ میں رقمطراز ہیں کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی والدہ فریعہ نے مشرف باسلام ہوکر آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔[۴]

۱۔ یہ مقالہ پروفیسر عبدالقیوم صاحب نے ۱۹۳۴ - ۱۹۳۸ء میکلوڈ سکالرشپ کے دوران میں لکھا، مگر وہ اپنی مصروفیات کے باعث اسے چھپوا نہ سکے۔

۲۔ محمد بن سلام الجمحی، طبقات فحول الشعراء، ص: ۸۵

۳۔ الجاحظ، البیان والتبیین: ۲/۲۲۱

۴۔ ابن حجر، الإصابہ: ۱/۶۲۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ولادت

کتاب الاغانی میں مرقوم ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میری عمر سات آٹھ برس کی تھی کہ میں نے ایک یہودی کو یثرب میں بلند آواز سے دوسرے یہودیوں کو بلاتے سنا۔ جب بہت سے یہودی اس کے اردگرد اکٹھے ہو گئے تو انھوں نے اس سے بلانے کا مقصد پوچھا، وہ یہودی بولا کہ آج احمد (ﷺ) کا ستارہ طلوع ہوا ہے جو رات پیدا ہوا[1] اغانی کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت سے سات آٹھ برس پہلے پیدا ہو چکے تھے۔

حلیہ

یثربی اور خزرجی خصوصیات کے علاوہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی زبان اتنی لمبی تھی کہ ناک کی پھننگی کو بآسانی لگا لیتے تھے۔[2] دوسری قابل ذکر چیز یہ ہے کہ آپ اپنی ٹھوڑی کے درمیانی بالوں کو مہندی لگا کر سرخ رکھتے اور باقی ڈاڑھی کو یونہی رہنے دیتے۔ ایک دفعہ ان کے بیٹے عبدالرحمٰن نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ یہ اس لیے تاکہ معلوم ہو کہ میں ایسا شیر ہوں جس کا منہ خون آلود ہے۔[3]

مختصر حالات زندگی

حضرت حسان رضی اللہ عنہ اوس وخزرج اور یہود یثرب کے درمیان پروان چڑھے اور انھی لوگوں میں زندگی کا اکثر و بیشتر حصہ گزارا۔ قبائلی معرکوں میں بڑی دلچسپی لی اور بہت سے معرکوں کو اپنے اشعار سے دوام بخشا۔

زمانۂ جاہلیت میں شاہی درباروں میں رسائی حاصل کی۔ غسانی حکمران، شام اور لخمی شاہان حیرہ کی مدح میں قصائد لکھے اور بڑی عزت واکرام سے نوازے گئے۔

---

1. أبو الفرج الأصفهاني، الأغاني: ۴/۱۳۵
2. ابن قتیبہ، الشعر والشعراء: ۱/۱۰۴
3. أبو الفرج الأصفهاني، الأغاني: ۴/۱۳۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نعمان بن منذر لخمی نے ابن کعب، وافد بن عمرو اور نعمان بن مالک کو گرفتار کر لیا۔ ان کی رہائی کے لیے شاہ حیرہ کے دربار میں ایک وفد حاضر ہوا، اس کے رئیس حضرت حسان رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے اثر ورسوخ کی وجہ سے ان قیدیوں کو خلاصی نصیب ہوئی۔ اس واقعہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا ؎

وَ اَنَا الصَّقْرُ عِنْدَ بَابِ ابْنِ سَلْمٰی
یَومَ نُعْمَانَ فِی الْکُبُولِ مُقِیمُ
وَ اُبَیٌّ وَ وَاقِدٌ اُطْلِقَا لِیْ
ثُمَّ رُحْنَا وَ قُفْلُهُمْ مَحْطُومُ [1]

میں ہی ابن سلمی کے دروازے پر شکرا (صقر) ہوں۔ جس دن کہ نعمان کبول میں مقیم تھا۔ اور اُبی اور واقد کو میری وجہ سے رہائی ملی، پھر ہم نے اس حال میں وہاں سے کوچ کیا کہ ان کے قفل کھلے ہوئے تھے۔

عہد اسلامی میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اپنی تمام قابلیتوں اور استعدادوں کو اسلام اور پیغمبر اسلام کی مدافعت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو شاعری وراثت میں ملی تھی اور یہی وراثت ان کے بیٹے اور بیٹی میں منتقل ہوگئی۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی، ساٹھ برس جاہلیت کی زندگی اور ساٹھ سال اسلامی زندگی گزارنے کے بعد ۵۴ھ میں انتقال فرمایا۔[2] علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے سارے خاندان نے بڑی لمبی عمریں پائیں۔[3] صاحب الاغانی رقم طراز ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے والد ۱۵۰ برس تک زندہ رہے۔

صحیح بخاری میں مرقوم ہے کہ آخری عمر میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی بصارت زائل

[1] ابن عمر البغدادی، خزانۃ الأدب: ۱۱/ ۱۵۶
[2] ابن العماد، شذرات الذہب: ۱/ ۶۰
[3] ابن حجر، تہذیب التہذیب: ۲/ ۲۴۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو چکی تھی[1] اس نازک موقع پر انھوں نے اپنے احساسات اور جذبات کا اظہار اشعارِ ذیل میں کیا ہے ۔

إِن يَّأخُذَ اللّٰهُ مِنْ عَيْنَيَّ نُورَهُمَا
فَفِي لِسَانِي وَ قَلْبِي مِنْهُمَا نُورٌ
قَلْبِي ذَكِيٌّ وَ عَقْلِي غَيْرُ ذِي دَخَلٍ
وَ فِي فَمِي صَارِمٌ كَالسَّيْفِ مَأْثُورٌ[2]

اگر اللہ تعالیٰ میری آنکھوں کا نور لے جائے تو کیا، میری زبان اور میرا دل تو پُر نور ہے! میرا دل تیز فہم اور میری عقل و شعور بھی غیر معمولی ہے۔ میری زبان تو شمشیر براں کی طرح تیز ہے۔

جب انگریزی شاعر ملٹن بھی بصارت و بینائی سے محروم ہوا تو اس نے بھی اسی قسم کے خیالات و افکار کو اپنے اشعار میں پیش کیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک سفیر جب روم میں غسانی بادشاہ کے دربار میں پہنچا تو اس نے شاعر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی بابت دریافت کیا، جب سفیر نے بتایا کہ وہ بوڑھے ہو چکے ہیں اور بینائی جاتی رہی ہے تو بادشاہ نے ایک ہزار دینار اور قیمتی خلعت دیا اور کہا کہ اگر حسان زندہ ہو تو اس کے سپرد کر دینا اور مر چکا ہو تو یہ کپڑے اس کی قبر پر بچھا دینا اور دیناروں کے اونٹ خرید کر اس کی قبر پر ذبح کر دینا۔ جب سفیر واپس آیا اور سارا قصہ سنایا تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ رو پڑے اور کہا کہ کاش! میں مر گیا ہوتا۔[3]

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے بھائی اوس رضی اللہ عنہ ثابت قدم، نہایت جری، دلیر اور بہادر سپاہی تھے۔ انھوں نے رسول خدا ﷺ کے ساتھ جنگ بدر، احد، خندق و دیگر معرکوں میں شرکت کی۔[4]

---

[1] صحیح البخاری: ۴۷۵۵
[2] ابن قتیبہ، الشعر والشعراء: ۲/۸۴۳
[3] ابن قتیبہ، الشعر والشعراء: ۲/۱۰۴
[4] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/۶۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جُبن (کم دلی)

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اپنی طویل عمر میں بے شمار معرکے اور جنگ وقتال کے میدان گرم ہوتے دیکھے۔ بایں ہمہ جاہلی اور اسلامی عہد کی کسی ایک جنگ میں بھی شرکت نہیں کی۔ عرب شعراء میں صرف حضرت حسان رضی اللہ عنہ ہی ایک ایسے شاعر نظر آتے ہیں جو زبان سے تو قوموں اور ملکوں کو تہ و بالا کرتے دکھائی دیتے ہیں، مگر دل گردے کے اتنے کمزور ہیں کہ تلوار اٹھا کر میدان جنگ میں کودنا تو کجا مردہ انسان کے ہتھیار چھیننے کی جرأت بھی نہ رکھتے تھے۔ جنگ خندق کا واقعہ ہے کہ اسلامی فوج جنگ میں دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہے۔ عورتوں کو حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے ساتھ قلعہ ''فارع'' میں ٹھہرایا گیا اور ان کی حفاظت کے لیے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو مامور کیا گیا۔ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے ایک یہودی کو قلعہ کے گرد چکر لگاتے دیکھ کر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو اس مشتبہ آدمی کی جانب توجہ دلائی اور کہا کہ مبادا یہ دشمن یہودی جاسوسی کر کے ہمیں نقصان پہنچائے، لہٰذا اس کو قتل کر دو۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ بولے: اے عبدالمطلب کی بیٹی! خدا تمھیں بخشے! تم جانتی ہو کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ سنے تو خود خیمہ کی ایک چوب لے کر گئیں اور یہودی کا کام تمام کر دیا۔ پھر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو آ کر کہا کہ اب جاؤ اور مقتول یہودی کے ہتھیار اور کپڑے وغیرہ تو سنبھال لو، مگر حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے یہ بھی نہ ہو سکا۔[1]

اس واقعہ کی روشنی میں اندازہ فرمایئے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کس دل گردے کے آدمی تھے۔[2]

شعر و شاعری

دورِ اول کے شعراء میں صرف حضرت حسان رضی اللہ عنہ ہی ایک ایسے شاعر تھے جن کی

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲/ ۲۲۸ و ابن حجر، الإصابۃ: ۱/ ۲۶۸

[2] سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کے متعلق اس طرح کے اعتراضات کی تفصیل کے لیے دیکھیے دائرہ معارف سیرت محمد رسول اللہ ﷺ: ۷/ ۲۲۵-۲۲۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شاعری میں اسلام کے بعد بھی فرق نہ آیا۔ عموماً ایسا ہوتا تھا کہ جب کوئی شاعر مشرف بہ اسلام ہو جاتا تو قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا اور عمر بھر شعر نہ کہتا، بلکہ حضرت لبید رضی اللہ عنہ کی طرح کہہ دیتا کہ قرآن کی نثر میں اتنی شاعری اور فصاحت و بلاغت ہے کہ اس کے بعد شعر کہنا فضول ہے۔[1] مگر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی شاعری کا کمال ملاحظہ ہو کہ ان کی شعر گوئی میں فرق نہ آیا۔ یہ اعتراف ضرور ہے کہ دورِ جاہلیت جیسی غزل گوئی نہ رہی تھی، لیکن دل و دماغ میں شعر کے سوتے برابر جاری رہے۔ شاعری کا خوشگوار چشمہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے احساسات و جذبات کو بڑی تیزی اور سرعت سے اگلتا رہا۔ اگرچہ عہد اسلامی میں صحبت نبوی کی وجہ سے بہاؤ کا رخ بدل چکا تھا، مگر روانی میں ذرا فرق نہ آیا، لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی جاہلی اور اسلامی شاعری میں اَدبی نقطہ نگاہ سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوا تو بے جا نہ ہوگا۔

عصر جاہلی میں غزل، فخر و مدح، حماسہ اور دوسری اقسام شعر پر طبع آزمائی کی، مگر اسلامی اخلاق و تعلیم سے متاثر ہو کر غیر مہذب چیزوں کو ترک کر دیا۔ عہد اسلامی میں فخریہ وطنزیہ اور مدحیہ اشعار کہے، لیکن ان کا انداز اور ان کے اغراض و مقاصد بدل چکے تھے۔ جاہلیت کی جھوٹی مدح، کذب بیانی اور غلیظ و گندی ہجو نگاری کی بجائے دور اسلامی میں حقیقی تعریف و ستائش، اعلائے کلمۃ اللہ، حق گوئی اور اصلاحی و پاکیزہ طنز نے جگہ لے لی۔ ذلیل اور اسفل مقاصد کی جگہ بلند، اعلیٰ اور نیک جذبات کارفرما نظر آنے لگے۔

جاہلی دور کی شاعری میں صرف وہی حصہ قابل تعریف ہے جس میں اہم واقعات اور جنگوں کے حالات قلمبند کیے گئے ہیں، جیسے اوس و خزرج کی لڑائیاں، حیرہ اور شام کے بادشاہوں کے درباروں کے حالات وغیرہ۔

عرب شعراء دو گروہوں میں منقسم تھے: ایک شہری اور دوسرے بدوی۔ تمام اکابر شعراء بدوی تھے۔ شہری شعراء بہت کم ہوئے ہیں۔ اغانی کی روایت کے مطابق عربوں

---

[1] الذہبی، تاریخ الاسلام: ۴/ ۵۵ و ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۶/ ۳۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یثربی شعراء کو تمام شہری شعراء پر فضیلت حاصل ہے اور یہ بھی مسلمہ امر ہے کہ یثربیوں میں بہترین شاعر حضرت حسان رضی اللہ عنہ ہیں۔[1]

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو کئی جہتوں سے دوسرے شاعروں پر فضیلت حاصل ہے:

(۱) زمانہ جاہلیت میں انصار کے شاعر تھے، (۲) عہد نبوی میں شاعر رسول اللہ ﷺ کہلائے اور (۳) عہد اسلامی میں شاعر یمن کا لقب پایا۔[2]

اگرچہ دربار نبوی میں شعراء بکثرت تھے۔ خود یثربی شاعروں میں سیدنا عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہما جیسے بلند پایہ شاعر بھی مدافعت اسلام میں پیش پیش نظر آتے ہیں، مگر جو بلند درجہ اور اعلیٰ مرتبہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا وہ کسی دوسرے شاعر کے حصے میں نہ آسکا۔ صاحب الاغانی کی روایت کے مطابق واقعات اس طرح ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی مخالفت میں مشرکین مکہ اپنی تمام کوششوں کو ناکام ہوتا دیکھ کر اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے۔ انھوں نے شاعروں کی خدمات حاصل کیں اور ان سے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی ہجو میں اشعار لکھوانے شروع کیے۔ اس پر بعض مسلمانوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کفار کی ہجو گوئی کا جواب دیجیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر آنحضرت ﷺ مجھے اجازت دیں تو میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ جب لوگوں نے آنحضور ﷺ سے اجازت چاہی تو ارشاد ہوا کہ وہ اس کام کے لیے موزوں نہیں ہیں۔ پھر لوگوں نے انصار کو توجہ دلائی کہ جس طرح تم لوگوں نے رسول خدا ﷺ کی اعانت تلوار اور نیزے کے ساتھ کی ہے اسی طرح آپ ﷺ کی مدافعت میں اپنی زبان کو بھی حرکت میں لاؤ۔ اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اپنی خدمات پیش کیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حسان تم قریش کی ہجو کرو گے، حالانکہ میں انھیں میں سے ایک فرد ہوں۔“ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں آپ کو اس طرح الگ رکھوں گا جس طرح آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے دعا کی:

[1] ابوالفرج الاصبہانی، الاغانی: ۴/ ۱۳۷

[2] ابن حجر، الاصابہ: ۱/ ۶۶۸

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

((اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ))[۱] "اے اللہ! ان کی روح القدس سے مدد فرما"

حضرت حسان رضی اللہ عنہ یثربی ہونے کی وجہ سے قریش مکہ کے حالات، معرکوں اور انساب سے بہت زیادہ واقفیت نہ رکھتے تھے اور ہجو کہنے کے لیے اس قسم کی معلومات ازبس ضروری تھیں۔ اس لیے بارگاہِ نبوی سے ارشاد ہوا کہ حسان رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔[۲]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد نبوی میں منبر رکھوا دیتے تاکہ وہ اس پر کھڑے ہو کر مشرکین مکہ کی ہجوگوئی کا جواب دیں۔[۳]

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ کہا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے بعد ابوسفیان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ؎

اَلَا اَبْلِغْ اَبَا سُفْیَانَ عَنِّی
مُغَلْغَلَۃً فَقَدْ بَرِحَ الْخَفَاءُ
هَجَوْتَ مُحَمَّدًا فَأَجَبْتُ عَنْهُ
وَ عِنْدَ اللّٰهِ فِي ذَاكَ الْجَزَاءُ
فَإِنَّ أَبِي وَ وَالِدَهُ وَ عِرْضِي
لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْكُمْ وِقَاءُ
أَتَهْجُوْ وَ لَسْتَ لَهُ بِكُفْءٍ
فَشَرُّكُمَا لِخَيْرِكُمَا الْفِدَاءُ[۴]

ابوسفیان تک میری یہ بات کھلے الفاظ میں پہنچا دی جائے کہ مخفی بات ظاہر ہو گئی ہے، تو نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی ہے، تو میں نے تجھے اس کا جواب

---

[۱] صحیح البخاری: ۶۱۵۲ و صحیح مسلم: ۲۴۹۰

[۲] الزرقانی، شرح المواھب: ۸۱/۵

[۳] ابن حجر، الإصابہ: ۶۶۸/۱ و الصفدی، الوافی بالوفیات: ۲۷۳/۱۱

[۴] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۴۲۴/۲ و البغدادی، خزانۃ الادب: ۲۳۲/۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیا ہے اور میرے اس کام کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ پس بے شک میرا باپ اور ان کا باپ اور میری عزت و آبرو تمھاری طرف سے آنحضرت ﷺ کی عزت کے لیے ڈھال ہے، تو آپ ﷺ کی ہجو کہتا ہے، حالانکہ تو آپ ﷺ کا ہمسر نہیں ہے۔ پس تم دونوں میں سے بدتر، تم دونوں میں سے بہتر (آنحضور ﷺ) پر قربان ہو جائے۔

معجم الشعراء میں لکھا ہے کہ فرات بن حیان مشرکین قریش کی جانب سے آنحضرت ﷺ کے خلاف شعر کہتا تھا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس کو مندرجہ ذیل شعر میں دھمکی دی ؎

فَإِنْ نَلْقَ فِي تَطْوَافِنَا وَ ابْتِغَائِنَا
فَرَاتَ بْنَ حَيَّانٍ يَكُنْ رَهْنَ هَالِكِ[1]

اگر ہمیں طلایہ گردی اور تلاش کے دوران کبھی فرات بن حیان مل گیا تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی نظروں میں

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ، کعب بن مالک اور حسان رضی اللہ عنہم کا ذکر کرتے ہوئے اول الذکر دونوں کے متعلق تو الگ الگ احسن کا لفظ استعمال فرمایا، مگر حسان رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: ”فَشَفٰى وَاشْتَفٰى“ اس نے پانی پلایا بھی اور پیا بھی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رات کے وقت سفر میں فرمایا: ”حسان بن ثابت کہاں ہے؟“ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”حدی کے اشعار سناؤ“ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے شعر پڑھنے شروع کیے، آپ بڑی توجہ سے سنتے رہے۔ خاتمے پر فرمایا کہ ”حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار تو دشمن کے لیے تیروں کی بوچھاڑ سے بھی زیادہ مضر اور تکلیف دہ ہیں۔“

[1] ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۳/۱۷۰ و المرزبانی، معجم الشعراء، ص: ۳۱۷

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جنگِ احزاب کے بعد کا ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”مسلمانوں کی حمایت میں کون شعر کہے گا؟“ اس پر حضرت عبداللہ بن رواحہ، کعب اور حسان رضی اللہ عنہم نے اپنی خدمات پیش کیں، مگر نگاہِ انتخاب حضرت حسان رضی اللہ عنہ پر پڑی ۔[1]

وفد بنو تمیم کا اعتراف

بنو تمیم نے اسی آدمیوں کا ایک وفد مرتب کیا اور اس میں اکابر و اعاظم قوم کے علاوہ چرب زبان خطیبوں اور شاعروں کو بھی شامل کیا۔ یہ وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور بلند آواز سے پکارنا شروع کیا: اے محمد! باہر نکلو، ہم تم سے فخر کی باتوں میں مقابلہ کرنے آئے ہیں۔ جب ان کے خطیب اور شاعر یکے بعد دیگرے کھڑے ہو کر اپنا اپنا کلام سنا چکے تو نبی کریم ﷺ نے جواب کے لیے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو کہا۔ چنانچہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر صحابہ رضی اللہ عنہم کی مدح میں برجستہ ایک قصیدہ کہہ دیا۔ جس کے آخر میں وفد کو یوں مخاطب کیا:

خُذْ مِنْهُمْ مَا أَتَى عَفْوًا إِذَا غَضِبُوا
وَلَا يَكُنْ هَمُّكَ الْأَمْرَ الَّذِي مَنَعُوا
فَإِنَّ فِي حَرْبِهِمْ فَاتْرُكْ عَدَاوَتَهُمْ
شَرًّا يُخَاضُ عَلَيْهِ السَّمُّ وَالسَّلَعُ
أَكْرِمْ بِقَوْمٍ رَسُولُ اللّٰهِ شِيعَتُهُمْ
إِذَا تَفَاوَتَتِ الْأَهْوَاءُ وَالشِّيَعُ

”جب وہ ناراض ہوں تب وہ جو معاف کریں اسے خاموشی سے لے لو۔ جس کام سے وہ منع کر دیں اسے کرنے کا کبھی سوچنا بھی نہ، ان کی عداوت و دشمنی سے کنارہ کش ہو جاؤ، کیونکہ ان سے جنگ کرنا انتہائی نقصان دہ ہے۔ وہ تو وقت لڑائی زہریلے تیروں اور مسموم نیزوں کی بارش کرتے

[1] صحیح مسلم: ۲۴۹۰ والبیہقی، دلائل النبوۃ: ۵/۵۱

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ جب تمام لوگ خواہشات کی دلدل میں پھنسے ہوں اور باہمی اختلاف و انتشار کا شکار ہوں، تب تم ان لوگوں کی عزت و تکریم کیا کرو جن کے رہبر و رہنما رسول اللہ ﷺ ہیں۔

یہ قصیدہ سننے کے بعد رئیس وفد نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی قابلیت اور فضیلت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا: ''وَاللّٰهِ لَشَاعِرُهٗ أَشْعَرُ مِنْ شَاعِرِنَا وَ لَخَطِيْبُهٗ أَخْطَبُ مِنْ خَطِيْبِنَا'' بخدا محمد ﷺ کا شاعر ہمارے شاعر سے اور آپ کا خطیب ہمارے خطیب سے بڑھ کر ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وفد نے اسلام قبول کر لیا اور بارگاہِ نبوی سے وفد کے ہر رکن کو خلعت سے نوازا گیا۔[1]

نقادانِ فن کی شہادتیں

نابغہ ذبیانی نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے چند اشعار سن کر کہا: ''اِنَّکَ لَشَاعِرٌ.'' تو بہت بڑا شاعر ہے۔

شاعر حطیہ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا:

''اَبْلِغُوا الْأَنْصَارَ أَنَّ شَاعِرَهُمْ أَشْعَرُ الْعَرَبِ'' [2]

انصار تک میری یہ بات پہنچا دو کہ ان کا شاعر عربوں میں سب سے بڑا شاعر ہے۔

صاحب الاغانی نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو ''فَحْلٌ مِنْ فُحُوْلِ الشُّعَرَاءِ'' کا لقب دیا ہے۔[3]

ابن رشیق اپنی شہرہ آفاق کتاب ''العمدہ'' میں رقمطراز ہے: ''وَأَشْعَرُ أَهْلِ الْمَدَرِ بِإِجْمَاعٍ مِنَ النَّاسِ وَاتِّفَاقِهِمْ حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ رضی اللہ عنہ'' [4] تمام لوگوں کا اس بات پر اتفاق و اجماع ہے کہ اہل مدر میں سے حسان رضی اللہ عنہ سب سے بڑا شاعر ہے۔

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۲/ ۵۶۵ و البیہقی، دلائل النبوۃ: ۵/ ۳۱۵

[2] ابن حجر، تہذیب التہذیب: ۲/ ۲۴۸ و ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۱/ ۲۵۱

[3] أبوالفرج أصفہانی، الأغانی: ۴/ ۱۳۵

[4] ابن رشیق الأزدی، العمدۃ: ۱/ ۷۲

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

شاعر کی اپنی زبانی

حضرت حسان رضی اللہ عنہ اپنی جدت طبع پر خود بھی نازاں تھے۔ شعر گوئی میں غیر مقلد واقع ہوئے تھے، چنانچہ فرمایا ؎

لَا أَسْرِقُ الشُّعَرَاءَ مَا نَطَقُوا
بَلْ لَا يُوَافِقُ شِعْرُهُمْ شِعْرِي [1]

میں شعراء کی کہی ہوئی کسی بات کا سرقہ نہیں کرتا۔ بلکہ ان کا کوئی شعر میرے اشعار کے موافق نہیں ہے۔

اپنی قادر الکلامی اور زبان کی پاکیزگی کا بیان کرتے ہوئے وہ اپنی زبان کو بے عیب تلوار اور اپنے اشعار کو ناقدانِ فن کے نقد ونظر سے بلند اور معاندین کے طعن سے وراء الوراء قرار دیتے ہیں ؎

لِسَانِي صَارِمٌ لَا عَيْبَ فِيهِ
وَبَحْرِي لَا تُكَدِّرُهُ الدِّلَاءُ [2]

میری زبان وہ تلوار ہے جس میں کوئی عیب نہیں ہے اور میرے سمندر کو کوئی ڈول گدلا نہیں کرتا۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ شاعر بھی ہیں اور نقاد بھی۔ شعر کہتے ہیں اور شعر و شاعری پر نقد و تبصرہ بھی کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ بہترین شاعر کون ہے؟ پوچھا کہ انفرادی حیثیت میں یا بلحاظ قبیلہ؟ لوگوں نے کہا کہ کون سا قبیلہ شعر گوئی میں افضل ہے؟ جواب دیا: قبیلہ ہذیل اور ہذیل میں ابو ذویب کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ [3]

شعر کیا ہے؟ اس میں کون سی چیز خوبی کی ہے؟ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا تخیل

---

[1] ابن عبد ربہ، العقد الفرید: ۶/۱۴۶

[2] ابن رشیق، العمدہ، ص: ۷۲

[3] الأصمعی، فحولۃ الشعراء، ص: ۱۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملاحظہ ہو، فرمایا ؎

وَ إِنَّمَا الشِّعْرُ لُبُّ الْمَرْءِ يَعْرِضُهُ
عَلَى الْمَجَالِسِ إِنْ كَيْسًا وَ إِنْ حُمْقًا
وَ إِنَّ أَشْعَرَ بَيْتٍ أَنْتَ قَائِلُهُ
بَيْتٌ يُقَالُ إِذَا أَنْشَدْتَهُ صَدَقًا [1]

شعر تو درحقیقت انسان کی عقل و دانش ہے، جسے وہ لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے، خواہ وہ عقلمندی کی باتیں ہوں یا حماقت کی۔ سب سے اچھا شعر جو تو کہے وہ ہے کہ جس پر تجھے کہا جائے: تو نے سچ کہا ہے۔

مدح رسول اللہ ﷺ

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی مدح میں بے شمار قصیدے کہے، مگر ان سب قصائد میں ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے غلط بیانی اور غلو سے کبھی کام نہیں لیا۔ ہمیشہ واقعیت وحقیقت کو موزوں الفاظ میں پیش کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کے حسن و جمال کا یوں ذکر کیا ہے ؎

وَ أَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَ أَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّءًا مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ [2]

آنحضرت ﷺ سے زیادہ خوبصورت شخص میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا اور آپ ﷺ سے زیادہ حسین کسی ماں نے اب تک نہیں جنا۔ آپ ﷺ ہر عیب سے پاک پیدا ہوئے ہیں۔ گویا آپ ویسے ہی پیدا ہوئے ہیں جیسے

[1] أبو حیان التوحیدی، أخلاق الوزیرین، ص: ۸
[2] ابوالفتح الأبشیہی، المستطرف، ص: ۲۳۶ و رمضان البوطی، مختارات، ص: ۱۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ خود چاہتے ہیں۔

ایک دوسرے قصیدے میں نبی کریم ﷺ کے علو مرتبت اور مشن کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

وَ شَقَّ لَهُ مِنِ اسْمِهِ لِيُجِلَّهُ
فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُودٌ وَ هٰذَا مُحَمَّدُ
نَبِيٌّ أَتَانَا بَعْدَ يَأْسٍ وَ فَتْرَةٍ
مِنَ الرُّسُلِ وَ الْأَوْثَانُ فِي الْأَرْضِ تَعْبَدُ
فَأَمْسٰى سِرَاجًا مُسْتَنِيْرًا وَ هَادِيًا
يَلُوحُ كَمَا لَاحَ الصَّيْقَلُ الْمُهَنَّدُ
وَ أَنْذَرَنَا نَارًا وَبَشَّرَ جَنَّةً
وَ عَلَّمَنَا الْإِسْلَامَ فَاللّٰهُ نَحْمَدُ [1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے نام سے آپ کا نام مشتق کیا ہے۔ پس عرش والا محمود اور یہ (پیغمبر ﷺ) محمد ہے۔ آپ ایسے نبی ہیں جو انبیا کی طرف سے مایوسی اور رسولوں کے انقطاع کے بعد اس وقت آئے جب پوری دنیا میں بتوں کی پوجا ہو رہی تھی۔ پس آپ چراغ، روشنی دینے والے اور ہدایت دینے والے ہو گئے اور آپ ایسے چمکتے ہیں جیسے کہ صیقل کی ہوئی شمشیر براں چمکتی ہے۔ آپ ﷺ نے ہمیں جہنم سے ڈرایا، جنت کی خوشخبری سنائی اور ہمیں اسلام سکھایا۔ اس پر ہم اللہ ہی کی حمد کرتے ہیں۔

وَ أَنْتَ إِلٰهُ الْخَلْقِ رَبِّي وَ خَالِقِي
بِذٰلِكَ مَا عَمَّرْتُ فِي النَّاسِ أَشْهَدُ

[1] الأصمعی، فحولۃ الشعراء، ص: ۱۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تَعَالَیْتَ رَبَّ النَّاسِ عَنْ قَوْلِ مَنْ دَعَا
سِوَاکَ إِلٰهًا أَنْتَ أَعْلٰی وَ أَمْجَدُ
لَکَ الْخَلْقُ وَ النَّعْمَاءُ وَ الْأَمْرُ کُلُّهُ
فَإِیَّاکَ نَسْتَهْدِیْ وَ إِیَّاکَ نَعْبُدُ [1]

اے میرے پروردگار! تو ہی تمام مخلوق کا معبود برحق ہے۔ میں جب تک زندہ ہوں لوگوں کے سامنے یہی گواہی دیتا رہوں گا۔ اے خدا! تو ان تمام لوگوں کی بات سے بلند و بالا ہے جنھوں نے تیرے سوا کسی اور کو پکارا۔ تو ہی اعلیٰ وارفع اور بزرگ و برتر ہے۔ اے اللہ! تمام مخلوق اور تمام نعمتیں اور تمام اختیار تیرے لیے ہیں۔ پس ہم تجھی سے ہدایت مانگتے ہیں اور تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

جنگ بدر میں رسول اللہ ﷺ کی بہادری اور شان پیغمبری کا نقشہ یوں کھینچا ہے ۔

فِیْنَا الرَّسُوْلُ وَ فِیْنَا الْحَقُّ نَتْبَعُهُ
حَتَّی الْمَمَاتِ وَ نَصْرٌ غَیْرُ مَحْدُوْدِ
مَاضٍ عَلَی الْهَوْلِ رِکَابٌ لِمَّا قَطَعُوْا
إِنَّ الْکُمَاةَ تَحَامُوْ فِی الصَّنَادِیْدِ
وَافٍ وَ مَاضٍ شِهَابٌ یُسْتَضَاءُ بِهٖ
بَدْرٌ أَنَارَ عَلٰی کُلِّ الْأَمَاجِیْدِ
مُبَارَکٌ کَضِیَاءِ الْبَدْرِ صُوْرَتُهُ
مَا قَالَ کَانَ قَضَاءٌ غَیْرُ مَرْدُوْدِ [2]

ہمارے اندر اللہ تعالیٰ کے رسول اور ہمارے اندر اللہ کا حق ہے جس کی ہم

[1] ابن ہشام، السیرہ النبویہ: ۲/۲۰

[2] دیوان حسان بن ثابت، ص: ۴۳ و دواوین الشعر العربی: ۷/۲۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پیروی کرتے ہیں، جو موت سے آزاد ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے لامتناہی مدد ہے۔ آپ خوف سے گزرنے والے، اس جگہ سواری پر سوار ہونے والے جہاں لوگ ہمت چھوڑ دیں۔ اس وقت شہ سوار، اس جگہ سواری پر سوار، جب تیرانداز کمین گاہ میں چھپے ہوتے ہیں۔ آپ عہد پورا کرنے والے، اپنے قول کو کر گزرنے والے اور ایسے ستارے ہیں جس سے چودھویں کا چاند روشنی حاصل کرتا ہے، جو ساری کائنات پر چمکتے ہیں۔ بابرکت ہیں، چودھویں کے چاند کی سی آپ کی صورت ہے، آپ کی کہی ہوئی بات تقدیر مبرم ہو جاتی ہے۔

اپنے ایک شعر میں اسلامی تعلیمات کو اس طرح پیش کیا ؎

وَ نَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ لَا رَبَّ غَيْرُهُ
وَ أَنَّ كِتَابَ اللّٰهِ أَصْبَحَ هَادِيًا [1]

ہم جانتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں اور اس کی کتاب (قرآن مجید) ہی لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت ہے۔

پیغمبر اسلام کے اخلاقِ حسنہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ؎

وَ اللّٰهِ رَبِّي لَا نُفَارِقُ مَاجِدًا
عِفَّ الْخَلِيقَةِ مَاجِدُ الْأَمْجَادِ
مُتَكَرِّماً يَدْعُو إِلَى رَبِّ الْعُلٰى
بَذْلَ النَّصِيحَةِ رَافِعِ الْأَعْمَادِ
مِثْلُ الْهِلَالِ مُبَارَكًا ذَا رَحْمَةٍ
سَمْحُ الْخَلِيقَةِ طَيِّبُ الْأَعْوَادِ

مجھے اپنے پروردگار کی قسم! ہم بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ آپ پاکیزہ

[1] محمد بن عبدالوہاب، مختصر سیرت رسول ﷺ، ص: ۱۳۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عادات والے اور بزرگی کے کام کرنے والے ہیں، انتہائی معزز ہیں۔ رب اعلیٰ کی طرف بلاتے ہیں۔ نصیحت (خیر خواہی) کرنے والے، اونچے ارادوں والے ہیں۔ پہلی تاریخ کے چاند کی طرح بابرکت اور صاحب رحمت ہیں۔ معاف کرنے کی عادت والے اور عمدہ صفات والے ہیں۔

انصار کے ایثار، قربانی، خلوص اور محبت کو یوں ادا کیا ہے

بَذَلْنَا لَهُ الْأَمْوَالَ مِنْ جُلِّ مَالِنَا
وَ أَنْفُسَنَا عِنْدَ الْوَغٰى وَالتَّآسِيَا
نُحَارِبُ مَنْ عَادَى مِنَ النَّاسِ كُلِّهِمْ
جَمِيعًا وَإِنْ كَانَ الْحَبِيبَ الْمُصَافِيَا[1]

جب بھی ضرورت ہوئی اور آپ نے حکم دیا، ہم نے اپنے عمدہ مال اور اپنی جانیں خرچ کر دیں۔ جو شخص بھی تمام لوگوں میں سے آپ کے ساتھ لڑے گا تو ہم اس کے ساتھ لڑیں گے۔ اگرچہ وہ ہمارا دلی دوست ہی کیوں نہ ہو۔

اسی انداز میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح میں قصائد کہے جو بخوف طوالت حذف کیے جاتے ہیں۔

مرثیہ

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی وفات پر کئی ایک مرثیے کہے۔ جن میں انھوں نے اپنے جذبات وعقیدت کا وافر طور پر اظہار کیا۔ خلفائے راشدین، صحابہ رضی اللہ عنہم اور شہداء کی وفات پر بھی مرثیے کہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر بہت زیادہ مرثیے کہے۔ اس کی وجہ ابن ہشام نے یوں لکھی ہے:

”وَنَزَلَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ عَلٰى أَوْسِ بْنِ ثَابِتِ بْنِ الْمُنْذِرِ أَخِي حَسَّانِ بْنِ ثَابِتٍ فِي دَارِ بَنِي النَّجَّارِ، فَلِذٰلِكَ كَانَ حَسَّانٌ يُحِبُّهُ وَيَبْكِيهِ

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۵۱۲/۱

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

حِيْنَ قُتِلَ.»[۱]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہجرت کے بعد حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے بھائی اوس بن ثابت کے ہاں ٹھہرے تھے، اسی لیے حضرت حسان رضی اللہ عنہ ان سے محبت رکھتے تھے اور جب وہ قتل ہوئے تو وہ ان پر روتے تھے ؎

قَتَلْتُمْ وَلِيَّ اللّٰهِ فِي جَوْفِ دَارِهِ
وَ جِئْتُمْ بِأَمْرٍ جَائِرٍ غَيْرِ مُهْتَدِ
فَهَلْ رَعَيْتُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَسْطَكُمْ
وَ أَوْفَيْتُمْ بِالْعَهْدِ عَهْدَ مُحَمَّدِ[۲]

تم نے اللہ تعالیٰ کے ایک دوست کو ان کے گھر میں قتل کر دیا اور تم ایک ظالمانہ فعل کے مرتکب ہوئے ہو۔ (اے قاتلین عثمان!) تم نے اپنے میں سے بہترین شخص کے متعلق اللہ سے کیے ہوئے عہد کا لحاظ کیوں نہ رکھا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیے ہوئے وعدے کو کیوں پورا نہ کیا۔

مضمون بہت طویل ہو رہا ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے کلام کی خوبیوں کا ذکر ابھی تک بالکل ادھورا پڑا ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا دیوان اس عہد کی مستقل تاریخ ہے، ان کے اشعار عہد نبوی اور دور اول کے معاصرانہ ریکارڈ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اوس و خزرج کی جنگیں، ان کے اخلاق، اس عہد کے عام واقعات وحالات، ان کی حضارت و ثقافت، یہ سب چیزیں بحث طلب ہیں اور زیر قلم مقالہ میں ان چیزوں کا اضافہ قارئین کے لیے صبر آزما ہو جائے گا، لہٰذا انھیں کسی اور فرصت پر اٹھا رکھتا ہوں۔

[۱] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۴۷۹ والنویری، نہایۃ الأرب: ۱۹/ ۵۱۲
[۲] سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یورپی ایڈیشن، ص: ۳۲۲ و دیوان حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، ص: ۵۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تاریخ وتمدنِ عالم

تاریخ اسلام

ماہرین علوم اسلامیہ وشعراء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

قدیم تہذیبوں کا تعارف، تاریخ اسلام کا پس منظر

مشرق قریب میں قدیم تہذیبیں

دریاؤں کی وادیوں نے قدیم انسانی تہذیب کو جنم دیا، بالخصوص دریائے نیل، دِجلہ، فُرات اور سندھ کی وادیوں میں قدیم تہذیبیں پروان چڑھیں۔ اس کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ ان وادیوں میں بسنے والے لوگ زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ ان کی ترقی وتہذیب چند باتوں سے خاص طور پر ظاہر ہوتی ہے:

الف۔ انھوں نے مل جل کر رہنے کے لیے بستیاں بنائیں۔

ب۔ وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور تحریر کے ذریعے اپنے خیالات دوسروں تک پہنچا سکتے تھے۔

ج۔ وہ مل جل کر کام کرتے اور ایک دوسرے کی مدد اور اعانت کرتے تھے۔

د۔ وہ سوچ بچار کر کے اپنی مشکلات کا حل تلاش کرتے اور اَسرارِ قدرت کی ٹوہ میں لگے رہتے تھے۔

ھ۔ قدیم تہذیب کے مرکزی شہروں میں سے بعض تو پانچ ہزار سال بلکہ اس سے بھی پہلے موجود تھے۔

و۔ اہلِ بابِل ونینوا، اشوری، یونانی، رومی اور ایرانی اپنی اپنی تہذیب کے لیے خاص طور پر مشہور ہیں۔

پرانے زمانے میں دِجلہ وفرات کی وادی بہت سرسبز وشاداب تھی۔ اس وادی کے جنوبی حصے میں سُمیری قوم آباد تھی۔ سُمیریوں نے بڑے بڑے شہر آباد کیے۔ یہ لوگ زراعت، تجارت اور صنعت وحرفت میں بڑے ماہر تھے۔ لکھنا پڑھنا بھی جانتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کھانے پینے کی چیزوں کی اِفراط تھی۔ یہ لوگ تہذیب وتمدُّن میں مشہور اور نامور ہوئے ہیں۔ البتہ اُنھوں نے جو شہر بسائے ان کو ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ہر شہر الگ تھا۔ اس کے دیوتا الگ تھے۔ تیوہار الگ اور ہر شہر کا بڑا پروہت الگ۔ یہی بڑا پروہت شہر کا حاکم اور بادشاہ بھی تھا۔[1]

بابل ونینوا

پرانے زمانے میں بابل ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جو دِجلہ وفُرات کی وادی میں واقع تھا اور آہستہ آہستہ ترقی کر کے ایک خوش حال اور بڑا شہر بن گیا۔

تقریباً چار ہزار برس پہلے کی بات ہے کہ شام کے علاقے سے ایک قوم نے آ کر بابل پر قبضہ کرلیا۔ پھر آس پاس کے علاقوں کو فتح کر کے وادی کے اوپر کے حصے اور نچلے حصے پر بھی قابض ہو گئے۔ اب یہ ساری بستی بابل کی سلطنت کہلانے لگی۔

اہلِ بابل نے مفتوحہ علاقوں کے لوگوں سے بہت کچھ سیکھا۔ اُنھوں نے سُمیریوں کے خیالات اور ایجادوں سے بھی بڑا فائدہ اُٹھایا۔

اہلِ بابل کی تہذیب دُنیا کی قدیم تہذیبوں میں شمار ہوتی ہے۔ اُنھوں نے لکھنے کا طریقہ سمیریوں سے سیکھ کر اس میں کچھ کانٹ چھانٹ کی۔ کاغذ کی بجائے وہ مٹی کی تختیوں پر لکھتے تھے۔ اہلِ بابل نے بہت سے قانون تو سمیریوں سے لیے اور کچھ قانون نئے بنائے۔ بابلیوں نے باقاعدہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔ تجارت اور لین دین کے نئے طریقے نکالے۔

اہلِ بابل کا مشہور بادشاہ حمورابی تھا۔ اس نے سلطنت کو منظم کر کے ایک ضابطہ قانون تیار کیا۔ حمورابی کا دعویٰ تھا کہ یہ قانون اس پر انصاف کے دیوتا نے اتارا ہے۔ اس نے ان قوانین کو ایک ستون پر کندہ کرادیا تھا۔ اس مجموعۂ قوانین میں مختلف طبقات کے حقوق و فرائض کی وضاحت کی گئی تھی اور جرائم کی سزائیں مقرر کی گئی تھیں۔

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۹/ ۲۱۷، ۱۵/ ۲۱۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اہلِ بابل نے فلکیات یعنی علم النجوم اور اجرامِ سماوی کا خوب مطالعہ کیا۔ وہ چاند اور سورج گرہن کا صحیح اندازہ لگا سکتے تھے۔ بابلیوں نے سال کو بارہ مہینوں میں تقسیم کر کے ہر ایک مہینے کا الگ نام رکھا اور سات دن کا ہفتہ مقرر کیا۔[1]

اَشُور (Assyrns)

بابلیوں کی آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے لوگ شمال کی طرف بڑھنے شروع ہوئے اور ایک نئے شہر کا وجود عمل میں آیا۔ اس نئے شہر کو اُنھوں نے اپنے دیوتا کے نام پر اشور کہنا شروع کیا۔ اشوری لوگ پہلے تو اہل بابل کے ماتحت رہے لیکن جب اُنھوں نے حِطّی قوم سے لوہے کے ہتھیار بنانا سیکھ لیا تو وہ بڑے طاقتور بن گئے اور ایک مستقل حکومت قائم کر کے نینوا (Nineveh) کو صدر مقام بنا لیا، پھر آس پاس کے علاقوں پر قابض ہو گئے۔ اشوری بڑے وحشی اور خون خوار لوگ تھے۔ ۷۷۲ قبل مسیح میں اشوریوں نے اسرائیل کو فتح کر لیا لیکن بالآخر کلدانیوں (Chaldeans) اور ایرانیوں نے اشوریوں کو شکست دے کر نینوا پر قبضہ کر لیا۔[2]

کنعانی یا فِنیقی

تین ہزار برس پہلے کی بات ہے کہ بَحِیْرَہ روم کے مشرقی کنارے پر شام کے ساحل کے ساتھ ساتھ کنعان (Canaan) یا فنیقہ (Phoenicia) آباد تھا۔ اس علاقے کے باشندے کنعانی یا فِنیقی کہلاتے تھے۔ یہ لوگ مچھلیاں پکڑتے، جہاز اور کشتیاں چلاتے اور خوب تجارت کرتے تھے۔ فِنیقی تاجر اپنا مال لے کر دُور دُور تک تجارت کے لیے جاتے اور وہاں کی تہذیب اپنے وطن میں لاتے تھے۔[3]

---

[1] الیعقوبي، التاریخ: ۱/۱۱۳ و القزویني، آثار البلاد، ص: ۳۰۴ و الموسوعۃ العربیۃ المیسرۃ: ۲/ ۵۷۷، ۵۷۸ و البکری، معجم ما استعجم: ۱/ ۲۱۸ و البروسوی، أوضح المسالک، ص: ۱۸۷

[2] الموسوعۃ العربیۃ المیسرۃ: ۱/ ۳۱۶

[3] یاقوت الحموی، معجم البلدان: ۴/ ۴۸۳ و جواد علی، المفصل: ۸/ ۱۱۷ و الموسوعۃ العربیۃ المیسرۃ: ۵/ ۲۵۱۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فنیقیوں نے بہت سے ہنر دوسرے ملکوں سے سیکھے، لیکن رومیوں نے ان سے بہت کچھ سیکھا، خاص طور پر لکھنے کا طریقہ۔ فنیقیوں کا لکھنے کا طریقہ بابلیوں اور مصریوں سے آسان تھا۔ ان کے ہاں صرف بائیس حروف ابجد تھے۔ یونانیوں نے ان سے لکھنے کا طریقہ سیکھ کر سارے یورپ کو سکھایا۔ فنیقیوں نے اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لیے جابجا بستیاں قائم کیں۔ ان میں قرطاجنہ (کارتھیج) نے بڑی شہرت پائی۔[۱]

عبرانی

عبرانی قوم کی ابتدا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوتی ہے جو عراق کی سرزمین کو خیرباد کہہ کر کنعان یا فنیقیہ میں جا آباد ہوئے۔[۲] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستی کے خلاف جہاد کیا اور توحید کی تبلیغ کی۔[۳]

بنی اسرائیل

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے: حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام۔[۴] حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا۔ چنانچہ ان کی اولاد بنی اسرائیل مشہور ہوئی۔[۵] جس کا ذکر قرآنِ مجید میں بھی ہے۔[۶] قحط کی وجہ سے اسرائیلی لوگ مصر میں جا بسے۔ جب فرعون کا ظلم حد سے بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیج کر بنی اسرائیل کو نجات دلائی۔ فرعون اور اس کے لشکر کو سمندر میں غرق کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے بنی اسرائیل کو مقدس کتاب تورات ملی اور موسوی شریعت

۱۔ الموسوعۃ العربیۃ المیسرۃ:۵/۲۵۱۷
۲۔ الموسوعۃ العربیۃ المیسرۃ:۴/۲۲۱۷ و جواد علی، المفصل:۱/۴۹۵
۳۔ مریم:۱۹/۴۱-۵۰ والانعام:۶/۷۴-۸۱ والانبیاء:۲۱/۵۱-۷۱
۴۔ البقرۃ:۲/۱۲۵، ۱۲۷، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۴۰ والصافات:۳۷/۱۱۲
۵۔ الموسوعۃ العربیۃ المیسرۃ:۲/۷۸۸
۶۔ البقرۃ:۲/۴۰-۴۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عطا ہوئی۔[۱] اس شریعت کی بنیاد دس احکام پر ہے۔[۲]

بعدازاں بنی اسرائیل نے کنعان فتح کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کی۔ ان میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے پیغمبر اور بادشاہ کی حیثیت سے بڑا نام پایا۔[۳] حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس میں عالی شان محل بنائے اور ایک عظیم الشان عبادت گاہ تعمیر کی۔[۴]

یہودی

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کمزور ہو گئے، سلطنت تقسیم ہو گئی اور بیت المقدس کی حکومت کے حامی صرف یہود اور ابن یمین کے قبیلے رہ گئے۔ یہی لوگ بعد میں یہودی کہلائے۔ یہودی مذہب میں بڑا غلو اور سختی کرنے لگے۔ ۵۸۶ قبل مسیح میں بابلیوں کے بادشاہ بُخت نصر نے یہودیوں پر حملہ کر کے بہت سے یہودی تہ تیغ کر دیے اور بہت سے قیدی بنا لیے۔ بعد میں رومیوں نے یہودیوں کو زیرنگیں بنا لیا، مگر جب یہود نے بغاوت کی تو رومی حکمرانوں نے بیت المقدس کو تباہ کر دیا اور یہود کا قتل عام کیا۔[۵]

قدیم یونانی قوم

یونان کا علاقہ بُحیرۂ روم کے کنارے واقع ہے۔ قدیم زمانے میں یونان بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ ہر ریاست خودمختار تھی۔ ان ریاستوں میں سپارٹا اور ایتھنز کی ریاستیں زیادہ مشہور تھیں۔ دونوں کے نظام حکومت اور قانون میں بڑا فرق تھا۔

۱۔ البقرہ:۲/ ۴۹ والاعراف:۷/ ۱۴۱ ویونس:۱۰/ ۹۰

۲۔ ضیاء الرحمٰن الأعظمی، دراسات فی الیہودیۃ والمسیحیۃ، ص:۱۸۶ وسعود بن عبدالعزیز الخلف، دراسات فی الأدیان الیہودیۃ والنصرانیۃ، ص:۷۶

۳۔ البقرہ:۲/ ۲۵۱ والنساء:۴/ ۱۶۳ والانعام:۶/ ۸۴ والانبیاء:۲۱/ ۷۸

۴۔ سبا:۳۴/ ۱۳، النمل:۲۷/ ۴۴

۵۔ الموسوعۃ العربیۃ المیسرہ:۷/ ۳۶۵۵ وموسوعۃ الأدیان لمجموعۃ من العلماء، ص:۵۰۴ و اسلام محمود دربالہ، موسوعۃ الفرق والأدیان، ص:۴۳۶، یاقوت الحموی، معجم البلدان:۵/ ۴۵۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یونانیوں کا طرزِ حکومت جمہوری تھا۔ سیاست میں اُنھوں نے فرد کے حقوق کو تسلیم کیا اور شہریوں کو نظم ونسق میں شریک کیا۔ سپارٹا کے باشندے شمشیر وسنان کے دَھنی تھے۔ ان کا نظام حکومت فوجی انداز کا تھا۔ وہ سخت کوش، جفاکش اور بہادر تھے۔ ان کی گھریلو زندگی بھی اسی قسم کی تھی۔ اس کے مقابل ایتھنز کے لوگ جمہوریت پسند تھے۔ ان کے ہاں تعلیم وتربیت کے لیے اعلیٰ قسم کے سکول موجود تھے۔ وہ جسمانی صحت اور طاقت کے ساتھ ساتھ قوم کی دماغی اور ذہنی نشوونما کا بھی پورا خیال رکھتے تھے۔ ورزش بھی کرتے اور علوم وفنون میں بھی نمایاں حصہ لیتے تھے۔

یونانیوں نے علم وادب میں بڑی شہرت حاصل کی۔ بالخصوص فنون لطیفہ اور فن تعمیر، فلسفہ وطب، ریاضی وعلم ہیئت، اَدَب، تاریخ نگاری اور ڈراما نویسی میں بڑا نام پیدا کیا۔ رزمیہ اور عشقیہ شاعری میں بڑی ترقی کی۔ سُقراط[۱]، افلاطون[۲] اور اَرِسطو[۳] جیسے مشہور فلسفی، بُقراط[۴] اور جالینوس[۵] جیسے نامور طبیب سرزمین یونان میں پیدا ہوئے۔[۶] ارشمیدس[۷] مشہور ریاضی دان اور علم ہیئت کا ماہر تھا۔ اُقلیدس[۸] نے علم ہندسہ میں نام پایا۔[۹]

مسلمانوں نے یونانی علوم وفنون کو عربی زبان میں ترجمہ کر کے اپنے دامن کو علم و

۱۔ Socrates، ۴۷۰ تا ۳۹۹ ق م، ایتھنز کا مشہور فلسفی اور معلّم

۲۔ Plato، ۴۲۷ تا ۳۴۷ ق م، مشہور یونانی فلسفی، Republic کا مصنف

۳۔ Aristotle، ۳۸۴ تا ۳۲۲ ق م، مشہور یونانی فلسفی، افلاطون کا شاگرد اور سکندر اعظم کا استاد۔ اس کی منطق، مابعد الطبیعیات، اخلاقیات، سیاسیات وغیرہ پر معروف تصانیف ہیں۔

۴۔ Hippocrates، ۴۶۰ تا ۳۷۷ ق م، یونانی طبیب جسے طب کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔

۵۔ Galen، ۱۳۰ تا ۲۰۰ء (تخمیناً)، یونانی طبیب، فلسفہ اور طب پر کتابیں لکھیں۔

۶۔ الموسوعۃ العربیۃ المیسرۃ: ۷/۳۶۷۵۔۳۶۷۹ و القزوینی، آثار البلاد، ص: ۵۶۹

۷۔ Archimedes، ۲۸۷ تا ۲۱۲ ق م، یونانی ریاضی دان اور صاحبِ ایجادات، جو سسلی میں پیدا ہوا تھا۔

۸۔ Euclid، تیسری صدی قبل مسیح کا یونانی ریاضی دان، جیومیٹری پر بنیادی کتاب کا مصنف، جو اسی کے نام اقلیدس سے موسوم ہوئی۔

۹۔ ابن أبی أصیبعہ، عیون الأنباء، ص: ۳۲-۹۳ و الصفدی، الوافی بالوفیات: ۸/۱۵۲ و الشہرستانی، الملل و النحل: ۲/۶۱، ۸۳، ۱۰۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حکمت سے بھر لینے کے علاوہ قدیم یونانی علوم کو ہمیشہ کے لیے محفوظ بھی کر دیا۔[۱]

یونانی فاتح سکندر اعظم نے متمدّن دنیا کے ایک بڑے حصے کو فتح کیا۔ سکندر اعظم کے بعد یونانی سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔[۲]

قدیم رومی قوم

ہزاروں سال ہوئے کہ رومی لوگ اٹلی پر قبضہ کر کے وہاں آباد ہو گئے اور مختلف مقامات پر بستیاں بنالیں۔ ان میں سے ایک قبیلہ لاطینی کے نام سے مشہور تھا۔ اس قبیلے نے دریائے ٹائبر کے کنارے ردم (Rome) یا رومہ کے نام سے ایک شہر آباد کیا اور اسی شہر کی نسبت سے وہ رومی مشہور ہوئے۔

رومی بڑے تنومند، محنتی اور جفاکش تھے۔ وہ اعلیٰ درجے کے سپاہی اور سیاستدان ثابت ہوئے۔ اُنھوں نے اپنی جنگی مہارت کی وجہ سے آس پاس کے علاقوں کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ متمدّن دنیا کے مغربی حصے ان کے زیرِ نگیں تھے۔ رومی حکمران طاقتور بھی تھے اور اچھے حاکم بھی۔ رومیوں نے عدل وانصاف کے بعض بنیادی اُصول وضع کیے۔ ان کا یہ مجموعۂ قانون عام طور پر قابلِ قبول سمجھا گیا۔ ابتدا میں رومی حکومت میں جمہوری اور شورائی نظام کارفرما تھا۔ ایک مجلس شوریٰ تھی جس میں سب شہروں کے نمائندے شامل ہوتے تھے لیکن آخرکار شہنشاہیت غالب آگئی۔ ان کا پہلا شہنشاہ آگسٹس (Augustan ۲۷ق م تا ۱۴ء) تھا۔[۳]

---

۱ ابن أبي أصیبعہ، عیون الأنباء، ص: ۲۵۶

۲ جواد علی، المفصل :۲/ ۵

۳ جواد علی، المفصل :۲/ ۳۱ و الموسوعۃ العربیۃ المیسرہ :۳/ ۶۸۸ و ابن الأثیر، الکامل: ۱/ ۳۲۲۔ فارس کے بادشاہ کو کسریٰ، یمن کے بادشاہ کو تبّع، حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی، ہند کے بادشاہ کو بطلیموس، مصر کے بادشاہ کو فرعون، اسکندریہ کے بادشاہ کو مقوقس، فرغانہ کے بادشاہ کو اِخشید، اُشرُوسنہ کے بادشاہ کو اَفشین، خُوارزم کے بادشاہ کو خُوارزم شاہ، جرجان کے بادشاہ کو صُول، آذربائیجان کے بادشاہ کو اَصبہبذ اور طبرستان کے بادشاہ کو رسلان کہا جاتا تھا (البدایۃ والنہایۃ :۱۱/ ۱۶۹، ۱۷۰)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رومی بادشاہوں کا عام لقب قیصر (Caesar) تھا۔[۱]

عیسائیت کا ظہور

آگسٹس کے عہد حکومت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور اس وقت فلسطین رومیوں کے ماتحت تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کی اصلاح کے لیے اَن تھک کوششیں کیں لیکن یہودیوں نے ان کی ایک بات بھی نہ مانی، اُلٹا ان کے دُشمن ہو گئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنا عہد جوانی ناصرہ شہر میں گزارا تھا، اس لیے انھیں مسیح ناصری کہتے تھے اور ان کے ماننے والوں کو نصرانی۔ نصرانیوں کو عیسائی اور مسیحی بھی کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کا دین پھیلنے لگا اور آہستہ آہستہ اٹلی میں جا پہنچا اور شاہ قسطنطین[۱] (قیصرِ روم) نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ پھر رومی حکومت کی بدولت عیسائیت کو بڑی قوت اور عظمت حاصل ہو گئی اور عیسائیت بہت سے ملکوں میں پھیل گئی۔[۲]

بزنطینی (Byzantine) حکومت

شاہ قسطنطین نے ۳۳۰ء میں رومہ کو چھوڑ کر شہر بزنطیم (Byzantine) کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ اس وقت سے بادشاہ کے نام پر اس شہر کا نام قسطنطنیہ مشہور ہو گیا[۳] اور قسطنطنیہ کے قدیم نام بزنطیم کی وجہ سے مشرقی حصۂ سلطنت کو بزنطینی سلطنت (Byzantine empire) کہتے ہیں۔ چوتھی صدی کے آخر تک مسیحیت رومی سلطنت میں پھیل چکی تھی۔ مذہب کو بنیادی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اَدَب، شاعری اور فنون لطیفہ مذہب کے تابع تھے۔ رومی یہ بھی مانتے تھے کہ ان کے بادشاہوں کو حکمرانی کا منصب خدا نے عطا کیا تاکہ وہ عوام کو فائدہ پہنچائیں۔ رومیوں پر یونانی اثر غالب تھا۔ رومی تجارت کرتے تھے۔ اُنھوں نے بڑے بڑے شہر بسائے۔ عمارتوں کا بہت شوق تھا۔ کھیل

۱ Constantine: ۲۸۰ تا ۳۳۷ء، دورِ حکومت: ۳۰۶ تا ۳۳۷ء

۲ الشہر ستانی، الملل والنحل: ۲۲۰/۱؛ الموسوعۃ العربیۃ المیسرۃ: ۳۲۸۴/۷، ۳۶۴۴، ۳۶۴۶، تفصیل کے لیے دیکھیے: رحمۃ اللہ بن خلیل الرحمٰن کیرانوی کی کتاب اظہار الحق۔

۳ یاقوت الحموی، معجم البلدان: ۹۸/۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تماشے اور رتھوں کی دوڑ کے علاوہ کتابیں پڑھنے کا بھی شوق رکھتے تھے۔ بزنطینی حکومت تقریباً ایک ہزار برس (۳۹۵-۱۴۵۳ء) تک قائم رہی۔ رومی سلطنت کی عظمت و شوکت شاہ جستنین (Justinian ۵۶۵ء) پر ختم ہوگئی۔ اس وقت ان کی سرکاری زبان لاطینی (Latin) تھی اور ان کا مجموعہ قوانین بھی لاطینی زبان میں مرتب ہوا تھا۔ بزنطینی حکومت پندرھویں صدی عیسوی کے وسط (۱۴۵۳ء) تک قائم رہی۔ عہدِ نبوی میں مصر اور شام کے علاقے بزنطینی سلطنت کے ماتحت تھے۔ خلافت راشدہ میں شام، فلسطین اور مصر مسلمانوں نے فتح کر لیے۔ عثمانی سلطنت کے مشہور حکمران سلطان محمد فاتح نے ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ پر حملہ کر کے فتح کرلیا۔ اس وقت سے آج تک یہ شہر ترکوں کے قبضے میں چلا آتا ہے۔ اس کو آج کل استنبول کہتے ہیں۔[۱]

ساسانی سلطنت

ایران ہزاروں سال پرانا ملک ہے۔ یہاں کئی خاندانوں نے حکومت کی۔ ایران میں بڑے نامور بادشاہ ہو گزرے ہیں جن میں سائرس، دارا اور نوشیروان عادل خاص طور پر مشہور ہیں۔[۲] ۲۲۶ء میں اردشیر اول نے ساسانی سلطنت قائم کی۔ ساسانیوں اور رومیوں کے درمیان چار سو برس تک لڑائیاں ہوتی رہیں۔ آخر کار مسلمانوں نے ۶۵۱ء میں ایران کو فتح کرلیا۔ خسرو دوم کے عہد میں ساسانی سلطنت نے بڑا عروج حاصل کیا۔ نوشیروانِ عادل اسی خاندان کا ایک مشہور اور دانشمند بادشاہ گزرا ہے۔ جب حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے تو ایران پر نوشیروان عادل حکمران تھا۔

ساسانیوں نے ملکی انتظام کے لیے عمدہ اور اعلیٰ قسم کے اُصول بنائے تھے۔ اس عہد میں ایران تہذیب وتمدن میں دنیا کے اکثر ممالک سے آگے تھا۔ ساسانی خاندان کے بادشاہ کسریٰ کہلاتے تھے۔ وہ مطلق العنان فرماں روا تھے۔ ان کو شکار اور عمارتوں کا بڑا شوق تھا۔[۳]

---

[۱] الموسوعۃ العربیۃ المیسرۃ:۵/۲۵۵۷ والبردسوی، أوضح المسالک، ص:۵۱۴-۵۱۹ والقزوینی، آثار البلاد، ص:۶۰۳ و جواد علی، المفصل:۲/۴۸۷-۵۱۳

[۲] ابن الأثیر، الکامل:۱/۲۲۴

[۳] الموسوعۃ العربیۃ المیسرۃ:۴/۲۱۷۷ و جواد علی، المفصل:۲/۴۸۷-۵۱۳ وابن الأثیر، الکامل:۱/۲۷۹، أبو الفداء، التاریخ:۱/۸۱-۸۸ والمسعودی، مروج الذہب:۱/۲۵۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایرانی لوگوں کو مصوری، بت تراشی اور نفیس کپڑا بُننے میں بڑی مہارت تھی۔ نقش و نگار کے لیے بھی ایرانی مشہور تھے۔[1]

زرتشتی

ایران کے قدیم لوگ زرتشت کے پیرو تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا زمانہ حضرت مسیح علیہ السلام سے چھ سات سو برس پیشتر تھا۔ زرتُشت کے نزدیک دنیا میں نیکی اور بدی کے درمیان ہمیشہ جنگ رہتی ہے۔ نیکی کا دیوتا یزدان ہے اور بدی کا اُہرِمَن۔ اس نے لوگوں کو نیکی کی دعوت دی۔ زَرتُشت کے پیرو زرتشتی کہلاتے ہیں۔ وہ آگ کو مقدس مانتے ہیں اور ان کے عبادت خانوں میں آگ روشن رکھی جاتی ہے اس لیے ان کے معبد کو آتش کدہ کہتے ہیں۔ زرتُشتیوں کو عرب مجوس کہتے ہیں۔ عام لوگ اُنھیں آتش پرست کہتے ہیں۔ پاکستان میں وہ پارسی کہلاتے ہیں۔

اردشیر اول نے زرتشتی مذہب کو سلطنت کا مذہب قرار دے کر بڑا رواج دیا۔ اس کے عہد میں مُوبد یعنی مذہبی پیشوا مذہبی اور سیاسی معاملات میں بڑا دخل رکھتے تھے۔ جب مسلمانوں نے ایران کو فتح کرلیا تو یہ مذہب آہستہ آہستہ ختم ہو گیا۔ البتہ بعض زرتشتی برصغیر پاک و ہند میں چلے آئے اور پارس (فارس) یعنی ایران سے آنے کی وجہ سے پارسی کہلائے۔[2]

یہ مختصر سا تعارف ہے ان تہذیبوں کا جو اِسلام سے پہلے دنیا میں موجود تھیں اور جن کی اکثریت سے اِسلام کو سابقہ پڑا اور بالآخر اِسلام ان سب پر غالب آیا۔[3]

---

[1] الموسوعۃ العربیۃ المیسرہ:۱/۵۴۶ و جواد علی، المفصل: ۸/۵۳

[2] الشہرستانی، الملل والنحل: ۱/۲۳۶ و موسوعۃ الأدیان ص: ۲۷۹ والموسوعۃ العربیۃ المیسرہ: ۶/۳۰۳۱ و اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۵/۳۴۹

[3] تخریجِ مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عہد عباسی کی ثقافت، معاشرتی واقتصادی حالات

معاشرت

عباسی عہد حکومت میں اسلامی معاشرت میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ عباسی خلفاء نے ملکی اور سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر عربوں کو پیچھے ہٹا کر ایرانیوں اور ترکیوں کو آگے بڑھایا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ سیاسی اقتدار کے ساتھ ایرانی اور پھر ترکی تہذیب وتمدن کو بھی معاشرے نے اپنانا شروع کیا۔ ایک اثر یہ پڑا کہ شاہی محلات اور خلفاء کے حرم میں عربی عورتوں کی جگہ عجمی بیگمات نے لے لی۔ عربی معاشرت کی جگہ ایرانی معاشرت نے رواج پایا۔ لباس، وضع قطع، رہن سہن سب پر ایرانی اثرات پڑے۔

عورتوں کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دی گئی۔ قرآن وحدیث اور فقہ، شعر وشاعری اور موسیقی میں بعض عورتوں نے بڑا نام پایا۔ عورتیں ملکی معاملات میں بھی حصہ لیتی تھیں اور لڑائیوں میں بھی شریک ہوتی تھیں۔

گھروں کی آرائش وزیبائش اور کھانے پینے کے معاملات میں بھی عباسی عہد میں بڑی ترقی ہوئی۔ ایرانیوں اور ترکوں کی بہت سی رسوم بھی معاشرے میں رواج پا گئیں۔ شہروں کی توسیع وترقی، صنعت وحرفت کی ترقی اور تجارت کی گرم بازاری سے معاشرے کو فراغت اور خوشحالی نصیب ہوئی۔ باغات اور سیر گاہیں بکثرت تعمیر کی گئیں۔ سبزہ وشادابی کی فراوانی نے فارغ البال عوام کو پر کیف مناظر سے لطف اندوز کر کے انہیں خوشی ومسرت سے مالا مال کر دیا۔[1]

---

[1] محمود شاکر، التاریخ للاسلامی: ۱۱۴/۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اقتصادی حالت

عباسی عہد حکومت میں مسلمانوں کی اقتصادی حالت بڑی تسلی بخش تھی۔ زراعت، تجارت اور صنعت وحرفت کی بدولت ملک نے بڑی ترقی کی۔ عراق زراعت کا بڑا مرکز تھا۔ دجلہ وفرات سے بہت سی نہریں نکال کر آب پاشی کا انتظام کیا گیا۔ ملک میں گیہوں، چاول، جو، گنا اور ہر قسم کے پھل بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ مالیہ کے تعیّن وتقرر میں رعایا کو بڑی سہولت دی جاتی تھی۔ شہروں کی دیکھ بھال کے لیے ایک الگ محکمہ قائم کیا گیا تھا۔ خراسان کا علاقہ بھی زرعی پیداوار کے لیے مشہور تھا۔ ترکستان میں بخارا اور سمرقند کے علاقوں میں پھل بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ مصر میں وادی نیل بھی اپنی زرخیزی اور غلہ جات کی پیداوار کے لیے بڑی مشہور تھی۔ حکومت کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ زمینوں کا مالیہ تھا۔

صنعت وحرفت نے بھی بڑا فروغ پایا۔ کان کنی کے پیشہ نے بڑی ترقی کی۔ خراسان سے لوہا نکلتا تھا۔ کرمان سے چاندی اور سیسہ، تبریز سے سنگ مرمر اور ایران سے نمک۔ کئی شہروں میں شیشہ اور صابون کے کارخانے قائم ہوئے۔ کاغذ بنانے کے کارخانے بھی کھولے گئے۔ فارس اور اھواز میں گنے کی کثرت کی وجہ سے چینی اور شکر سازی کے کارخانے تھے۔ اونی، ریشمی اور سوتی کپڑوں اور قالینوں کے کارخانے بھی ملک کے مختلف حصوں میں بکثرت موجود تھے۔[۱]

عباسی عہد میں تجارت کو بھی بڑا عروج حاصل ہوا۔ ملک کے مختلف حصوں سے چاول، گندم، چینی، پھل، دھات کی چیزیں، شیشہ اور اونی وریشمی کپڑے اور دیگر بہت سی اشیاء دوسرے ملکوں میں بھیجی جاتی تھیں۔ تجارت کی منڈیاں عام تھیں، بری اور بحری راستوں سے تجارت کا مال آتا جاتا تھا۔ بڑے بڑے تجارتی مرکزوں میں تاجروں نے اپنی اپنی مجالس اور انجمنیں قائم کررکھی تھیں تاکہ تجارت کو ترقی دی جائے اور جعل سازی کی روک تھام کی جائے۔

---

۱ حسن ابراہیم، تاریخ الاسلام: ۲/۳۶۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تجارتی منڈیوں اور بازاروں میں بڑی رونق ہوتی تھی۔ دوکانوں پر خرید وفروخت کی وجہ سے بڑی چہل پہل رہتی اور تجارت کی وجہ سے روپے پیسے کی بڑی ریل پیل نظر آتی تھی۔[1]

علم وادب

اس عہد میں مختلف طبی علوم پر قیمتی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ شیخ بوعلی سینا نے طب کے ساتھ فلسفہ، ہندسہ، ہیئت اور دیگر فنون میں اپنا نام بڑا روشن کیا۔ ادھر فلسفہ وحکمت میں سقراط، افلاطون اور ارسطو جیسے نامور یونانی فلسفیوں کی کتابوں کو عربی میں ترجمہ کیا گیا اور ادھر ہمارے ہاں کندی، ابن سینا، فارابی، غزالی اور رازی جیسے نامور حکماء اور دانشوروں نے حکمت وفلسفہ پر کتابوں کے انبار لگا دیے۔

عباسی عہد میں علم جغرافیہ نے بھی خاصی ترقی کی۔ زمین کی شکل وصورت اور پیمائش وغیرہ کا حساب لگایا گیا۔ ''یاقوت الحموی'' نے جغرافیہ کا ایک شاندار انسائیکلو پیڈیا (دائرہ معارف) تیار کر دیا اور اس کا نام ''معجم البلدان'' رکھا۔ نامور جغرافیہ دانوں میں ابن حوقل، اُصطخری، ادریسی اور مسعودی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس عہد میں مسلمانوں نے علم ہیئت اور ریاضی میں بھی بڑی قابلیت اور شہرت حاصل کی۔ ہیئت دانوں میں خوارزمی، ابراہیم الفزاری ابو معشر فلکی، موسیٰ بن شاکر بیرونی اور عمر خیام کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ریاضی میں مثلث کے علم کو بالخصوص ترقی ہوئی اور ابوالفداء، عمر خیام وغیرہ نے بڑا نام پایا۔ جبر ومقابلہ اور ہندسہ میں بھی مسلمانوں نے گہرے نقوش چھوڑے۔

علم الکیمیا والطبیعیات، علم النبات اور علم الفلاحۃ والزراعۃ میں بھی بڑا کمال حاصل کیا گیا اور قابل قدر تصانیف وجود میں آئیں۔ تاریخ نویسی میں امام ابن جریر طبری، مسعودی، ابن مسکویہ، خطیب بغدادی، ابن عساکر الدمشقی، امام ذہبی اور ابن اثیر کے نام شہرۂ آفاق ہیں۔ سیرت نگاری میں ابن سعد، ابونعیم اصفہانی، ابوالفرج اصفہانی،

---

[1] حسن ابراہیم، تاریخ الاسلام: ۴/ ۳۶۸-۳۹۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن الجوزی، ابن ہشام، ابن خلکان وغیرہ نے بڑی شہرت حاصل کی۔

شعر وشاعری اور ادبیات میں بھی بڑی سرگرمی اور دلچسپی کا اظہار کیا گیا اور کثیر التعداد شعراء اور نثر نگاروں نے عربی ادب کے دامن کو اپنے جواہر پاروں سے مالا مال کر دیا۔ الف لیلہ کی کہانیاں بھی عباسی عہد کی یادگار ہیں۔ شاعروں میں ابونواس، ابو العتاہیہ، بشار، ابوتمام، متنبّی اور ابوالعلاء المعری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[1]

فنون لطیفہ

عباسی عہد میں فنون لطیفہ نے بھی بڑی ترقی کی۔ فن تعمیر، مصری نقاشی، خطاطی اور موسیقی نے بڑا فروغ پایا۔ شاہی محلات، مساجد، محلات اور شاندار عمارات تعمیر ہوئیں، فن کاروں نے مصری نقاشی اور خطاطی کے بہترین نمونے پیش کیے۔[2]

کتب خانے

عباسی عہد کی ثقافت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ خلفاء اور امراء کو کتاب خانے قائم کرنے کا بڑا شوق تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید اور خلیفہ مامون کی علم دوستی اور معارف پروری بڑی مشہور ہے۔ علماء وفضلاء ان کے ہمرکاب رہتے تھے۔ پہلا کتاب خانہ خلیفہ ہارون الرشید نے قائم کیا جو بیت الحکمت کے ساتھ وابستہ تھا۔ پھر خلیفہ مامون نے علماء کی ایک جماعت کو اطراف عالم میں بھیج کر علم وحکمت کی بے شمار کتابیں جمع کیں۔

بعد ازاں تمام امراء وسلاطین نے کتابوں کو فراہم کرنا اپنا معمول قرار دے دیا، چنانچہ بغداد، دمشق، قاہرہ، بصرہ، کوفہ، مرو اور خوارزم وغیرہ شہروں میں بڑے عظیم الشان کتاب خانے قائم ہو گئے۔ اس طرح مساجد کے ساتھ بھی کتاب خانوں کا قیام عمل میں آیا۔

فیاض اور دیندار حضرات مساجد کے لیے اپنی ذاتی کتابیں وقف کر دیا کرتے تھے۔

---

[1] حسن ابراہیم، تاریخ الاسلام: ۲/۴۱۰-۴۸۳

[2] حسن ابراہیم، تاریخ الاسلام: ۲/۴۸۵-۵۳۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مدرسے

عباسی عہد میں بچوں اور جوانوں، مردوں اور عورتوں کی تعلیم کے لیے ایک ''تدریسی نظام'' وجود میں آیا۔ اس نظام میں مکتب، مدرسہ اور دارالعلوم کو عوامی تعلیم کے لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل تھی۔ مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ، بغداد، دمشق اور مصر وغیرہ میں یہ نظام خوب ترقی پذیر ہوا۔ اسی طرح مرو، نیشاپور، موصل، اصفہان، ہرات اور بلخ وغیرہ شہروں میں بھی مدرسے کامیاب رہے۔

ہر مدرسے میں عالم و فاضل اساتذہ درس و تدریس کا کام کرتے تھے۔ ہر مدرسے کے ساتھ ایک کتاب خانہ بھی ہوتا تھا۔[1،2]

---

[1] حسن ابراہیم، تاریخ الاسلام: ۴/ ۵۶۸

[2] تخریجِ مضمون: ڈاکٹر شیر محمد زمان و حافظ محمد فیاض الیاس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

عباسی دربار کے اثرات

عربی ادب وثقافت پر[1]

بنی امیہ کے زوال کے بعد تاریخ اسلام میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا، نئی ثقافت کی بنیاد رکھی گئی، نئے تمدن و معاشرت کو جو عربی تمدن سے مختلف تھا، قبول کیا گیا اور نئے نئے خیالات نے عقائد وادب میں جگہ حاصل کی، نئے علوم اور نئے عہدے عباسیوں کے دربار میں جنم لے کر پروان چڑھے۔

بعض لوگ تعصب یا محدود مطالعہ کی وجہ سے بنوامیہ کو اس بنا پر برا کہتے ہیں کہ انھوں نے کوئی ٹھوس علمی خدمت انجام نہیں دی اور ان پر تنگ خیالی کا الزام عائد کرتے ہیں کہ حریت فکر کا کوئی نتیجہ ان کے عہد میں بروے کار نہیں آیا۔ یہ لوگ دونوں کے زمانہ حکومت کے فرق کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ اگر بنی امیہ کو بھی اتنی طویل حکومت کا موقع ملا ہوتا تو وہ یقیناً بنوعباس سے کہیں زیادہ خادم دین وعلم ثابت ہوتے۔ بنوامیہ کی علم پروری اور حریت فکر کے نتائج دیکھنے کے لیے اندلس کے حالات پر نظر ڈالنی چاہیے کہ کس سرعت اور برق رفتاری کے ساتھ میدانِ علم وعقل میں وہ سب سے آگے بڑھ گئے۔

چند خصائص

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مختلف قوموں اور ملکوں کے خاص خاص امتیازات ہوتے ہیں، جو انھیں رنگ، نسل، لسانی اور جغرافیائی حدود کے ساتھ ساتھ فکر و تدبر، طرز بود و ماند، عقل ودانش اور علم وعمل میں ایک دوسرے سے الگ کرتے ہیں، اور یہ چیزیں اقوام کے ملکی وطبعی حالات، تاریخی روایات، حکمران افراد کی ذہنیت وسلوک، مصلحین اور قائدین کے طرز عمل اور سیاسی اور معاشرتی نظام سے اثر پذیر ہوتی ہیں۔

[1] یہ مقالہ ''معارف'' اعظم گڑھ، دسمبر ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب مختلف قومیں ایک حکمران کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں تو مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر ایک شاندار تمدنی نتیجہ پیدا ہونا لازمی امر ہے۔ عباسیوں کی سلطنت سندھ سے لے کر تونس، مراکش اور الجزائر تک کے وسیع رقبہ پر محیط تھی، جس میں مختلف قومیں آباد تھیں، جن کے خصائص جدا جدا تھے، اس لیے یہ تمام خصائص عباسی معاشرت، سیاست، عقائد اور علوم و آداب پر بہت حد تک اثر انداز ہوئے۔

پھر ان مختلف اقوام کے ازدواج، اختلاط اور امتزاج سے ایک ایسی نسل پیدا ہوئی۔ جو قومیت اور خون کے اعتبار سے مختلف قوموں کے اوصاف کی حامل تھی۔

اس سلسلے میں یہ ذکر کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ حرم میں آزاد اور شریف النسل عورتوں کے ساتھ ساتھ لونڈیوں کا رواج بھی تھا۔ اس رواج کو اس لیے زیادہ مقبولیت ہوئی کہ شریف عورتوں کے مقابلہ میں لونڈیوں کا رکھنا بہت زیادہ آسان تھا۔

اس اختلاط کا اثر محض نسلی امتزاج تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ شعر و سخن، علم و ادب اور سیاست و معاشرت وغیرہ کوئی شعبہ اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ عربی شاعروں نے فارسی تغزل کا رنگ اڑایا، جاہلی شاعری میں شراب اور محبوبہ کا ذکر ہے، مگر عباسیوں کے عہد میں فارسی اثر نے اس میں جو آب و رنگ پیدا کر دیا وہ زمانہ جاہلیت کی شاعری میں مفقود نظر آتا ہے، اسی طرح فارسی شعراء نے عربی اسلوب اور قافیہ کو اپنا لیا۔ نثر میں حکمائے یونان اور فارس کے مقولے بکثرت جمع ہو گئے۔

مذہبی حلقے بھی ان اثرات سے متاثر ہوئے۔ یہودیوں، عیسائیوں، زرتشتیوں، اور مجوسیوں وغیرہ کے اجتماع و اختلاط نے عقائد میں جدتیں پیدا کیں۔ علمائے اسلام نے ان کی روک کے لیے علم کلام پیدا کیا اور استدلال کو نئے سانچہ میں ڈھالا، مناظروں اور مباحثوں نے نیا رنگ اختیار کیا۔[1]

فارسی ثقافت

عباسی تہذیب میں بہت سی ثقافتیں کارفرما تھیں۔ ان میں ایرانی، یونانی اور ہندی

[1] محمود شاکر، التاریخ الاسلامی: ۵/۱۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قابل ذکر ہیں۔ ان مختلف اقوام کے جذبات وخیالات، مختلف علمی استعدادوں اور قابلیتوں، مختلف زبانوں اور ان کے محاورات نے عربی ادب اور ثقافت میں نمایاں انقلابات پیدا کیے۔ فارسی ثقافت خصوصیت کے ساتھ سب ثقافتوں سے زیادہ اثر انداز ہوئی، یہاں تک کہ اموی عہد کو عربی حکومت سے اور عباسی عہد کو فارسی حکومت سے تعبیر کیا جانے لگا۔[1]

وزارت

فارسی تہذیب وثقافت پر پہلا اثر یہ ہوا کہ عباسی دربار میں ایک نئے عہدے کی بنیاد رکھی گئی، اس سے پہلے عربی تہذیب وتمدن اس عہدے سے بالکل ناآشنا تھا۔ عرب اس لفظ سے واقف تو تھے اور اس کو اپنے کلام میں استعمال بھی کرتے تھے، مگر ان خاص معنوں میں یہ چیز عربوں کے ہاں مفقود تھی۔ عباسیوں کے عہد میں یہ لفظ اپنے خاص اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوا اور عہدہ وزارت اپنے خاص فرائض وحقوق کے ساتھ معرض وجود میں آیا۔

اس عہدے کے متعلق یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اکثر وزراء عجمی منتخب ہوئے۔ وزیروں کے مختلف فرائض اور ذمہ داریاں تھیں۔ بعد میں ہر شعبہ کے لیے علیحدہ علیحدہ وزیر مقرر ہونے لگے۔

وزیر کے لیے ضروری تھا کہ وہ بہترین ادیب ہو، نظم ونسق کی قابلیت رکھتا ہو، فہم رسا کے ساتھ وسیع معلومات رکھتا ہو۔ اس کے علاوہ وزیر کو ایک کاتب یعنی سیکرٹری بھی ملتا تھا۔ اس سے کاتبوں کی ایک جماعت پیدا ہوگئی، جو بڑے صاحب قلم ثابت ہوئے۔ کاتب بھی اکثر وبیشتر عجمیوں ہی سے پیدا ہوئے۔

اس جماعت نے علم وادب پر بھی تسلط جما لیا اور اپنے درسی علوم وفنون کو عربی زبان میں منتقل کرنا شروع کر دیا۔[2]

یہاں اس بات کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس دور میں بہت سی کتابیں

[1] علی حسون، عوامل انہیار الدولۃ العباسیہ، ص:۱۳۸

[2] محمد الخضری، الدولۃ العباسیہ، ص:۸۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کاتبوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے لکھی گئیں جو ''ادب الکاتب'' اور ''ادب الکتاب'' کے ناموں سے مشہور ہوئیں۔

علماء کے اس گروہ نے فارسی علوم کو عربی زبان میں منتقل کرنے میں بڑی سرگرمی کا اظہار کیا۔ فارسی حکماء کے اقوال، فارسی ادب کی کتابیں وغیرہ ہر دلچسپ ادب کو عربی میں منتقل کرنے کی کوشش کی۔

بغداد کے دارالخلافہ بنتے ہی وہ فارسی تہذیب وتمدن کا مرکز قرار پا گیا۔ خلفائے عباسیہ نے عجمی خواتین کو اپنے حرم میں لیا، اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ عباسیوں کے رجحانات فارسیوں کی طرف مائل ہو گئے۔

اس عہد میں بہت سے فارسی الفاظ عربی میں مستعمل ہونے لگے، عجمیوں نے عربوں کو نزاکت خیال بخشی۔

ایرانی قدیم زمانہ سے شراب وکباب اور نغمہ وسرود کی جانب بہت مائل تھے، بلکہ یہ چیزیں ان کی زندگی کا جزو بن چکی تھیں، اس لیے انھوں نے ان چیزوں کو عربی اشعار وکلام میں پیش کیا۔

شعرائے جاہلیت کے کلام میں بھی شراب وعشق کا ذکر ہے، مگر طرفہ اور امرؤالقیس اور ابونواس، صریع الغوانی اور بشار کی لطافت بیان میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اسی طرح عباسیوں کے قبل کے عربی شعراء نے بھی زہد وتقشف اور زندگی کی بے ثباتی کا ذکر کیا ہے، مگر جو شے ابوالعتاہیہ نے پیش کی وہ کچھ اور ہی حیثیت رکھتی ہے۔

عربی ادب میں بھی حیوانات اور حشرات کی زبانی حکایات واقوال موجود تھے، مگر اس دور میں تراجم کی وجہ سے بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا، ان میں کلیہ ودمنہ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔[1]

عربی ادب پر فارسی اثر کا ذکر علامہ ابن خلدون نے اپنے مشہور مقدمہ میں بھی کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ اسلامی علوم کے حامل قطع نظر اس سے کہ وہ علوم شرعی ہوں یا عقلی،

[1] البلاذری، فتوح البلدان، ص: ۲۹۴ و محمد بیومی، دراسات فی تاریخ العرب القدیم، ص: ۳۴۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اکثر و بیشتر عجمی ہیں۔ اگر بعض نسبت کے لحاظ سے عربی ہیں تو زبان، تربیت اور اساتذہ کے اعتبار سے عجمی۔[1]

ہندوستانی ثقافت

ہندوستانیوں اور عربوں کے تعلقات ظہور اسلام کے بہت پہلے سے چلے آتے ہیں۔ اسلام کے سرزمین ہند پر قدم رکھنے سے بہت پہلے عربوں اور ہندوستانیوں میں تجارتی تعلقات قائم تھے۔ چنانچہ عربی لٹریچر میں ''ہند'' کا لفظ مختلف صورتوں اور شکلوں میں ملتا ہے۔

جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور مسلمانوں نے اسلام کا جھنڈا سرزمین فارس پر لہرایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہندوستان کے حالات سے واقفیت حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ تاریخی اور جغرافیائی معلومات حاصل کرنے کے لیے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک تحقیقاتی وفد ہندوستان بھیجا۔ یہاں اس امر کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے وسائل آمد ورفت کے پیش نظر یہ پہلا اسلامی وفد جو علمی تحقیقات کے لیے ساتویں صدی عیسوی میں ہندوستان آیا، اپنی تحقیقات کو سندھ کے علاقہ مکران تک محدود رکھنے پر مجبور ہوا۔ بہت ممکن ہے کہ وسائل آمد ورفت کی تکالیف کے ساتھ اس وقت کی ملکی وسیاسی مصلحتیں اور ہندوستانی حکام کی طرف سے عائد کردہ پابندیاں بھی اس وفد کے آگے بڑھنے سے مانع ہوئی ہوں۔ بہرحال اس وفد نے اپنی تحقیقات کو مندرجہ ذیل الفاظ میں خلیفہ کے سامنے پیش کیا:

> ''ملک میں پانی کی قلت ہے، پھلوں میں ردی قسم کی کھجور پیدا ہوتی ہے، چور اور ڈاکو بڑے دلیر ہیں، راہزنوں کا یہ عالم ہے کہ اگر ایک قلیل جماعت اس ملک میں داخل ہو تو ڈاکو انھیں لوٹ لیں، اور پیداوار کی قلت کا یہ حال ہے کہ اگر مسافر کثیر تعداد میں کارواں در کارواں اس ملک میں داخل ہوں تو بھوکوں مرجائیں۔''[2]

---

[1] ابن خلدون، المقدمہ،ص:۱۲۹

[2] الدینوری، أخبار الطوال،ص:۳۲۱ والحموی، معجم البلدان:۱۸۰/۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد بنو امیہ کے عہد حکومت میں حجاج کے حکم سے جواں سال محمد بن قاسم ثقفی نے ساحل کراچی کے بحری ڈاکوؤں کی سرکوبی اور ان کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کو روکنے کے لیے ہندوستان پر لشکر کشی کی اور ملتان تک فاتحانہ چلا آیا۔[1]

یہ واقعات ہندوستان اور عرب کے درمیان بہت سے خوش آیند نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔ عباسیوں کے عہد میں اسلامی مقبوضات کابل و کشمیر تک پھیل گئے۔

ان فتوحات کے ساتھ ساتھ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا دائرہ بھی بہت وسیع ہو گیا، خصوصاً سندھ اور اس کے قرب و جوار میں اسلامی دعوت کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔

قبول اسلام کے ساتھ یہ لوگ علم دوست بھی بن گئے اور علمی خدمت کے سلسلہ میں اپنی ناقابل فراموش یادگاریں چھوڑ گئے، جو اب تک کتابوں میں موجود ہیں۔

عربی علم و ادب کی تاریخ کا طالب علم ابوعطاء سندھی کے اشعار سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ علم لغت میں سندھی علماء نے کافی شہرت حاصل کی۔ عربی لغت ابن الاعرابی کے احسانات سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ شاید یہ سن کر تعجب ہوگا کہ عربی لغت کا یہ مایہ ناز عالم بھی ایک سندھی غلام ابو زید کا لخت جگر تھا۔ اسی طرح علم حدیث میں بھی سندھیوں کے کارہائے نمایاں نظر آتے ہیں۔ حافظ ذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں بہت سے سندھی محدثین کے حالات قلمبند کیے ہیں۔[2]

ہندوستانی عہد قدیم سے دنیا کی مشہور اور مہذب اقوام میں شمار کیے جاتے تھے اور ان کی تہذیب کو چین، روم، فارس اور یونانی تہذیب کے برابر درجہ حاصل تھا۔ صنعت و حرفت، علم و فن خصوصاً طب، نجوم اور ریاضیات میں ہندوستان کی بڑی شہرت تھی۔ ہندی فلسفے اور الٰہیات کو بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ علوم و فنون کے ساتھ ساتھ ہندوستانی کھیل بھی بہت مشہور تھے۔ فلسفیانہ اور حکیمانہ اقوال ہندوستانی ادب میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

---

[1] البلاذری، فتوح البلدان، ص: ۴۲۱

[2] الذہبی، تذکرۃ الحفاظ: ۱/۱۷۲، ۲/۵۱، ۸۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ہندوستانی فلسفہ الٰہیات کا تعلق صرف نظریات اور عقلیات تک محدود تھا، عملیات اور محسوسات سے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔ ہندوستانیوں کے عقائد میں جو شے مسلمانوں کے لیے تعجب کا باعث ہوئی، وہ عقیدہ تناسخ تھا۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں نے ہمیشہ علم دوستی، بلکہ علم پروری کا ثبوت دیا، کسی قوم کے علم کی تحصیل میں کبھی کوئی عار نہیں کیا، جس قوم اور جس ملک سے جو چیز اچھی ملی اسے صرف قبول ہی نہیں کیا بلکہ اس کو ترقی کے آخری زینے تک پہنچا دیا۔

ریاضی انھوں نے ہندوستانیوں سے حاصل کی، پھر اس میں اتنا کمال پیدا کیا کہ خود دنیا کے استاد کہلائے۔ عباسی عہد میں متعدد کتابیں ہندی سے عربی میں منتقل کی گئیں۔

عباسیوں نے ہندوستانی حکماء اور اطباء کو اپنے دربار میں عزت واحترام کی جگہ دی اور انعام واکرام سے نوازا۔

عباسیوں کے عہد میں ذوق علم بہت ترقی کر چکا تھا۔ تمام مشہور اور مفید کتابیں عربی میں منتقل ہو رہی تھیں۔ ہندی ادب کی بہترین کتابیں جو فارسی میں ترجمہ ہو چکی تھیں عباسیوں کے عہد میں فارسی سے عربی میں منتقل کی گئیں۔

ان اثرات کے علاوہ باہمی اختلاط اور میل جول سے عربی زبان میں بھی اضافہ ہوا۔ بہت سے ہندی الفاظ عربی زبان میں استعمال ہونے لگے، بالخصوص دواؤں، درختوں، پھولوں اور جانوروں کے نام۔

ہندوستانی خیالات بھی عربی ادب پر اثر انداز ہوئے۔ ہندی کی قصہ اور کہانیوں کی کتابوں کے عربی میں منتقل ہونے سے ادب میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔

اس موقع پر یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ شطرنج بھی عباسی دربار میں ہندوستانی ثقافت کی یادگار تھی۔ اس میں اختلاف ہو سکتا ہے کہ یہ کھیل عربوں نے فارسیوں سے سیکھا یا براہِ راست ہندوستانیوں سے، مگر اس میں کلام نہیں کہ یہ کھیل ہندوستانی دماغ کی پیداوار ہے۔[1]

---

[1] ابن العماد، شذرات الذہب: ۴/۱۹۳؛ ابن خلکان، وفیات الاعیان: ۴/۳۵۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یونانی ثقافت

یونان قدیم زمانہ سے ایک متمدن ملک تھا اور اسے بجا طور پر اپنے علوم وفنون اور ثقافت پر ناز رہا۔ یونان علم ودانش اور عقل وفکر کے میدان میں تمام ممالک واقوام سے سبقت لے گیا۔ یونانیوں نے طب، فلسفہ وحکمت، ادب، تاریخ، ریاضیات، سیاسیات اور فنون لطیفہ وغیرہ کا دنیا کو ایک مدت تک سبق دیا۔

یونانی ثقافت کے تین بڑے مرکز عربی ثقافت وادب پر زیادہ اثر انداز ہوئے، اس لیے ان اسکولوں یا مرکزوں کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے:

۱۔ جندیسابور: جندیسابور طب یونانی کا بہت بڑا مرکز تھا۔ اسلام سے پہلے اور بعد دونوں زمانوں میں اس نے بڑے بڑے مشاہیر اطباء پیدا کیے۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ عرب جاہلی کا مشہور طبیب حارث ابن کلدہ ثقفی بھی اسی اسکول کا سند یافتہ تھا اور اس حقیقت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں کہ عباسی دربار کے اکثر و بیشتر اطباء اسی اسکول کے تعلیم یافتہ تھے۔[۱]

اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ایک بہت بڑا ہسپتال بھی اس اسکول سے ملحق تھا، جہاں عملی تعلیم دی جاتی تھی، اس کے معلمین اور شیوخ میں ہندوستانی اہل فن بھی نظر آتے ہیں۔

۲۔ حران: ریاضیات اور بالخصوص علم ہیئت کا مرکز تھا۔

۳۔ اسکندریہ: ادب اور فلسفہ کا مرکز تھا۔ یونانی فلسفہ کی نشر واشاعت میں جس قدر اسکندریہ کو دخل ہے کسی اور اسکول یا مرکز کو نہیں، بہت سی کتب فلسفہ عربی زبان میں منتقل کی گئیں۔[۲]

عباسی عہد میں مترجمین کی ایک بہت بڑی جماعت نظر آتی ہے جو مختلف علوم کی

۱۔ جواد علی، المفصل: ۳۲۱/۱۵ و جمال الدین القفطی، اَخبار العلماء، ص:۱۰۶

۲۔ اس اسکول کا اثر اموی عہد میں بھی نظر آتا ہے۔ خالد بن یزید بن معاویہ کے حکم سے چند ایک کتابیں عربی میں منتقل ہو چکی تھیں۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں بھی اسکندری طبیب ابن اجبر کا پتہ چلتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتابیں عربی میں ترجمہ کرتی تھی۔ فلسفہ، منطق، طب، ہیئت، معاشرت وتمدن، غرض ہر علم کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔

تراجم کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے ان علوم کا گہرا مطالعہ کیا، یونانی ثقافت سے دلچسپی پیدا ہوگئی، مسلمان یونانیوں کے علوم، عقائد اور خیالات سے آگاہ ہوئے، یونانیوں کے طرز بیان، اسلوب تکلم اور طریق استدلال سے واقفیت حاصل ہوئی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے ان علوم کو عربی میں منتقل کر کے زمانے کے دستبرد سے محفوظ کر دیا، اپنے علم کلام کو زیادہ مضبوط کیا، یونانی حکماء وفلاسفہ کے طرز واسلوب کو بقدر ضرورت اپنالیا۔

یونانی ثقافت اسلامی فلسفہ اور تصوف پر بھی اثر انداز ہوئی، مگر اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ یونانی علوم ہمیشہ ثانوی حیثیت رکھتے تھے۔ مسلمانوں نے ان علوم کو اپنی کتابوں میں صرف اسی قدر جگہ دی جس قدر کہ ان کی افادیت کا تعلق تھا، غیر ضروری اور لاطائل مباحث کو نظر انداز کر دیا، صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ یونانی حکما کے اکثر نظریات کی تردید کی اور اس پر مستقل کتابیں لکھیں۔[1،2]

---

1. دکتور إحسان عباس، ملامح یونانیۃ فی الأدب العربی، ص:۱۰
2. تخریجِ مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اندلس میں اسلامی حکومت

جزیرۂ عرب کے شمال مغرب اور یورپ کے جنوب میں ہسپانیہ اور پرتگال کا علاقہ ہے۔ جو بحیرۂ روم کے کنارے ایک لمبا چوڑا جزیرہ نما ہے۔ یورپ اس ملک کو سپین کہتا ہے۔ پانچویں صدی عیسوی میں اس علاقے میں قبائل فندال فروکش ہوئے۔ ہسپانوی لوگوں نے ان قبائل کی نسبت سے اس علاقے کو فندلس کہنا شروع کیا۔ عربوں نے فندلس کو اندلس میں تبدیل کر دیا۔ تب سے یہ ملک عربوں کی تاریخ اور جغرافیہ میں اندلس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔[1]

فتح اندلس

موسیٰ بن نصیر کے ایک سپہ سالار طارق بن زیاد نے سن ۹۲ ہجری، سن ۷۱۰ عیسوی میں اندلس میں اسلامی پرچم لہرایا۔ اس زمانے میں ہسپانیہ پر شاہ راڈرک کی حکومت تھی جو کہ قوطی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ ہسپانیہ کے اکابر سلطنت بادشاہ سے بڑے دل برداشتہ ہو چکے تھے۔

انھوں نے اس جور وظلم اور استبداد سے نجات حاصل کرنے کے لیے افریقہ اور مراکش کے مسلمان حکمران اور فاتح موسیٰ بن نصیر سے مدد طلب کی۔ موسیٰ بن نصیر نے اپنے سپہ سالار طارق کو بھیج کر ملک کو فتح کر لیا۔ موسیٰ نے خود پیش قدمی کر کے ہسپانیہ کے دارالسلطنت طلَیطلہ پر قبضہ کر لیا۔ اس اثنا میں خلیفہ ولید کی طرف سے موسیٰ کو شام پہنچنے کا حکم ملا۔ چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور خود شام کو روانہ ہوا۔[2]

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۳/۳۲۱، عنوان: الاندلس

[2] ابن الاثیر، الکامل: ۴/۵۶۳، ۵۶۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں سے پہلے اہل ہسپانیہ پر حکومت کی طرف سے ہر قسم کا ظلم و جور اور سختی روا رکھی جاتی۔ مسلمانوں نے اپنی رعایا سے بڑا اچھا سلوک کیا۔ ملک میں عدل و انصاف قائم کیا۔ زندگی کے ہر شعبے میں نظم ونسق پیدا کر کے ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کر دیا۔

اندلس کے امیر

اندلس کی حکومت کا نظم ونسق چلانے کے لیے خلیفہ اپنا امیر مقرر کیا کرتا تھا اور بعض اوقات اس امیر کا تقرر والی قیروان بھی کر دیتا تھا۔ پہلے تو امیر اندلس اشبیلیہ میں رہا کرتا تھا۔ بعد میں اس نے قرطبہ کو دارالحکومت مقرر کر کے وہیں رہائش اختیار کی۔ جب بدقسمتی سے مضری اور یمنی گروہوں میں ان بن ہوگئی تو ہر ایک فریق کی یہ خواہش تھی کہ ان کا آدمی امیر ہونا چاہیے۔ آخر کار فریقین اس بات پر رضامند ہو گئے کہ ہر سال باری باری فریقین میں سے امیر مقرر ہوا کرے۔

سن ۱۲۸ ہجری، سن ۷۵۶ عیسوی میں مضری قبائل کا نمائندہ یوسف بن عبدالرحمٰن فہری امیر اندلس تھا۔ یہ امیر ایک سال کی مقررہ مدت کے بعد اپنے وعدے سے پھر گیا اور حکومت سے دست بردار ہونے سے منکر ہوگیا۔ یمنی قبائل نے احتجاج کیا لیکن یہ بدستور حکمرانی پر مصر رہا، یہاں تک کہ سن ۱۲۸ ہجری میں ایک اور امیدوار حکومت کے میدان میں اُتر آیا اور اس نے سارے ملک پر قبضہ کر کے اندلس کی تاریخ میں نئے باب کا اضافہ کیا، یہ عبدالرحمٰن الداخل تھا۔[1]

عبدالرحمٰن الداخل

یہ اموی شہزادہ معاویہ بن ہشام بن عبدالملک کا بیٹا تھا، جو اموی خاندان کے زوال کے بعد عباسی خلیفہ سفاح کے قتل وخون ریزی سے بچ کر بھاگ نکلا تھا، اور وفادار خادم بدر کو ساتھ لیے صحرانوردی کرتے کرتے افریقہ میں جا پہنچا۔ عبدالرحمٰن بڑا نڈر، دلیر اور عالی ہمت جوان تھا۔ اس وقت اس کی عمر اٹھائیس برس تھی۔ اس نے اندلس

[1] ابن الاثیر، الکامل: ۳۷۵/۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی حکومت کو مطمح نظر ٹھہرایا۔

اندلس میں یمنی اور مضری اختلافات کی وجہ سے بڑا انتشار رونما ہو چکا تھا۔ عبدالرحمٰن نے اس خانہ جنگی، سیاسی اضطراب اور بدنظمی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے خادم بدر کو اندلس روانہ کیا۔ اس وقت یمنی گروہ مضری قبائل سے برسرپیکار تھا۔ بدر نے یمنی گروہ کو آسانی سے ساتھ ملا لیا۔ جب امیر عبدالرحمٰن کو یمنی حلیفوں کی امداد و اعانت کا یقین ہوگیا تو وہ بربری قبائل کے ساتھ اندلس پر حملہ کر کے سن ۱۲۸ ہجری میں ملک کے بڑے حصے پر قابض ہوگیا۔ قرطبہ کو دارالحکومت بنایا اور خود اندلس کا امیر اکبر کہلایا۔

بنو امیہ کے خلفاء کی نسل سے وہ پہلا امیر تھا جو اندلس کی سرزمین میں داخل ہوا۔ اس لیے الداخل مشہور ہوا۔ اس کی عزیمت، استقلال، ہمت، جوانمردی اور بلند حوصلہ کی وجہ سے عباسی خلیفہ منصور، عبدالرحمٰن کو ''صقر قریش'' یعنی ''قریش کا شِکرا (باز)'' کہا کرتا تھا۔ امیر عبدالرحمٰن کی عزیمت و شجاعت کی روشن دلیل یہ ہے کہ اس نے یکہ و تنہا ایک ملک پر قبضہ کر کے ایک سلطنت کی بنیاد رکھی، پھر یہ سلطنت پونے تین سو سال تک اس کے خاندان میں رہی۔[1]

دشمن شکست کھانے کے بعد انتقامی جوش میں فرانس کے بادشاہ شارلیمان کے پاس پہنچے اور اسے ساتھ لے کر اندلس پر حملہ کر دیا، لیکن امیر عبدالرحمٰن نے شارلیمان کی اس مہم کو پسپا کر کے دشمنوں کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔

امیر عبدالرحمٰن الداخل ایک طرف تو تلوار کا دھنی تھا اور دوسری طرف بڑا مدبر، منتظم، دور اندیش، بلند ہمت، تیز فہم، بیدار مغز، عالی حوصلہ، عالم و فاضل اور باکمال و فیاض حکمران تھا۔ علم و فن کا بڑا قدردان تھا۔ شعر و ادب کا ذوق سلیم رکھتا تھا۔ اس کے عہد حکومت میں ملک نے بڑی ترقی کی۔ قرطبہ اور دوسرے بڑے شہروں میں مسجدیں، پل، حمام اور قلعے تعمیر ہوئے۔ قرطبہ کی شاندار جامع مسجد اسی عالی ہمت حکمران کی یادگار

[1] الصفدی، الوافی بالوفیات: ۱۸/ ۱۶۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اس مسجد کی تکمیل اس کے بیٹے ہشام اول نے کی تھی۔ عبدالرحمٰن اول کے عہد حکومت میں اندلس نے زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کی اور علوم و معارف کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔

اس کے زمانے میں کچھ عرصے تک تو عباسی خلفاء کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا رہا، لیکن سن ۷۷۳ عیسوی میں امیر عبدالرحمٰن الداخل نے خطبہ سے عباسی خلیفہ کا نام نکال دیا اور ۳۳ سالہ حکومت کے بعد سن ۱۷۲ ہجری، سن ۷۸۸ عیسوی میں وفات پائی۔[1]

امیر عبدالرحمٰن کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کا بیٹا ہشام اول حکمران بنا۔ اس نے سن ۷۸۸ عیسوی سے سن ۷۹۶ عیسوی تک حکومت کی۔ ہشام اول بڑا دیندار، نیک اور صالح حکمران تھا۔ اس نے قرطبہ کی جامع مسجد کی تکمیل کی۔

شارلیمان کے حملہ کو پسپا کیا اور ملک میں کتاب و سنت کو رواج دیا۔

ہشام کی وفات کے بعد اس کا بیٹا حکم اول تخت نشین ہوا۔ حکم اول بڑا بیدار مغز حکمران تھا۔ امور سلطنت میں بڑی دلچسپی لیتا۔ اس نے رعایا کے حالات سے باخبر رہنے کے لیے جاسوس مقرر کیے۔ وہ جاہ و حشم کا شوقین تھا۔ اس نے گھوڑوں اور غلاموں کو بکثرت جمع کیا۔ لشکر اور فوج کو منظم کر کے بہت سا اسلحہ اور سامان جنگ فراہم کرلیا۔ اس نے ۲۷ برس حکومت کرنے کے بعد اندلس میں اپنے خاندان کی حکمرانی کے لیے زمین بالکل ہموار کردی۔

حکم اول نے سن ۸۲۲ عیسوی میں وفات پائی۔

حکم اول کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عبدالرحمٰن (ثانی) مسند حکومت پر رونق افروز ہوا۔ وہ علوم و فنون کا قدردان تھا۔ اس نے بیرونی حملہ آوروں کو پسپا کر کے ملک کو فارغ البالی اور خوشحالی کی زندگی بخشی۔ جامع قرطبہ کی توسیع شروع کی۔ عبدالرحمٰن ثانی کے عہد میں سلطنت کے شان و شکوہ میں بڑا اضافہ ہوا اور تہذیب و تمدن کی نئی راہیں کھل گئیں۔

---

1. الصفدی، الوافی بالوفیات: ۱۸/ ۱۶۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس نے ۳۱ برس کی حکومت کے بعد سن ۸۵۲ عیسوی میں وفات پائی۔[1]

عبدالرحمٰن ثانی کے بعد اس کا بیٹا محمد تخت نشین ہوا۔ امیر محمد نے تقریباً ۳۷ برس حکومت کی، لیکن سارا وقت شورشوں اور فتنوں کو ختم کرنے میں صرف ہوگیا۔ اس نے باغیوں کو کچل کر ازسرنو طلیطلہ، برشلونہ، اشبیلیہ، سرقسطہ اور قرطاجنہ کو فتح کیا اور بحری بیڑا تیار کیا۔

اس نے سن ۸۸۶ عیسوی میں وفات پائی۔[2]

امیر محمد کے بعد اس کے دو بیٹے منذر سن ۸۸۶ عیسوی تا سن ۸۸۸ عیسوی) اور عبداللہ (سن ۸۸۸ عیسوی تا سن ۹۱۲ عیسوی) یکے بعد دیگرے حکمران بنے۔ ان کے عہد حکومت بھی شورسوں اور فتنوں کی نذر ہوگئے۔ عمرد بن حفصون کی بغاوت نے زیادہ خطرناک صورت اختیار کرلی، لیکن آخر کار شاہی افواج اسے کچلنے میں کامیاب ہوگئیں۔

امیر عبداللہ نے سن ۹۱۲ عیسوی میں وفات پائی۔[3]

عبدالرحمٰن الناصر ۳۰۰ھ تا ۳۵۰ھ = ۹۱۲ء تا ۹۶۱ء

سن ۳۰۰ ہجری، سن ۹۱۲ عیسوی میں امیر عبدالرحمٰن الناصر (ثالث) قرطبہ کے تخت حکومت پر بیٹھا۔ اس وقت سارا اندلس فتنہ وفساد کی نذر ہو چکا تھا۔ امیر عبدالرحمٰن اگرچہ اکیس بائیس برس کا نوجوان تھا، لیکن عزم واستقلال اور ہمت وجرأت میں نظیر نہ رکھتا تھا۔ اس نے بڑی بہادری اور شجاعت سے تمام داخلی فتنوں کو ایک ایک کرکے ختم کردیا۔ فساد اور بدامنی کو مٹا کر ملک میں امن وامان قائم کردیا۔ اس کی مستعدی اور ہمت دیکھیے کہ ایک طرف بربروں کی بغاوت کو فرد کیا، دوسری طرف عمرد بن حفصون کے حامیوں اور ساتھیوں کا سرکچل کر رکھ دیا۔ ملک کا کھویا ہوا وقار ازسرنو بحال کیا۔

[1] الصفدی، الوافی بالوفیات: ۸۴/۱۸

[2] الذہبی، تاریخ الاسلام: ۳۲۰/۲۰

[3] الذہبی، تاریخ الاسلام: ۳۴۱/۲۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حکومت کا نظم و نسق قائم کر کے رعایا کو امن و آسودگی بخشی۔ شاہراہوں پر پولیس کی چوکیاں قائم کیں۔ تمدنی اور معاشی ترقی کی طرف خاص توجہ دی۔ آب پاشی کا تسلی بخش انتظام کر کے زراعت کو بڑی ترقی دی، پھلوں کی پیداوار میں اضافہ کیا۔ تجارت، صنعت و حرفت اور علوم و فنون نے بڑا فروغ حاصل کیا۔ بیرونی ممالک میں بھی اس کی حکومت کا وقار بڑھ گیا اور مختلف ملکوں کے سفیر اور نمائندے آنے جانے لگے۔ اس کا انتقال سن ۳۵۰ ہجری، سن ۹۶۱ عیسوی میں ہوا۔[1]

الحکم الثانی: المستنصر باللہ ۳۵۰ھ تا ۳۶۶ھ = ۹۶۱ء تا ۹۷۶ء

اندلس کے عظیم المرتبت حکمرانوں میں سے تھا۔ اس کا عہد حکومت سب سے زیادہ پرامن اور خوشحال تھا۔ اس کے زمانے میں قرطبہ ایک علمی مرکز کی حیثیت سے بہت مشہور ہوا۔ اس کے دور حکومت میں ولندیزیوں نے سن ۳۶۰ ہجری، سن ۹۷۱ عیسوی میں حملہ کیا، مگر منہ کی کھائی۔

وہ بڑا علم پرور اور علماء کا قدردان تھا۔ وہ علماء کو کتابیں لکھنے کی ترغیب دیتا تھا۔ اس نے دوسرے ملکوں سے کثیر تعداد میں کتابیں خرید کر اپنے کتاب خانے میں جمع کر رکھی تھیں۔ اس نے بہت سے نمائندے مقرر کر رکھے تھے جو نایاب اور کارآمد کتابیں خلیفہ کے لیے فراہم کرتے رہتے تھے۔ اس نے قرطبہ کے اپنے محل میں ایک دارالکتب قائم کیا۔ جس میں چھ لاکھ کتابیں جمع کیں۔ ان کتابوں کے نام چوالیس جلدوں پر مشتمل فہرست میں درج تھے۔ اس طرح خلیفہ حکم مشرقی ممالک میں وفود بھیج کر کتابوں کی نقلیں حاصل کیا کرتا تھا۔ صرف ایک کتاب "الاغانی" مؤلف ابوالفرج اصفہانی ایک ہزار دینار (سونے کا سکہ) کے عوض حاصل کی تھی۔ خلیفہ نے کتابوں کی نقلوں اور جلد سازی کے لیے بڑے ماہر کاتب اور جلد ساز بھی جمع کر رکھے تھے۔

خلیفہ علوم و فنون کی ترقی میں مصروف تھا لیکن بعض خود غرض سرداروں اور

[1] ابن الاثیر، الکامل: ۸/۳۷۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عہدے داروں نے اقتدار حاصل کر کے سلطنت پر قبضہ کرنے کی ٹھان لی۔

ہشام بن حکم

خلیفہ حکم نے سن ۹۷۶ عیسوی میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا نابالغ بیٹا ہشام بارہ برس کی عمر میں تخت حکومت پر بیٹھا، لیکن سارے اختیارات اس کی ماں کے ہاتھ میں تھے۔ حکومت کا سارا نظم ونسق محل کے داروغہ محمد بن ابی عامر المنصور کے سپرد تھا۔

ابن ابی عامر نے آہستہ آہستہ حاجب اور وزیر کے عہدے سنبھال لیے، ہشام صرف نام کا خلیفہ تھا۔ کاروبار سلطنت ابن ابی عامر کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ سکے پر بھی خلیفہ ہشام کے نام کے ساتھ ابن ابی عامر کا نام درج ہونے لگا۔ خطبہ میں بھی اس کا نام لیا جاتا تھا۔

ابن ابی عامر نے فوج کو از سر نو منظم کر کے عیسائی سرداروں کو پے در پے شکستیں دیں۔ فرانس کے اقتدار کو آس پاس کے جزیروں سے ختم کر دیا اور افریقہ پر چڑھائی کر کے بہت سا حصہ اپنے قبضے میں لے لیا۔

اس نے اپنے لیے ایک شہر بسایا اور اس کا نام ''الزھراء'' رکھا اور لقب منصور مشہور ہوا۔[1]

ابن ابی عامر کی وفات کے بعد اس کے بیٹے مظفر اور پھر عبدالرحمٰن سلطنت کا کاروبار چلاتے رہے۔ لیکن اندلس میں اموی خلافت کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ ہر طرف فتنہ وفساد اور بدنظمی وانتشار نے سر اُٹھایا۔ بربر، عرب اور اندلسی مسلمان جنگ اقتدار کی نذر ہو گئے۔ ہر طرف فساد اور قتل وغارت گری شروع ہو گئی اور مسلمانوں کی شان وشوکت کا جنازہ مسلمانوں نے اپنے ہاتھ سے نکال دیا۔ بنو عباد اشبیلیہ اور مغربی اندلس کے حاکم بن گئے۔

بنو ذی النون طلیطلہ میں خودمختار ہو گئے۔ بنو نصر نے غرناطہ کی حکومت سنبھال لی۔ اس کے علاوہ اور کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو گئیں۔

---

[1] الصفدی، الوافی بالوفیات: ۳/۲۵۳، ۲۵۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرطبہ کی شان وشوکت

اموی امراء اور خلفاء بالخصوص عبدالرحمٰن الداخل، عبدالرحمٰن الناصر (ثالث) اور حکم ثانی نے قرطبہ کی شان وشوکت میں بڑا اضافہ کیا۔ بڑے بڑے محلات، شاندار عمارتیں، خوبصورت اور وسیع مسجدیں، سرسبز وشاداب باغات اور نہایت نفیس حمام تعمیر کیے گئے۔ شہر کی شادابی اور رونق کے لیے پانی کی فراوانی کا انتظام کیا گیا۔ شہر کے اکثر حصوں میں فوارے قرطبہ کے حسن و جمال میں اضافہ کرتے تھے۔ صاف ستھرا شہر، پختہ بازار اور گلی کوچے۔ بازاروں اور منڈیوں میں تجارت کی وجہ سے ہر وقت ریل پیل رہتی تھی۔ صنعت و حرفت نے شہر کی رونق میں چار چاند لگا دیے تھے۔ قرطبہ میں ہر قسم کی سہولت میسر تھی۔

ہزار ہا دکانیں، سینکڑوں مساجد اور حمام شہر کی رونق کو دوبالا کرتے تھے۔ شہر میں روشنی کا معقول انتظام تھا۔ دس بارہ میل تک چراغوں کی قطار رات کو دن بنا دیتی تھی۔

خلیفہ کا محل صنعت وکاریگری کے لحاظ سے عجائبات کا نمونہ تھا۔ قرطبہ کی جامع مسجد بھی حسن و جمال اور تزئین اور آرائش میں قابل دید تھی۔ اس مسجد کو عبدالرحمٰن اول نے شروع کیا اور بعد کے خلفاء اس کی تکمیل وتوسیع اور تزئین و آرائش میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔

بالآخر یہ مسجد مسلمانوں کی صناعی کا ایک حیرت انگیز نمونہ بن گئی۔ مسجد میں سنگ مرمر کے بارہ سو ترانوے ستون تھے۔ چھت دس گز اونچی تھی۔ اس کے وسط میں ایک جواہر نگار شمع دان تھا۔ جس میں مومی اور کافوری شمعیں روشن ہوتی تھیں۔ تین سو خادم عنبر وعود جلانے اور روشنی کا انتظام کرنے کے لیے مقرر تھے۔ سات برس کی محنت سے ایک بیش بہا منبر تیار ہوا جو قیمتی لکڑی، ہاتھی دانت، سیپ کے ٹکڑوں اور بیش بہا قیمتی جواہرات سے تیار کیا گیا تھا۔

قرطبہ کی یونیورسٹی اور شاہی دار الکتب بھی شہر کی شان وشوکت کا موجب تھے۔[1]

[1] یاقوت الحموی، معجم البلدان: ۴/ ۳۲۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مدینۃ الزہراء

خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر (ثالث) جہاد اور غزوات سے فارغ ہو کر شاندار عمارات اور محلات کی تعمیر کی جانب متوجہ ہوا۔ اس نے ایک محل "قصر الروضۃ" کے نام سے بنایا، اس طرح خلیفہ الناصر نے قرطبہ سے باہر چند میل کے فاصلے پر ایک اور محل تعمیر کیا جس کا نام اپنی بیوی کے نام پر ''الزہراء'' رکھا۔ یہ قصر الزہراء عجائبات کا نمونہ تھا۔

اس کی تعمیر سن ۹۳۶ ـ عیسوی میں شروع ہوئی اور پچیس برس تک دس ہزار مزدور اور معمار کام کرتے رہے۔ خلیفہ الناصر کے بعد اس کے بیٹے کے عہد میں یہ محل پایہ تکمیل کو پہنچا۔

اس عظیم الشان محل میں سنگ مرمر کے چار ہزار تین سو ستون اور چار سو کمرے تھے۔ دالانوں میں سنگ مرمر کا فرش بچھایا گیا تھا۔ دیواروں پر سنگ مرمر کی استرکاری تھی۔ محل کے دالانوں میں ایک ہزار فوارے لگائے گئے تھے۔ فواروں کا پانی چھوٹی چھوٹی نہروں میں بہتا ہوا حوضوں میں جا گرتا تھا۔ صندل کے دروازوں پر آبنوس، ہاتھی دانت اور جواہرات سے گل کاری کی گئی تھی۔ پھر باغوں اور چمن زاروں نے ایک بہار پیدا کر رکھی تھی۔ غرضیکہ یہ محل انسانی صناعی اور دستکاری کا ایک حیرت افزا نمونہ تھا۔ خلیفہ نے کرسی حکومت کے لیے اس محل کو منتخب کیا۔

سفیروں کی آمد ورفت سے بڑی چہل پہل رہنے لگی اور محل کے اردگرد مکانات نے ایک نیا شہر بسا دیا۔ یہ شہر ''مدینۃ الزہراء'' کے نام سے مشہور ہوا۔[1]

ملوک الطوائف

امیر عبدالرحمٰن اول (الداخل) کی قائم کردہ اموی حکومت کے مٹتے ہی سارا ملک انتشار و بدنظمی کی نذر ہو گیا۔ اندلس کا ملک کوئی بیس چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں منقسم ہو گیا۔ غرناطہ، قرطبہ، ملاغہ، ساراگوسا، طلیطلہ، اشبیلیہ وغیرہ میں الگ الگ خودمختار حکومتیں قائم

[1] ابن الاثیر، الکامل: ۶۷۴/۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو گئیں۔ جن کے حکمران ملوک الطوائف مشہور ہوئے۔

ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں لڑائی جھگڑے بھی ہوتے رہتے تھے۔ انجام کار بعض پر تو شمالی علاقے کے عیسائی سرداروں نے قبضہ کرلیا اور بعض کو مرابطین اور موحدین نے مٹا دیا۔

یہ بات بڑی حیرت افزا ہے کہ اس بدنظمی اور انتشار و اضطراب کے زمانے میں بھی شعر و ادب اور علم و فن کی ترقی برابر جاری رہی۔ ملوک الطوائف خود عالم و فاضل تھے اور علوم و فنون کی قدردانی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ بنو عباد کی ریاست سب سے مشہور تھی۔ ان کا پایہ تخت اشبیلیہ تھا کچھ عرصے کے بعد جب بنو عباد نے قرطبہ پر بھی قبضہ کرلیا تو اندلس میں ان کو بڑی نمایاں اور ممتاز حیثیت حاصل ہوگئی۔ اس خاندان کا بڑا نامور حکمران معتمد تھا۔ معتمد سیاسی قوت و سطوت کے ساتھ علمی اور ادبی ذوق و قدردانی میں سارے اندلس میں یگانہ تھا۔ بنو جہور نے تقریباً چالیس برس تک قرطبہ میں حکومت کی، لیکن بنو عباد نے انہیں مار بھگایا اور قرطبہ پر قبضہ کرلیا۔

بنو ہود اور بنو ذوالنون طلیطلہ پر حکمرانی کرتے رہے۔ بنو نصر غرناطہ میں اپنی شان و شوکت کا ڈنکا بجاتے رہے اسی طرح بلنسیا اور دیگر ریاستوں کے حکمران اپنی اپنی حکومت میں مست تھے، تا آنکہ گیارھویں صدی عیسوی کے آخر میں افریقہ کے بربروں نے آکر ان سب پر تسلط جمالیا۔

مرابطین

مرابطین ابتدا میں دیندار اور بہادر بربروں کی ایک جماعت کا نام تھا، جس نے کچھ عرصے کے بعد شمال مغربی افریقہ میں طاقتور حکومت قائم کرلی تھی۔ یوسف بن تاشفین (سن ۱۰۶۱ء عیسوی، سن ۱۱۰۶ء عیسوی) اس خاندان کا سب سے طاقتور حکمران تھا۔ اس کے عہد حکومت میں مرابطین کی سلطنت اوج کمال پر تھی۔[1]

[1] الذہبی، تاریخ الاسلام: ۱۶/۳۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بنوعباد کے حکمران معتمد نے عیسائی حملے کی روک تھام کے لیے یوسف بن تاشفین سے مدد مانگی۔ وہ بارہ ہزار کا لشکر لے کر اندلس پہنچا۔ زلاقہ کے میدان میں بڑا معرکہ ہوا۔ عیسائی شکست کھا کر بھاگ گئے۔ جنگ کے بعد یوسف واپس چلا گیا، لیکن تھوڑا عرصہ بعد اس نے اندلس میں پہنچ کر اشبیلیہ اور غرناطہ وغیرہ ریاستوں پر قبضہ کرلیا۔

مرابطین مراکش میں بیٹھ کر اندلس پر حکومت کرتے تھے۔ اسی طرح بغداد کے عباسی خلیفہ نے اپنا اقتدار قائم کرلیا اور اس کی طرف سے یوسف بن تاشفین کو امیر المسلمین کا لقب دیا گیا تھا۔ خطبہ میں عباسی خلیفہ کا نام لیا جاتا تھا۔ مرابطین نے اندلس پر ستاون برس حکومت کی۔[۱]

موحدین ۱۱۴۷ء تا ۱۲۱۲ء

بربر کے ایک اور خاندان نے مرابطین کو نکال دیا اور خود حکمرانی کرنے لگے۔ یہ موحدین کہلاتے تھے۔ اس خاندان کا بانی محمد بن تومرت تھا جس نے مہدی ہونے کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ اس کے پیرو موحدین کہلاتے تھے۔ محمد بن تومرت کے جانشین عبدالمومن نے بڑی قوت حاصل کرلی اور سن ۱۱۴۷ عیسوی میں مراکش پر قبضہ کرکے مرابطین کو نکال باہر کیا۔

تین برس کے اندر اندر اس کا اقتدار اندلس میں بھی قائم ہوگیا۔ بعدازاں عبدالمومن نے طرابلس، تونس اور الجزائر کو بھی فتح کرلیا۔ موحدین عباسی خلیفہ کا خطبہ پڑھتے تھے اور نہ اس کی سیادت کے قائل تھے۔ عبدالمومن نے سن ۱۱۶۳ عیسوی میں وفات پائی۔

اس کا پوتا ابو یوسف یعقوب (سن ۱۱۸۴ عیسوی، سن ۱۱۹۹ عیسوی) بڑا نامور اور طاقتور حکمران ثابت ہوا۔ امیر ابو یوسف یعقوب نے اندلس سے عیسائی حکومت کو ختم کرنے کی بڑی کوشش کی اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے لیے ۱۸۰ جہازوں کا بیڑا بھی روانہ کیا۔ امیر یعقوب علوم وفنون کا قدر دان تھا۔ مشہور فلسفی ابن رشد، نامور طبیب ابن زھر اور

[۱] ابن خلدون، التاریخ: ۲۴۲/۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور شہرۂ آفاق فلسفی اور ماہر ریاضی و ہیئت ابن باجہ اسی کے عہد کی یادگار ہیں۔ امیر یعقوب نے مراکش میں ایک مشہور رباط بسایا۔ ملک میں نہریں بنوائیں۔ شفاخانے کھولے، اشبیلیہ میں ایک مینار سرخ اینٹوں سے تعمیر کیا۔ یعقوب کی وفات کے بعد اندلس میں اسلامی حکومت پر پھر زوال آ گیا۔[۱]

سلطنت غرناطہ

سلطنت غرناطہ کا بانی بنونصر کا سردار محمد بن یوسف (سن ۱۲۵۳۔عیسوی تا سن ۱۲۷۳۔ عیسوی) تھا جو ابن الاحمر کے لقب سے مشہور ہے۔ موحدین کے زوال کے بعد ابن الاحمر نے شہر غرناطہ پر قبضہ کرلیا۔ بعد میں اردگرد کے علاقے بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیے۔ اب سلطنت غرناطہ اچھی خاصی حکومت بن گئی تھی۔ ابن الاحمر بڑا ہوشمند، مدبّر اور لائق حکمران تھا۔ اس نے مراکش کے سلاطین سے تعلقات استوار کر کے ان کی مدد سے پرتگال اور کسٹائل کے بادشاہوں کو کئی لڑائیوں میں شکست دی۔

اس خاندان کو بنونصر اور بنو احمر بھی کہتے ہیں۔ ان لوگوں نے غرناطہ میں ۲۵۰ برس تک حکومت کی اور اس خاندان کے بیس اکیس حکمران یکے بعد دیگرے تخت حکومت پر بیٹھے۔

بنو احمر کے زمانے میں غرناطہ نے بڑی ترقی کی۔ یہ شہر تجارت اور صنعت وحرفت کا مرکز قرار پایا۔ ہزاروں مسلمان عیسائی علاقوں سے ہجرت کر کے غرناطہ میں آ بسے۔ غرناطہ کی آبادی کئی لاکھ تک پہنچ گئی۔ بنو احمر (بنونصر) نے غرناطہ میں بہت سے شاندار محل تعمیر کیے، مسجدیں، مدرسے اور شفاخانے بکثرت بنوائے، دل کشا باغات لگائے، غرناطہ میں علوم وفنون کے چرچے ہوئے اور بہت سے عالم وفاضل یہاں پیدا ہوئے۔[۲]

ابن الاحمر حکومت کا ایک شاندار کارنامہ قصر الحمراء کی تعمیر تھا۔ یہ شاندار محل غرناطہ

۱۔ عبدالواحد المراکشی، المعجب فی تلخیص اخبار المغرب، ص:۲۴۵ والذہبی، تاریخ الاسلام: ۳۶/۲۰۲

۲۔ الحموی، معجم البلدان: ۴/۱۹۵ والقزوینی، آثار البلاد، ص:۶۲۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی ایک پہاڑی پر تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ محل اندلسی مسلمانوں کے فن تعمیر کا ایک حیرت افزا نمونہ ہے۔ اپنی وسعت، محل وقوع، شوکت وعظمت، صناعی اور ہنرمندی کے لحاظ سے ایک لاجواب اور بے نظیر عمارت ہے۔ اگرچہ ابن الاحمر کے زمانے میں اس کی تعمیر ہو چکی تھی، لیکن اس کے جانشین الحمراء کی آرائش وتزئین اور حسن وجمال میں برابر اضافہ کرتے رہے۔ جا بجا گچ کی جالیاں، نقش ونگار، حوض اور فوارے اس کے حسن وجمال اور شان وشوکت کو دوبالا کرتے تھے۔[۱،۲]

---

۱ الزرکلی، الاعلام: ۷/۱۵۱؛ والحموی، معجم البلدان: ۲/۲۲۷

۲ تخریجِ مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تحریک خوارج، تاریخ اسلامی میں نیا فکر و عمل[1]

اسلام میں خارجیوں کی تحریک کئی اعتبار سے اہمیت رکھتی ہے۔ یہ ایک نیم سیاسی اور نیم مذہبی تحریک تھی۔ جو اسلام کے دور اول کی یادگار ہے۔ یہ تحریک اس لیے بھی اہم ہے کہ اس کا فکری اور نظری پہلو بہت ترقی پسندانہ دکھائی دیتا ہے۔ یہ اسلام میں پہلی منظم سازش تھی جس کی پیٹھ ٹھونکنے کے لیے بہت بڑی عسکری قوت حاصل کی گئی۔ اسی تحریک کی بدولت ہماری تاریخ پہلی مرتبہ نئے فکر و عمل سے روشناس ہوئی۔

تاریخی پس منظر

جب پیغمبر اسلام ﷺ اس دار فانی سے تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہ فرمایا۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں جانشین یا خلیفہ رسول ﷺ کے بارے میں اختلاف رونما ہونے لگا۔[2] عہد نبوی کے مسلمان اپنی قربانی اور ایثار کے سبب دو ناموں سے یاد کیے جاتے تھے۔ مہاجرین، یعنی وہ لوگ جنھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑا۔ دوسرے انصار، یعنی وہ لوگ جنھوں نے نبی ﷺ اور آپ کے مہاجر ساتھیوں کو اپنے ہاں جگہ دے کر بھائی چارے کی زندگی بسر کی۔

انصار کا یہ کہنا تھا کہ نبی کریم ﷺ تیرہ برس مکہ مکرمہ میں تشریف فرما رہ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، مگر چند مقدس اور پاکباز انسانوں کے سوا کسی نے آپ ﷺ کی آواز پر کان نہ دھرا، بلکہ دشمنان اسلام آنحضرت ﷺ کو تکلیفیں اور اذیتیں پہنچاتے رہے، مگر جب آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو اسلام چار دانگ عالم میں پھیلنے لگا۔ حکومت اور سلطنت کا قیام معرض وجود میں آیا۔ اسلام بحیثیت ضابطۂ حیات

[1] یہ مقالہ اورینٹل کالج میگزین، فروری ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا۔

[2] تفصیل کے لیے دیکھیے: پروفیسر عبدالقیوم، تاریخ اسلام، مکتبہ اسلامیہ، لاہور ۲۰۱۶ء، ص: ۲۴۶

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کے دنیا کے سامنے پیش کیا گیا۔ انصار سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ خوش رہے۔ ان وجوہ کی بنا پر خلیفہ رسول انصار میں سے ہونا چاہیے۔ اس خیال کے پیش نظر انصار نے بڑی جلد بازی سے کام لیا اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر اپنے میں سے خلیفہ منتخب کر لینا چاہا۔

دوسری جانب مہاجرین اپنے آپ کو خلافت کا حقدار سمجھنے میں حق بجانب تھے۔ انھوں نے اسلام کی راہ میں بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کیا اور قلت تعداد کے باوجود مخالفین اسلام کے مقابلے میں ڈٹے رہے۔ نیز انھیں یہ بھی خیال تھا کہ قریشی ہونے کی وجہ سے فضیلت و شرافت اور سرداری و حکومت انھی کے حصے میں آتی ہے۔

تیسری رائے یہ تھی کہ مہاجرین اور انصار الگ الگ اپنا امیر اور حکمران منتخب کر لیں۔[1] یہ پہلا موقع تھا کہ جب مسلمانوں میں سیاسی اختلاف رونما ہوا۔ تاریخ اسلام میں یہ بڑا نازک اور خطرناک موڑ تھا، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تدبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی دور اندیشی نے حالات پر کچھ اس طرح قابو پایا کہ اختلاف دب کر رہ گیا۔ بہر کیف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کا جانشین چن لیا گیا۔ ان کے بعد حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم باری باری مسند خلافت پر بیٹھتے رہے۔

خارجی تحریک جن کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں معرض ظہور میں آئی۔

تحریک کا پہلا دن

واقعات یوں ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اختلاف رونما ہو گیا، جو بڑھتے بڑھتے مخاصمت اور عداوت کی شکل اختیار کر گیا اور جنگ تک نوبت پہنچ گئی۔ دونوں کی فوجیں جنگ صفین لڑ رہی تھیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اعلان کر دیا کہ آؤ جنگ بند کر دیں اور قرآن مجید کو حکم بنا کر اس کے فیصلہ کو قبول کرنے کا اقرار کریں۔ فیصلہ یہ ہوا کہ دونوں کے نمائندے مل کر جو فیصلہ کریں وہ فریقین کو منظور ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نمایندہ

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۲/ ۶۵۹ والطبری، التاریخ: ۳/ ۲۰۳ والذہبی، تاریخ الاسلام: ۳/ ۱۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقرر ہوئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں ایک گروہ نے اس تجویز کی مخالفت میں آواز بلند کرتے ہوئے کہا کہ قرآن مجید کے احکام بڑے واضح اور ان کا مطلب بالکل صاف ہے۔ اس ضمن میں کسی حکم اور جج کی قطعاً ضرورت نہیں۔ چنانچہ اس گروہ نے "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" کا نعرہ بلند کیا، یعنی اللہ کا حکم ہی آخری اور قطعی ہے۔ یہ نعرہ برق رفتاری کے ساتھ فوج میں پھیل گیا اور ایک اچھی خاصی جمعیت نے اس نعرے کو اپنا لیا۔

ان لوگوں کا یہ مطالبہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حکم مقرر کرنے میں اپنی غلطی بلکہ کفر کا اقرار کریں اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو شرائط طے ہوئی ہیں ان سے رجوع اور توبہ کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو ہم ان کے ساتھ ہیں اور ان سے مل کر دشمنوں سے لڑیں گے، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بڑی مشکلات تھیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک سیاسی معاہدہ تھا، وہ اس سے روگردانی کیونکر کریں۔ اگر وہ عہد و پیمان کو نظر انداز کرتے ہیں تو ضمیر کی ملامت کے ساتھ جماعت میں انتشار اور پراگندگی کا ڈر ہے۔ دوسری جانب وہ کفر کا اقرار واعتراف کیوں کریں، جبکہ انھوں نے کسی کافرانہ یا مشرکانہ فعل کا ارتکاب نہیں کیا۔ ان لوگوں نے "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" کا نعرہ لگا لگا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بڑا ستایا، لیکن اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے استقلال وعزیمت میں سرمو فرق نہ آیا۔ جب یہ لوگ خلیفۂ وقت کے طرزِ عمل سے مایوس ہو گئے تو انھوں نے ایک مکان میں جمع ہو کر عوام کو خوب بھڑکایا اور کہا کہ وہ اس ظالم بستی کو چھوڑ کر کہیں اور جا آباد ہوں۔ چنانچہ سب لوگ کوفہ کے قریب حروراء نامی بستی کی طرف چل دیے اور اسی نسبت سے ان لوگوں کو حروریہ کہا جانے لگا۔ ان کے قومی نعرے کی نسبت سے انھیں مُحَكِّمَة بھی کہتے ہیں۔ اس گروہ نے عبداللہ بن وہب الراسبی کو اپنا امیر چن لیا۔[1]

[1] الذہبی، تاریخ الاسلام: ۳/۴۷۷ والدیار بکری، تاریخ الخمیس: ۲/ ۲۲۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خارجی کی وجہ تسمیہ

اس گروہ کو خارجی کہنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے حکومت وقت کے خلاف خروج یعنی علم بغاوت بلند کیا تھا، اس لیے خارجی یعنی باغی قرار پائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ کہتے تھے کہ ہم اپنا گھربار چھوڑ کر اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلے ہیں۔اس لیے ہم خارجی یعنی مہاجر اور مجاہد فی سبیل اللہ ہیں اور اپنے حق میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش کرتے تھے:

﴿وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ﴾[1] یعنی جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر گھربار چھوڑ کر نکل کھڑا ہوا اور اس دوران موت اسے آلے تو اس کا صلہ اور اجر اللہ کے ذمہ ہے۔

خارجیوں کو شُراۃ بھی کہتے ہیں، یعنی وہ لوگ جنھوں نے اپنی جان اللہ کی راہ میں بیچ دی۔ وہ قرآن مجید کی اس آیت سے استنباط کرتے ہیں:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾[2] یعنی بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جانوں کو اس کی راہ میں قربان کرنے کا عہد و پیمان کر کے میدان جہاد میں نکل آتے ہیں۔[3]

خارجی میدان کارزار میں

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی بغاوت اور شوریدہ سری کا علم ہوا تو انھوں نے لشکر کشی کرتے ہوئے نہروان کے مقام پر ان لوگوں کو آلیا۔ یہیں جنگ نہروان کا معرکہ پیش آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خارجیوں کو شکست دے کر ان کی بڑی بھاری جمعیت کو تہ تیغ کر ڈالا،[4] لیکن اس کے باوجود ان کا نام ونشان نہ مٹا سکے اور ان کے اندازِ فکر

---

[1] النساء:۴/۱۰۰

[2] البقرہ:۲/۲۰۷

[3] ابن منظور، لسان العرب:۱۴/۴۲۹

[4] الطبری، التاریخ:۵/۱۷۲ وابن سعد، الطبقات الکبریٰ:۳/۳۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا خاتمہ نہ کر پائے۔ اس ہزیمت نے خارجیوں کے دلوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغض و عداوت اور نفرت و حقارت کے جذبات کو تیز تر کر دیا۔ کمزور اور بے بس ہونے کی وجہ سے مردانہ وار میدان جنگ میں طاقت آزمائی کرنے سے تو رہے، البتہ اس دشمنی نے سازشوں اور خاموش فتنوں کی شکل اختیار کر لی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی جلالت قدر اور علو مرتبت کے باوجود اس سازش کا نشانہ بننے سے نہ بچ سکے۔

رفتہ رفتہ خارجی تحریک زور پکڑنے لگی اور عراق کے مشہور شہروں، یعنی کوفہ اور بصرہ سے نکل کر عالم اسلام میں پھیل گئی۔ یہ تحریک بنو امیہ کی حکومت میں ایک چبھتا ہوا کانٹا بن کر ہمیشہ کے لیے تکلیف اور پریشانی کا موجب بنی رہی۔ بنی امیہ کے مشہور و معروف سالار لشکر مہلب بن ابی صفرہ جیسے بہادر قائد ان کے خلاف برسوں صف آراء رہے۔ حجاج بن یوسف جیسے مدبر اور منتظم حاکم خارجیوں کے فتنے کو ختم نہ کر سکے۔

خارجیوں نے بنو عباس کو بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ ان کے عہد حکومت میں خارجی تحریک نے کرمان، سجستان، خراسان اور عراق میں بہت زور دکھایا۔ خلیفہ ہارون الرشید کو خراسانی خارجیوں نے سخت پریشان کیا۔ خلیفہ مامون کے عہد حکومت میں عراق اور خراسان میں خارجی شورشوں نے حکام کی ناک میں دم کر دیا۔ ابراہیم بن مہدی کے مختصر زمانہ خلافت میں بھی خارجیوں نے بغداد میں علم بغاوت بلند کر کے قصر خلافت میں ہلچل ڈال دی۔[1]

خارجی فکر و نظر

اب تک یہ مسلمہ امر تھا کہ اسلامی ریاست کا حاکم اعلیٰ یا امیر المومنین قریش میں سے ہو۔ جب اس بات میں خارجیوں نے پرانی ڈگر سے ہٹ کر سوچا تو انھوں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ امیر حکومت کے لیے قریشی ہونا قطعاً ضروری نہیں۔ ان کے نزدیک امیر المومنین کا انتخاب تمام آزاد بالغ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔ وہ جسے چاہیں اپنا امیر منتخب کر لیں۔ ان کی رائے میں ایک سیاہ فام حبشی غلام بھی امیر اور خلیفہ ہو سکتا ہے۔

[1] ابن حجر، فتح الباری: ۱۲/ ۲۸۵ و الصفدی، الوافی بالوفیات: ۱۱/ ۱۱ و الصلابی، الخوارج، ص: ۵۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر خلیفہ یا امیر اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرے تو اسے معزول بھی کیا جاسکتا ہے۔ امیر المومنین کے انتخاب اور معزولی کے بارے میں یہ بالکل نیا انداز فکر تھا۔ اب تک مسلمان اس قسم کے فکر و نظر سے بالکل غیر مانوس تھے۔ خارجیوں نے پہلی مرتبہ جمہوری انداز فکر کی داغ بیل ڈالی۔ اس گروہ نے اپنے اس نظریہ انتخاب کو عملی جامہ پہناتے ہوئے ایک غیر قریشی شخص یعنی عبداللہ بن وہب راسبی کو اپنا پہلا امیر منتخب کیا۔ یہ شخص بنواز د میں سے تھا۔[1]

اہل سنت یہ مانتے تھے کہ خلافت کے حقدار قریشی ہیں۔[2] دوسری جانب شیعہ حضرات اس حق کو اہل بیت تک محدود رکھنے کے قائل ہیں۔[3] خارجیوں نے دونوں گروہوں کے نظریے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور ساتھ ہی اس عہدے کے تقدس کو قائم رکھنے کے لیے معزولی کی انچ لگا دی۔ بنوامیہ اور بنوعباس کے خلاف اس نظری اختلاف کی بنا پر ہمیشہ میدان کارزار گرم رہا۔

خارجیوں نے خلافت کو اپنا موضوع بحث بنایا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت پر مہر تصدیق ثبت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پہلے دور کو درست قرار دیا، لیکن آخری دور کے بارے میں یہ فتویٰ صادر کیا کہ انھیں معزول کر دینا چاہیے تھا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی حق بجانب قرار دیتے ہوئے یہ کہا کہ ججوں کے تقرر میں ان سے غلطی سرزد ہوئی اور یہ غلطی انھیں کفر کی حدود میں لے گئی۔ اسی طرح ان لوگوں نے جنگ جمل میں شریک ہونے والے حضرات کو بھی ہدف طعن بنایا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر کفر کا فتویٰ لگایا۔[4]

ابتدا میں خارجیوں کی سوچ اور فکر کا مرکز و محور سیاست و خلافت تھا، لیکن خلیفہ

---

[1] الطبری، التاریخ: ۷۴/۵ و ابن حجر، الاصابہ: ۷۸/۵ و الصلابی، الخوارج، ص: ۶۰

[2] أحمد بن حنبل، المسند: ۱۲۳۰۷ و أبو یعلیٰ، المسند: ۴۰۳۲

[3] ابن حجر الہیثمی، الصواعق المحرقۃ: ۱۱۲/۱

[4] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳۲/۳ و الصلابی، الخوارج، ص: ۶۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عبدالملک بن مروان کے زمانے میں انھوں نے دینی معتقدات کو بھی موضوع غور وفکر بنایا اور ایمان وعمل کو زیر بحث لایا گیا۔[1]

خارجیوں نے نماز، روزہ اور صدق وعدل پر بڑا زور دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ایمان محض اعتقاد کا نام نہیں ہے، صرف ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کہہ دینا کافی نہیں، اس اقرار کے ساتھ تمام فرائض دین پر عمل ضروری ہے۔ نیز کبیرہ گناہ کا ارتکاب مسلمانوں کو کافر بنا دیتا ہے۔ خارجی لوگ مذہب کے بارے میں غور وفکر اور اجتہاد کے بھی قائل ہیں۔[2]

خارجیوں کی اخلاقی قدریں بھی کچھ کم جاذب نظر نہیں۔ بعض موقعوں پر ایک مسلمان کو موت کے گھاٹ اتار دینا عین کار ثواب سمجھتے اور ایک عیسائی کو بحفاظت تمام اس کے گھر پہنچا دینے کو اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری تصور کیا جاتا۔ ان کی اخلاقی قدروں کا یہ حال تھا کہ درخت سے گری ہوئی کھجور اٹھا کر منہ میں ڈال لینا جائز نہ سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ چند خارجیوں نے مل کر ایک درخت کی کھجوروں کا سودا کرنا چاہا۔ درخت کا مالک ایک ذمی یعنی غیر مسلم تھا۔ اس (مالک) نے کہا کہ آپ لوگوں کو جتنی کھجوریں درکار ہیں لے لیجیے۔ خارجی بولے کہ بغیر قیمت ادا کیے کھجوروں کو ہاتھ لگانا بھی ممکن نہیں۔ خارجیوں کے نزدیک جھوٹ بولنا بہت بڑا عیب تھا۔[3]

پہلی عوامی سازش

جب خارجی نوجوانوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی وحدت کا شیرازہ اندرونی خلفشار کی نذر ہو رہا ہے۔ اسلامی سلطنت شخصی رقابتوں اور ذاتی رنجشوں کی وجہ سے پارہ پارہ ہوا چاہتی ہے۔ چند افراد کا اختلاف ملت اسلامیہ کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دینے کے

[1] الطبری، التاریخ: ۶/ ۱۶۸

[2] ابن حجر، فتح الباری: ۱/ ۸۵

[3] الصلابی، الخوارج، ص: ۷۰

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

در پے ہے۔ایک جانب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں مسند خلافت پر تشریف فرما ہیں اور دوسری طرف دمشق اور اس کے گردونواح میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اقتدار اپنی الگ حکومت کا پتہ دے رہا ہے۔تیسری جانب مصر میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنی سیاست اور تدبّر کے باعث عسکری قوت کا بہت اہم مہرہ بنے بیٹھے ہیں۔خارجیوں نے کچھ اس انداز سے سوچا اور یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گئے کہ تمام ہنگاموں اور فتنوں کی وجہ یہی تین سیاسی شخصیتیں ہیں۔ان لوگوں نے طے کیا کہ اگر ان تینوں سیاسی رہنماؤں کو قتل کر دیا جائے تو اسلام اور ملت کی وحدت از سر نو قائم کی جا سکتی ہے، چنانچہ یہ قرار پایا کہ رمضان المبارک کی پندرہ تاریخ کو تینوں حضرات کو صبح سویرے مسجد میں نماز کے لیے داخل ہوتے وقت قتل کر دیا جائے۔اس قرار داد کے پیش نظر ایک آدمی کوفہ پہنچا، دوسرا مصر اور تیسرا دمشق۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اتفاقاً بیمار ہو گئے۔ان کی جگہ ان کا نائب خارجہ نامی شخص وقت مقررہ پر قتل ہوا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر تلوار کا وار تو ہوا لیکن خالی گیا۔البتہ ران سے اوپر کمر سے نیچے زخم آ گیا۔جس کی وجہ سے رگ حیات آفریں کٹ گئی۔اس حادثہ کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں کوئی اولاد نہ ہو سکی۔[1]

[1] الذہبی، تاریخ الاسلام:۳/۱۷۹ و ابن سعد، الطبقات الکبریٰ:۳/۳۶

[2] تخریج مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوارج کے مختلف فرقے

فکر وعمل کے اعتبار سے خارجیوں میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ نظریہ خلافت اور نظریہ ایمان پر تمام خوارج متفق اور متحد ہیں، لیکن زندگی کی دوسری تفاصیل میں ان کے درمیان اتنا اختلاف رائے ہے کہ وہ بیس کے قریب گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ ان بیس گروہوں میں سے چار گروہ تو خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

پہلے گروہ کا نام ازارقہ ہے۔ یہ لوگ نافع بن ازرق کے پیرو تھے۔ نافع بن ازرق کا شمار خارجیوں کے بہت بڑے مفکروں اور قانون دانوں میں ہوتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کے پیرووں کے علاوہ باقی تمام مسلمان کافر ہیں۔ اس نے اپنے متبعین کو حکم دے رکھا تھا کہ کسی دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ غیروں کا ذبح کیا ہوا گوشت نہ کھائیں۔ کسی غیر کے ساتھ رشتہ ناطہ نہ کریں۔ اس گروہ کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ جو آدمی جنگ میں لڑنے کی استطاعت اور طاقت کے باوجود شرکت سے گریز کرے اور میدانِ جہاد میں دادِ شجاعت دینے کے بجائے گھر کی چار دیواری کے اندر بیٹھا رہے اس کے کفر میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ ازارقہ کے نزدیک ایسے بزدل آدمی کی سزا قتل ہے اور اس کی جائیداد اور مال ودولت قابل ضبطی ہے۔[1]

دوسرا گروہ نجدات کے نام سے مشہور ہے۔ یہ لوگ نجدہ بن عامر کے مدرسہ فکر کو مانتے تھے۔ ان کا مشہور عقیدہ یہ ہے کہ دین دو چیزوں کا نام ہے: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی معرفت اور پہچان۔ اس گروہ کے نزدیک باقی تمام چیزیں حشو وزوائد کی حیثیت رکھتی ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ جمہور کے لیے ان دو چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز کا

[1] الشہرستانی، الملل والنحل: ۱/ ۱۱۸ والطبری، التاریخ: ۵/ ۶۱۵ وابن حجر، فتح الباری: ۸/ ۵۵۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاننا ضروری نہیں ہے۔ یہ گروہ کہتا تھا کہ جنگ میں شرکت قابل تعریف اور باعث فضیلت ضرور ہے، لیکن پیچھے رہ جانے سے کفر لازم نہیں آتا۔[1]

تیسرا گروہ صفریہ کہلاتا ہے۔ یہ لوگ زیاد بن اصفر کے پیرو تھے۔ ان کے عقائد زیادہ تر ازارقہ سے ملتے جلتے تھے۔ مذہب اور سیاست میں تشدد اور سخت گیری ان کا امتیازی نشان تھا۔ البتہ ان لوگوں میں اتنی لچک پیدا ہو چکی تھی کہ وہ جنگ میں شرکت نہ کرنے والے کو کافر نہ سمجھتے تھے۔[2]

چوتھا قابل ذکر مدرسۂ فکر اباضیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس فرقہ کے رہنما کا نام عبداللہ بن اباض تیمی تھا۔ یہ لوگ قدرے رواداری سے کام لیتے اور دوسرے مسلمانوں سے رشتہ ناطہ جائز سمجھتے تھے۔ امن پسندی اور صلح جوئی کی طرف زیادہ میلان تھا۔ غیر خارجیوں کو گردن زدنی اور کشتنی قرار نہ دیتے تھے۔ اس گروہ کے نزدیک عام مسلمانوں کی بستیاں دارالحرب شمار نہ ہوتی تھیں۔ البتہ وہ یہ ضرور کہتے تھے کہ جہاں غیر خارجی بادشاہ کی فوجوں کا قیام ہو وہ علاقہ دارالحرب یعنی دشمن کی سرزمین ہے۔ یہ فرقہ صلح کن روش اور مصالحانہ اندازِ فکر کی وجہ سے آج بھی خاصی تعداد میں شمالی افریقہ کے علاقوں میں پایا جاتا ہے۔[3]

خارجی مذہب کی پابندی بڑی سختی سے کرتے تھے۔ عبادت میں تشدد اور انہماک کا یہ حال تھا کہ نمازوں میں لمبے سجدوں کی وجہ سے ان کی پیشانیوں اور ہتھیلیوں پر سیاہ نشانات پڑ گئے تھے جس طرح کہ اونٹ کے سینے پر سیاہ داغ ہوتے ہیں۔ نماز روزوں کی پابندی کی وجہ سے عوام انھیں نمازی اور روزہ دار کے نام سے یاد کرتے تھے۔[4]

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ زیاد نے ایک خارجی کو قتل کر دیا۔ پھر اس کے خادم کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیسا آدمی تھا؟ خادم نے جواب دیا کہ وہ تو صائم الدھر تھا۔ ہمیشہ روزہ رکھتا۔

---

[1] الشہرستانی، الملل والنحل: ۱/۱۳۳ و الصفدی، الوافی بالوفیات: ۱۹/ ۵۷ و الزرکلی، الأعلام: ۸/۱۰

[2] أبو منصور الاسفرائنی، الفرق بین الفرق، ص: ۷۰ و الشہرستانی، الملل والنحل: ۱/ ۱۳۷

[3] عبدالعزیز بن محمد آل عبداللطیف، الاباضیۃ وحل ھم الخوارج، ص: ۵-۵۰ و الموسوعۃ المیسرۃ فی الادیان: ۱/ ۶۸

[4] ناصر بن علی الشیخ، عقیدۃ اھل السنۃ فی الصحابہ کرام: ۳/ ۱۱۶۹ و ابن حجر، الاصابہ: ۵/ ۷۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زندگی بھر کبھی دن کے وقت کھانا نہیں کھایا اور شب زندہ داری کا یہ عالم تھا کہ رات بھر جاگتا اور خدا کی عبادت کرتا رہتا۔ قیام اللیل میں عزیمت و احتیاط کا یہ حال تھا کہ کبھی بستر بچھانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔[1]

خارجی اپنے عقیدے میں بڑے پکے تھے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو تو ٹکسالی مسلمان سمجھتے۔ ان کی نیکی و بزرگی، عظمت و جلال اور خدمت و ایثار کا لوہا مانتے تھے۔ لیکن اتنے بے باک اور بے خوف تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر اور بلند مرتبت لوگوں کے افعال کو نہ صرف ناپسند کرتے تھے، بلکہ کفر تک کا فتویٰ لگا دینے سے نہ ہچکچاتے تھے۔ اس ضمن میں نہ تو ان لوگوں کی قربانی اور ایثار یاد کرتے، نہ رسول خدا سے رشتہ اور تعلق خاطر میں لاتے۔ بایں ہمہ اکابر اسلام نے اس گروہ سے بڑی رواداری برتی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مخالفت اور نہروان کے سخت اقدام کے باوجود یہ فرمایا کہ میرے بعد خارجیوں سے جنگ نہ کی جائے، کیونکہ ان لوگوں کا جرم صرف اس قدر ہے کہ وہ حق کی تلاش و جستجو میں نکلے، مگر راہ راست سے بھٹک گئے۔[2] حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جیسے مقدس انسان اور نیک دل خلیفہ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ مجھے اس بات کا علم ہے کہ خارجی لوگوں کا وجود دنیوی اغراض و مقاصد اور حصول عزت و جاہ کی خاطر معرض ظہور میں نہیں آیا، بلکہ ان کا ارادہ آخرت طلبی تھا۔ اس جد و جہد میں پاؤں ایسا پھسلا کہ آخرت کی راہ سے بہت دور ہٹ گئے۔

ابن عبدہٗ کی رائے ہے کہ خارجی سب فرقوں سے زیادہ بصیرت کے مالک تھے اور اجتہاد اور غور و فکر کے معاملہ میں سب سے آگے تھے۔

شجاعت اور بہادری

خارجیوں کی شجاعت و بہادری بھی کچھ کم حیرت افزا نہیں۔ میدان کارزار میں

[1] الذہبی، تاریخ الاسلام: ۴/ ۸ وخلیفہ بن خیاط، التاریخ ص: ۲۰۹

[2] ابن ابی شیبہ، المصنف: ۳۷۷۶۳ والبیہقی، السنن الکبریٰ: ۱۶۷۱۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بہادری کے وہ جوہر دکھاتے کہ اپنے تو اپنے پرائے بھی داد تحسین دیے بغیر نہ رہ سکتے۔ جب میدان جنگ میں اترتے تو شیروں کی طرح بے جگری اور دلیری سے لڑتے۔ آہنی عزم و ارادہ لے کر آگے بڑھتے۔ تلوار کی طرح دشمنوں کو کاٹتے ہوئے گزر جاتے۔ دشمنوں کی صفوں کو آگ کے شعلوں کی طرح اپنی لپیٹ میں لے کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتے۔ موت کے پیچھے یوں دوڑتے جیسے دنیا کا طالب زندگی کے پیچھے دوڑتا ہے۔ خارجیوں کا نظریہ زندگی یہ تھا کہ وہ جنگوں اور لڑائیوں کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ میدان جنگ ان کے لیے دلی راحت اور قلبی سکون کا باعث تھا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ اسلم بن زرعہ دو ہزار کا لشکر جرار لے کر خارجیوں کے مقابلہ میں نکلا۔ خارجیوں کی طرف سے چالیس آدمی ابو بلال کی سرکردگی میں میدان جنگ میں اترے۔ یہ چالیس خارجی اس بے جگری اور بے باکی سے لڑے کہ دو ہزار مسلح جوانوں کے دانت کھٹے کر دیے۔ اسلم کی یہ حالت تھی کہ جب کبھی بازار سے گزرتا، بچے اسے ستاتے اور آوازے کستے کہ وہ آیا ابو بلال۔[1]

بالکل اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دن حجاج نے حبیب بن عبدالرحمٰن حکمی کی زیر قیادت تین ہزار کا لشکر خارجیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ ادھر سے تیس خارجی مقابلہ پر نکلے اور اس دیوانگی سے لڑے کہ تین ہزار سپاہیوں کے ہوش و حواس گم کر دیے۔ چنانچہ حبیب کو یہ کہنا پڑا کہ اگر یہ خارجی تیس کے بجائے ایک سو تیس ہوتے تو آج ہمیں موت کے گھاٹ اتار دیتے۔[2]

مہلب جیسا بہادر سپہ سالار کہا کرتا تھا کہ مجھے ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا ہے جو ڈر اور خوف کا نام نہیں جانتے اور موت کا نام سن کر خوش و خرم اور شادکام ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ حجاج نے براء کو مہلب کے پاس بھیجا تاکہ وہ سالار لشکر کو اکسائے کہ وہ خارجیوں کے خلاف اقدام کو تیز تر کر دے۔ جب براء نے خارجیوں کو بے جگری سے لڑتے دیکھا تو مہلب کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ میں نے ان لوگوں سے بڑھ کر ثابت قدم، جم کر لڑنے

1۔ ابن الاثیر، الکامل: ۳/۱۱۱

2۔ الطبری، التاریخ: ۶/ ۲۷۷ و ابن الاثیر، الکامل: ۳/۴۶۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والے اور جنگ میں مصیبتوں کو برداشت کرنے والے لوگ کبھی نہیں دیکھے۔[1]

یہ بہادری اور جسارت صرف مردوں ہی کے حصے میں نہ آئی بلکہ عورتوں کو بھی اس کا بہرہ وافر ملا تھا۔ وہ جنگ میں مردوں کا ساتھ دیتی تھیں۔ ان کی عزیمت وبصیرت اور استقلال وہمت بھی قابل ستائش ہے۔ مصائب وتکالیف میں مردوں کی برابر کی شریک رہتی تھیں، بڑی سے بڑی آفت بھی ان عورتوں کی ہمتوں کو پست نہ کر سکتی تھی اور جابر سے جابر شخصیت کی موجودگی ان بہادر خواتین کے ہوش وحواس پر اثر انداز نہ ہو سکتی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک خارجی عورت کو گرفتار کر کے حجاج کے سامنے لایا گیا۔ وہ بڑی بے باکی سے حجاج کے ساتھ باتیں کرنے لگی۔ اس دوران ایک چھوٹے سے بچے کے رونے کی آواز نے آس پاس کے لوگوں کو ذرا پریشان کر دیا۔ وہ خارجی خاتون نہایت سکون اور وقار کے ساتھ بولی: اسے رونے دو۔ رونا بچوں کے لیے مفید ہے۔ رونے سے سینا چوڑا چکلا ہوتا ہے اور آواز میں مردانگی اور بلندی آتی ہے۔ جبڑے کشادہ ہو کر رعب وجلال اور ہیبت کا باعث بنتے ہیں۔ غور فرمایے کہ ایک عورت وہ بھی قید کی حالت میں، حاکم وقت کے سامنے کس انداز بے نیازی سے فلسفیانہ گفتگو کر رہی ہے اور حاکم بھی حجاج جیسا باجبروت شخص۔

حسن اتفاق کہیے کہ عوام کی طرح خارجی سالار اور قائد بڑے چالاک اور بہادر تھے۔ جنگ کی چالوں سے خوب باخبر اور بڑے مدبر ثابت ہوئے۔ سخت کوشی، جگرداری اور عزیمت وبصیرت کے ساتھ ساتھ ان کی وسعت معلومات، اطلاعات کی فراہمی اور فنون جنگ میں مہارت بڑی حیرت انگیز نظر آتی ہے۔ وہ خدعۃ الحرب، یعنی جنگی حیلہ سازی کو خوب سمجھتے تھے۔ دشمن کی فوجوں کو تھکا کرا کتا دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کرتب تھا۔ وہ اسلحہ کی فراہمی اور ذخیرہ اندوزی سے پورا فائدہ اٹھاتے، دشمن کے حالات سے باخبر رہنے کے لیے جاسوسوں کو مقرر کیا جاتا۔ دشمن کو شکستہ دل کرنے اور اپنی قوت غلبہ کا پروپیگنڈا کر کے مخالفین کی کمر ہمت توڑنے میں خارجی سالاروں کو ید طولیٰ حاصل تھا۔

[1] ابن الجوزی، المنتظم: ۶/۱۹۴ والطبری، التاریخ: ۶/۳۰۱ وابن الاثیر، الکامل: ۳/۲۶۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خارجی سالاروں میں شبیب، قطری، ابو بلال اور مرداس تینوں بہادری، جوانمردی اور شہسواری کے لیے ضرب المثل ہیں۔ شبیب بڑا زبردست، خوفناک اور بلند آواز سالار تھا۔ اس کی آواز میں اتنی ہیبت تھی کہ جب لشکر کے پہلو میں کھڑا ہوتا تو سپاہیوں پر سناٹے کا عالم طاری ہو جاتا۔ انھیں ہمت نہ پڑتی کہ ادھر ادھر دیکھیں۔ ایک شاعر نے شبیب کی خوفناک اور مہیب آواز کی قلمی تصویر کچھ یوں کھینچی ہے:

> ''اگر تو کسی دن اسے بولتا سنے تو یہ سمجھے کہ پہاڑ کی چٹان لڑھکتی ہوئی نیچے آرہی ہے، یا یہ کہ بڑی تند و تیز آندھی چل رہی ہے، یا تو یہ خیال کرے کہ سمندر کی موجیں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی ہیں۔''

جب شبیب قتل ہوا تو حجاج نے حکم دیا کہ اس بہادر انسان کا سینہ چیر کر دیکھنا چاہیے کہ یہ کتنے بڑے دل کا مالک تھا، چنانچہ شبیب کا سینہ چاک کر کے اس کا دل باہر نکالا گیا تو وہ اونٹ کے دل جتنا تھا۔ جب اسے زمین پر پٹختے تو فٹ بال کی طرح اوپر اچھلتا۔[1] اب قارئین خود اندازہ فرمائیں کہ شبیب کتنا خوفناک اور کس دل گردے کا انسان تھا۔

خارجی ادب

خارجیوں نے ایک خاص قسم کا ادب پیدا کیا۔ ان کے شعروں میں بھی زندگی کی سی حرارت اور گرمی موجود ہے۔ ان کے شاعر اور خطیب بڑے سحر طراز اور جادو بیان تھے۔ ان کے الفاظ اثر کیے بغیر نہ رہتے۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان خارجیوں کی سحر بیانی کی داد دیتے ہوئے کہتا ہے: مجھے گمان ہو چلا تھا کہ جنت انھی لوگوں کے لیے بنائی گئی ہے اور جہاد مجھ پر ان سے کہیں زیادہ فرض ہے، لیکن اللہ نے مجھے ثابت قدم رکھا اور میرے دل میں حجت اور دلیل ڈال دی کہ میں حق و صداقت پر ہوں۔

خارجی ادب و شعر ایک مستقل موضوع ہے جسے کسی اور فرصت پر اٹھا رکھا جاتا ہے۔ سردست چند اشعار کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ خارجی سالار

[1] ابن الاثیر، الکامل: ۳/۴۶۴ والذہبی، تاریخ الاسلام: ۴/۱۴۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قطری بن الفجاءۃ کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔ نامور شاعر گوئٹے نے اس نظم کا ترجمہ کرتے کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ایک بزدل سے بزدل انسان بھی ان شعروں کو پڑھ کر دیوانہ وار میدان جنگ میں کود پڑنے پر مجبور ہو جائے:

جب میرا دل بہادر شہسواروں کے خوف کے مارے ہوش وحواس کھو بیٹھا تو
میں نے اس سے کہا: ارے کمبخت! مت ڈر۔
کیونکہ اگر تو اپنی مقررہ زندگی سے ایک دن بھی زائد مانگے تو تیری التماس
درخور اعتنا نہیں سمجھی جائے گی۔
بہتر یہ ہے کہ میدان موت میں صبر سے کام لے، کیونکہ ہمیشہ کی زندگی
ناممکن ہے۔
بقاء و دوام عزت کی نشانی نہیں، اگر ایسا ہوتا تو پھر ہر ذلیل وکمینہ اور
ڈرپوک انسان اس دنیا سے اٹھا لیا جاتا۔
ہر انسان بلکہ ہر زندہ چیز کو موت کی راہ پر گامزن ہونا ہے اور یہی اس کا
انجام ہے۔ موت کی طرف دعوت دینے والا ساری کائنات کو اس طرف
بلانے والا ہے۔
جو آدمی جوانی میں نہیں مرتا تو زندگی سے تنگ آجاتا اور بوڑھا ہو جاتا ہے،
پھر انجام کار موت اس کا خاتمہ کر دیتی ہے۔
جب انسان کا وجود بیکار سمجھا جائے تو پھر اس کے لیے زندگی میں کوئی فائدہ
نہیں [1]

شعروشاعری کا بہرہ وافر خارجی عورتوں کے حصہ میں بھی آیا تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں خارجیوں کا سردار ولید بن طریف شاہی فوجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے یزید بن فرید کے ہاتھوں مارا گیا تو اس کی بہن لیلٰی نے بھائی کا مرثیہ لکھا جس کے چند

[1] الذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۴/۱۵۱ والصفدی، الوافی بالوفیات: ۲۴/ ۱۸۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اشعار کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

وہ ایسا جوانمرد تھا جسے تقویٰ کے سوا اور کوئی زادِ راہ پسند نہ تھا۔ نہ نیزہ و تلوار کے سوا کوئی اور مال و دولت پسند تھا۔

جب تک زندہ رہا بڑی سخاوت کرتا رہا۔ اس کی موت کے ساتھ سخاوت بھی ختم ہو گئی ہے۔

وہ زندگی بھر دشمنوں کے لیے وبال جان بنا رہا اور کمزور و ناتواں لوگوں کا ملجا و ماویٰ۔ اگر آج یزید بن فرید نے اسے ہلاک کر دیا ہے تو کیا ہوا، وہ بھی لشکروں کے لشکر تہ تیغ کر ڈالا کرتا تھا۔[1][2]

---

[1] ابن الاثیر، الکامل: ۵/۳۰۵ و ابن العماد، شذرات الذہب: ۷/۴۵۲

[2] تخریج مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عربی و فارسی ثقافتوں کا امتزاج

جب مختلف ملکوں اور عقیدوں کے لوگ آپس میں ملتے جلتے ہیں تو وہ ایک دوسرے سے تھوڑی بہت چیزیں ضرور لیتے ہیں۔ ان کے کھانے پینے کے طور طریقے، رہنے سہنے کے انداز، عقائد و عبادات، علم و ادب، ہنر و فن، اخلاق و عادات اور خیالات و افکار بھی کسی نہ کسی رنگ میں ایک دوسرے کے اثرات قبول کرتے ہیں اور یہی ثقافتوں کا امتزاج ہے۔

دور جاہلیت میں عربی ثقافت پر فارسی اثرات

عربوں اور فارسیوں کے باہمی میل جول کی داستان خاصی پرانی ہے۔ اسلام سے پہلے بھی دونوں قوموں کے آپس میں سیاسی تعلقات اور تجارتی مراسم تھے۔ حیرہ کی ریاست عربوں کی تہذیب وتمدن کا گہوارہ تھی۔ یہ ریاست فارس کی سرحد پر واقع تھی اور ایک لحاظ سے حیرہ کے لخمی حکمران کسرٰی ایران کے زیرنگیں تھے۔

ابن خلدون کا کہنا ہے کہ تجارتی تعلقات کی بنا پر حیرہ کے بہت سے لوگ فارسی زبان جانتے تھے، اسی طرح اہل فارس میں بھی عربی جاننے والے موجود تھے۔

شاہ بہرام گور کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ یونانی زبان کے علاوہ عربی بھی خوب جانتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ جب یزدگرد کی وفات پر بہرام اور اس کے بھائی میں تخت نشینی کے بارے میں جھگڑا ہوا تو عربوں نے اسی لسانی تعلق کی بنا پر بہرام کا ساتھ دیا۔

جب بہرام گور سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس نے بھی عربوں کے اس احسان کو فراموش نہ کیا۔[1]

---

[1] ابن خلدون، التاریخ: ۲/۳۱۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عربوں پر فارسی ثقافت کے اثرات زمانۂ جاہلیت میں بھی کچھ کم نہ تھے۔ اہل فارس میں قدیم زمانے سے مظاہر طبعی کی پرستش کا رواج چلا آتا تھا۔ نکھرا ہوا آسمان، روشنی، آگ، پانی اور ہوا سب ان کے نزدیک لائق عبادت سمجھے جاتے تھے۔ زرتشت نے آ کر مجوسیت کی تعلیم دی۔[1]

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام سے پہلے عرب قبائل میں مجوسیت اور مظاہر قدرت کی پرستش موجود تھی۔ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں ذکر کیا ہے کہ قبائل عرب اور بالخصوص بنوتمیم میں مجوسیت رواج پا چکی تھی اور مشہور ترین مجوسیوں میں زرارہ، حاجب بن زرارہ اور اقرع بن حابس کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[2]

فرزدق شاعر نے مہلب بن ابی صفرہ کی ہجو کہتے ہوئے اسے طعنہ دیا تھا کہ وہ آتش پرستوں کی اولاد ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بنوازد بھی آتش پرست تھے۔

ابن رستہ نے اپنی کتاب ''اعلاق النفیسہ'' میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں زندقہ بحیثیت عقیدہ عرب میں فارس سے بواسطہ اہل حیرہ داخل ہو کر قریش میں رواج پا چکا تھا۔ نیز اس کا کہنا ہے کہ عربوں نے فن کتابت بھی حیرہ کے فارسی باشندوں سے سیکھا تھا۔

جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور عرب فارس اور دوسرے ملکوں میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے تو بہت سے اہل فارس عرب گھرانوں میں مولیٰ، غلام یا جنگی قیدی کی حیثیت میں رہنے لگے۔ یہ نووارد لوگ اپنے ساتھ ادبی، اجتماعی اور اقتصادی اثرات لائے اور صنعت وحرفت کے علاوہ علوم وفنون میں بھی ان عجمیوں نے گہرے نقوش مرتسم کیے۔

اموی دور اور عربوں پر فارسی اثرات

بنوامیہ کے عہد خلافت میں عربوں کو اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ اہل فارس

[1] جواد علی، المفصل: ۱۱/۲۸۰

[2] ابن قتیبہ، المعارف، ص: ۶۲۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنی ذہانت اور تہذیب کے بل بوتے پر عربوں پر چھا جائیں گے۔ چنانچہ پہلی صدی ہجری میں عربوں نے ہر چند کوشش کی کہ اپنی انفرادیت اور عربیت کو قائم رکھیں مگر وہ غیر شعوری طور پر فارسیوں سے باہمی میل جول کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکے۔

بنوامیہ کے آخری عہد تک عربوں نے فارسی اثرات کو روکنے اور ان سے بچنے کے لیے کوئی کسر اٹھانہ رکھی، لیکن طبعی نتائج کو روکنا اور فطری اثرات سے بچنا کسی کے بس کا روگ نہ تھا۔

عربوں نے اپنی ثقافت کو بیرونی اثرات سے بچانے کے لیے عجیب وغریب طریقے اختیار کیے۔ انھوں نے عجمیوں کے لیے حکمرانی اور سیادت وقیادت کے تمام دروازے بند کردیے۔

عربوں کے ہاں لونڈیاں اور غلام بکثرت اہل فارس میں سے تھے۔ اموی عہد میں ان کے لیے ترقی کی راہیں محدود کر کے معاشرہ میں انھیں اچھوت قرار دیا گیا تاکہ وہ کسی صورت میں بھی عربوں پر اثر انداز نہ ہوسکیں۔ عرب کہا کرتے تھے کہ اگر گدھا، کتا یا غلام کسی نمازی کے آگے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حجاج جیسا بیدار مغز حاکم اپنے عہد حکومت میں یہ حکم نافذ کرتا ہے کہ کسی غیر عرب کو نماز میں امامت کا استحقاق نہیں۔[1]

ابن عبدربہ نے العقد الفرید میں لکھا ہے کہ بنوامیہ لونڈیوں کے بیٹوں کو خلیفہ یا امیر وحاکم مقرر نہ کیا کرتے تھے۔[2]

اسی جذبہ کے زیر اثر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پوتے امام محمد بن عبداللہ خلیفہ ابوجعفر منصور کو طعنہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میری رگوں میں لونڈیوں کا خون نہیں ہے۔ اور تو اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے دانا اور ہوشمند حکمران نے ایک دن زیاد کو بلا کر کہا کہ مجھے خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ اہل فارس عربوں کی ثقافت اور حکومت پر چھا جائیں گے۔

---

[1] ابن عبدربہ، العقد الفرید: ۳/۳۶۱

[2] ابن عبدربہ، العقد الفرید: ۷/۱۴۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں چاہتا ہوں کہ ان میں سے ایک حصہ تو بالکل ختم کر دوں اور ایسے لوگ باقی رہنے دوں جو منڈیوں کو چلاتے رہیں اور کام کاج میں عربوں کا ہاتھ بٹاتے رہیں۔ زیاد کے سمجھانے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی رائے تبدیل کرنی پڑی[۱]

ان سب کوششوں اور ارادوں کے باوجود ثقافتی امتزاج رنگ لایا۔ عربوں اور فارسیوں کے امتزاج واختلاط سے دونوں ملکوں کے حکیمانہ اقوال، ضرب الامثال، شاعری، نثر نگاری اور عادات وخصائل کا ایک دوسرے پر بہت اثر پڑا۔ سیاست، معاشرہ اور عقل وفکر کوئی بھی ان اثرات سے محفوظ نہ رہ سکا۔

جب ابتدائے عہد اسلام میں عربوں اور فارسیوں کا باہمی میل جول زیادہ ہو گیا تو عرب مزدکی نظریہ زہد وقناعت کے علاوہ مزدکی نظریہ مال ودولت سے بھی متاثر ہوئے۔ مؤرخ اسلام امام طبری رقمطراز ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ قیام شام میں دولت مند طبقہ کے خلاف ایک مہم شروع کی تھی۔ یہ مہم ایک مستقل تحریک کی صورت اختیار کر گئی۔ اس تحریک نے غریبوں کو سرمایہ داروں کے خلاف اتنا اکسایا کہ عوام نے دولت مندوں کے لیے جینا محال کر دیا۔ انھوں نے تنگ آ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ والیِ شام سے شکایت کی، چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے خلیفۂ وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ بھیج دیا، اس طرح شام کی سرزمین بلکہ اسلامی خلافت کو ایک آنے والے خطرے سے بچا لیا۔

طبری کا یہ بھی کہنا ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے یہ نظریہ دولت ایک فارسی النسل شخص ابن السوداء سے لیا تھا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ مزدک کے ماننے والے اسلامی عہد میں بھی موجود تھے۔[۲]

ہمارے مشہور سیاح اور جغرافیہ دان اصطخری اور ابن حوقل ہمیں بتاتے ہیں کہ کرمان کے گردونواح میں مزدک کے معتقد پائے جاتے تھے۔

۱۔ ابن عبدربہ، العقد الفرید: ۳/۳۶۱

۲۔ الطبری، التاریخ: ۴/۲۸۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ ثقافتی اثرات عربی ادب اور بالخصوص ابتدائی عہد اسلامی کی شاعری میں بھی نظر آتے ہیں۔ عربی زبان بھی ان اثرات سے محفوظ نہ رہ سکی۔ چنانچہ آلات موسیقی اور کھانے پینے کی اشیاء کے نام تو عربوں نے فارسیوں سے بکثرت لیے۔

عیون الاخبار، التاج اور العقد الفرید وغیرہ کتابوں میں اس بات کی کافی شہادت موجود ہے کہ عربوں کے حکیمانہ اقوال اور ضرب الامثال فارسیوں سے بہت ملتے جلتے ہیں اور دونوں نے ایک دوسرے سے بکثرت چیزیں لی ہیں۔

عربوں کی موسیقی پر فارسی ثقافت کے اثرات

عربوں کی موسیقی بھی فارسی ثقافت کی رہین منت ہے۔ ابوالفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی میں رقم کیا ہے کہ عربی موسیقی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں موجود تھی۔ اس وقت تک عربوں کی موسیقی نصب وحداء تک محدود تھی۔ ان کے ہاں انشا یعنی محض اونچی آواز سے پڑھنا ہی گانا سمجھا جاتا تھا۔

عربوں کا پہلا موسیقار اور گیتوں کا موجد سعید بن مسجح تھا، جو ایک فارسی غلام تھا۔ کتاب الاغانی میں مرقوم ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مکان کی تعمیر کے لیے عراق سے فارسی معماروں کی خدمات حاصل کیں۔ وہ معمار تعمیر کے دوران میں فارسی گیت گایا کرتے تھے۔ سعید بن مسجح ان فارسی معماروں کے پاس آیا جایا کرتا اور ان کے گیت بڑے شوق اور توجہ سے سنتا تھا۔ جو گیت اسے پسند آجاتا وہ اسے عربی زبان میں منتقل کر دیتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ اسی انداز واسلوب میں عربی گیت کہنے لگا۔[1]

کتاب الاغانی میں یہ بھی مرقوم ہے کہ عربوں کا پہلا نغمہ سنج ابن محرز تھا جس نے چنگ ورباب کا استعمال کیا۔ یہ شخص بھی فارسی النسل تھا اور مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر تھا۔ اپنی چنگ نوازی کی وجہ سے صناج العرب کہلایا۔[2]

---

1. الأصفہانی، الأغانی: ۳/ ۲۷۸
2. الأصفہانی، الأغانی: ۱/ ۳۷۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عربوں کا رسم الخط اور اسلوب نگارش بھی فارسی اثرات سے بچ نہ سکے۔ ابن خلکان اپنی کتاب وفیات الاعیان میں رقم طراز ہے کہ عبدالحمید کاتب فن کتابت اور علم و ادب کا امام تھا۔ عربی رسائل وخطوط میں اطناب وطوالت اور ابتداء میں لمبی چوڑی حمد و ثناء اسی کی ایجاد ہے۔ ابن خلکان کا یہ بھی کہنا ہے کہ عبدالحمید کاتب انبار (فارس) کا رہنے والا تھا۔[1]

ابو ہلال عسکری نے اپنی کتاب دیوان المعانی میں تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ عبدالحمید کاتب نے فارسی طرز انشاء اور اسلوب نگارش کو عربی زبان میں رائج کیا۔[2]

عباسی دور میں عربوں پر فارسی اثرات

جب حکومت بنوامیہ کے ہاتھوں سے نکل کر بنو عباس کے ہاتھ آئی تو یہ ثقافتی امتزاج اور بھی بڑھ گیا۔ اس ضمن میں دیگر اسباب کے علاوہ دو چیزیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں: (۱) منصب وزارت کی ابتداء اور (۲) دارالخلافہ کی تبدیلی، یعنی دمشق کی بجائے بغداد علوم وفنون اور تہذیب وثقافت کا مرکز قرار پایا۔

تاریخ اسلام میں منصب وزارت بنوعباس کے عہد کی یادگار ہے۔ اس سے پہلے وزیر کی جگہ کاتب ہوا کرتا تھا۔

خلیفہ ابو العباس سفاح پہلا حکمران ہے جس نے وزیر مقرر کیا اور ابوسلمہ خلال پہلا وزیر ہے جس نے قلمدان وزارت سنبھالا۔ پھر اکثر و بیشتر وزیر اہل فارس میں سے ہوئے۔ یہ وزیر فارسی ثقافت پھیلانے میں بڑے معاون ثابت ہوئے۔ ہر وزیر بذات خود بہت بڑا انشا پرداز ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر وزیر کے ساتھ ایک کاتب بھی ہوتا تھا جو اپنی معلومات کے اعتبار سے چلتا پھرتا دائرۃ المعارف ہوتا۔

ان کاتبوں کے نام پر ایک خاص قسم کا ادب معرض وجود میں آیا جو ادب الکاتب

---

۱ ابن خلکان، وفیات الأعیان: ۲۳۰/۳

۲ أبو ہلال العسکری، دیوان المعانی: ۸۹/۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے نام سے مشہور ہوا۔ اس سلسلے میں ابن قتیبہ اور ابوبکر الصولی کے اسما خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ پھر یہی کاتب عربی اور فارسی ثقافتوں کے امتزاج کا سب سے بڑا ذریعہ بن گئے۔ ان ثقافتوں کے امتزاج نے نظریۂ ادب میں بڑی وسعت پیدا کر دی۔ عرب کہنے لگے کہ "إِنَّ الْأَدَبَ الْأَخْذُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ بِطَرَفٍ"[1] یعنی ہر چیز سے کچھ نہ کچھ اپنانے کا نام ادب ہے۔

عباسی وزیر حسن بن سہل کہا کرتا تھا کہ ادب کے دس شعبے ہیں: تین شعبے شہرگانی ہیں اور ان میں ساز کا بجانا، شطرنج اور پولو کے کھیل شامل ہیں۔ تین شعبے نوشیروانی ہیں جو طب، ہندسہ اور شہسواری پر مشتمل ہیں۔ تین شعبے عربی ہیں جو شعر و شاعری، نسب اور ایام، یعنی جنگی کارناموں کو حاوی ہیں اور دسویں شعبے میں لطائف و ظرائف، قصے کہانیاں اور مجلسی باتیں شامل ہیں۔[2] ادب کے اسی وسیع نظریے کا اثر تھا کہ جاحظ نے کتاب البیان والتبیین، مبرد نے کتاب الکامل اور ابن قتیبہ نے عیون الاخبار جیسے ادبی شاہکار تالیف کیے۔

عباسی عہد میں ثقافتوں کے امتزاج سے فارسی ادب نے عربی ادب میں راہ پائی۔ حکیم بزرجمہر کے اقوال و امثال عربی کتابوں میں شامل کیے گئے۔ اہل فارس کے تاریخی قصے اور کہانیاں بھی عربی مؤلفات میں بکثرت درج ہونے لگیں۔

فارسی اور عربی ثقافتوں کے امتزاج میں دار الخلافہ کی تبدیلی کو بھی بڑا دخل ہے۔ عباسیوں کی سیاسی دانشمندی تھی کہ انھوں نے دمشق کے بجائے بغداد کو خلافت کا مستقر بنایا۔ عراق مختلف قوموں اور ثقافتوں کا مرکز تھا۔ عراق میں کلدانی بھی بستے تھے اور سریانی بھی، لیکن فارسی ثقافت سب سے زیادہ غالب تھی۔

عباسی عہد میں زیب و زینت، کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں کے نام، نیز

---

[1] عمر السارلیسی، الراغب الأصفہانی وجہودہ فی اللغۃ، ص:۲۲۴

[2] أبو إسحاق القیروانی، الأدب والبلاغۃ:۱/۱۹۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آلات موسیقی اور نظام حکومت کے مختلف شعبوں کے نام عربی ادب میں بغداد ہی کی یادگار ہیں۔ اسی طرح کوفہ کے لوگ فارسی ثقافت کے زیر اثر خربوزے کو بطیخ کے بجائے خربز، کدال کو مسحاۃ کے بجائے یال، چوک کو چہارسو، بازار کو سوق کے بجائے وازار اور کھیرے کو قثاء کے بجائے خیار کہنے لگے۔ یہ سب الفاظ یعنی خربز، یال، چہارسو، وازار اور خیار فارسی ہیں۔ جاحظ نے البیان والتبیین میں اس کی تفصیلات بیان کی ہیں۔[1]

یہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ زمانہ جاہلیت اور اموی عہد میں بھی باہمی میل جول سے کچھ فارسی الفاظ عربی زبان میں رواج پا چکے تھے، لیکن عباسی عہد میں فارسی الفاظ عربوں کے ہاں عام استعمال ہونے لگے۔ اس کی زیادہ تر وجہ یہ ہوئی کہ عربی زبان عرب کی حدود سے نکل کر تمام عالم اسلام کی علمی اور ادبی زبان بن چکی تھی۔

مزید برآں فارسی تہذیب وثقافت اتنی ہی قدیم اور وسیع تھی جتنی کہ ان کی سلطنت وحکومت۔ بھلا اہل فارس کو کب گوارا تھا کہ ان کی ثقافتی میراث یونہی ضائع ہو جائے، چنانچہ وطنی اور قومی جذبے سے سرشار فارسیوں نے اپنے علوم وفنون کو عربی زبان میں منتقل کرنا شروع کیا۔

فارسی علوم کی عربی میں منتقلی

فارسی علوم کو عربی زبان میں منتقل کرنے والوں میں عبداللہ بن مقفع خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ابن المقفع نے خدائی نامہ کو تاریخ ملوک الفرس کے نام سے عربی میں ترجمہ کیا اور طبری نے ساسانیوں پر انحصار کی تاریخ لکھتے ہوئے اپنی کتاب تاریخ الرسل والملوک میں اسی کتاب ملوک الفرس پر انحصار واعتماد کیا ہے۔ اسی طرح ابن المقفع نے آئین نامہ کا ترجمہ بھی عربی زبان میں پیش کر کے عربوں کے علم وادب میں بیش بہا اضافہ کیا۔ امام المورخین مسعودی نے مروج الذہب میں رقم کیا ہے کہ ابن المقفع نے قدیم فارسی بادشاہوں کے حالات میں ''کتاب السکیکین'' کا بھی عربی زبان میں ترجمہ

[1] الجاحظ، البیان والتبیین: ۲۰/۱

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے۔[1] اس کے علاوہ اس نے اور بہت سی کتابوں کو عربی زبان میں منتقل کرنے میں بڑا حصہ لیا۔[2] ابن سالم نے کتاب رستم واسفندیار اور کتاب بہرام شوس کو عربی میں ترجمہ کیا۔ ادب کی دوسری کتابوں میں ہزار افسانہ کا ترجمہ خاص طور پر قابل ذکر ہے اور یہی کتاب الف لیلہ کی بنیاد بنی۔

اہل فارس کی دینی کتابوں کے ترجموں میں کتاب مزدک اور کتاب اختسا نیر اور اس کی کئی شرحیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ کتاب مزدک کے ذریعے عرب پہلی مرتبہ مزدک کی سیرت وعقائد سے تفصیلی طور پر آگاہ ہوئے اور کتاب اختسانیر نے انھیں زرتشتی مذہب سے روشناس کیا۔

عربوں کی معاشرتی زندگی پر فارسی اثرات

عربوں اور ایرانیوں کا باہمی میل جول اجتماعی اور معاشرتی زندگی پر بھی اثر انداز ہوا۔ قدیم اہل فارس کی طرح عباسی عہد میں (بعض لوگ) جشن سال نو منانے لگے۔ اس طرح ایرانیوں کی اقتدا میں امرائے سلطنت لمبی لمبی ٹوپیاں اور کلاہ زیب سر کرتے اور گانے بجانے اور پینے پلانے کی محفلیں منعقد کرتے تھے۔ الجہشیاری رقم طراز ہے کہ سبز رنگ مجوسیوں اور شاہان ایران کو بڑا مرغوب اور پسند ہے۔ خلیفہ مامون کا وزیر فضل فارسی النسل ہونے کے علاوہ فارسی ثقافت کا بڑا علمبردار تھا۔ خلیفہ نے اپنے وزیر کے کہنے پر اپنے جھنڈوں اور عماموں کا رنگ سیاہ کے بجائے سبز کر دیا تھا اور اس وقت سے سبز رنگ قومی شعار بن گیا۔

اہل فارس قدیم زمانے سے گانے بجانے اور پینے پلانے کے بڑے شوقین تھے۔ اصفہانی کا کہنا ہے کہ بہرام گور نے اپنے عہد حکومت میں یہ حکم نافذ کیا تھا کہ لوگ آدھا دن خوب کام کیا کریں اور باقی نصف دن آرام، راحت اور عیش ونشاط میں صرف

---

[1] المسعودی، مروج الذہب: ۸۳/۱، ۹۷

[2] ان میں سے کلیلہ ودمنہ نمایاں طور پر قابل ذکر ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کریں۔ آرام وعیش کی یہ صورت تجویز کی کہ خوب کھائیں پئیں اور کھیلیں کودیں۔ بالخصوص گانے بجانے کی طرف زیادہ توجہ دیں۔ عباسی عہد میں جب فارسیوں کو اقتدار حاصل ہوا تو پھر وہی بہرام کے عہد کی وثنیت عود کر آئی۔ چنانچہ نبیذ نوشی، گانے بجانے، رقص وسرود اور عیش ونشاط کی محفلیں عام ہونے لگیں۔ ابراہیم موصلی اور اسحاق جیسے ماہرین موسیقی نے بڑی شہرت پائی۔[1]

بشار بن برد فارسی نے عربی غزل میں اس کی طرح نو ڈال کر بے راہ روی اور بداخلاقی کی دعوت دی۔ اس کے بعد صریع الغوانی اور ابونواس سب اسی کے نقش قدم پر چلے۔ ابونواس نے اہل فارس کی پیروی میں غزل مذکور کو عربی میں رواج دیا۔ اس عیش و نشاط کی شاعری کے مقابلے پر ابوالعتاہیہ نے فارسی میں زہد وتقویٰ اور موت وترک دنیا کے پیغام سے لبریز شاعری عربی زبان میں پیش کی۔ نیز عربی شاعری میں دینی فکر و فلسفہ بھی ابوالعتاہیہ کا رہین منت ہے۔ عربوں نے اہل فارس کو اپنا دین دیا اور ان سے اپنی زبان کا لوہا منوایا۔ اس ثقافتی امتزاج نے بے شمار علماء پیدا کیے۔ جنھوں نے عربی علم و ادب اور اسلامی علم وفنون کو چار چاند لگا دیے۔[2،3]

---

1. البغدادی، تاریخ بغداد: ۷/۱۲۶ وابن عساکر، تاریخ دمشق: ۷/۱۸۵
2. الذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۱۰/۱۹۵ والصفدی، الوافی بالوفیات: ۹/۱۱۱ والزرکلی، الأعلام: ۱/۳۲۱
3. تخریج مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حجاج بن یوسف، تاریخ وتنقید کی روشنی میں

حجاج بنو امیہ کے عہد میں پروان چڑھا اور انھی کی سلطنت اور حکومت کے استحکام کا باعث ہوا۔ سوئے اتفاق ملاحظہ ہو کہ بنو امیہ کے عہد اور خلافت راشدہ کے زمانے میں زمانی فاصلہ تو کوئی زیادہ نہیں، لیکن حالات اور انقلابات کی برق رفتاری کو کیا کہیے کہ دونوں زمانوں کی اخلاقی قدروں میں اچھا خاصا بُعد اور تفاوت نظر آتا ہے۔ خلافت راشدہ کو نبی اکرم ﷺ کے قرب اور ارباب اختیار کے تقدس نے مقدس تر بنا دیا۔ اگر ہمیں بنو امیہ کے عہد میں خلفائے راشدین کا سا خلوص اور بے لوث جذبہ خدمت خلق مفقود نظر آتا ہے تو یہ چنداں تعجب اور حیرت کی بات نہیں، جب ہم انسانی فطرت کا بنظر غائر مطالعہ کرتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ جوں جوں لوگ اپنے قائد سے زمان و مکان کے اعتبار سے دور ہوتے جاتے ہیں ان کے اخلاص اور عمل میں کمی واقع ہوتی جاتی ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ بنو امیہ کو پیش رو ایسے ملے جن کی نظیر محال ہے، ورنہ وہ کون سی خوبی ہے جو بنو امیہ میں نہ تھی اور ان میں کون سی برائی تھی جو ان کے جانشینوں (بنو عباس) میں بدرجہ اتم نہ پائی گئی، لیکن اس کے باوجود ہمیں بنو عباس سے عقیدت ہے اور بنو امیہ سے نفرت۔[1]

بنو امیہ کی غیر ہر دلعزیزی کی دوسری وجہ یہ ہوئی کہ ان کے عہد میں چند ایسے ناخوشگوار واقعات پیش آ گئے جن کی وجہ سے وہ بدنام ہو گئے۔ اس سلسلے میں آخری کڑی کربلا کا افسوسناک حادثہ والمیہ تھا۔

اس ضمن میں ہم بھی موردِ الزام ٹھہرتے ہیں کہ ہم نے تاریخ کو ایک آنکھ سے نہیں دیکھا، بلکہ جب ہم اسلامی تاریخ کا مطالعہ شروع کرتے ہیں تو صدر اول یعنی

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: پروفیسر عبدالقیوم، تاریخ اسلام، مکتبہ اسلامیہ، لاہور ۲۰۱۶ء، ص: ۵۱۰، ۶۲۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خلافت راشدہ کے عہد کو تقدس اور معصومیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، حالانکہ وہاں بھی ہمیں کچھ کم افسوسناک واقعات دکھائی نہیں دیتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت، جنگ جمل، جنگ صفین، واقعہ نہروان وغیرہ اتنے ہی المناک اور کرب انگیز ہیں جتنا کوئی عہد بنوامیہ کا بڑے سے بڑا ناخوشگوار واقعہ، لیکن ہمارا انداز اور رجحان طبیعت ملاحظہ ہو کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت پر نگاہ پڑی تو فوراً تعصب کی عینک لگا لی اور اتنی کڑی تنقید شروع کر دی کہ گویا ہم انسانوں کی تاریخ نہیں پڑھ رہے ہیں بلکہ چند بے جان و بے روح لوگوں کی تاریخ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ جہاں انسان بستے ہوں وہاں رائے کا اختلاف، خواہشات کا تفاوت اور لائحہ عمل کا فرق ضروری ہے۔ حصولِ مقصد کے لیے قربانی، خون ریزی، جنگ اور قتل و غارت گری فطرت انسانی کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ یہ چیز ہمیں ہر ملک، ہر خاندان اور ہر حکومت میں نظر آتی ہے۔

بنو امیہ سے نفرت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ تاریخ نویسی اور سیرت نگاری عباسیوں کے عہد حکومت میں شروع ہوئی۔ یا یوں کہیے کہ تاریخ و سیرت کی کتابیں جو ہم تک پہنچی ہیں وہ سب بنو عباس کے زمانے میں لکھی گئیں۔[1] بنو عباس اور بنوامیہ کی دشمنی کا تقاضا یہ تھا کہ کوئی مؤرخ اموی خلفاء کی تعریف کے جرم کا مرتکب نہ ہو۔ عباسی خلفاء کی ناراضی اور عتاب مول لینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ جب حالات یہ ہوں تو ہم کس طرح توقع کر سکتے ہیں کہ کوئی مؤرخ اموی حاکموں سے انصاف کر سکتا تھا۔

حجاج کی اہمیت

بہر کیف حجاج بن یوسف کی تاریخ فرد واحد کی تاریخ نہیں، بلکہ اس پورے عہد کی تاریخ ہے۔ اگر حجاج جیسا بلند پایہ عسکری مدبر اور سیاسی مفکر اسلام کو نہ ملتا تو اسلامی تاریخ کے وہ اوراق جنھیں ہم سنہری اوراق کے نام سے یاد کرتے ہیں آج ہمارے سامنے نہ ہوتے اور اسلامی فتوحات کا شاندار سلسلہ بالکل مفقود نظر آتا۔ حجاج بیک وقت قائد عسکر بھی ہے اور سیاسی مفکر بھی۔ اسی کی سیمابی روح، عقابی نظر، عسکری دل اور

[1] جیسے خلیفہ بن خیاط (م ۲۴۰ھ)، ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ)، یعقوبی (م ۳۱۵ھ) کی تواریخ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انتظامی دماغ ہر جگہ کار فرما نظر آتا ہے۔ وہ بہت بلند پایہ ادیب اور اقلیم خطابت کا تاجدار ہے۔ اس کی شعلہ مقالی اور آتش بیانی کی دھوم سارے عالم میں ہے۔ وہ اپنے زور بیان اور الفاظ کے جادو سے سامعین کو مسحور کر لیتا تھا۔ وہ ایک عادل حاکم ہے جو باغیوں سے کسی قسم کی رعایت روا نہیں رکھتا۔ وہ شفیق فرمانروا ہے جسے اپنی رعایا کی حاجتیں اور ضرورتیں بے چین کر دیتی ہیں۔ وہ میری اور آپ کی طرح کا ایک انسان ہے جو خوش بھی ہوتا ہے اور ناراض بھی۔

آج سے ایک ہزار تین سو ساٹھ برس پہلے یعنی ۴۱ھ میں[1] حجاز کے مشہور شہر طائف میں بنو ثقیف کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا باپ سکول میں بچوں کو پڑھایا کرتا تھا۔ عربی رسم ورواج کے مطابق حجاج کو تعلیم وتربیت دی گئی۔ جوان ہوا تو باپ کا پیشہ اختیار کیا اور تھوڑے عرصے میں اپنی ذہانت وقابلیت اور نظم ونسق کی وجہ سے مشہور ہو گیا۔[2]

مذہبی اور سیاسی پس منظر کا جائزہ

جب حجاج نے آنکھیں کھولیں تو تقریباً سارے عرب میں ایک گونا گوں سیاسی انتشار پھیلا ہوا تھا۔ حکومت کی کوتاہیاں، عوام کی بے باکیاں، اکابر کی چشم پوشی، علماء کی خاموشی اور صلحاء کی خود فراموشی نے عربوں کے سیاسی اور دینی اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔ اتحاد کے خیال کے فقدان نے ذہنی انتشار اور عملی کوتاہی پیدا کر دی تھی۔ تقدس کے غلط تصور اور حکومت کی بے جا نرمی نے حکومت کے اقتدار کو نہ صرف کم کر دیا، بلکہ حکومت کے کل پرزوں کو کمزور سے کمزور تر کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فتنوں اور سازشوں نے سر اٹھایا۔ کسی خلیفہ وقت کو گھر کی چار دیواری میں محصور کر کے شہید کر دیا اور کسی کو صبح کی تاریکی میں مسجد میں داخل ہوتے ہوئے ایسی بری طرح زخمی کیا کہ وہ ان زخموں سے جانبر نہ ہو سکا۔

ابھی حجاج کی جوانی انگڑائیاں لے رہی تھی کہ سیاسی اور مذہبی تحریکوں نے شیرازہ ملت کو کچھ اس طرح پریشان کر دیا کہ اسلامی سلطنت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ تندو تیز جھونکوں

---

[1] ۱۴۰۶ھ میں یہ مضمون لکھا گیا، اب ۱۴۴۴ھ ہے۔ مذکورہ بالا عرصے میں ۳۸ قمری سال مزید جمع کر لیں۔

[2] ابن قتیبہ الدینوری، المعارف، ص: ۳۹۵ وابن الجوزی، المنتظم: ۳۳۶/۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی تاب نہ لا کر بجھا چاہتا تھا۔ عقل محو حیرت ہو کر رہ گئی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ عشق میدان ابتلاء میں کودے اور تمام فتنوں کو جو دین اور حقوق کے نام پر کھڑے کیے گئے تھے کچل کر رکھ دے۔

یہ غیر موزوں نہ ہوگا کہ حجاج پر کچھ کہنے سے پہلے چندان سیاسی اور مذہبی تحریکوں کا ذکر کر دیا جائے جن سے حجاج کو سابقہ پڑنے والا تھا اور اگر حجاج سے پہلے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دانشمندی، تدبر اور سیاسی بصیرت آڑے نہ آتی تو شیرازۂ ملت اس طرح بکھر جاتا کہ ایک ایک ورق فتنوں کی نذر ہو جاتا اور پھر حجاج کے سنبھالے بھی نہ سنبھل سکتا۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان کی حکومت کو ایک طرف تو خارجیوں سے مقابلہ کرنا پڑا جو ایک نیم مذہبی اور نیم سیاسی گروہ تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں پیدا ہوا۔ حکومتوں کی سخت گیر پالیسی کے باوجود ان کا فتنہ فرو نہ ہو سکا۔ اس گروہ کے سیاسی عقائد میں چند چیزیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں: مثلاً (۱) دنیا میں خدا کی بادشاہی اور حکومت کا قیام ان کا مقصد اولین تھا۔ ان کا قومی نعرہ "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" یعنی صرف خدا کی حکومت تھا۔ (۲) ان کے نزدیک خلافت قریش تک محدود نہ تھی بلکہ ہر مسلمان خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، خلیفہ منتخب ہو سکتا تھا۔ (۳) اس گروہ کی رائے تھی کہ اگر خلیفہ احکام خدا کی پابندی اور اطاعت نہ کر سکے تو اسے معزول کر دیا جائے۔

اس گروہ نے بنو امیہ اور بنو عباس کے خلاف ہمیشہ علم بغاوت بلند کیے رکھا، کیونکہ دونوں خاندان خارجیوں کی نظر میں خلافت اور حکومت کے حقدار نہ تھے۔

خارجیوں سے مختلف فرقے اور مدارس فکر پیدا ہو گئے اور مذہبی اور اعتقادی امور میں بھی دخل دینے لگے۔ ان فرقوں میں ازارقہ (اَتباع نافع بن ازرق) نجدات (اتباع نجدہ بن عامر) اَباضیہ (اتباع عبداللہ بن اباض تمیمی) صفریہ (اتباع زیاد بن اصفر) اور شُراۃ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾[1] ان لوگوں میں ایسے بھی

---

[1] البقرۃ:۲/۲۰۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کافر سمجھتے تھے۔ ان کے عقائد سے قطع نظر یہ لوگ بڑے بہادر، جانباز اور نڈر واقع ہوئے تھے۔ بڑی بے جگری سے لڑتے۔ حکومت وقت کے لیے ہر آن ایک مستقل خطرہ تھے۔[1]

اس کے بعد دوسرا اہم سیاسی اور مذہبی گروہ، جس سے بنوامیہ کو دوچار ہونا پڑا، شیعوں کا تھا جن کا خلافت کے مسئلے میں اختلاف رائے شروع ہوا اور حادثہ کربلا اس اختلاف کی آخری کڑی ثابت ہوا۔ بنوامیہ کے خلاف یہ سب سے بڑا محاذ تھا۔ نام کے تقدس، مقصد کی جاذبیت اور رسالت سے قرابت داری نے سونے پر سہاگے کا کام دیا۔

ان تحریکوں کے علاوہ ایک سیاسی گروہ بھی اپنے حقوق کی خاطر بنوامیہ سے برسرِ پیکار نظر آتا ہے۔ جب غیر عربی لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو قدرتی طور پر سوال پیدا ہوا کہ ان کے حقوق و واجبات کیا ہیں؟ عرب اپنے آپ کو سب سے بلند و بالا اور افضل و اعلیٰ سمجھتے تھے۔ اسلام کے بار بار اعلانِ مساوات کے باوجود عربوں میں قومی عصبیت کا جذبہ موجود رہا۔

ان جماعتوں کے علاوہ ایک اور بہت بڑا خطرہ تھا، جس سے خلیفہ عبدالملک کو دوچار ہونا پڑا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حجاز میں، جو اسلامی روایات کا مرکز تھا، اپنے لیے خلافت کا اعلان کر دیا۔[2] حجاز کی مرکزیت اور اس کا تقدس، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری، ان کے اردگرد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہجوم، یہ سب چیزیں عبدالملک کی خلافت کو ختم کرنے کی کافی ضمانت تھیں۔

جمہور کی طبیعتیں ان اہم حوادث و واقعات کے اثرات سے کس طرح محفوظ رہ سکتی تھیں۔ حکومت کے خلاف بددلی، اطاعت و فرماں برداری میں کوتاہی، خلیفہ وقت کی خفت، ذمہ داری کے احساس کا فقدان، فتنہ و فساد کی طرف میلان، سازشوں کا شوق اور حکام کی تذلیل و توہین زندگی کا معمول بن چکا تھا۔

---

[1] عبدالقاہر الاسفرائینی، الفرق بین الفرق، ص: ۹۷ و ابن حزم، الفصل فی الملل والنحل: ۴/۱۴۵

[2] ابن الجوزی، تاریخ الخلفاء، ص: ۱۶۰ و ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۳/۹۰۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ غور فرمایے کہ ان تمام حالات کے پیش نظر انتظام امور سلطنت، شہری امن و حفاظت اور اسلامی حکومت کی حدود کی توسیع کے لیے کس آہنی عزم اور پتھر دل منتظم کی ضرورت تھی۔ کیا ایک معمولی قابلیت کے انسان کے لیے ممکن تھا کہ وہ ان تمام مخالف قوتوں سے ٹکرائے اور کامیابی اس کے قدم چومے؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر حجاج جیسا سخت گیر اور لائق منتظم اپنی شخصی خدمات پیش نہ کرتا تو اپنوں کی سازشیں اور غیروں کی عداوتیں اسلامی سلطنت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتیں۔

اس لمبی لیکن ضروری تمہید کے بعد اب حجاج کی زندگی کے چند پہلو بے نقاب کیے جاتے ہیں۔ جنھیں تعصب اور غلط ذہن نے کئی پردوں میں چھپا رکھا ہے۔

مختصر حالات زندگی

حجاج نے درس و تدریس چھوڑ کر حکومت کی نوکری اختیار کر لی اور معمولی سپاہی کی حیثیت میں زندگی کا آغاز کیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں وہ پولیس کا ذمہ دار افسر بن کر خلیفہ عبدالملک کے بھائی ابان بن مروان کے ساتھ فلسطین چلا گیا۔ ان دنوں ابان فلسطین کا گورنر تھا۔[1] بعد ازاں حجاج خلیفہ عبدالملک کے وزیر روح بن زنباع کے ساتھ پولیس افسر کی حیثیت میں کچھ عرصہ تک کام کرتا رہا۔ اس دوران میں حجاج نے اپنی دیانت داری، لیاقت، حسن انتظام، بے لوث خدمت اور اعلیٰ نظم و نسق کا ایسا شاندار ثبوت دیا کہ روح بن زنباع حجاج کی خوبیوں کا بے حد معترف اور مداح ہو گیا۔[2] ایک دن کا ذکر ہے کہ خلیفہ عبدالملک نے اپنے وزیروں کے سامنے شکایت کی کہ بعض اوقات لشکروں کی روانگی، سفر اور منزل پر پہنچ کر قیام کرنے میں بہت سی بے قاعدگیاں ہو رہی ہیں اور بتایا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو لشکر روانہ ہو جانے کے بعد بھی خیموں میں بیٹھے نظر آتے ہیں۔ روح بن زنباع نے کہا: اے امیر المومنین! میرے ماتحت ایک پولیس

۱۔ البلاذری، أنساب الأشراف: ۳۱۰/۶

۲۔ الصفدی، الوافی بالوفیات: ۲۳۹/۱۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

افسر ہے، جس کا نام حجاج بن یوسف ہے۔[1] اگر امیر المومنین لشکر کی باگ ڈور اس کے سپرد کر دیں تو وہ سب کچھ درست کر لے گا۔ خلیفہ اس بات پر رضا مند ہو گیا۔ چنانچہ فوجوں کا نظم ونسق حجاج کے سپرد کر دیا گیا۔ جب فوجی سپاہیوں نے حجاج کا نام سنا تو چوکنے ہو گئے اور بے قاعدگیوں کو خیر باد کہہ دیا۔ فوج کے ایک دستے میں روح بن زنباع کے کچھ احباب بھی تھے اور روح بن زنباع کی دوستی کا خیال ان کے سر پر سوار تھا۔ ایک دن حجاج نے دیکھا کہ لشکر کی روانگی کے بعد کچھ لوگ پیچھے رہ گئے ہیں۔ حجاج ان کے پاس پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ کھانا کھانے میں مشغول ہیں۔ حجاج نے باز پرس کی تو انھوں نے ٹال مٹول سے کام چلانا چاہا۔ حجاج نے فوراً آنکھیں بدل لیں اور نظم ونسق اور ضبط ووقار کو قائم رکھنے کی خاطر سزا کے طور پر ان پیچھے رہ جانے والوں کو کوڑے لگوائے۔ انھیں ذلیل ورسوا کیا گیا اور سارے لشکر میں ان کی تشہیر کرائی گئی۔ ساتھ ہی روح بن زنباع اور اس کے ساتھیوں کے خیموں کو نذر آتش کر کے راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ روح یہ دیکھ کر لال پیلا ہو گیا، مگر کچھ پیش نہ گئی۔ آخر خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر زار وقطار رو دیا۔ خلیفہ نے پوچھا کہ کیا بات ہوئی؟ روح نے درد بھری آواز میں عرض کیا کہ ایک دن وہ بھی تھا کہ حجاج میرے نوکروں کے زمرے میں شمار ہوتا تھا۔ آج اس کو اتنی جرأت ہو گئی ہے کہ اس نے میرے خیموں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا ہے۔ خلیفہ عبدالملک نے حکم دیا کہ حجاج کو میری خدمت میں پیش کیا جائے۔ جب حجاج کو حاضر کیا گیا تو خلیفہ نے پوچھا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ حجاج نے عرض کیا کہ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ خلیفہ نے دریافت کیا کہ آخر یہ خیمے کس نے جلائے ہیں؟ حجاج نے جواب دیا: امیر المومنین نے۔ بخدا! میرا ہاتھ خلیفہ کا ہاتھ ہے اور میرا کوڑا خلیفہ کا کوڑا، پھر یہ بھی عرض کیا کہ میں نے یہ سب کچھ خلیفہ کا اقتدار اور فوجی وقار قائم رکھنے کی خاطر کیا ہے۔ اب امیر المومنین کو اختیار ہے کہ روح بن زنباع کے نقصان کی تلافی کر دے اور ایک خیمہ کے بدلے دو خیمے اور ایک غلام کے بدلے دو غلام عطا کر دے، لیکن جو کچھ

[1] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۱۲۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں نے کیا ہے وہ نظم ونسق کے لیے از بس ضروری تھا۔[1]

ایک گودڑی میں سو فقیروں کے لیے گنجائش نکل سکتی ہے، لیکن ایک ملک اور ایک سلطنت میں دو بادشاہوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ اوپر اشارتاً ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حجاز میں اپنی خلافت قائم کر رکھی تھی۔ عبدالملک ہر وقت اسی فکر میں رہتا تھا کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے کس طرح مخلصی پائی جائے۔ جُبَیش بن دلجہ کی قیادت میں ایک لشکر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے لڑنے کے لیے روانہ کیا گیا۔ اس لشکر میں حجاج اور اس کا باپ یوسف دونوں شریک تھے۔ جنگ شروع ہوئی۔ فریقین زور آزمانے لگے۔ حـــنتف اور اس کے کچھ ساتھی گھات میں چھپے بیٹھے تھے۔ موقع پا کر عبدالملک کے لشکر پر پل پڑے۔ سالار جیش کو قتل کر دیا اور اس کے لشکروں کو بڑی بے دردی سے قتل کرنے لگے۔ عبدالملک کے بے شمار سپاہی میدان جنگ میں کام آئے۔ پانچ سو سے زیادہ جنگی قیدی بنا لیے گئے اور تین صد کے قریب بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگ نکلے۔ ان بچ نکلنے والوںؒ میں حجاج اور اس کا باپ یوسف بھی شامل تھا۔ باپ بیٹا ایک گھوڑے پر سوار ہو کر اسے برابر تیس میل تک سرپٹ دوڑاتے چلے گئے۔ آخر گھوڑے کی طاقت نے جواب دے دیا۔ تیس میل کا فاصلہ طے کر چکنے کے بعد بھی حجاج کے دل و دماغ پر دشمن کا بھوت سوار تھا اور اسے رہ رہ کر یہ خیال آ رہا تھا کہ دشمن کے تیر ہمارے شانوں کو زخمی کر رہے ہیں۔ حجاج کو اس ہزیمت کا بڑا قلق ہوا۔ وہ بار بار کہتا تھا کہ یہ ہزیمت کتنی شرمناک اور ذلت آمیز ہے۔[2]

اس ہزیمت نے دیر تک حجاج کو بے چین کیے رکھا۔ وہ ہر چند یہ چاہتا کہ اس کا انتقام جلد از جلد لیا جائے۔ ۷۳ھ میں ایک دن حجاج نے خلیفہ عبدالملک سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی کھال کھینچ رہا ہوں۔ میری

---

[1] الصفدی، الوافی بالوفیات:۱۱/۲۳۸

[2] البلاذری، أنساب الأشراف:۶/۲۹۲ وابن عساکر، تاریخ دمشق:۲/۸۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

درخواست ہے کہ مجھے اس کے مقابلے پر روانہ کیا جائے۔ خلیفہ رضا مند ہو گیا۔ حجاج ایک ہزار کا لشکر جرار لے کر طائف پہنچا۔ وہاں پہنچنے کے بعد خلیفہ کی طرف سے لڑائی شروع کرنے کا حکم بھی مل گیا۔ حجاج نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا محاصرہ کر کے انھیں شہید کر دیا۔[1]
اس فتح کے بعد حجاج تین سال تک حجاز کا گورنر رہا اور ہر سال حج کے موقع پر امامت کے فرائض انجام دیتا رہا۔

ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے حجاج کو تبالہ کا والی بنا کر بھیجا گیا۔ جب حجاج وہاں پہنچا تو جگہ پسند نہ آئی، اسے چھوڑ کر واپس چلا آیا۔[2]

ابن عبدربہ نے بیان کیا ہے کہ جب عبدالملک بن مروان کی خلافت اور بیعت کا اعلان ہو چکا تو اس نے حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ پر حملہ کی ٹھانی۔ اہل شام کی خواہش تھی کہ وہ اس جنگ میں اپنا دامن آلودہ نہ کریں۔ حجاج کو شامیوں کا الگ تھلگ رہنا پسند نہ تھا۔ وہ اسے سیاسی مصلحت کے خلاف سمجھتا تھا۔ اس نے خلیفہ سے درخواست کی کہ مجھے وہاں بھیجا جائے۔ حجاج نے شام پہنچ کر لوگوں کو لڑائی کے لیے بھرتی کرنا شروع کیا۔ حجاج نے یہاں بھی رعب اور دبدبے سے کام لیا اور جو آدمی جنگ میں شرکت کرنے سے گریز کرتا ہوا بھاگ جاتا تو حجاج اس کے مکان کو نذر آتش کر دیتا۔[3]

حجاج کی عمر تیس برس کی تھی کہ اسے عراق جیسے فتنہ انگیز اور شوریدہ سر علاقے کا گورنر بنا دیا گیا۔ عراق اپنے جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ اسے مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ تمام بیرونی ممالک سے تعلقات قائم کرنے اور مخالف و برسرپیکار علاقوں سے جنگ لڑنے کے لیے بڑا موزوں اور مناسب مقام تھا۔ اسلامی سلطنت کی حدود کی توسیع یہیں بیٹھ کر سوچی جاتی اور تمام اسلامی فوجوں کی رہنمائی اور امداد اسی جگہ سے کی جاتی تھی، لیکن غیر موافق حالات نے اس اہم فوجی مرکز کو فتنوں

---

1. الطبری، التاریخ: ۶/۱۹۲، والذہبی، تاریخ الاسلام: ۵/۱۸۸
2. ابن قتیبہ، المعارف، ص: ۳۹۶
3. ابن عبدربہ، العقد الفرید: ۲/۲۶۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور سازشوں کا گھر بنا دیا تھا۔ ہر بغاوت اور ہر فتنہ اسی سرزمین سے اٹھتا۔ حجاج نے اس پُر آشوب وفتنہ انگیز صوبے میں برابر بیس برس تک حکومت کی اور اس کامیابی کے ساتھ کہ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ بیس سال کی اس طویل مدت میں حجاج نے بہترین انتظامی قابلیت کا ثبوت دیا۔ تمام داخلی فتنوں کو کچل کر رکھ دیا اور سازشوں کو اس طرح دبایا کہ ان میں پھر اٹھنے کی سکت نہ رہی۔ وہ فوجی قیادت میں اتنا ماہر ثابت ہوا کہ صف اول کے قائدین میں شمار ہونے لگا۔ اس کے زمانے اور اس کی نگرانی میں بے شمار علاقے فتح ہوئے جن میں سندھ، خراسان، طالقان، نسف، فرغانہ، سمرقند، بخارا، بجستان، خوارزم، ماوراء النہر، انطاکیہ اور اندلس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[1]

حجاج محض ایک سیاسی مبصر اور بہترین منتظم ہی نہ تھا بلکہ بڑا جانباز سپاہی اور عسکری مدبر بھی تھا۔ عراق میں بیٹھ کر سندھ میں لڑنے والے اسلامی لشکروں کی رہنمائی کر رہا ہے۔ محمد بن قاسم کو ہدایات بھیجی جا رہی ہیں۔[2] اتنے فاصلے پر ہوتے ہوئے بھی سپاہیوں کی نقل وحرکت پر کڑی نگرانی ہے۔ انھیں تفصیلی احکام بھیجے جا رہے ہیں۔ داخلی فتنوں اور بغاوتوں کی سرکوبی کے لیے لشکروں کی قیادت خود کرتا ہے۔ حجاج کی مہموں اور معرکوں کی فہرست تو بڑی طویل ہے، لیکن چند واقعات کی طرف اشارہ ضروری ہے:

داخلی فتنے

حجاج کو مشکلات ومصائب کے پہاڑوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ بڑے بڑے جلیل القدر بزرگان قوم اور عالمان دین کے عتاب سے دوچار ہوا، مگر تمام مخالفتوں کے باوجود اس کے عزم اور ارادے میں سرمو فرق نہ آنے پایا۔ ہر مہم کے بعد اس کی ہمت اور بلند نظر آتی ہے اور ہر معرکہ اس کے ارادے کو پہلے سے زیادہ مضبوط ومحکم بنا دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حجاج نے روز اول سے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر جمہور اور اکابر

---

1. الطبری، التاریخ: ۶/۴۲۴، ۴۴۷، ۸/۲۴۲
2. ابن الاثیر، الکامل: ۴/۱۸ والزرکلی، الاعلام: ۶/۳۲۳

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

شرافت و وفاداری اور فرمانبرداری کا اظہار کریں گے تو حسن سلوک اور نظر عنایت کے حق دار ٹھہریں گے اور اگر دشمنی، سرکشی اور عناد سے کام لیں گے تو تلوار اور انتقام کے مستحق ہوں گے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حجاج زندگی بھر اس طریق کار پر عمل پیرا رہا اور یہی لائحہ عمل اس کی کامیابی اور بلندی کا ضامن تھا۔

٦٦ھ میں مختار بن ابی عبید ثقفی نے سرزمین کوفہ میں علم بغاوت بلند کیا۔ حجاج گھوڑوں کو اڑاتا ہوا وہاں پہنچا اور باغیوں کو مناسب سزا دی۔[1] ٧١ھ میں حضرت مصعب بن زبیر کی لشکر کشی کی خبر پہنچی تو حجاج وہاں بھی صف آراء نظر آتا ہے۔[2] ٧٥ھ میں شبیب خارجی نے ایک لشکر جرار جمع کر لیا۔ نڈر حجاج نے خبر ملتے ہی اسے جا لیا۔ کئی خون ریز معرکوں کے بعد شبیب ہزیمت خوردہ ہو کر بھاگا اور پل پر سے گر کر دریا میں ڈوب مرا۔[3] اسی سال عبدالرحمٰن بن اشعث نے علم بغاوت بلند کیا۔ ابن اشعث آندھی کی طرح چھا گیا۔ برق رفتاری کے ساتھ کوفہ اور خراسان پر قبضہ کر لیا۔ ان کامرانیوں اور ظفر مندیوں نے ابن اشعث کو اور سرکش بنا دیا۔ متذبذب اور کمزور طبیعت لوگ، جو ہر وقت کسی موقع کی تلاش میں رہتے ہیں، ایک جم غفیر کی شکل میں اس کے ساتھ ہو لیے۔ بھلا حجاج کیسے خاموش تماشائی بن سکتا تھا؟ محکم ارادہ لے کر اٹھا اور اس بے جگری سے لڑا کہ چند ہی معرکوں میں ابن اشعث کے دانت کھٹے کر دیے۔ ابن اشعث شکست کھا کر جان بچاتے ہوئے ترکی کی طرف بھاگ نکلا۔ حجاج نے اسے وہاں بھی آرام سے بیٹھنے نہ دیا تو خوف کے مارے مکان کی چھت سے کود کر خودکشی کر لی۔[4]

یہ چند تاریخی اشارات ہیں اور یہی وہ واقعات ہیں جن کی بناء پر لوگوں نے حجاج کو ظالم اور سفاک کے القاب سے یاد کیا۔ ذرا ایک لمحہ کے لیے سوچیے کہ ایک حکومت ہے، باضابطہ اور باقاعدہ آئینی حکومت، بالکل اسلامی حکومت۔ امیر یا خلیفہ مسلمان، رعایا

[1] ابن الجوزی، المنتظم: ٦/٦٦
[2] الطبری، التاریخ: ٦/١١١
[3] الطبری، التاریخ: ٦/٢٢٤
[4] الطبری، التاریخ: ٦/٢٤٩ و ابن الجوزی، المنتظم: ٦/١٨٢

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلمان، آئین اسلامی ہے۔ جن کی شاندار فتوحات کو یاد کر کے لوگ فخر اور سربلندی محسوس کرتے ہیں۔ اس اسلامی عہد حکومت میں حجاج ایک ذمہ دار حاکم ہے۔ وہ دنیا کی واحد اسلامی حکومت کے استحکام اور بقاء کی خاطر سلطنت کے نظم و نسق کو بحال کرنے اور امن عامہ کو برقرار رکھنے کے لیے فتنوں کو کچلتا ہے۔ سازشوں کو دباتا ہے۔ حکومت کے باغیوں کی سرکوبی کرتا ہے۔ اندرون ملک میں امن وامان بحال کر کے اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع تر کرتا چلا جاتا ہے۔ کیا ان حالات میں آپ اس کی ان خدمات کو ظلم اور سفاکی سے تعبیر کرنے میں حق بجانب ہو سکتے ہیں؟ ایک لمحہ کے لیے فرض کیجیے کہ وہ ان تمام فرائض سے کوتاہی اور سیاسی وملکی حالات سے چشم پوشی کرتا تو کیا عدل و انصاف اور قانون و آئین کی نظر میں وہ بے وفائی، بدعہدی اور غداری کا مرتکب نہ ہوتا اور کیا وہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے اور مجرمانہ غفلت برتنے کی پاداش میں سنگین ترین سزا کا مستوجب نہ ٹھہرتا؟ آپ اپنے ضمیر کا جائزہ لیجیے، دل کو ٹٹولیے اور خود فیصلہ فرمایئے۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا واقعہ

حجاج پر سب سے بڑا الزام یہ عائد کیا جاتا ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر ائمہ تابعین رحمہ اللہ سے بدسلوکی بلکہ ظلم و ستم کرتا تھا۔ اس نے بڑے بڑے علمائے دین کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہ کیا۔ اب چند لمحوں کے لیے تاریخ کے ان حقائق پر بھی بڑے سکون اور ٹھنڈے دل کے ساتھ غور کریں۔ ہمیں نہ تو حجاج کی حمایت مقصود ہے نہ بزرگان دین اور صلحاء واتقیا سے عداوت وکد، ہمیں تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ وہ تاریخی واقعات جن کی بنا پر ایک فیصلہ صادر کیا گیا ہے ان کی تاریخی حقیقت واصلیت کیا ہے۔ کیا وہ فیصلہ حقائق و واقعات کی روشنی میں کیا گیا ہے یا کسی خاندانی تعصب اور نسلی عداوت کی بنا پر؟

تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ خلیفہ عبدالملک نے بعض بزرگوں کی بابت حجاج کو خاص ہدایات دے رکھی تھیں کہ ان سے ہمیشہ بہترین سلوک اور نرمی روا رکھی جائے، البتہ ایک بزرگ ہیں حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ۔ ان کے قتل کی وجہ سے ہمارے واعظ اور صوفی منش

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: پروفیسر عبدالقیوم، تاریخ اسلام، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ص: ۴۵۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لوگ حجاج سے بہت بگڑتے ہیں اور اسے برا بھلا کہتے ہیں، لعنتیں بھیجتے ہیں، بھری محفلوں میں تبرا کہنے سے بھی نہیں چوکتے اور خدا جانے کن کن القاب اور ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آج کی صحبت میں اس حقیقت کو ضرور بے نقاب کیا جائے اور حضرت سعید بن جبیر کے طرز عمل اور حجاج کے مواخذہ کو آپ حضرات کے فیصلے پر چھوڑا جائے۔

یہ درست ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ بڑے متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ ان کی پارسائی اور علم میں دوسرا کوئی تابعی شریک نہیں۔ یہ بھی بجا ہے کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسے جلیل المرتبت بزرگوں سے علم دین حاصل کیا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ فرمان بھی سر آنکھوں پر کہ سعید بن جبیر اتنا رفیع الشان عالم تھا کہ کوئی انسان اس کے علم سے بے نیاز نہیں ہوسکتا،[1] مگر اس کا کیا جائے کہ وہ اپنی علمی رفعت وعظمت کے باوجود عبدالرحمٰن بن اشعث کے ساتھ مل کر حکومت وقت کے خلاف بغاوت کے جرم میں گرفتار ہوکر کورٹ مارشل کے بعد ۹۵ھ میں قتل کر دیے جاتے ہیں۔

حالات یوں ہیں کہ حجاج عراق کا وائسرائے ہے۔ سندھ، خراسان اور سجستان کے صوبے بھی اسی کے زیر فرمان ہیں۔ حجاج نے حضرت سعید بن جبیر کو سجستان کی فوجوں میں تنخواہیں بانٹنے کا حاکم اعلیٰ یعنی (Paymaster) بنا کر بھیجا۔ عبدالرحمٰن بن اشعث سجستان میں اسلامی فوجوں کی قیادت کر رہا تھا۔ ابن اشعث نے حکومت کے خلاف بغاوت کر دی۔[2] بغاوت کی وجوہات کچھ بھی ہوں یہ جرم اتنا سنگین ہے کہ کوئی فوجی قانون اور شہری آئین اس جرم کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ حضرت سعید بن جبیر نے ابن اشعث کا ساتھ دیا۔ دونوں نے مل کر ایک متوازی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی۔ اب دیکھئے کہ دونوں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ حکومت کے ملازم ہیں۔ کفار سے جنگ ٹھنی ہوئی ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان حالات میں مدبر فوجی اور انصاف پسند

---

[1] ابن خلکان، وفیات الأعیان: ۲/۳۷۴ والزرکلی، الأعلام: ۹۳/۳

[2] ابن الجوزی، المنتظم: ۶/ ۳۲۷ والذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۳۴۳/۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حکومت ایسے سنگین جرم کو معاف کر سکتی ہے؟

ابن اثیر نے اپنی تاریخ الکامل میں بیان کیا ہے کہ جب حضرت سعید بن جبیر کو گرفتار کر کے حجاج کے سامنے پیش کیا گیا تو حجاج نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ کو جرم کی نوعیت سے آگاہ کرنے کے لیے چند سوالات کیے اور حضرت سعید ان سوالوں کے جواب دیتے رہے۔ یہ غیر موزوں نہ ہوگا کہ اس مکالمے کا کچھ حصہ آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں تاکہ آپ کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو سکے۔

حجاج نے حضرت سعید سے مخاطب ہو کر کہا: میں نے اپنی قیادت کی ذمہ داریوں میں تمھیں شریک نہیں کیا تھا؟ کیا ایک اہم سرکاری عہدہ تفویض نہیں کیا تھا؟ حضرت سعید نے اعتراف کیا تو حجاج نے پوچھا: پھر یہ بغاوت کیوں؟ حضرت سعید نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ میں مسلمانوں کا ایک فرد ہوں اور مجھ سے غلطی بھی سرزد ہو سکتی ہے۔ حجاج نے پھر پوچھا: لوگوں سے خلیفہ کے لیے بیعت لی گئی تو کیا تم نے امیر المومنین عبدالملک کی وفاداری کا حلف نہیں اٹھایا تھا؟ حضرت سعید نے حلف وفاداری اٹھانے کا اقرار کیا۔ حجاج بولا جب میں عراق کا والی ہو کر کوفہ پہنچا تو کیا تم سے دوبارہ امیر المومنین عبدالملک کی بیعت نہیں لی تھی؟ جب حضرت سعید نے اس کا بھی اعتراف کیا تو حجاج نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ تم نے دو مرتبہ بیعت کرنے کے بعد بھی اسے توڑ ڈالا۔ تمھارے اس جرم کی سزا قتل کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی۔[1]

قارئین! اس تاریخی شہادت کے بعد آپ چاہیں تو حضرت سعید بن جبیر کے علم و تقویٰ کا پاس کرتے ہوئے حجاج کو ظالم و سفاک قرار دیں یا جرم کی نوعیت پر غور کرتے ہوئے حجاج کو حق بجانب سمجھیں، بہرکیف فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

نفسیاتی مطالعہ

حجاج کے ظلم و ستم کی داستانیں افسانوں سے زیادہ مشہور ہو گئیں اور ہم نے کبھی نہیں

[1] ابن الاثیر، الکامل: ۴/۳۰ و ابن الجوزی، المنتظم: ۶/۳۱۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوچا کہ اس شخص کے پہلو میں پتھر کا دل تھا یا ہماری طرح گوشت اور خون کا ایک ٹکڑا۔ ہم نے کبھی غور نہ کیا کہ اس شخص کی زندگی کا کوئی اور پہلو بھی ہو سکتا ہے۔ قارئین! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حجاج کی زندگی کے دوسرے گوشے کہیں زیادہ دلچسپ اور قابل مطالعہ ہیں۔[1]

حجاج کو انسانی نفسیات میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ وہ بڑا مردم شناس تھا اور مختلف طبقوں کے مزاج کو خوب سمجھتا تھا۔ چند لمحوں میں قوموں اور آدمیوں کے مزاج کو بھانپ لیتا تھا۔ اس کے مصاحبوں میں عراقی بھی شامل تھے اور شامی بھی۔ حجاج کی مردم شناس نگاہوں نے چند عراقیوں کو منتخب کر رکھا تھا۔ جو کام بھی ان عراقیوں کے سپرد کیا جاتا وہ بڑی گرم جوشی اور تندہی سے انجام دیتے۔ مسعودی نے ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے جو حجاج کی بصیرت اور نفسیاتی علم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ حجاج کے شامی مصاحبوں کو یہ بات بڑی شاق گزری کہ ہر اہم کام عراقیوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ وہ باتیں بنانے لگے۔ حجاج کے اس طرز عمل پر نکتہ چینی شروع ہو گئی۔ جب حجاج کو معلوم ہوا تو اس نے دونوں گروہوں کے کچھ آدمی ساتھ لیے اور صحرا کی طرف چل نکلا۔ جب کافی دور چلا گیا تو صحرا میں اونٹوں کا ایک قافلہ نظر پڑا۔ حجاج نے ایک شامی مصاحب سے مخاطب ہو کر کہا کہ جاؤ دیکھو کہ کیا معاملہ ہے اور واپس آ کر تفصیل پیش کرو۔ تھوڑی دیر کے بعد اس شامی نے واپس آ کر اطلاع دی کہ کچھ اونٹ گزر رہے ہیں۔ حجاج نے پوچھا کہ کوئی سامان لے کر جا رہے ہیں؟ شامی نے بوکھلا کر کہا کہ یہ تو میں نے خیال نہیں کیا۔ البتہ جا کر اب دیکھ آتا ہوں۔ پھر حجاج نے ایک عراقی کو بھیجا اور اسے وہی الفاظ کہے جو پہلے شامی سے کہے تھے، جب عراقی واپس آیا تو حجاج نے شامیوں کے روبرو پوچھا: تم نے کیا دیکھا؟ عراقی نے جواب دیا: اونٹوں کا قافلہ۔ پوچھا: کتنے اونٹ تھے؟ کہا: تیس۔ پوچھا: کیا لے جا رہے تھے؟ کہا کہ تیل۔ پھر سوال کیا: کہاں سے آئے ہیں؟ اس نے جگہ کا نام بتایا۔ پوچھا: کہاں جا رہے ہیں؟ اس نے پھر جگہ بتائی۔ حجاج نے اونٹوں کے مالک

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: پروفیسر عبدالقیوم، تاریخ اسلام، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ص: ۴۵۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا نام پوچھا تو عراقی نے وہ بھی بتا دیا۔ اب حجاج نے شامیوں سے مخاطب ہو کر کہا: اہل عراق میں اتنی خوبیاں ہیں کہ میں ان لوگوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔[1]

حجاج بمشکل پچیس برس کا تھا کہ وہ سرکاری ملازم ہو گیا اور اپنی خداداد قابلیت اور طبعی ذہانت سے عراق کی گورنری کے عہدے تک جا پہنچا۔ بلاذری نے انساب الاشراف میں لکھا ہے کہ عراق کے وائسرائے کی حیثیت میں حجاج کی سالانہ تنخواہ پانچ لاکھ درہم تھی۔[2] پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حجاج برابر بیس سال تک اس عہدے پر فائز رہا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ بڑا مالدار، کھاتا پیتا، فارغ البال اور خوش حال آدمی تھا۔

عمدہ کھانوں کا شوق

جاحظ نے تاج، عبدربہ نے العقد اور مسعودی نے مروج الذہب میں بیان کیا ہے کہ بعض مسلمانوں کو عمدہ اور نفیس کھانوں کا بڑا شوق تھا۔ وہ لوگ کھانے کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ کھانے کے شوقینوں کی ایک فہرست بھی درج ہے، جس میں حضرت امیر معاویہ، حجاج، عبیداللہ بن زیاد، خلیفہ سلیمان بن عبدالملک اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حجاج تو صدر اول کے بہترین کھانے والوں میں شمار ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے دسترخوان پر بہترین کھانے چنے جاتے تھے۔ وہ خوب مزے سے اور پیٹ بھر کر کھاتا۔ کھانے کے دوران میں بڑی دلچسپ باتیں کرتا، لطیفے کہتا، تاریخی باتوں کا تذکرہ کرتا اور کبھی کبھی عمدہ کھانے والوں کا ذکر خیر بھی کیا کرتا تھا۔[3]

نیکی اور خدا خوفی

حجاج کا طرزِ عمل اس بات کی کافی ضمانت ہے کہ وہ بنوامیہ کا بڑا وفادار اور خیر خواہ تھا۔ اس کے ثبوت کے لیے کسی مزید توضیح اور شہادت کی ضرورت نہیں۔ البتہ خلیفہ منصور

---

[1] المسعودی، مروج الذہب: ۸/ ۳۸۰، ۳۸۱۔

[2] البلاذری، أنساب الأشراف: ۷/ ۸۱

[3] المسعودی، مروج الذہب: ۱/ ۴۲۴ و ابن عبدربہ، العقد الفرید: ۵/ ۲۷۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی یہ رائے بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔ مسعودی رقمطراز ہے کہ عباسی خلیفہ منصور نے ایک دن دربار میں بیٹھے ہوئے حجاج کو یوں خراج تحسین ادا کیا: "وَاللّٰهِ! مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَنْصَحَ مِنَ الْحَجَّاجِ لِبَنِي مَرْوَانَ" [۱] بخدا میں نے حجاج سے زیادہ بنو مروان کا کوئی خیر خواہ نہیں دیکھا۔ اس وفاداری اور خیر خواہی کے علاوہ حجاج نیک دل مرد مومن تھا۔ اس کے پہلو میں ایسا دل تھا جس میں خوف خدا اور تقویٰ بسا تھا۔ حجاج کی زندگی کا یہ پہلو بڑا دلچسپ ہے کہ وہ بڑا خدا ترس اور رقیق القلب انسان تھا۔ ارکان اسلام، یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا بڑا پابند تھا۔ اکثر قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتا۔[۲] ابن اثیر نے ابن عوف کا قول نقل کیا ہے کہ جب میں حجاج کو قرآن پڑھتے سنتا تو خیال کیا کرتا تھا کہ وہ ہر وقت قرآن میں مشغول رہتا ہے۔[۳]

مسعودی نے بیان کیا ہے کہ حجاج مسلسل تین برس تک یعنی ۷۲ھ، ۷۳ھ، ۷۴ھ میں حج کے موقع پر لوگوں کی قیادت اور امامت کے فرائض انجام دیتا رہا۔[۴] بلاذری نے ذکر کیا ہے کہ جب حجاج کو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے معاملے سے فراغت حاصل ہوئی تو بیت اللہ شریف کی صفائی اور مرمت کی طرف توجہ کی۔ جنگ کی وجہ سے جو جگہ پتھر یا خون وغیرہ سے آلودہ ہو چکی تھی اسے صاف کرایا۔ پتھر اٹھوائے اور مسجد حرام کو ازسرِنو تعمیر کرایا۔[۵] ابو الفداء نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ تعمیر نو کے وقت حجاج نے اس بات کا خاص خیال رکھا کہ مسجد حرام کا انداز اور نمونہ بالکل وہی ہو جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا۔[۶] ابن اثیر کی روایت میں ہے کہ جب تک حجاج زندہ رہا امامت کے

۱ المسعودی، مروج الذہب: ۱/۴۸۰
۲ المسعودی، مروج الذہب: ۱/۴۸۰
۳ ابن الاثیر، الکامل: ۴/۱۳۲
۴ المسعودی، مروج الذہب: ۹/۵۹، ۶۰
۵ البلاذری، أنساب الأشراف: ۵/۳۷۳
۶ أبو الفداء، التاریخ: ۱/۲۰۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرائض خود ادا کرتا رہا اور جب موت کا وقت قریب آ پہنچا تو اپنے بیٹے عبداللہ کو امام نماز مقرر کر دیا۔[1]

نبی اکرم ﷺ کے بارے میں ایک روایت ہے کہ جب آپ کسی قبر کو دیکھتے یا اس کا ذکر کرتے تو دل پر انتہائی رقت طاری ہو جاتی اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے۔[2] یہ وہ دلی کیفیت ہے جو ہر انسان کو ہر وقت میسر نہیں آ سکتی۔ ابن اثیر اپنی تاریخ الکامل میں بیان کرتا ہے کہ ایک مرتبہ حجاج تقریر کر رہا تھا، دوران تقریر میں قبر کا ذکر آ گیا۔ حجاج بار بار قبر کا لفظ دہراتا اور کہتا رہا کہ وہ تنہائی کی جگہ ہے اور وحشت کا گھر ہے۔ وہاں آدمی بالکل غریب الوطن اور بے یار و مددگار ہو گا۔ وہاں نہ تو کوئی انیس اور دوست ہو گا نہ مونس و غمگسار۔ حجاج ان الفاظ کو بار بار دہراتا۔ خود بھی روتا اور دوسروں کو بھی رلاتا رہا۔[3] اگرچہ بظاہر یہ چیز معمولی سی نظر آتی ہے، لیکن اس کی پنہائیوں میں حجاج کے دل مضطر اور قلب متقی کی کیفیات و احوال کی بے پناہ موجیں محسوس کی جا سکتی ہیں۔

خاندان ابو طالب سے حسن سلوک

حجاج کا سیاسی ماحول کچھ اس قسم کا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاندان کی حمایت کر کے حکومت سے وابستگی اور خوشگوار تعلقات استوار رکھنا ممکن نہ تھا۔ اس خاندان سے عداوتیں حد سے بڑھ چکی تھیں۔ خاندان ابو طالب کے کسی فرد سے حسن سلوک یا ہمدردی کرنا مستحسن نہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ علویوں اور ان کے رشتہ داروں کو اذیت اور دکھ سے محفوظ رکھنا بھی بہت بڑا کارنامہ تھا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ حجاج کی پارسائی اور تقویٰ کی سب سے بڑی شہادت یہ ہے کہ اس نے حکومتوں کے اختلاف اور عداوتوں کے باوجود اپنے سارے عہد حکومت میں ابو طالب کے خاندان کے کسی فرد کو نہ ستایا اور

[1] ابن الاثیر، الکامل: ۵۹/۴

[2] سنن ابن ماجہ: ۴۱۹۵ و سنن ابی داود: ۳۲۳۴

[3] ابن الاثیر، الکامل: ۴۹/۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہ کسی کو دکھ دیا۔[1]

ایک دن حجاج نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ جس نے شجاعت و بہادری کا کوئی کارنامہ سرانجام دیا ہو وہ سامنے آئے، ہم اسے دلیری اور جرأت کا صلہ دیں گے۔ ایک آدمی اٹھ کر کہنے لگا کہ میں نے زندگی میں ایک بڑا شاندار کارنامہ کیا ہے۔ حجاج نے اس کی نوعیت پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ میں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔ میرے اس کارنامے میں کسی اور شخص کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ سن کر حجاج کا خون کھولنے لگا۔ لال پیلا ہو کر حجاج نے کہا: میری آنکھوں سے دور ہو جا۔ تو اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ یہ کہہ کر اسے مجلس سے نکال دیا اور کوڑی تک نہ دی۔[2]

حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ خلیفہ عبدالملک کی بے اعتنائیوں کی وجہ سے بڑے زیر بار ہو گئے۔ انھوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اپنی لخت جگر ام کلثوم کا نکاح حجاج سے کر دے۔ حجاج بھی رضامند ہو گیا۔ حجاج نے اپنے سسرال سے بڑا فیاضانہ سلوک کیا۔ ان پر لاکھوں روپے خرچ کیے۔ ان کے افلاس اور تنگدستی کو خوش حالی اور فارغ البالی سے بدل دیا۔ آٹھ ماہ گزرنے کے بعد خلیفہ عبدالملک کے بیٹے ولید نے اس نکاح پر نکتہ چینی شروع کر دی اور محاذ جنگ یہ قرار دیا کہ عربوں کی معزز ترین خاتون اور بنو عبد مناف کی سیدہ کو بنو ثقیف کے حجاج جیسے معمولی فرد سے بیاہ دیا گیا ہے۔ اس شادی کو انمل جوڑ قرار دے کر عبدالملک کو برابر اکساتا رہا اور اس وقت تک چین نہ لیا جب تک کہ حجاج کے نام خط نہ لکھوا دیا کہ ام کلثوم کو فوراً طلاق دے دو۔[3]

بظاہر تو حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے خاندان کی سیادت کا اعتراف اور شرافت کی حفاظت اور حمایت مقصود ہے، لیکن ہوشمند لوگ سمجھتے ہیں کہ کتنے سیاسی اور نفسیاتی محرکات اس ''نیک جذبے'' کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔

[1] ابن عبدربہ، العقد الفرید: ۲/۲۶۳

[2] ابن الاثیر، الکامل: ۴/۱۳۲

[3] ابن عبدربہ، العقد الفرید: ۱/۱۹۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حجاج کی مجبوریاں بھی ہمارے سامنے ہیں، وہ خلیفہ کی حکم عدولی نہیں کر سکتا اور اگر کرے تو صرف زندگی کی نعمتوں سے ہی نہیں، بلکہ زندگی سے بھی محروم ہوتا ہے۔ بہرحال اس نے طلاق دے دی، لیکن اس مردِ مجاہد کو آفرین کہنا چاہیے کہ تعلقات منقطع کر لینے کے بعد بھی بڑی مروت، فیاض دلی اور حسن سلوک کا ثبوت دیا، جب تک حجاج زندہ رہا ام کلثوم کے سارے اخراجات کا کفیل رہا اور جب تک حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ زندہ رہے حجاج بڑی فیاضی اور فراخ دلی سے ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا رہا۔[1]

رقتِ قلب

حجاج کی خدا خوفی اور رقتِ قلب سے متعلق ابن اثیر نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ خلیفہ عبدالملک نے حجاج کو لکھا کہ اسلم نامی ایک شخص کے بارے میں مجھے یہ خبر ملی ہے اور ساتھ ہی حکم لکھ بھیجا کہ اسلم کو قتل کر دیا جائے۔ حجاج نے اسلم کو بلایا، اس نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ امیر المومنین تو تشریف فرما نہیں ہیں، مگر آپ تشریف رکھتے ہیں، اللہ کا فرمان ہے کہ ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب کوئی فاسق تمھارے پاس کسی قسم کی خبر لائے تو اچھی طرح تحقیق کر لو۔'' مقصد یہ ہے کہ امیر المومنین کو جو اطلاع پہنچی ہے وہ غلط ہے۔ آپ امیر المومنین کی خدمت میں لکھ بھیجیں کہ مجھ پر چوبیس عورتوں کی روزی اور خوراک کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور وہ عورتیں باہر دروازے پر کھڑی ہیں۔ آپ انھیں بلا بھیجیں۔ انھیں اندر بلایا گیا تو کوئی تو اس کی ماں تھی، کوئی خالہ، کوئی چچی، کوئی بیوی اور کوئی بیٹی۔ سب سے آخر میں ایک دس سالہ بچی داخل ہوئی۔ حجاج نے چھوٹی بچی سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ اللہ آپ کا بھلا کرے! میں تو اس کی بیٹی ہوں۔ پھر اس بچی نے شعروں میں چند معروضات پیش کیں، جن کا مفہوم یہ ہے:

''اے حجاج! اگر تو نے اسے قتل کر دیا تو محض ایک آدمی کو قتل نہیں کرے گا۔
بلکہ اس کے ساتھ خاندان کے چوبیس افراد کو بھی قتل کر دے گا۔ اے حجاج!

[1] ابن عبد ربہ، العقد الفرید: ۱/۱۹۱

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اس کے قتل کے بعد ہمارا کفیل کون ہوگا؟ اے حجاج! یا تو ہم پر احسان وکرم کر دے یا ہم سب کو اکٹھا قتل کر دے۔"

یہ سن کر حجاج کی آنکھیں آبدیدہ ہوگئیں۔ اس نے سارا ماجرا خلیفہ کو لکھ بھیجا۔ خلیفہ نے جواب دیا کہ اگر یہی بات ہے تو پھر اس آدمی سے حسن سلوک کیا جائے۔[1]

سخاوت، دیانت اور پاس عہد

حجاج بڑا دیانت دار اور امین تھا۔ اسے وعدوں کا پاس تھا۔ وہ ہمیشہ کوشش کرتا کہ کسی کے عہد کو نہ توڑے، اسے یہ بات بھی گوارا نہ تھی کہ کوئی دوسرا آدمی بدعہدی کرے۔ بلاذری نے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے حجاج کی امانت ودیانت کا پتہ چلتا ہے۔ جحاف نامی ایک شخص حجاج کے پاس آیا۔ قتل وخون کے سلسلے میں جحاف کے ذمہ بہت سی رقوم واجب الادا تھیں۔ اس نے حجاج سے روپے مانگے۔ حجاج نے کہا کہ میرے پاس اللہ کی امانت ہے۔ میں اللہ کے مال میں سے ایک پیسے کی بھی خیانت نہیں کر سکتا۔ اس نے عرض کیا کہ آپ سرکاری خزانے سے نہیں دینا چاہتے تو نہ سہی، اللہ نے آپ کو بہت کچھ دے رکھا ہے، آپ کی تنخواہ بڑی معقول ہے، مجھے اپنی جیب خاص سے کچھ رقم عطا کر دو۔ یہ کہہ کر اس نے حجاج کی امانت اور دیانت کی تعریف شروع کی۔ بالآخر حجاج نے اسے ایک لاکھ درہم اپنے پاس سے دے دیے۔[2]

حجاج کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ ہر روز دس غریبوں مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حجاج نے سجستان کے حاکم رتبیل سے معاہدہ کیا کہ وہ سجستان پر سات برس تک حملہ آور نہ ہوگا اور رتبیل نے وعدہ کیا کہ وہ نو لاکھ درہم کی رقم سالانہ ادا کرے گا۔ یہ ادائیگی نقدی کی صورت میں نہ تھی، بلکہ بصورت جنس تھی۔ جب معاہدے کی میعاد ختم ہوگئی تو حجاج نے اشہب بن بشیر کلبی کو سجستان کا والی مقرر کر کے بھیجا۔

[1] ابن الاثیر، الکامل: ۴/۱۳۳، ۱۳۴

[2] البلاذری، أنساب الأشراف: ۷/۸۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اشہب نے رتبیل کو جنس کے بارے میں تنگ کرنا شروع کیا۔ رتبیل نے حجاج سے شکایت کی تو حجاج نے اشہب کو معزول کر دیا۔[1]

جب تک حجاج زندہ رہا اس کے دبدبے اور رعب و جلال کی وجہ سے اپنے پرائے سب معاہدوں اور سیاسی فیصلوں کی پابندی کرتے رہے، لیکن حجاج کی موت کے بعد وعدوں کی پابندی چنداں ضروری نہ سمجھی گئی۔ حجاج کی ہیبت اور سختی کے باوجود غیر مسلم حکمرانوں اور جمہور کو اس بات کا اعتراف تھا کہ اسے اپنے الفاظ کا بڑا پاس ہے۔ ایک دفعہ بات منہ سے کہہ دی پھر کیا مجال جو سرِمو بھی انحراف ہو جائے۔ دشمن یہ بھی خوب جانتے تھے کہ وہ لشکر کشی اور مہم کو سر کرنے کے لیے روپیہ پیسہ بڑی بے دریغی اور بے جگری سے خرچ کرنے والا حاکم ہے۔

عنان حکومت یزید بن عبدالملک کے ہاتھ میں تھی۔ حاکم سجستان نے زرِ صلہ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ جب اس سے تقاضا کیا گیا تو رتبیل نے دریافت کیا کہ ان لوگوں کو کیا ہوا جو خالی پیٹ آیا کرتے تھے۔ نمازیں پڑھنے کی وجہ سے ان کی پیشانیوں پر سیاہ رنگ کے نشان پڑ گئے تھے۔ رتبیل کو بتایا گیا کہ وہ لوگ تو موت سے ہم آغوش ہو چکے ہیں۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ وہ لوگ تم سے زیادہ ایفائے عہد اور وعدوں کا پاس کرنے والے تھے۔ وہ تم سے زیادہ بہادر اور طاقت ور تھے۔ رتبیل سے پوچھا گیا کہ کیا بات ہے کہ تم حجاج کو تو زرِ صلح ادا کرتے تھے، ہمیں ادا نہیں کرتے۔ اس نے جواب دیتے ہوئے بڑے پتے کی بات کہی۔ کہا کہ حجاج بلا کا آدمی تھا، جب وہ کسی چیز کے حصول میں کامرانی اور فتح مندی سے ہم کنار ہوتا تو پھر وہ بڑی سے بڑی رقم خرچ ہو جانے کی مطلق پروا نہ کرتا۔ خواہ مہم کے بدلے میں پکی کوڑی بھی وصول نہ ہو۔ تمھاری یہ حالت ہے کہ تم ایک روپیہ خرچ کر کے اس کے بدلے میں دس روپوں کی امید رکھتے ہو۔ چنانچہ رتبیل نے بنو امیہ اور ابو مسلم خراسانی کے والیوں میں سے کسی کو بھی زرِ صلح کی ایک پائی ادا نہیں کی۔[2]

[1] البلاذری، فتوح البلدان، ص: ۴۰۷

[2] البلاذری، فتوح البلدان، ص: ۴۰۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جذبہ اطاعتِ قرآن

دوسری گوناگوں خوبیوں کے ساتھ حجاج میں یہ خوبی بھی بڑی نمایاں تھی کہ ایک فیصلہ صادر کر دینے کے بعد جب اسے قرآنی حکم معلوم ہو جاتا تو وہ فوراً قرآن مجید کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا۔ ایک مرتبہ سُلیک ابن سُلکہ حجاج کے پاس آیا اور اس نے شکایت کی کہ مجھ پر فلاں فلاں شخص نے ظلم وستم کیا ہے۔ میرا مکان منہدم کر دیا ہے۔ یہ سن کر حجاج نے ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ دنیا میں یہی دستور رہا ہے کہ قصور وار کی جگہ بے قصور پکڑا جاتا ہے اور مجرم کے بجائے معصوم انسان مارا جاتا ہے۔ اس پر سلیک نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھتے ہوئے کہا کہ قرآن کا ارشاد تو کچھ اور ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ...... ﴾[1]

"اے والا جاہ! اس کا باپ بوڑھا ہے اس کے بجائے ہم میں سے کسی کو پکڑ لیجیے، ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے سمجھتے ہیں۔ جواب ملا کہ اللہ اس بات سے بچائے کہ ہم کسی اور کو پکڑیں سوائے اس شخص کے جس کے پاس ہماری چیز ملی ہے، ورنہ ہم تو ظالموں میں شمار ہوں گے۔"

جب حجاج نے یہ آیت سنی تو سر جھکا دیا۔ یزید بن مسلم کو بلا کر حکم دیا کہ اس شخص کے ساتھ جو جو ظلم اور زیادتی ہوئی ہے اس کا ازالہ کیا جائے۔ ساتھ ہی یہ فیصلہ بھی صادر کر دیا کہ اس کا مکان تعمیر کرا دیا جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ شاعر نے جھوٹ اور غلط کہا ہے اور اللہ کی بات سچی ہے۔[2]

امن عامہ کا خیال

حجاج کو امن عامہ کا بڑا خیال رہتا۔ اس کی ہمیشہ کوشش رہی کہ چوری اور ڈکیتی کی

---

[1] یوسف:۱۲/۷۸

[2] ابن عبدربہ، العقد الفرید:۱/۱۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وارداتیں نہ ہونے پائیں۔ راستے پر امن رہیں۔ عوام کی شہری زندگی خطروں سے پاک نظر آئے اور جمہور محسوس کریں کہ ان کی زندگی امن و امان سے گزر رہی ہے۔ جب کبھی کوئی چوری یا ڈکیتی کا واقعہ پیش آتا تو حجاج سنگین ترین سزا دینے سے بھی گریز نہ کرتا۔ حجاج نے خراسان کے گورنر قتیبہ بن مسلم کو خط لکھا کہ وکیع بن حسان بصرہ میں رہتا تھا۔ پھر سجستان جا کر چوری کی وارداتیں کرنے لگا۔ اب وہ خراسان میں سکونت رکھتا ہے۔ میرا یہ خط پہنچتے ہی اس کا مکان منہدم کر دو[1]

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حجاج کو معلوم ہوا کہ چند عربوں نے راستوں کو مسافروں کے لیے مخدوش بنا رکھا ہے۔ اس نے ڈاکوؤں کو لکھ بھیجا کہ تم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ فتنہ و فساد کوئی معمولی چیز ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ شہسواروں کا ایک دستہ بھیج کر تمھارا مال و دولت نیست و نابود کر دوں۔ تمھاری عورتوں کو بیوہ بنا دوں اور تمھارے بچے یتیم چھوڑ دوں۔ جب انھیں یہ خط پہنچا تو انھوں نے راستوں کے امن و امان کو بحال کر دیا اور اپنی جان بچانے کی خاطر اپنے گھر کی راہ لی۔[2]

انسانی جذبات

حجاج ہماری طرح کا ایک انسان تھا۔ جب اس کے جذبات کو اکسایا جاتا اور اس کے خاندان کی بزرگی اور اس کے عہدے کی جلالت قدر کا واسطہ دیا جاتا تو وہ درخواست کنندہ کی درخواست پر ہمدردانہ غور کرنے کے لیے آمادہ و تیار ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ امام شعبی نے حجاج سے کسی چیز کے لیے درخواست کی، لیکن حجاج نے ان کی درخواست کو درخورِ اعتناء نہ سمجھ کر کسی دوسری فرصت پر اٹھا رکھا۔ امام شعبی نے دوبارہ لکھا مگر اس مرتبہ علم نفسیات کی روشنی میں معروضات پیش کیں۔ تار رگ جان کو چھیڑنا تھا کہ ساز دل بجنے لگا، امام شعبی نے لکھا کہ آپ عراق کے حاکم اعلیٰ ہیں۔ حجاز کے نامور بزرگ حضرت

[1] ابن عبدربہ، العقد الفرید: ۱/ ۱۷

[2] ابن عبدربہ، العقد الفرید: ۱/ ۱۷

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کے نواسے ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں آپ معذور تصور نہیں کیے جا سکتے۔ یہ الفاظ پڑھ کر حجاج کا چہرہ خوشی اور مسرت سے تمتمانے لگا اور حکم دیا کہ شعبی کی حاجت فوراً پوری کر دی جائے۔[1]

بحیثیت خاوند

حجاج کی زندگی کا یہ پہلو بھی بڑا شاندار ہے کہ وہ انسانوں اور قوموں کی نفسیات کو خوب سمجھتا تھا۔ وہ ہر آدمی سے گفتگو اور سلوک کرتے وقت اس کی استعداد اور رجحانات کا خاص خیال رکھتا تھا۔ بیویوں کے معاملے میں بھی وہ اسی اصول پر کاربند تھا۔

ایک دفعہ حجاج کے ہاں محفل جمی ہوئی تھی۔ عورتوں کا ذکر خیر ہونے لگا۔ حجاج نے کہا کہ میری چار بیویاں ہیں جن کے نام یہ ہیں: (۱) ہند بنت مہلب (۲) ہند بنت اسماء (۳) ام جلاس بنت عبدالرحمٰن (۴) امت الرحمٰن بنت جریر البجلی۔ نام بتانے کے بعد ہر بیوی سے اپنا سلوک اور معاشرتی تعلقات بیان کرتے ہوئے نہایت لطیف انداز میں ہر ایک پر نفسیاتی تنقید کی، کہنے لگا کہ جب میں ہند بنت مہلب کے پاس ہوتا ہوں تو میری جذباتی کیفیت اس نوجوان بدو کی طرح ہوتی ہے جو اپنے نوجوان ساتھیوں کے ساتھ مل کر خوب کھیلے کودے۔ جب ہند بنت اسماء کے پاس ہوتا ہوں تو میں شاہانہ شان وشکوہ کا مالک ہوتا ہوں اور میری حالت اس تاجدار کی طرح ہوتی ہے جو بڑے وقار اور تمکنت کے ساتھ دوسرے بادشاہ کے ساتھ بیٹھا ہوا ہو۔ جب میں ام جلاس کے پاس ہوتا ہوں تو میری مثال اس بدو کی طرح ہوتی ہے جو دوسرے بدوؤں کی محفل میں بیٹھ کر بڑے چٹخارے لے لے کر شعر وشاعری کر رہا ہو۔ قصے کہانیاں اور لطائف وظرائف کہہ سن رہا ہو۔ جب میں امت الرحمٰن بنت جریر کے پاس ہوتا ہوں تو علم وفقہ کے چرچے ہوتے ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ایک عالم دوسرے علماء اور فقہاء کی مجلس میں بیٹھا باتیں کر رہا ہے۔[2]

حجاج کے شاندار کارناموں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ وہ بڑا مہربان اور وفادار

[1] ابن عبدربہ، العقد الفرید: ۷۷/۱

[2] ابن عبدربہ، العقد الفرید: ۳۲۳/۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شخص تھا۔ وہ غریبوں اور محتاجوں کا ہمیشہ خیال رکھتا۔ اس نے داخلی اور خارجی فتنوں کا سدباب کیا۔ اسلامی فتوحات کے دائرے کو وسیع سے وسیع تر کر دیا۔ حجاج پہلا حاکم تھا جس نے درہم پر "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" لکھا۔[۱] صحابہ کے بعد وہ پہلا آدمی تھا جس نے فوجی ضرورتوں اور عسکری مصلحتوں کے پیش نظر شہر واسط کی بنیاد رکھی۔[۲]

وہ بڑا غیرت مند اور بہادر انسان تھا۔ مسلمان عورتوں کی عصمت بچانے اور انھیں ڈاکوؤں کے پنجے سے رہائی دلوانے کی خاطر سندھ پر لشکر کشی کی اور ستر لاکھ درہم خرچ کر کے انھیں غیر مسلموں کے ہاتھ سے نجات دلائی۔[۳]

حجاج حسابات کی باقاعدگی کا بڑا خیال رکھتا اور پڑتال وغیرہ کے معاملے میں بڑا محتاط تھا۔ اس سلسلے میں یہ بات بڑی ضروری تھی کہ حسابات ایسی زبان میں لکھے جائیں جو ہر آدمی کے لیے قابل فہم اور آسان ہو۔ حجاج کے وقت تک عراق کی آمد و خرچ کا حساب فارسی زبان میں لکھا جاتا۔ حجاج نے عراق کے انتظامات کی باگ ڈور ہاتھ میں لیتے ہی زاذان فرخ اور صالح بن عبدالرحمٰن کے تعاون سے دیوان عراق کو عربی زبان میں منتقل کر دیا۔[۴]

وہ عربوں کے وقار اور عربی کا بڑا حامی تھا۔ عربی زبان تو اس کے احسان سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ حجاج کے اپنے زمانے تک یہ رواج تھا کہ عربی لکھتے وقت نقطے اور زیر، زبر، پیش وغیرہ مفقود ہوتی تھیں لیکن حجاج نے عوام کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن مجید کے پڑھنے کو آسان بنا دیا۔ اس پر زبریں، زیریں اور پیشیں وغیرہ لگا دیں۔ نقطے لگا دیے اور قرآن مجید کی اشاعت میں بہت حصہ لیا۔[۵]

---

۱ ابن الجوزی، المنتظم: ۶/ ۱۴۸ و ابن الاثیر، الکامل: ۳/ ۴۵۳
۲ الطبری، التاریخ: ۶/ ۳۸۳
۳ الطبری، التاریخ: ۹/ ۸۵
۴ الزرکلی، الأعلام: ۳/ ۱۹۲ و ابن عساکر، تاریخ دمشق: ۲۳/ ۳۴۴
۵ الزرکلی، الأعلام: ۴/ ۱۶۵ و الذہبی، تاریخ الاسلام: ۶/ ۲۹۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملکی امن وامان قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ حجاج کو اس بات کا بڑا شوق تھا کہ ملک ترقی کی طرف گامزن ہو۔ وہ ہر وقت جمہور کی فلاح و بہبود کی فکر میں رہتا۔ چنانچہ زراعت کی ترقی کے لیے نہریں کھودیں۔ پرانی نہروں بالخصوص نہر دجلہ وفرات کو مرمت کرکے نئے سرے سے جاری کیا۔ نئی نہریں کھدوائیں۔[1]

حجاج کو زرعی ثروت اور پیداوار کو بڑھانے کا بڑا خیال رہتا تھا۔ اس مقصد کے پیش نظر نہریں کھدوانے کے علاوہ حجاج نے یہ حکم نافذ کردیا کہ کوئی شخص کھیتی باڑی چھوڑ کر شہری زندگی اختیار نہ کرے، تاکہ زرعی پیداوار میں کمی نہ ہونے پائے۔

حجاج نے عراق میں نیا بندوبست جاری کیا۔ زمینوں کی پیمائش کرکے ہر شخص کی زمین کی حدود مقرر کردیں۔

حجاج نے بہت سی بے آباد زمینوں کو آباد کرکے کھیتی باڑی شروع کرادی۔ جوہڑوں اور زیر آب زمینوں کو خشک کرانے کے بعد انھیں قابل زراعت بنا کر ملک کی پیداوار میں معتدبہ اضافہ کیا۔

عراق کے شہروں میں یہ دستور تھا کہ ہر شہر کے ناپ اور تول الگ الگ تھے۔ حجاج نے حکم نافذ کرکے سارے عراق کے پیمانے، ترازو اور باٹ ایک جیسے مقرر کردیے۔

حجاج نے شہروں کی صفائی اور لوگوں کی صحت کے لیے کئی قانون بنائے۔ اس نے شہر واسط کے بازاروں اور گلی کوچوں میں پیشاب کرنے کی ممانعت کردی اور خلاف ورزی کرنے والے کو قید کی سزا دی جاتی تھی۔ شہر میں آوارہ کتے قتل کرادیے گئے۔

حجاج نے فوج میں بھرتی کے لیے عمر مقرر کردی۔ وہ عمر رسیدہ اور کمزور لوگوں کو بھرتی نہ کیا کرتا تھا۔ حجاج فوج کے لیے نوعمر، تندرست اور تنومند جوانوں کو پسند کیا کرتا تھا۔ بھرتی کے وقت حجاج امیدواروں کے اوپر کے کپڑے اتروا کر انھیں ادھر ادھر دوڑاتا اور جسمانی صحت کا بڑی سختی سے امتحان لیتا تھا۔

[1] ابن الجوزی، المنتظم: ۱/۱۶۲ وابن الاثیر، الکامل: ۵/۱۳۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملکی امن وامان کو بحال رکھنے کے لیے حجاج نے سرزمین عراق میں کرفیو آرڈر نافذ کرتے ہوئے یہ حکم دیا تھا کہ کوئی شخص نماز عشاء اور نماز فجر کے درمیان گھر سے باہر نہ نکلے۔ خلاف ورزی کرنے والوں کی سزا موت تھی۔

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے یزید کے عہد حکومت میں کعبہ کو ازسرنو تعمیر کرتے ہوئے اس کی عمارت میں توسیع کرائی۔ بڑے بڑے ستون بنائے، اس کی دیواروں کو گلکاری اور پچکاری سے مزین اور خوشنما بنا دیا۔ حجاج کے نزدیک حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر وتوسیع اور تزئین سے کعبہ کی تاریخی اور اثری اہمیت کم ہو جاتی تھی۔ چنانچہ حجاج نے کعبہ کی عمارت کو گرا کر عہد نبوی کی طرز پر دوبارہ تعمیر کیا۔ اسی طرح حجاج نے مدینہ شریف میں بنوسلمہ کی بستی میں ایک مسجد تعمیر کرائی۔

حجاج کی قابلیتوں اور کامیابیوں کو دیکھ کر لوگ اسے ساحر و جادوگر کہنے لگے۔ بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ حجاج کو اسم اعظم معلوم ہے۔[1]

مختصر یہ کہ حجاج کے کارنامے اتنے شاندار، اس کا کردار اتنا بلند اور اس کی خدمات اتنی زیادہ ہیں کہ اسلامی تاریخ اور عربی ادب اس کے احسانات سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اس کی قابلیت، ہنرمندی اور ذہنی وانتظامی خوبیوں کا اعتراف اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ خلیفہ منصور عباسی جیسا دانشمند اور لائق حکمران یہ آرزو کرتا ہے کہ کاش! مجھے حجاج جیسا انسان مل جائے جو حکمرانی اور انتظام سلطنت میں میرا ہاتھ بٹائے۔[2،3]

---

[1] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۹/ ۱۳۸

[2] حجاج کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے: الحجاج بن یوسف الثقفی، المفتری علیہ از الدکتور محمود زیادہ

[3] تخریج مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابو حنیفہ اور ان کا فکری مقام

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات اور دستور زندگی ہے۔ قرآن و حدیث کی بدولت مسلمانوں کو علم وفن اور فکر وعمل کی لازوال وراثت ملی ہے۔ اسلام نے علماء اور مفکرین کی ایک ایسی عظیم الشان جماعت پیدا کی ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ اسلامی تاریخ میں فکر و عمل کے ہر میدان میں ایسے عظیم المرتبت اور جلیل القدر مفکرین اور علماء بکثرت نظر آتے ہیں جنھوں نے ہماری فکری تاریخ میں بڑے گہرے نقوش مرتسم کیے ہیں اور جن کی علمی کاوشیں اور فکری کارنامے ملت اسلامیہ کے لیے رہتی دنیا تک باعث عزت وافتخار ہیں۔ مسلمان مفکرین نے ایسے ایسے شاہکار اپنی یادگار چھوڑے ہیں، جنھیں دیکھ کر آج بھی علمی دنیا محو حیرت واستعجاب ہے۔ اسی کاروان فکر وعلم کے ایک عظیم سالار امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ایک عظیم مفکر اور یگانہ روزگار فقیہ تھے۔ فقہی اور فکری اعتبار سے وہ بڑے بلند قامت امام اور اسلامی قانون کے ماہر تسلیم کیے گئے ہیں۔ اپنے اور بیگانے سب ان کی عظمت شان اور جلالت قدر کے قائل اور معترف ہیں۔ حضرت امام زندگی بھر مسائل حیات کے ذکر و بیان اور فقہی گتھیوں کی افہام وتفہیم میں مصروف رہے۔ قیاسات وضوابط کی وضع وتدوین اور احکام کے اسباب وعلل کے استنباط اور قوانین شریعت کی توضیح وتنقیح میں اتنی خدمات انجام دیں کہ دنیا نے آپ کو قیاس واجتہاد کا امام تسلیم کرلیا۔ آپ وفور عقل، کثرت علم، تقویٰ ودیانت اور ورع وامانت کے باعث بڑی امتیازی شان کے مالک ہیں۔[1]

[1] الذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۳۹۱/۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابتدائی حالات

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اسم گرامی نعمان بن ثابت ہے اور آپ امام اعظم کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ ۸۰ھ/ ۶۹۹ء میں عراق کے مشہور شہر کوفہ میں پیدا ہوئے۔ اس عہد میں کوفہ علم فقہ کا مرکز تھا۔ خلیفہ ثانی امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (م ۳۲ھ) کو معلم اور قاضی بنا کر کوفے بھیجا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دن رات محنت کر کے اس شہر میں قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم عام کر دی۔ آپ کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد شہرت دوام کے مالک بنے۔ آپ کے نامور شاگردوں میں حضرت علقمہ نخعی، حضرت مسروق، ہمدانی، قاضی شریح کندی، ابراہیم نخعی اور حضرت حماد بن ابی سلیمان رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔[1]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے پہلے تو علم کلام کا مطالعہ کیا۔ پھر کوفی فقہ اپنے استاد حماد بن ابی سلیمان (م ۱۲۰ھ) سے سیکھی۔ امام موصوف ریشمی کپڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ تجارتی ذہن، اقتصادی فہم و فراست اور علم الکلام نے مل کر حضرت امام میں صحیح اور پختہ رائے پیدا کر دی تھی۔ معاملہ فہمی، حریت فکر اور آزادی رائے نے آپ کو یہ صلاحیت عطا کی کہ مسائل جدیدہ میں قیاس سے کام لے کر احکام شرعیہ کو عملی زندگی میں جاری کر سکیں۔ اسی وجہ سے آپ کے مدرسہ فکر کو مذہب اہل الرائے کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔[2]

فقہی اصول اور فقہی مقام

بقول ابن عبدالبر رحمہ اللہ امام اعظم نے اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: جب کوئی مسئلہ قرآن و سنت میں نہ ملے تو میں اقوال صحابہ پر غور کرتا ہوں اور اقوال صحابہ کے ساتھ کسی کے قول کو قابل اعتماد نہیں سمجھتا۔ ابراہیم، شعبی، ابن سیرین،

[1] ابن عساکر، تاریخ دمشق: ۵۷/ ۴۱۰ و ابن حجر، الاصابہ: ۱/ ۵۸

[2] ابن خلکان، وفیات الأعیان: ۵/ ۴۱۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عطاء اور سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے بھی اپنے اپنے عہد میں اجتہاد کیا۔ میں بھی انھی کی طرح اجتہاد کرتا ہوں[1]

امام موصوف کے تبحر علمی کی داد دیتے ہوئے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو علم فقہ سیکھنا چاہے وہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محتاج ہے۔[2] امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بڑے ذہین تھے، سرعت فہم میں تو آپ کی نظیر نہیں ملتی۔ جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو فوراً جواب دیتے گویا کہ پہلے سے جواب سوچ رکھا تھا۔

بنوامیہ کے آخری عہد میں عراق کے گورنر ابن ہبیرہ نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو عہدۂ قضاۃ (چیف جج) پیش کیا تو آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح عباسی عہد میں خلیفہ ابوجعفر منصور نے بھی آپ کو قاضی (جج) مقرر کرنا چاہا تو پھر بھی آپ نے انکار کر دیا۔ آپ نے زدوکوب کی تکالیف اور حبس دوام کے آلام و مصائب کو برداشت کرنا گوارا فرمایا، لیکن سرکاری عہدوں کو قبول نہ کیا اور قید خانے میں ۱۵۰ھ/۷۶۷ء میں انتقال فرمایا۔[3]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ احادیث کے بارے میں بڑے محتاط تھے اور صرف وہی احادیث قبول کرتے تھے جو مستند اور پختہ ذرائع سے پہنچی ہوں۔ آپ کی احتیاط کی بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ جس دور میں گزرے ہیں وہ دور سیاسی فتنوں اور سازشوں کا دور تھا۔ اموی سلطنت کو ختم کر کے عباسی حکومت کی داغ بیل ڈالی جا رہی تھی۔ خاندانوں اور جماعتوں کے سامنے اپنے اپنے مفادات تھے اور عوام کے جذبات سے کھیلنے کے لیے ہر گروہ جعلی اور وضعی حدیثیں پیش کر کے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس گڑبڑ اور انتشار کے زمانے میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بڑی احتیاط سے کام لیا، لیکن اس کے باوجود آپ کے رفقاء اور تلامذہ نے آپ کے ایسے پندرہ سولہ مجموعے روایت کیے

[1] ابن عبدالبر، الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الأئمۃ الفقہاء، ص: ۱۴۳

[2] الذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۶/۴۰۳ والصفدی، الوافی بالوفیات: ۲۷/۸۹

[3] ابن الجوزی، المنتظم: ۸/۱۴۳ وابن خلکان، وفیات الأعیان: ۵/۴۰۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں جن کے راویوں کا سلسلہ آنحضرت ﷺ تک پہنچتا ہے۔ ان مجموعوں کو قاضی القضاۃ ابوالمؤید خوارزمی (م ۶۵۵ھ) نے جامع المسانید میں جمع کر دیا ہے۔

اہم شاگردانِ رشید

امام ابوحنیفہ کے شاگردانِ رشید میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ (۱۱۳ تا ۱۸۲ھ) امام محمد رحمہ اللہ (۱۳۲ تا ۱۸۹ھ) اور امام زفر رحمہ اللہ (۱۱۰ تا ۱۵۸ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ بغداد میں عہدۂ قضا پر فائز رہے۔ خلیفہ ہارون الرشید کی خلافت میں چیف جج مقرر ہوئے۔ ان کے عہد قضاء میں اکثر قاضی حنفی مسلک کے مقرر ہوتے رہے۔ اس لیے حنفی مذہب کو فروغ پانے کا موقع مل گیا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کئی مسائل میں صحیح احادیث کی بناء پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اختلاف بھی کیا۔ ان کے اقوال فقہ حنفی کی کتابوں اور امام شافعی کی کتاب الام کے آخر میں مذکور ہیں۔ ان کی ایک گراں قدر تصنیف کتاب الخراج بھی ہے۔ اس کتاب میں امور مالیات اور محصولات وغیرہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب خلیفہ ہارون الرشید کے ایماء پر لکھی گئی تھی۔[1]

امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ نے ایک طرف تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے تحصیل علم کیا اور دوسری طرف امام مالک رحمہ اللہ سے مدینہ منورہ پہنچ کر علم حدیث پڑھا اور امام اوزاعی رحمہ اللہ سے بھی حدیث سنی۔ آپ حنفی فقہ کی تدوین اور استخراج مسائل کے لیے مشہور ہیں۔ آپ کی تصانیف میں المبسوط، الجامع الصغیر، الجامع الکبیر، کتاب السیر الکبیر، کتاب السیر الصغیر اور الزیادات مشہور ہیں۔ ان کتابوں کو علمائے احناف کے ہاں کتب ظاہر الروایۃ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ کتابیں معتبر راویوں نے امام محمد سے روایت کی ہیں۔ ابوالفضل حاکم الشہید رحمہ اللہ (م ۳۴۳ھ) نے ان چھ کتابوں کو اپنی تالیف کتاب الکافی میں جمع کر دیا ہے۔ اس کتاب کی مفصل شرح امام سرخسی نے اپنی مشہور کتاب المبسوط میں کی ہے، یہ شرح تیس جلدوں میں حیدر آباد سے چھپ چکی ہے۔

---

[1] ابن قتیبہ الدینوری، المعارف، ص: ۴۹۹ و ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۷/ ۳۳۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام محمد نے امام مالک کے شہرۂ آفاق مجموعہ حدیث الموطا کو بھی اپنے انداز میں ترتیب دیا ہے۔[1]

امام زفر خالص عربی النسل عالم ہیں۔ قیاس میں بڑے ماہر تھے۔ ان کے والد بصرہ یا بقول ابن الندیم اصفہان کے والی تھے۔ وہ بڑے وجیہ اور فصیح تھے۔ دلیل وحجت میں استاد مانے گئے ہیں۔ قیاس میں اپنا نظیر وسہیم نہیں رکھتے تھے۔[2]

امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اہل حدیث علماء وفقہاء سے میل جول کی بدولت فقہی مسائل میں احناف اور محدثین کے اختلاف کو ایک حد تک کم کر دیا اور صحیح احادیث پر عمل پیرا ہو کر رائے اور قیاس کے دائرے کو تنگ کرنے کی کوشش کی۔ حنفی مدرسۂ فکر میں حدیث کو رواج دینے کا سہرا انھی دو بزرگوں کے سر ہے۔

اخلاق حسنہ

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علم وفضل، عقل وخرد، فہم وشعور اور فکر ونظر کا چرچا ان کی زندگی ہی میں عام ہو گیا تھا۔ آپ کے معاصرین آپ کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہیں۔ آپ کے ہمعصر صوفی بزرگ حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ عظیم فقیہ، کثیر المال اور صاحب جود وکرم بزرگ تھے۔ رات دن مطالعہ کتب میں مصروف رہتے۔ جب حلال وحرام کا مسئلہ پیش آتا تو حق گوئی سے وضاحت فرماتے۔ سلطان کے مال سے آپ کو نفرت تھی۔[3]

جعفر بن ربیع کہتے ہیں کہ میں پانچ سال تک آپ کی خدمت میں حاضر رہا۔ میں نے آپ سے زیادہ کم گو کسی کو نہیں دیکھا۔ جب مسائل فقہ پر گفتگو کرتے تو علم کا بحر مواج نظر آتے اور آواز میں گھن گرج پیدا ہو جاتی۔

---

[1] ابن الجوزی، المنتظم: ۹/۷۱، والذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۹/۱۳۴
[2] الزرکلی، الأعلام: ۳/۴۵، والذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۸/۳۸
[3] ابن عساکر، تاریخ دمشق: ۱۵/۴۵۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ کے ایک اور ہم عصر ابن وکیع رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام ابو حنیفہ امین اور بہادر تھے۔خدا کی رضا کو ہر چیز پر ترجیح دیتے تھے۔راہ خدا میں تلوار کے زخم بھی برداشت کر لیتے تھے۔بڑے نیک آدمی تھے۔اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور ان سے راضی ہو۔[1]

اسی طرح دوسرے بے شمار معاصرین آپ کے علم وفضل، جلالت وعظمت اور فکر و نظر کا اعتراف کرتے ہوئے انھیں عظیم فقیہ اور نابغۂ روزگار قرار دیتے ہیں۔آپ کی علمی اور فکری خدمات کا دائرہ وسیع ہے۔آپ متکلمین سے بحث ومباحثہ کرتے، اہل بدعات کی تردید کرتے، مخالف فرقوں سے مناظرہ کرتے، علم کلام کے مسائل پر اپنی قیمتی رائے کا اظہار فرماتے، علم حدیث کے الفاظ کی نسبت سے احکام کے علل واسباب استنباط کرتے اور اصلی مفہوم تلاش کرتے، علت کا استخراج کرتے، اشباہ ونظائر سے اس کا ربط قائم کرتے اور اس کے اصول وضوابط معلوم کرکے دیگر مسائل کے لیے اسے اساس قرار دیتے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ آپ اپنے شاگردوں کی ضروریات کا خیال رکھتے۔ان کی مالی اعانت فرما کر انھیں زندگی کی ضرورتوں سے بے نیاز کر دیتے۔شادی بیاہ کے لیے وسائل مہیا کرکے ان کی شادی کر دیتے۔ہر شاگرد کی مالی کفالت فرماتے تھے۔آپ اس بات کا بھی خیال رکھتے تھے کہ طلبہ میں علمی غرور ونخوت پیدا نہ ہونے پائے۔[1][2]

---

[1] البغدادی، تاریخ بغداد: ۱۵/ ۴۵۹ والنووی، تہذیب الأسماء واللغات: ۲/ ۲۱۹

[2] تخریجِ مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس۔ذیلی سرخیاں از ادارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جعفر بَرمکی، خلیفہ ہارون الرشید کا وزیر

جعفر برمکی ہارون الرشید کا بڑا صاحب اقتدار وزیر تھا۔ اثر ورسوخ کے اعتبار سے عباسی عہد کا کوئی وزیر بھی اس کی ہمسری نہیں کرسکتا۔ جب تک جعفر زندہ رہا، حکومت کی داخلی اور خارجی پالیسی اس کے ہاتھ میں رہی۔ اتنے اقتدار و اختیار کے باوجود اس کی خوش خلقی ضرب المثل تھی۔ وہ ہر شخص سے بڑی خندہ پیشانی سے ملتا۔ وہ جود وسخاوت میں بے مثل تھا۔ اس کی فصاحت و بلاغت اور زور بیان کے گھر گھر چرچے تھے۔

برمک خاندان کا تعارف

جعفر ایران کے مشہور خاندان برمک کا چشم و چراغ تھا۔ برمک کوئی ملکی، قبائلی یا شخصی نام نہیں، بلکہ یہ تو بلخ کے مشہور ومعروف عبادت خانہ نو بہار کے بڑے پروہت و متولی کا خاندانی عہدہ اور منصب تھا۔ بعض مؤرخ نو بہار کو آتش کدہ بتاتے ہیں اور بعض بدھ مت کا مندر۔ خواہ یہ آتش کدہ نو بہار تھا یا بت کدہ نو بہار۔ یہاں کے متولی کو برمک کہتے تھے۔ نیز اس معبد کے ساتھ بہت سی جاگیر وقف تھی۔ جو مدت تک خاندان برمک کے قبضہ میں رہی۔[1]

خالد برمکی

خالد برمکی اس خاندان کا سب سے پہلا وزیر تھا، جس نے خلیفہ ابوالعباس سفاح کے زمانے میں قلمدان وزارت سنبھالا۔ خالد کا بیٹا یحییٰ بھی عباسی خلیفہ کے دربار میں بڑا بارسوخ اور صاحب اقتدار وزیر رہا۔[2] خلیفہ ہارون الرشید تو یحییٰ برمکی کا اتنا احترام کرتا تھا

[1] الحموی، معجم البلدان: ۵/ ۳۰۷ و القزوینی، آثار البلاد، ص: ۳۳۱

[2] ابن قتیبہ، المعارف، ص: ۳۷۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ ''ابا جان'' کے سوا کسی اور لقب سے یاد نہ کیا۔ جعفر برمکی اسی یحییٰ کا بیٹا تھا۔[۱] یہ بڑی دلچسپ بات تھی کہ اسلام کے دور اول میں عہدۂ وزارت موجود نہ تھا۔ تاریخ اسلام میں یہ منصب عباسی عہد خلافت کی یادگار ہے۔

عرب، لفظ وزیر سے تو ضرور آشنا تھے، لیکن یہ لفظ معاون اور مددگار کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ منصب وزارت خلفائے راشدین اور خلفائے بنی امیہ کے عہد میں موجود نہ تھا۔ البتہ قرآن مجید میں حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وزیر کہا گیا ہے۔[۲] تاریخ اسلام میں سب سے پہلے انتخاب کے موقع پر مہاجرین کو امیر اور انصار کو وزیر کے لقب سے یاد کیا گیا۔[۳] ابن سعد نے طبقات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وزیر کہا ہے۔[۴] بنو امیہ کے عہد میں خلیفہ کا مشیر اعلیٰ کاتب کہلاتا تھا۔ بنو عباس کا پہلا خلیفہ سفاح پہلا تاجدار ہے، جس نے اپنا وزیر مقرر کیا اور ابوسلمہ خلال پہلا وزیر ہوا۔[۵]

جعفر برمکی

وزارت اور اقتدار جعفر کو ورثہ میں ملے تھے۔ اس کا دادا خالد اپنی لیاقت، دانشمندی اور پختہ رائے کی وجہ سے خلیفہ کا مقبول نظر رہا۔ جعفر کا باپ یحییٰ قلمدان وزارت سنبھالتے ہی انھی اوصاف کی بدولت حاکم مطلق بن گیا۔ اس کا بھائی فضل بھی بلا کا ذہین تھا۔ فضل نے نہروان سے لے کر ترکستان تک کے علاقوں پر حکومت کی۔ خراسان میں کامیاب جنگیں لڑیں۔ خراسان میں ایک لمبی نہر کھودی۔ بخارا میں ایک شاندار جامع مسجد تعمیر کرائی اور ماہ رمضان میں مسجدوں میں روشنی کے انتظام کا رواج ڈالا۔[۶]

---

۱ الزرکلی، الأعلام: ۸/۱۴۴

۲ طٰہٰ: ۲۰/ ۲۹

۳ صحیح البخاری: ۳۶۶۷ وأحمد بن حنبل، المسند: ۱۹

۴ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/۱۷۰

۵ الذہبی، تاریخ الاسلام: ۸/ ۲۶۸

۶ الطبری، التاریخ: ۸/ ۲۶۶ والذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۹/ ۹۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جعفر اپنی قابلیت، ذہانت، عقل و دانش اور اقتدار کے لحاظ سے اپنے تمام بزرگوں سے گوے سبقت لے گیا۔ جعفر میں یہ بڑی خوبی تھی کہ وہ ایک طرف تو خلیفہ کے مزاج اور طبیعت سے خوب واقف تھا اور دوسری طرف رعایا کو بھی اچھی طرح سمجھتا تھا۔ ذاتی وجاہت اور سیاسی اقتدار کے باعث حکمران طبقے سے جعفر کے بڑے گہرے مراسم اور دوستانہ تعلقات تھے اور حسن اخلاق، مروت اور فیاضی کی وجہ سے رعایا میں بھی بڑی ہردلعزیزی حاصل تھی۔

جعفر کو زبان پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ اس کی تقریر و تحریر میں بڑا بانکپن اور حسن و جمال تھا۔ فصاحت و بلاغت میں کوئی شخص اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ جعفر کی شیریں بیانی کا یہ حال تھا کہ جب بولتا تھا زبان سے شہد ٹپکتا اور منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ سلاست اور سہل پسندی کا یہ عالم تھا کہ اس کی بات فوراً سمجھ میں آ جاتی۔ اسے کبھی ضرورت پیش نہ آتی کہ الفاظ کو دہرائے یا مطالب کو کسی دوسرے انداز میں ادا کرے۔ اس کی گفتگو میں اتنی روانی اور تسلسل ہوتا تھا کہ دوران کلام میں کبھی نہ رکتا، نہ کھانستا، الغرض! وہ بڑا قادر الکلام شخص تھا۔ موزوں اور مناسب الفاظ ہر وقت اس کی زبان پر ہوتے تھے۔ اثنائے گفتگو میں کبھی بات سوچنے کی حاجت نہ ہوتی۔ اس کی باتوں میں تکلف کا نام تک نہ تھا۔ جعفر کی باتیں اتنی دلچسپ اور پُر لطف ہوتیں کہ سننے والے ہر لحظہ نئے لطف و سرور سے بہرہ اندوز ہوتے۔ امام ادب جاحظ نے ثمامہ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے جعفر بن یحییٰ سے زیادہ فصیح اور شستہ کلام آدمی نہیں دیکھا۔[1]

جعفر برمکی نے اپنے تدبر و سیاست اور عقل و دانش سے خلیفہ ہارون کو اس درجہ مسحور و فریفتہ کر لیا تھا کہ خلیفہ کو اس سے ایک لمحہ کی جدائی بھی گوارہ نہ تھی۔ جعفر بھی اپنے اقتدار کی خاطر دارالخلافہ کو چھوڑنے کا نام نہ لیتا، باوجودیکہ جعفر کو کئی مرتبہ مختلف علاقوں کی حکومت تفویض کی گئی، لیکن ہر مرتبہ اس نے اپنے نائب مقرر کر دیے اور خود ان

[1] الجاحظ، البیان والتبیین: ۱/ ۱۰۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صوبوں میں نہ پہنچا۔[1]

جعفر برمکی بحیثیت وزیر

ابتدا میں وزیر کے فرائض دیوان الرسائل تک محدود تھے۔ دیوان الرسائل خالص شاہی دفتر تھا اور اس محکمہ کے سپرد یہ کام تھا کہ ایوان خلافت سے جس قدر روزانہ احکام جاری ہوں ان کا اجراء کرے۔ بعد میں جب کاروبار سلطنت بڑھ گیا تو وزیر کو دیگر دفتری اور مالی انتظامات بھی سونپ دیے گئے۔ جب خلیفہ ہارون الرشید نے جعفر برمکی کو لوگوں کی عرضداشتوں پر فیصلے لکھنے کا اختیار تفویض کر دیا تو وزیر سلطنت کے اختیارات بہت وسیع ہو گئے۔ جعفر تمام ملکی معاملات میں خلیفہ کا قائم مقام تھا۔ وہی فوجوں کی نگرانی کرتا، مالی امور کی دیکھ بھال بھی اسی کا فرض تھا۔ وہی مختلف اطراف و اکناف میں خطوط بھیجتا اور حاکم عادل کی حیثیت میں عوام کی عرضیوں اور درخواستوں پر فیصلے ثبت کرتا تھا۔ علوم وفنون کی سرپرستی بھی اسی کے فرائض میں شامل تھی۔

عباسیوں کے عہد میں یہی دستور تھا کہ ایک وزیر تمام معاملات کو سرانجام دے۔ تقسیم کار کے خیال سے مختلف امور سلطنت کو مختلف وزیروں میں تقسیم کرنے کا سہرا خلفائے اندلس کے سر ہے۔ وزیر مالیات، وزیر مواصلات، وزیر عدل و انصاف، وزیر دفاع اور وزیر سرحدات، یعنی امور خارجہ سب وزارتیں تاریخ اسلام میں اولاً اندلس میں پیدا ہوئیں، لیکن جعفر برمکی تنہا ان سب وزارتوں کو سنبھالے ہوئے تھا۔

جعفر کی شخصیت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید جہاں کہیں جاتا جعفر کو ساتھ رکھتا۔ خلیفہ اور وزیر کا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا اور سونا جاگنا ایک تھا۔ دونوں ایک ہی قسم کا لباس پہنتے۔ گھڑ دوڑ میں دونوں کے گھوڑے دوڑتے تھے اور بازی لگائی جاتی تھی۔ قصر خلافت میں کسی خاتون کا جعفر سے پردہ نہ تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید اپنے وزیر کی قابلیت اور ذہانت پر ہمیشہ ناز کیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ خدا

1. ابن خلکان، وفیات الأعیان: ۱/ ۳۲۸ والزرکلی، الأعلام: ۲/ ۱۳۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی عطا کردہ نعمتوں میں سب سے قابل قدر اور لائق فخر جعفر برمکی کی ذات ہے۔[1]

جعفر کے اقتدار و اختیار کا دائرہ صرف امورِ سلطنت تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ اسے خلیفہ کے نجی معاملات میں بھی بڑا دخل تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عبدالملک بن صالح ہاشمی جعفر کے پاس آیا اور دوسری درخواستوں کے علاوہ ایک درخواست یہ بھی کی کہ خلیفہ کی دختر نیک اختر سے میرے لڑکے ابراہیم کا عقد ہو جائے۔ جعفر نے اپنی روایتی فراخدلی کا ثبوت دیتے ہوئے عبدالملک کی یہ درخواست بھی قبول کر لی۔ بعد ازاں جعفر نے خلیفہ ہارون الرشید سے اس بات کا ذکر کیا تو اس نے بھی رضامندی کا اظہار کیا، چنانچہ شہزادی عالیہ کا عقد ابراہیم سے ہو گیا۔[2]

جعفر برمکی کا علم وفضل

علم وفضل، تدبر ودانشمندی اور سیاست واخلاق میں جعفر کا کوئی سہیم وشریک نہ تھا۔ جعفر نے قاضی ابو یوسف سے فقہ کے علاوہ اور علوم بھی پڑھے تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید کو جعفر کے علم وفضل پر اتنا اعتماد تھا کہ اس نے اپنے بیٹے مامون کی تعلیم وتربیت جعفر کے سپرد کر دی تھی۔ وزیر سلطنت جعفر نے مزاج فقیہانہ پایا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ لوگوں کی عرضیوں پر اتنے اچھے فیصلے لکھتا اور قانونی نکتے پیدا کرتا تھا کہ بڑے بڑے قاضی دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے۔[3]

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ جعفر نے ایک رات خلیفہ کی موجودگی میں ایک ہزار درخواستوں پر فیصلے لکھے۔ پھر خلیفہ ہارون نے ان تمام درخواستوں کا بغور مطالعہ کیا تو جعفر کے فیصلوں کو پڑھ کر خلیفہ حیران رہ گیا کہ ایک فیصلہ بھی فقیہانہ اسلوب کے منافی نہیں تھا۔

فہم وفراست میں بھی جعفر کا کوئی ہم پلہ نہ تھا۔ وہ مقدمات اور الجھے ہوئے جھگڑے

[1] الذہبی، سیر أعلام النبلاء:۹/ ۵۹ والبغدادی، تاریخ بغداد:۸/ ۳۰

[2] الذہبی، سیر أعلام النبلاء:۱۲/ ۱۳ والصفدی، الوافی بالوفیات:۱۱/ ۱۲۲

[3] ابن عساکر، تاریخ دمشق:۲/ ۷۲/ ۴۷ وابن خلکان، وفیات الأعیان:۱/ ۳۲۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جن کے فیصلے سے بڑے بڑے فقیہ اور قاضی عاجز رہ گئے، جعفر نے ان مقدموں کا چند روز میں اس عمدہ انداز اور خوبصورتی سے فیصلہ کر دیا کہ ائمہ وفقہاء جن میں قاضی ابو یوسف، یحییٰ بن معین اور امام محمد شیبانی رحمہم اللہ بھی تھے، عش عش کر اٹھے اور انھیں یہ اعتراف کرنا پڑا کہ اگر جعفر برمکی چند روز اصول وفروع فقہ کو توجہ دے تو تمام فقہاء سے اس کا مرتبہ بلند ہو جائے۔[1]

جعفر برمکی کے اخلاق حسنہ

جعفر برمکی دوستوں سے بڑی مروت اور حسن سلوک سے پیش آتا تھا۔ احسان کر کے بھی نہ جتاتا۔ احمد بن جنید اسکافی کے جعفر سے بڑے گہرے مراسم تھے۔ کسی کام کے لیے احمد کی سفارش حاصل کر لینا اس کام کی کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ احمد اسکافی کے پاس لوگوں کی بہت سی عرضیاں اور درخواستیں جمع ہو گئیں۔ جعفر ملکی کاموں میں اتنا مصروف رہا کہ احمد کو سفارش کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ ایک دن فرصت پا کر احمد نے جعفر سے کہا کہ لوگوں کی بہت سی عرضداشتیں جمع ہو گئی ہیں، اگر وقت ہو تو ان پر نگاہ ڈال لی جائے۔ جعفر نے اس شرط پر وعدہ کیا کہ وہ جعفر کے ہاں قیام کرے۔ احمد اسکافی نے یہ شرط بخوشی قبول کر لی، لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ اس دن بھی جعفر کو فرصت نہ مل سکی۔ دوسرا دن بھی مصروفیت میں گزر گیا، جب رات ہوئی تو احمد اسکافی تو سو گیا مگر جعفر سرکاری کاغذات دیکھتا رہا۔ کافی رات گزر جانے کے بعد جعفر نے خادم کے ذریعے چپکے سے احمد کے کاغذات اور درخواستیں منگوا کر تمام درخواست کنندگان کی عرضداشتوں کو منظور کر لیا۔ درخواستوں پر منظوری کے احکام صادر کر کے پھر وہیں رکھوا دیں۔ بعد میں احمد کو مطلقاً نہ جتایا کہ تمھاری تمام سفارشات منظور کر لی گئی تھیں۔[2]

جعفر محنت ومشقت سے کبھی نہ گھبراتا۔ اس کی عادت تھی کہ نصف رات گئے تک

[1] ابن خلکان، وفیات الأعیان: ۱/ ۳۲۹ والذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۹/ ۶۱

[2] الصفدی، الوافی بالوفیات: ۲۲/ ۱۸۲ وابن الجوزی، المنتظم: ۹/ ۱۴۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی سرکاری معاملات میں مشغول رہتا۔ دفتری کاغذات کے انبار لگے ہوتے تھے۔ جب تک تمام کاغذات پڑھ کر اپنی رائے نہ لکھ لیتا سونے کا نام نہ لیتا تھا۔

جعفر کا دست بلا امتیاز مذہب وملت سب کی طرف بڑھتا۔ صوفی، فقیہ، ادیب، شاعر، بچے، بوڑھے، مرد، عورت سب اس کی سخاوت کے احسان مند تھے۔ جب کسی نے سوال کیا تو اس کی درخواست سے بڑھ چڑھ کر عطا کیا۔ وزیر سلطنت جعفر علماء اور ادباء سے بڑے انکسار اور تواضع سے پیش آتا۔ ملاقات کے لیے ان کے گھر جا نکلتا۔

جعفر خود بڑا وضعدار تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ ادیب اور شاعر اس کی سخاوت سے بہرہ مند ہونے کے بعد زندگی میں وضعداری قائم کریں اور اگر کوئی ادیب ہزاروں اشرفیاں حاصل کرنے کے بعد بھی اپنی حالت میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کرتا تو جعفر دست سخاوت کھینچ لیتا۔ ایک مرتبہ وہ اصمعی کے گھر جا نکلا اور ایک ہزار اشرفیاں اصمعی کو دینے کی نیت سے اپنے ساتھ لے گیا۔ مگر اصمعی کی پھٹی پرانی چٹائیاں، میلے کچیلے بستر اور ٹوٹی پھوٹی چارپائیاں دیکھ کر کہنے لگا کہ اس قسم کا خسیس اور بخیل انسان ہماری سخاوت کا حقدار نہیں ہوسکتا، جس نے ہزاروں اشرفیاں انعام پا کر بھی اپنے معیار زندگی کو بلند نہیں کیا۔[1]

جعفر بڑا اطباع اور ذہین تھا۔ اپنے پرائے سب اس کی ہوشمندی اور دانائی کی داد دیتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک یہودی نجومی ہارون الرشید کو ملا اور کہنے لگا کہ آپ کی موت اسی سال واقع ہونے والی ہے۔ یہ بات سن کر خلیفہ کو قدرتی طور پر بڑا غم ہوا۔ چنانچہ خلیفہ نے اس بات کا ذکر جعفر سے کیا۔ خلیفہ کے غم کو غلط کرنے کے لیے جعفر نے بڑی اچھی تدبیر سوچی۔ اس نے مشورہ دیا کہ پریشانی کی ضرورت نہیں۔ یہ نجومی دھوکہ باز اور مکار انسان ہے، اس نے بلاوجہ خلیفہ کو پریشان کیا ہے، لہٰذا اس کی سزا قتل ہے، چنانچہ اس یہودی نجومی کی گردن اڑا دی گئی۔[2]

[1] الذہبی، تاریخ الاسلام: ۱۲/ ۲۵۰ وابن عساکر، تاریخ دمشق: ۷۲/ ۱۸۰

[2] ابن العماد، شذرات الذہب: ۲/ ۳۹۱ وابن خلکان، وفیات الأعیان: ۱/ ۳۲۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جعفر کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ اپنے عہد وزارت میں ۵۰،۵۰ ہزار اشرفیاں لوگوں کو ایک وقت میں دے دیں۔ جعفر کی یہ فیاضی بھی کچھ کم حیرت افزا نہیں کہ اس نے بیک وقت ایک ہزار شاعروں کو ایک ایک ہزار درہم فی کس عطا کیے۔[1] جعفر ائمہ دین کا بھی بڑا احترام کرتا اور ان کی ضرورتوں کا خیال رکھتا تھا۔ ایک دن اس نے امام شافعی رحمہ اللہ کو بلا بھیجا۔ حضرت امام تشریف لائے۔ وزیر سلطنت سے باتیں ہوتی رہیں۔ جب امام شافعی رحمہ اللہ واپس تشریف لے جانے لگے تو جعفر نے دو ہزار اشرفیاں آپ کی نذر کیں۔

وزیر سلطنت کی مقناطیسی شخصیت کے ارد گرد سیکڑوں باکمال ادیب، شاعر، عالم اور مختلف علوم وفنون کے ماہرین جمع ہو گئے تھے۔ اس کی سرپرستی میں یونانی، فارسی اور سنسکرت زبانوں سے ترجمے ہو کر عربی زبان کے دامن کو فلسفہ، منطق اور نجوم سے مالا مال کرنا شروع کر دیا۔ اس نے برصغیر پاک و ہند کے طبیبوں کی سرپرستی کی اور ان کی طب کی کتب کو عرب زبان میں منتقل کرایا۔

جعفر کی علمی و ادبی مجلسیں

جعفر کی علمی و ادبی مجلسوں میں جہاں بڑے بڑے فقہاء تشریف فرما ہوتے۔ وہاں اصمعی جیسے نحوی، ثمامہ جیسے ادیب، ابونواس، ابو العتاہیہ اور صریع الغوانی جیسے شہرہ آفاق شاعر بھی شریک مجلس ہوتے تھے۔

جعفر نے کتاب کلیلہ و دمنہ کو ۱۴ ہزار شعروں میں نظم کرایا اور مؤلف کو ایک لاکھ درہم بطور انعام دیے۔[2] جعفر کی سرپرستی میں ابراہیم نظام نے فلسفۂ ارسطو کا بنظر عمیق مطالعہ کیا اور اس پر اپنی تنقید لکھی۔

جعفر نے فنون لطیفہ اور بالخصوص موسیقی کو ترقی دینے میں بڑا حصہ لیا۔ اس نے ابراہیم موصلی اور دوسرے ماہرین موسیقی کو انعام واکرام سے نواز کر ان کی بڑی حوصلہ افزائی

[1] الصفدی، الوافی بالوفیات: ۱۱۹/۲۷ والزرکلی، الأعلام: ۱۴۴/۸

[2] البغدادی، تاریخ بغداد: ۵۱۰/۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور قدر دانی فرمائی۔

جعفر بڑا مدبر اور سیاست دان وزیر تھا۔ اس کے حسن تدبر سے بڑے بڑے معرکے سر ہوئے اور شام کے قبائل کی بغاوت فرو ہوئی۔

جعفر کے تدبر و سیاست کا یہ پہلو بھی کچھ کم اہم نہیں کہ وہ جمہور کی نفسیات کو خوب سمجھتا تھا۔ جب شہزادہ امین اور مامون کو صوبائی حکومتیں تفویض کرنے کا سوال پیدا ہوا تو جعفر نے ملک کو اس طرح تقسیم کیا کہ عرب ممالک کو الگ کر دیا اور غیر عرب علاقوں کو الگ۔ تاریخ اسلام میں یہ پہلا موقع تھا کہ سلطنت کو قومی اور نسلی اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ جعفر کی تجویز کے مطابق مامون کو خراسان، فارس، ماوراء النہر اور ترکستان کا حکمران مقرر کیا گیا اور امین کو حجاز، عراق اور مصر و شام کی حکومت سپرد کر دی گئی۔ اس ملکی تقسیم میں جعفر کی سیاسی مصلحت یہ تھی کہ مامون ماں کی طرف سے عجمی تھا اور اس کو خراسان و فارس وغیرہ کا علاقہ دیا گیا، جو ایرانیوں کا مرکز تھا۔ اس ملکی اور مادری رشتہ کی وجہ سے عجمی لوگ مامون کو اپنا بھانجا سمجھتے تھے۔ اس کے برعکس شہزادہ امین کی رگوں میں خالص عربی خون تھا اور امین کو جو ملک دیا گیا وہ عربوں کا گہوارہ تھا۔[1]

وزیر سلطنت نے یہ راز پا لیا تھا کہ سلطنت کا قیام عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ وہ ہر چند یہ چاہتا تھا کہ تمام ملک میں عدالت کا وقار برقرار رکھا جائے۔ جعفر نے ایک مرتبہ ایک صوبائی حاکم کو لکھا: ''تمھارے خلاف شکایات روز بروز بڑھ رہی ہیں، اگر تم نے اپنے صوبے میں عدل و انصاف قائم نہ کیا تو تمھیں معزول کر دیا جائے گا۔'' جعفر نے حکومت کے مفاد کو ہمیشہ مقدم رکھا، لیکن ساتھ ہی ناانصافی کو کبھی گوارا نہیں کیا۔

ایک طرف تو جعفر بڑا فیاض اور شاہ خرچ تھا اور دوسری طرف سرکاری خزانہ کو بھرنے اور آمدنی بڑھانے کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ اس سلسلے میں اس کا نظریہ یہ تھا کہ شاہی خزانہ بھی بھر جائے اور رعایا پر ناجائز بار بھی نہ پڑے، بلکہ رعایا خوشحال اور مسرور نظر آئے۔

---

[1] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲۰۲/۱۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حکومت کے محاصل اور آمدنی کا انحصار زیادہ تر زمین کے مالیہ اور لگان پر تھا۔ جعفر کہا کرتا تھا کہ مالیہ سلطنت کا بہت بڑا ستون ہے اور اگر مالیہ کی فراہمی میں عدل و انصاف سے کام لیا جائے تو شاہی خزانہ ہمیشہ بھرپور رہے، لیکن اگر عدل کی جگہ جور و ظلم آ جائے تو حکومت کا خزانہ خالی ہو جاتا ہے۔ جعفر کے نزدیک حکام کے لیے حسن نیت بڑی ضروری اور اہم چیز تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ حاکموں کو بدظنی سے بچنا چاہیے۔

جعفر کو سکہ سازی اور شاہی ٹکسال میں بڑی دلچسپی تھی۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ چاندی اور سونے کے سکوں کو زیادہ وزنی اور قیمتی بنایا جائے۔ اس مقصد کے پیش نظر اس نے ایسی وزنی اشرفیاں رائج کیں کہ ایک ایک اشرفی کی قیمت سو اشرفیوں کے برابر تھی۔

تاریخ اسلام میں خلیفہ عبدالملک بن مروان پہلا حکمران تھا جس نے اپنا سکہ جاری کیا۔ اس سے پہلے مسلمانوں کا اپنا ٹکسال موجود نہ تھا۔ ہارون الرشید کے زمانے تک یہی دستور رہا کہ سکے خلفاء کے نام پر جاری ہوتے تھے، لیکن جب جعفر نے قلمدان وزارت سنبھالا تو اس نے یہ جدت کی کہ خلیفہ کے بجائے اپنے نام پر اشرفیاں رائج کیں۔ تاریخ اسلام میں یہ پہلی مثال تھی کہ شاہی سکہ وزیر سلطنت کے نام پر رائج ہوا۔ جعفر کا یہ اقدام ایک طرف تو اس کی جدت پسندی کی شہادت ہے اور دوسری طرف اس کے اقتدار و اختیار کا کھلا ثبوت۔ اس کی جدت بھی کچھ کم دلچسپ نہیں کہ جعفر نے اشرفیوں پر اپنی تصویر طبع کرائی اور یہ شعر درج کیا:

وَأَصْفَرَ مِنْ ضَرْبِ دَارِ الْمُلُوكِ
يَلُوحُ عَلَى وَجْهِهِ جَعْفَرُ
يَزِيدُ عَلَى مِائَةٍ وَاحِدُ
مَتَى لَوْ تُعْطِهِ مُعْسِرًا يُوسِرُ[1]

یہ سنہری سکہ شاہی ٹکسال میں بنا اور اس پر جعفر کی تصویر ہے۔ یہ ایک اشرفی

---

[1] الذہبی، تاریخ الاسلام: ۱۲/ ۵۵ و ابن الجوزی، المنتظم: ۸/ ۱۴۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سو اشرفیوں سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ جب تو کسی تنگ دست انسان کو ایک اشرفی دے تو وہ خوشحال ہو جائے۔

جعفر کی ذہانت کی داد دینی چاہیے کہ اس نے سکہ سازی کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ سکوں کی قیمت کے علاوہ ٹکسال کا نام اور جاری کرنے والے کی تصویر اور نام کندہ کرا دیا۔

اس قسم کے وزنی اور قیمتی سکوں کی ضرورت بظاہر اس لیے پیش آئی کہ جعفر علوم و فنون کا بڑا سرپرست تھا اور داد ودہش میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ چھوٹے سکوں کو گننے کی زحمت سے بچنے کے لیے یہ سکے بنوائے گئے۔

جعفر برمکی کا قتل اور اس کی وجہ

مؤرخین کا بیان ہے کہ جعفر کے قتل کے بعد اس کے گھر سے اس قسم کی ۴ ہزار اشرفیاں ایک تالاب سے برآمد ہوئیں۔ ابو العتاہیہ اس عہد کا مشہور شاعر تھا۔ جب اسے پتہ چلا کہ جعفر نے اتنی قیمتی اشرفیاں سرکاری ٹکسال سے بنوائی ہیں تو وہ جعفر کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک تھالی میں کاغذ پر اشرفیوں والا شعر لکھ کر وزیر سلطنت کی خدمت میں بھجوایا۔ جعفر نے شعر والا رقعہ تو اپنے پاس رکھ لیا اور تھالی کو اشرفیوں سے بھر کر شاعر کے حوالے کر دیا۔[1]

شخصی حکومتوں کا کرشمہ کہیے کہ اتنے جاہ و جلال اور اقتدار کا مالک وزیر ماہ صفر کی پہلی تاریخ ۱۸۷ھ/ مطابق ۲۵ جنوری ۸۰۲ء کو خلیفہ کے حکم سے اچانک رات کے وقت قتل کر دیا گیا۔

۳۵ سالہ نوجوان وزیر کے لیے ۱۷ برس کی مسلسل محنت و مشقت کا یہ ثمرہ کتنا عبرت ناک اور الم انگیز معلوم ہوتا ہے۔

جعفر کا اچانک قتل اور اس کے خاندان کے باقی افراد کا قید و بند مؤرخین کے لیے

[1] البغدادی، تاریخ بغداد: ۸/ ۳۰ والذہبی، تاریخ الاسلام: ۱۲/ ۵۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک معمے سے کم نہیں۔ ہمارے اکثر مورخین اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ آخر وہ کون سی اتنی بڑی بات تھی جس نے خلیفہ ہارون الرشید کو اتنا غضب ناک اور برافروختہ کر دیا کہ وہ جعفر جیسے عزیز دوست اور پیارے وزیر کی جان تک لینے کو تیار ہو گیا۔ بعض مورخوں نے اس کے قتل کی وجہ خلیفہ کی بہن عباسہ کا افسانہ ٹھہرایا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ جعفر نے ایک باغی یحییٰ بن عبداللہ کو خلیفہ کے علم و اجازت کے بغیر رہا کر دیا۔ بات یوں بیان کی جاتی ہے کہ یحییٰ بن عبداللہ نے خلیفہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ خلیفہ نے اسے قید کر کے جعفر کو نگرانی سونپ دی۔ اس باغی نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی قرابت داری کا واسطہ دے کر جعفر سے رہائی کی درخواست کی۔ جعفر کا دل پسیج گیا اور اس نے باغی کو محض رہا ہی نہیں کیا بلکہ پہرے دار دے کر امن و حفاظت کی جگہ تک پہنچا دیا تا کہ کہیں دوبارہ گرفتار نہ کر لیا جائے۔ اس بات پر خلیفہ ہارون الرشید اتنا بگڑا کہ جعفر کو قتل کروا دیا۔

بعض مورخین کا کہنا ہے کہ جعفر نے ایک بہت بڑا عظیم الشان محل بنوایا، جس کی تعمیر پر دو کروڑ درہم خرچ ہو گئے۔ مخالفین نے موقع پا کر خلیفہ کے کان بھرنا شروع کیے کہ یہ دو کروڑ درہم کی خطیر رقم آپ کے علم کے بغیر کیسے صرف کر دی گئی اور انعام و اکرام، سخاوت و فیاضی، ذاتی مصارف اور ملازمین کے اخراجات سب اس کے علاوہ ہیں۔ کہتے ہیں: اس قصے کو سن کر خلیفہ سوچنے لگا اور اس نے آخر کار جعفر کو قتل کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔[1]

دراصل بات یوں معلوم ہوتی ہے کہ حکومت میں برمکی خاندان اور بالخصوص وزیر سلطنت کا اقتدار و دخل اتنا زیادہ ہو چکا تھا کہ خلیفہ ہارون الرشید بالکل بے دست و پا اور بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ امام المورخین مسعودی کا بیان ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کے دربار خلافت میں جعفر کا طوطی بولتا تھا، وہ جو چاہتا کرتا، خلیفہ نے کبھی اعتراض نہ کیا تھا۔ سلطنت تو ہارون الرشید کی تھی، لیکن قبضہ اور حکومت جعفر کی۔ جعفر خود تو ہزاروں

[1] ابن الاثیر، الکامل: ۵/ ۳۴۸ و الطبری، التاریخ: ۸/ ۲۹۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

درہم و دینار بے دریغ خرچ کر ڈالتا۔ جسے چاہتا اور جو چاہتا بلا روک ٹوک دے دیتا، مگر خلیفہ بغداد بعض اوقات کوڑی کوڑی کے لیے اس کا منہ تکتا تھا۔[1]

ان حالات میں خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے دو ہی راہیں تھیں۔ یا تو اپنی خلافت و سلطنت سے یکسر دست بردار ہو کر حکومت جعفر کے حوالے کر دے جو پہلے ہی خلیفہ کے نام پر حکمرانی کر رہا تھا، یا پھر اس مقتدر وزیر کو حرف غلط کی طرح مٹا کر ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کر لے۔

مختصر یہ کہ جعفر برمکی تاریخ اسلام کے ان نامور اور شہرۂ آفاق مقتدر وزیروں میں سے ہے جن پر انسانیت بجا طور پر فخر کرتی ہے۔ جعفر اپنے علم و فضل، تدبر و دانش اور سیاست و فراست کی وجہ سے خلیفہ ہارون الرشید پر اس طرح چھا گیا کہ خلیفہ نے تمام سرکاری کاروبار اور سیاسی اختیار جعفر کو سونپ دیا، یا یوں کہیے کہ جعفر نے خلیفہ سے چھین لیا۔ جعفر علوم و فنون کی سرپرستی کے سلسلے میں بیت المال کا روپیہ پانی کی طرح بہاتا۔ ادیب و شاعر بخشش و عطاء کے لیے خلیفہ کی بجائے وزیر خلافت کے اشاروں کے منتظر رہتے۔ جمہور کی قسمت کا مالک جعفر تھا نہ کہ خلیفہ۔ قصہ کوتاہ جعفر نے سترہ برس تک خلیفہ کے نام پر بڑی آن بان اور شان و شوکت سے حکمرانی کی۔[2]

---

1. المسعودی، مروج الذہب: ۲/ ۱۸
2. تخریج مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس۔ ذیلی سرخیاں از ادارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

حکیم مشرق، ابونصر فارابی

حکیم مشرق فارابی کی وفات کو ایک ہزار برس گزر چکا ہے، لیکن اس کے علمی کارنامے اور حکیمانہ افکار آج بھی اپنے اندر وہی جاذبیت، ندرت اور تبحر رکھتے ہیں جس کی وجہ سے قرون وسطیٰ کے حکماء اور مفکروں نے ایشیا اور یورپ کی دانش نگاہوں میں فارابی کی کتابوں کو اپنے لیے سرمایہ عقل ودانش اور خزینہ علم وحکمت قرار دیا تھا۔

فارابی ان مسلمان حکماء میں سے ہے جن پر حکمت وفلسفہ کو ہمیشہ ناز رہا ہے۔ فارابی نے یونانی حکماء کے فلسفہ کو نئی زندگی دی۔ حکیمانہ نظریۂ ریاست وحکومت سے پہلی مرتبہ مسلمان مفکروں کو روشناس کرایا اور یونانی اور اسلامی اسلوب کے امتزاج سے ایک نئے مدرسۂ فکر کی بنیاد رکھی۔

ابتدائی حالات

ابونصر محمد بن طرخان بن اوزلغ فارابی ۲۵۹ھ میں ترکستان کے شہر فاراب میں پیدا ہوا اور اسی نسبت سے فارابی مشہور ہوا۔ فارابی کا باپ فارسی النسل تھا جس کا پیشہ سپہ گری تھا[1] لیکن ترکی سالاروں میں ابونصر کے والد کو اتنی اہمیت حاصل نہ ہو سکی کہ تاریخ اس کے حالات محفوظ کر لیتی۔

فارابی شمع علم کا پروانہ تھا۔ تحصیل علم کے شوق میں دنیا کی لذتوں اور آسائشوں کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا۔ سفر کی کلفتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ گھر کی راحتوں اور ازدواجی زندگی کی مسرتوں سے یکسر محروم رہا۔ فارابی اپنے وطن میں علوم کی تحصیل سے فارغ ہو کر عراق پہنچا۔ بغداد میں سکونت اختیار کی، پھر حران پہنچا اور وہاں

[1] الذہبی، تاریخ الاسلام: ۲۵/۱۰۶ و الصفدی، الوافی بالوفیات: ۱/۱۰۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حکمت و فلسفہ کی تعلیم کے لیے یوحنا بن جیلان نصرانی کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔ منطق میں بھی خاصی دستگاہ پیدا کرلی، پھر بغداد واپس آیا اور امام نحو ابوبکر بن سراج سے علم نحو سیکھا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ فارابی اپنے معمر استاد ابن سراج سے نحو پڑھتا اور خود اسے منطق اور موسیقی میں سبق بھی دیتا تھا۔

فارابی نے دمشق میں کچھ عرصہ باغبانی بھی کی۔ جب علم وفضل کی شہرت ہوئی تو قاضی کا عہدہ سنبھالا، لیکن اسے علوم و معارف کا اتنا چسکا پڑ گیا تھا کہ عہدۂ قضا کو خیرباد کہہ کر علم و حکمت کے مطالعہ میں منہمک ہو گیا۔[1]

بعض سیرت نگاروں کا خیال ہے کہ بغداد میں آنے سے پہلے فارابی عربی زبان سے قطعاً ناواقف تھا، یہ خیال بوجوہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ تیسری صدی ہجری میں عربی زبان تمام عالم اسلامی کی علمی زبان تھی۔ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ فارابی جیسا ذہین انسان اس علمی زبان سے بالکل ناآشنا رہتا۔ اس کے علاوہ فارابی کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تحریر اور اسلوب میں بڑی پختگی ہے۔ اسے عربی زبان میں پورا عبور اور قدرت حاصل ہے۔ فارابی میں یہ بڑی خوبی ہے کہ وہ مشکل ترین مطالب کو نہایت آسان اور سہل انداز میں بیان کرتا ہے۔ فارابی نے منطق و فلسفہ کی کتابوں کی شرحیں بڑے عام فہم طرز میں قلمبند کیں۔

فارابی کا علوم حکمت میں مقام و مرتبہ

فارابی ہفت زبان عالم تھا۔ ترکی، فارسی، یونانی، عبرانی اور عربی زبانوں میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ لفظوں کے اشتقاق کی بحث میں مختلف زبانوں کے الفاظ اس کی نوک قلم پر تھے۔ جب وہ نغموں اور موسیقی کی مختلف آوازوں کا ذکر کرتا ہے تو عربی ناموں کے ساتھ یونانی نام بھی درج کر دیتا ہے۔

فارابی نے حکمت و فلسفہ اور منطق میں بڑا نام پیدا کیا۔ ارسطو کی کتابوں کا

[1] ابن خلکان، وفیات الأعیان: ۵/۱۵۳؛ والزرکلی، الأعلام: ۷/۲۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بنظر غائر مطالعہ کیا۔ موسیقی، ریاضی اور طب میں بھی فارابی کی شہرت کچھ کم نہ تھی۔[1]

اس عہد میں سیاسی فتنوں کا بڑا زور تھا۔ خلیفہ مقتدر اور اس کے جانشین بڑے کمزور ہو چکے تھے۔ مختلف امراء بغداد کی حکومت کو حرص و آز کی نگاہوں سے دیکھتے اور مرکز پر قابض ہونے کے لیے سازشیں اور بغاوتیں کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد فتنوں کا گہوارہ بن کر رہ گیا۔ مذہبی تشدد پسند کچھ کم نہ تھے۔ ایک طرف حنبلیوں کے دینی تشدد سے دنیا چیخ اٹھی، دوسری طرف قرامطہ کی دسیسہ کاریاں رنگ لائیں۔ انھوں نے سیاسی غلبہ حاصل کر کے بحرین کے علاقہ پر قبضہ جمالیا، پھر بصرہ اور کوفہ پر ہلہ بول دیا۔ مکہ مکرمہ میں لوٹ کا بازار گرم کیا اور بیت اللہ کی بے حرمتی کی۔

فارابی اپنی زندگی علم کی نذر کر چکا تھا، لیکن اس سیاسی خلفشار کے باعث اسے ایک جگہ سکون سے بیٹھنا میسر نہ آسکا۔ وطن چھوڑنے کے بعد چندے خراسان میں قیام کیا۔ پھر بغداد کو مسکن بنایا۔ بغداد کو چھوڑا تو حران جا پہنچا۔ کبھی حلب میں امیر سیف الدولہ بن حمدان کے دربار میں عزت پائی۔ کبھی مصر کا رخ کیا تو کبھی دمشق میں پناہ لی۔ یہی وجہ ہے کہ فارابی کی اکثر تصانیف مختصر ہیں اور اس کی بیشتر کتابیں دوران سفر میں مرتب ہوئیں۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ ایک کتاب کا کچھ حصہ ایک شہر میں، کچھ حصہ دوسرے شہر میں اور کچھ حصہ تیسرے شہر میں پہنچ کر قلمبند ہوا۔[2]

فارابی فن موسیقی میں ماہر تھا۔ اس نے قانون جیسا ساز ایجاد کرنے کے علاوہ ایک ایسا عجیب بربط اختراع کیا کہ دنیا اسے دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ اس بربط سے عجیب و غریب آوازیں پیدا ہوتی تھیں اور ان آوازوں کا اثر بھی کچھ کم حیران کن نہ تھا۔ مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ ایک دن سیف الدولہ دمشق میں علمی دربار سجائے بیٹھا تھا۔ ہر علم وفن کے ماہرین شریک محفل تھے۔ موسیقی اور گانا شروع ہوا۔ جب استادان فن

[1] الصفدی، الوافی بالوفیات: ۱/۱۰۲ و الذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۱۵/۴۱۶

[2] الذہبی، العبر فی خبر من غبر: ۲/۵۸ و ابن العماد، شذرات الذہب: ۴/۲۱۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنے اپنے ہنر دکھا چکے تو سیف الدولہ نے فارابی سے پوچھا کہ کیا تمھیں موسیقی میں کچھ دستگاہ ہے؟ فارابی نے ہاں میں جواب دیتے ہوئے اپنے تھیلے سے کچھ لکڑیوں کے ٹکڑے نکال کر انھیں اس طرح ترتیب دیا کہ وہ ساز بن گیا۔ پھر فارابی کا اس ساز کو چھیڑنا ہی تھا کہ تمام حاضرین مجلس مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ فارابی نے ساز کو الگ الگ کر کے ایک دوسری شکل دی۔ ساز بجنے لگا، سارے حاضرین بے ہوش ہو گئے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سو گئے ہیں۔ فارابی اس محفل کو نیند کی حالت میں چھوڑ کر رفو چکر ہو گیا۔ دنیا اب تک محو حیرت ہے کہ ساز میں کیا تاثیر تھی جس نے ایک ہی محفل پر دو مختلف کیفیتیں طاری کر دیں۔[1]

فارابی کا مزاج وطبیعت

فارابی اپنے فکر وفلسفہ میں مست رہا۔ وہ دنیا کی نعمتوں سے بالکل بے نیاز رہتا۔ نہ اسے مال ودولت کی چاہت تھی نہ جاہ ومرتبہ کی محبت۔ اس نے تجرّد کی زندگی قلندرانہ انداز میں بسر کر دی۔ فارابی فقیرانہ زندگی میں شان قلندری رکھتا تھا۔ اس میں ایک علمی تمکنت، مفکرانہ شان وشوکت اور حکیمانہ جاہ وجلال موجود تھا۔ فارابی کو اپنی عزت نفس کا بڑا پاس اور اپنی شرافت پر ناز تھا۔ اس مرد قلندر کو اپنے مقام علمی اور موقف فکر وحکمت کا اتنا احساس تھا کہ اس کی گردن ریاست وثروت کے سامنے کبھی نہ جھک سکی۔ باوجود اس بات کے کہ سیف الدولہ نے بیت المال سے فارابی کے لیے معقول وظیفہ مقرر کر دیا تھا، لیکن فارابی روزانہ صرف چار درہموں پر بسر اوقات کرتا اور اس سے زیادہ بیت المال سے وصول نہ کرتا۔

فارابی طبعاً زاویہ نشین اور عزلت پسند تھا۔ یہ گوشہ نشینی دنیا سے بیزاری یا انسانوں سے نفرت کے باعث نہ تھی، بلکہ تربیت وریاضت اور تحکیم وتقویم نفس کی خاطر تھی۔ فارابی چاہتا تھا کہ تنہائی میں بیٹھ کر حقیقت وصداقت کی کنہ (حقیقت) تلاش کرے۔

[1] الذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۲۵/۱۰۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مشرق کا یہ مایہ ناز فرزند ۳۳۹ھ/۹۵۱ء کو دمشق میں سفر آخرت اختیار کر گیا۔[1]

فارابی کی تصانیف

فارابی کی تصانیف کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ ۱۱۷ کتابیں اس کی کاوشِ فکر کا نتیجہ ہیں۔ کثرت تصنیف وتالیف کے باوجود فارابی کی کتابیں سنگ میل کا حکم رکھتی ہیں۔ فارابی نے منطق، فلسفہ وحکمت، شعر و خطابت، ہندسہ و حساب، نجوم و موسیقی، طبعیات و الٰہیات، نفسیات، اخلاق و سیاست اور اصول شہرت پر قلم اٹھانے کے علاوہ حکمائے یونان کی کتابوں کی بہت سی شرحیں بھی قلمبند کی ہیں۔ فارابی کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی بے نقاب ہوتی ہے کہ اسے ارسطو، افلاطون، بقراط اور جالینوس کی کتابوں اور افکار وخیالات پر بڑا عبور تھا۔

فارابی کی تصانیف میں یہ کتابیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں:

فی آراء اهل المدينة الفاضله	احصاء العلوم
تحصيل السعادة	معانى العقل
الجمع بين رائى الحكيمين	السياسة المدينه
فضيلة العلوم والصناعات	كتاب الموسيقى
رسالة الفصوص وغیرہ۔[2]	

یہ کتابیں فارابی کا تالیفی شاہکار ہیں۔ حسن ترتیب، ربط موضوع اور لفظی ومعنوی خوبیوں کی وجہ سے ان کتابوں کا درجہ بڑا ممتاز اور بلند تھا۔

قرون وسطیٰ میں فارابی کی بہت سی کتابوں کے ترجمے عبرانی، لاطینی اور فرانسیسی زبانوں میں کیے گئے اور مغرب کے بہت سے فلسفیوں نے ان تراجم سے بڑا استفادہ کیا۔

---

[1] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/۲۲۱ وابن خلکان، وفیات الأعیان: ۵/۱۵۶

[2] الزرکلی، الأعلام: ۷/۲۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فارابی کی توجہ زیادہ تر منطق پر مرکوز رہی اور اس نے بہت سے بنیادی ابواب کا اس میں اضافہ کیا۔ یونانی مفکروں میں سے حکیم ارسطو کا اثر فارابی پر زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔

ہمارے دانائے راز نے ارسطو کی تمام کتابوں کو بنظر غائر پڑھا۔ ایک ایک حرف پر غور وفکر کیا۔ ایک ایک کتاب کا کئی کئی مرتبہ مطالعہ کیا۔ جب تک تمام اشکال اور اسرار کو سمجھ نہیں لیا اس کتاب کو نہیں چھوڑا۔

سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ ارسطو کی کتاب النفس کو فارابی نے ایک سو مرتبہ پڑھا اور یہ واقعہ خود فارابی نے اپنے مستقل نسخہ کتاب پر رقم کیا ہے۔ اسی طرح ارسطو کی کتاب ''السماع الطبیعی'' کو چالیس مرتبہ پڑھنے کے بعد بھی ضرورت محسوس کرتا تھا۔[1]

کتاب فہمی کے ضمن میں اتنی بڑی عزیمت اور استقلال کی مثال فارابی کی محنت و مشقت کی شاہد عادل ہے۔ فارابی ارسطو کی کتابوں کا اتنا دلدادہ تھا اور اس نے اتنا فائدہ اٹھایا کہ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر میں ارسطو کے زمانے میں ہوتا تو اس کا سب سے بڑا شاگرد کہلاتا۔

علمی دنیا میں فارابی کے اثرات

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ فارابی اور ارسطو کے نظریوں میں چنداں فرق نہیں، لیکن اندلسی مفکر اسلام ابن رشد کہتا ہے کہ فارابی اور ارسطو کے نظریوں میں خاصا فرق ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ دونوں کے فکر کی پرواز اتنی بلند تھی کہ ارسطو معلم اول اور فارابی کو معلم ثانی کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔

فارابی کا مقامِ علم وفکر اتنا بلند تھا کہ ابن سینا جیسے شاہ دماغ مفکروں کو بھی فارابی کی خوشہ چینی کے بغیر چارہ نہ تھا۔[2]

اگر فارابی اپنی کتاب ''التعلیم الثانی'' نہ لکھتا تو ابن سینا کی کتاب ''الشفاء'' کبھی

---

[1] الصفدی، الوافی بالوفیات: ۱/۱۰۳

[2] الذہبی، تاریخ الاسلام: ۲۵/۱۰۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معرض وجود میں نہ آتی۔ اگر فارابی معلم اول ارسطو کی کتاب ما بعد الطبیعیات کی اغراض پر سیر حاصل بحث اور اس کی توضیح نہ کرتا تو ابن سینا اس کتاب کو سمجھنے سے عمر بھر قاصر رہتا۔ اگر ابن رشد بھی فارابی کے نظریۂ حدوث عالم سے استفادہ نہ کرتا تو وہ بھی حکمت وشریعت میں کبھی موافقت پیدا نہ کرسکتا۔

فارابی کی یہ بڑی قابل قدر خوبی ہے کہ وہ حکمائے یونان کے مختلف نظریوں کے درمیان ایک گونہ مناسبت اور موافقت پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کرتا ہے۔ فارابی نے اپنی کتاب ''الجمع بین رائی الحکیمین'' میں حکیم افلاطون اور ارسطو کے خیالات میں موافقت تلاش کی ہے۔ اسی طرح دوسری کتاب ''فی اتفاق آراء بقراط و افلاطون'' میں حکیم بقراط اور افلاطون کے افکار میں ایک مناسبت پیدا کر لی ہے اور تیسری کتاب ''التوسط بین ارسطاطالیس و جالینوس'' میں ارسطو اور جالینوس کے درمیان یگانگت اور ہم آہنگی ظاہر کی ہے۔

واقعی فارابی کا یہ بڑا کمال اور ہنرمندی تھی کہ اس نے اتنے مختلف نظریوں اور فلسفیوں پر اس انداز اور گہرائی سے غور وفکر کیا کہ ان کے درمیان کوئی تضاد اور باہمی اختلاف باقی نہ رہا۔

فارابی کا فلسفہ اپنے عہد کی تمام کوششوں کی عکاسی بھی کرتا ہے۔ اس کے زمانے میں علم کلام اور اسلامی فرقوں کے درمیان بحث ومناظرہ اپنے شباب پر تھا۔

فارابی نے ابو الحسن اشعری سے علم کلام سیکھ کر اپنے مخالفوں کے خلاف خوب استعمال کیا۔ فارابی نے باطنیوں کے اندر رہ کر ان کی مجوسیت کا قریب سے مطالعہ کیا۔ اس نے منصور حلاج کی دعوت کو سنا اور اس کا انجام بھی دیکھا۔ وہ اپنے تمام معاصر متکلمین سے بھی ملا، لیکن ان سے بڑا دل برداشتہ اور بیزار ہوا۔ فارابی صرف ان کے دلائل و براہین کو ہی ناپسند نہ کرتا، بلکہ وہ ان کی دیانت اور اخلاق سے بھی نالاں تھا۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

فارابی کا فلسفہ

فارابی کا فلسفہ مختلف فلسفوں کا امتزاج ہے۔ اس میں افلاطون کا رنگ بھی جلوہ گر ہے۔ فارابی کی ''مدینہ فاضلہ'' اور افلاطون کی ''ریاست و جمہوریت'' میں بڑی ہم آہنگی نظر آتی ہے۔ حرکت و صورت اور اجرام فلکی کے نظریے میں وہ ارسطو کا ترجمان ہے۔ وہ اخلاقیات میں مشائی ہے۔ جدید افلاطونی مدرسہ فکر کا رنگ بھی اس کے فلسفہ میں نمایاں ہے۔ تقدیر و اختیار کے مسئلے میں فارابی خالص اہل سنت کے زاویہ نگاہ کی وکالت کرتا ہے، وہ حشر نشر کے بعد دیدار الٰہی کا جواز بھی پیش کرتا ہے، فارابی متصوف بھی ہے۔ وہ وحدت الوجود اور تجلی کا قائل نظر آتا ہے۔ بہرحال فارابی اپنے فکر و نظر کی وسعت کے باعث مدرسہ الٰہیات و منطق کا بانی تسلیم کیا جاتا ہے۔[1]

فارابی کی تصنیفات مصر و شام، بغداد و بخارا اور یورپ کے تمام علمی مرکزوں میں بڑے انہماک اور توجہ سے پڑھی جاتی تھیں۔ مشرق و مغرب کے حکماء یکساں طور پر فارابی کی شمع حکمت سے مستفید ہوئے۔ مسلمان اور یہودی دانشوروں کے علاوہ قرون وسطیٰ کے عیسائی حکماء بھی فارابی کے افکار و خیالات سے بہت زیادہ اثر پذیر ہوئے۔

فارابی کی رائے ہے کہ فلسفہ علم و عمل دونوں کو حاوی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ فلسفہ موجودات کی حقیقت کا ایسا علم ہے جسے انسان محنت و کوشش سے حاصل کرتا ہے۔ یہ علم یقینی ہے جو محض برہان و دلیل پر مبنی ہے، ظن اور تقلید سے اسے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ فارابی کے نزدیک فلسفی کے لیے فطری طور پر نظری علوم کی استعداد ضروری ہے۔ وہ کہتا ہے کہ فلسفی کا فہم و تصور نہایت اعلیٰ اور اس کی قوت حافظہ بہت اچھی ہونی چاہیے۔ وہ تحصیل علم میں مشقت و محنت برداشت کرنے کا جذبہ رکھتا ہو اور طبعاً صداقت شعار اور انصاف پسند ہو۔ وہ نہ تو جھگڑالو اور ہٹ دھرم ہو نہ حریص و لالچی۔

---

[1] ابن العماد، شذرات الذہب: ۴/ ۲۱۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فارابی کے نزدیک نظری فلسفہ میں علوم ریاضی، علم طبعی اور علم الٰہی شامل ہیں۔ علمی فلسفہ میں علم اخلاق اور علم سیاست، علوم ریاضی میں فارابی علم ہندسہ، علم عدد، علم نجوم اور علم موسیقی کو شامل کرتا ہے اور علم طبیعی میں علم معدنیات، علم نباتات، علم فلکیات، علم اجسام وغیرہ کو۔

حکیم مشرق کے نزدیک نظری فلسفہ کا فائدہ یہ ہے کہ موجودات کی معرفت حاصل کر کے انسانی کمال حاصل کیا جائے اور علمی فلسفہ کا مقصد علم وعمل ہے تاکہ نفس کو فضائل کا عادی بنا کر رزائل سے بچائے رکھیں۔[1]

فارابی کے نزدیک فلسفی کا فرض ہے کہ وہ افراد کی اصلاح کرے، انسانی معاشرہ کو مہذب بنائے اور افراد و معاشرہ دونوں کی زمام سیاست ہاتھ میں لے کر عدل و انصاف قائم کرے۔

فارابی کا کہنا ہے کہ زندگی کے عناصر ترکیبی علم وعمل دونوں ہیں۔ جو شخص محض نظری علوم پڑھ کر فلسفی بن جاتا ہے اور اس کا دامن عمل سے بالکل تہی ہے تو ایسے فلسفی کو زندگی سے کوئی تعلق اور لگاؤ نہیں ہے۔ معلم ثانی کی نگاہ میں علم اخلاق اور علمِ سیاست میں فلسفہ کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔[2]

اس کا نظریہ یہ ہے کہ فلسفہ کی غرض و غایت سعادت دارین کا حصول ہے۔ اس سعادت کا حصول علم سیاست اور علم اخلاق کے بغیر ناممکن ہے۔

فارابی فقہ اور کلام میں حد فاصل قائم کرتے ہوئے کہتا ہے کہ فقیہ کا منصب یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کے مسلمہ اقوال و افعال کو اصولی طور پر تسلیم کر کے دوسرے مسائل استنباط کرے، لیکن ایک متکلم کا کام محض فقیہ کے اصولوں کی اعانت کرنا ہے مسائل کا استنباط متکلم کے حیطۂ اختیار میں نہیں ہے۔

---

1. افکار فارابی کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے، اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۱۵/ ۷، عنوان: الفارابی
2. الصفدی، الوافی بالوفیات: ۱/ ۱۰۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فارابی کا علم سیاست میں مقام

مسلمانوں میں فارابی پہلا مفکر ہے جس نے خالص فلسفیانہ زاویۂ نگاہ سے سیاست اور نظام حکومت پر بحث کرتے ہوئے ایک مثالی ریاست وحکومت کا نقشہ تیار کیا ہے۔ یہ ایسی ریاست ہے جس کا رئیس یا حکمران کائنات کا بہترین فرد ہے۔ یہ رئیس اس ریاست کا روح رواں ہے۔ اس ریاست کے جمہور وعوام سعادت دارین کے حصول میں بڑی سرگرمی سے کوشاں نظر آتے ہیں۔ اس ریاست میں عدل و انصاف کا رواج ہے۔ یہاں نہ کوئی دکھیا ہے نہ مظلوم و مجبور۔[1]

مختصر یہ ہے کہ فارابی اپنی طرز کا ایسا مفکر و دانشور ہے کہ تاریخ اسلام میں اس کی مثال نظر نہیں آتی۔[2]

[1] الصفدی، الوافی بالوفیات: ۱/۱۰۳ و ابن خلکان، وفیات الاعیان: ۵/۱۵۳

[2] تخریجِ مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس۔ ذیلی سرخیاں از ادارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابو الفرج اصفہانی، ایک اُعجوبۂ روزگار[1]

ابو الفرج اصفہانی دسویں صدی عیسوی کا اعجوبہ زمان ادیب و شاعر اور یگانہ روزگار نقاد و مؤرخ گزرا ہے۔ وہ اقلیم شعر و ادب، راگ اور نغمے کا تاجدار تھا۔ اس کی جامع شخصیت میں بڑے کمالات اور بہت سے اوصاف جمع ہو گئے تھے۔ وہ علوم وفنون کا دائرہ معارف اور ثقافت و ادب کا خزانہ تھا۔ ہزار ہا اشعار، سیکڑوں شعراء کا کلام، ان کے کلام کا تاریخی پس منظر، کلاسیکی راگ اور گانے، راگیوں اور مغنیوں کے نام اور حالات، ان کی فنی خدمات سب ابو الفرج اصفہانی کو ازبر تھیں۔ وہ ایسا شاہ دماغ اور صاحب طرز ادیب تھا کہ اس کی تصانیف میں علمی و ادبی باغ و بہار اب تک بدستور قائم ہے۔ ایک ہزار سال گزر جانے کے بعد بھی اس کی نظم ونثر میں ایک جوبن ہے۔ اس کے فقروں کا بانکپن، ترکیبوں کی بندش، الفاظ کی چستی، زبان کی شیرینی اور حلاوت آج بھی عصر حاضر کے بلند پایہ ادیبوں کے لیے سحر اور جادو کا حکم رکھتی ہے۔[2]

ابتدائی حالات

ابو الفرج علی بن حسین بن محمد اموی قرشی، اصفہان میں ۲۸۴ھ/ ۸۹۷ء میں پیدا ہوا۔ بغداد میں پرورش پائی اور وہیں متوطن (رہائش پذیر) ہو گیا۔ اصفہانی کے عہد میں بغداد علم و ادب، شعر وسخن اور فن وثقافت کا بڑا مرکز تھا۔ اصفہانی نے اپنے زمانے کے جلیل القدر اساتذہ اور نامور علماء وفضلاء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ تاریخ وسیرت، سوانح ووقائع اور اخبار واحوال کا جید عالم، انساب واشعار کا حافظ، نغموں اور گیتوں کا ماہر ہونے کے علاوہ اصفہانی نے نحو ولغت اور نجوم وطب وغیرہ علوم میں بھی خاصی دسترس پیدا کر لی۔ خود بڑا اچھا شاعر تھا۔ کتابوں کا عاشق، تاریخی و ادبی روایات کا بے مثال

1. یہ مقالہ ہفت روزہ "لیل ونہار" لاہور، ستمبر ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔
2. الزرکلی، الاعلام: ۴/ ۲۷۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جامع ہوتے ہوئے بھی خرافات اور گپ شپ کا امام تسلیم کیا گیا ہے۔[1]

ذیل میں اس کے چند اساتذہ کے نام درج کیے جاتے ہیں تاکہ قارئین کرام کو اس کی جلالت قدر اور علو مرتبت کا کچھ اندازہ ہو سکے:

۱۔ ابوبکر ابن درید (۲۲۳ھ-۳۲۱ھ) امام لغت و ادب و شعر۔

۲۔ ابن الانباری (م ۳۲۸ھ) تاریخ و سیرت کا علامہ اور نحو، لغت اور ادب کا امام۔

۳۔ خلیفہ فضل بن حباب جمحی (م ۳۰۵ھ) حدیث، لغت، اشعار، انساب اور تاریخ و سیرت کا جید عالم و راوی۔

۴۔ علی بن سلیمان اخفش اصغر (م ۳۱۵ھ) امام لغت و نحو۔

۵۔ ابراہیم نفطویہ (۲۴۴-۳۲۳ھ) تاریخ و حدیث، سیرت، ادب اور لغت کا امام۔

۶۔ ابو جعفر محمد بن جریر طبری (۲۲۴-۳۱۰ھ) تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ کا شہرہ آفاق امام۔

اس فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ابو الفرج اصفہانی کا ہر استاد مختلف علوم و فنون میں امام اور شہرۂ آفاق تھا۔ اصفہانی نے اپنے اساتذہ سے تاریخ و سیرت، حدیث و روایت، نحو و لغت، شعر و ادب اور فقہ و نسب وغیرہ علوم و فنون میں فیض حاصل کیا۔ اس نے ایسے نادر روزگار علماء و فضلاء کی صحبت میں بیٹھ کر علمی، تاریخی اور ادبی معلومات کے ساتھ نوادر و ظرائف، شعر و سخن، ادبی چٹکلے اور لطیفے، نقد و تبصرہ اور طنز و ہجو کے ذخائر جمع کر لیے تھے۔

علاوہ بریں اصفہانی کا ذاتی مطالعہ بڑا وسیع تھا۔ علم و ادب کی کوئی کتاب نہ تھی جو اسے میسر آ سکی اور اس نے نہ پڑھی ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اصفہانی علم و ادب اور ثقافت و فن کا بحر ناپیدا کنار بن گیا۔[2]

---

[1] ابن خلکان، وفیات الأعیان: ۳/۳۰۷

[2] الذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۱۶/۲۰۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نقادوں کے ہاں ابوالفرج کا علمی مقام

عربی زبان کے بڑے بڑے سیرت نویسوں، سوانح نگاروں اور نقادوں نے اصفہانی کی قابلیت، وسعت معلومات اور قوت حافظہ کی دل کھول کر داد دی ہے، چند قدیم عرب سیرت نگاروں کی رائے سنیئے:

۱۔ ابن ندیم نے اپنی کتاب الفہرست[۱] میں اصفہانی کے وسیع مطالعہ، نادر معلومات اور تاریخ دانی کی خوب تعریف کی ہے۔

۲۔ ابن خلکان نے اپنی کتاب وفیات الاعیان[۲] میں اصفہانی کو شہرہ آفاق ادیب، یگانہ روزگار مصنف اور انسانیت وسیر کا عالم بے بدل قرار دیا ہے۔

۳۔ یاقوت حموی کے نزدیک اصفہانی کا حافظہ بے نظیر تھا اور وہ بہت بڑا تاریخ دان، علامہ، نساب، بہترین مصنف اور جید شاعر تھا۔[۳]

۴۔ ابومنصور ثعالبی نے اپنی مشہور کتاب ''یتیمۃ الدہر''[۴] میں اصفہانی کو شاعر شیریں بیان، نامور ادیب اور مشہور عالم ومصنف کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

یہاں یہ ذکر بھی ضروری ہے کہ بعض علمائے جرح وتعدیل اور ماہرین تاریخ وحدیث مثلاً ابن الجوزی اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ابوالفرج اصفہانی کو قابل اعتماد نہیں سمجھا، لیکن اس کے باوجود اس کی ادبی اور ثقافتی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

علم وادب اور شعر وسخن کا یہ دائرۃ المعارف ایک عرصہ تک ادیب جہاں گرد رہا، بالآخر سیف الدولہ بن حمدان (۳۰۳ـ۳۵۶ھ) امیر حلب نے سرپرستی کا ہاتھ بڑھایا۔ پھر مؤید الدولہ بن بویہ دیلمی کے نامور اور علم دوست وزیر شہیر ابوالقاسم الصاحب اسمٰعیل بن عباد رحمہ اللہ (۳۲۶ھـ۳۸۵ھ) نے ادب پروری اور علم دوستی کی وجہ سے دست

[۱] ابن الندیم، الفہرست، ص:۱۴۵
[۲] ابن خلکان، وفیات الأعیان:۳/ ۳۰۷
[۳] الحموی، معجم الأدباء:۴/ ۱۷۰۷
[۴] أبو منصور الثعالبی، یتیمۃ الدہر:۳/ ۱۲۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شفقت آمیز اصفہانی کے سر پر رکھا۔ معز الدولہ بن بویہ کا وزیر المہلبی اصفہانی پر مہربان ہوا اور اس کی بڑی قدر کرنے لگا۔ علاوہ بریں ابوالفرج اصفہانی کے بڑے حکمرانوں سے بھی بڑے گہرے مراسم تھے۔[1]

ابوالفرج کی طبیعت و عادات

وفور علم، کثرت مطالعہ اور شہرت شعر و سخن کے باوجود اصفہانی بڑا گندہ اور میلا کچیلا رہتا، پوشاک اور ظاہری صفائی کے معاملے میں بڑی بے اعتنائی سے کام لیتا۔ ایک مرتبہ کپڑے پہن لیتا تو پھر جب تک میل سے اَٹ کر پھٹ نہ جاتے، اتارنے کا نام نہ لیتا۔ اس میلی اور گندی پوشاک کے ساتھ پگڑی کی حالت اس سے بھی بدتر ہوتی۔ جیسے اٹھائی سر پر رکھ لی، نہ سر سے باندھی اور نہ درست کی، کھلی ہے تو پروا نہیں اور الٹی سیدھی ہے تو پروا نہیں۔ کتابوں کا بھی یہی حال تھا۔ مٹی سے اَٹی پڑی ہیں۔ بستر ہے تو وہ بھی میل کچیل تلے دم توڑ رہا ہے۔ چارپائی دیکھو تو کھٹملوں سے بھری پڑی ہے اور اصفہانی ہے کہ اس کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔

وزیر مہلبی اس کا بڑا قدر دان تھا۔ اس نے صاف ستھرے کپڑوں کے لیے بارہا کہا، بہت سمجھایا لیکن بالکل بے سود۔ پریشان صورت، گندی اور میلی پوشاک کے باوجود وزیر مہلبی اصفہانی کی بذلہ سنجی، لطیفہ گوئی، خوش گفتاری، علم دوستی اور راگ گانوں کی خاطر سب کچھ گوارا کرتا تھا۔[2]

اصفہانی کی خوبیوں نے اسے بے لگام کر دیا تھا۔ خواص و عوام سب اس کی زبان درازی، تیز کلامی، تلخ گوئی اور ہجو سے خائف تھے۔ بڑا ابد لحاظ تھا، زبان طعن دراز کرتے ہوئے کسی کی عزت و آبرو کا پاس نہ کرتا۔

ابوالفرج اصفہانی کھانے پینے کے معاملے میں بڑا حریص تھا۔ ایک تو عمدہ کھانوں

1۔ ابن خلکان، وفیات الأعیان: ۳/۳۰۷ و الزرکلی، الأعلام: ۴/۲۷۸

2۔ الذہبی، تاریخ الإسلام: ۲۶/۱۰۲ و الطبری، التاریخ: ۱۱/۳۹۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا شوقین دوسرے سخت پیٹو، پرندوں کا گوشت اور پھل اسے بڑے مرغوب تھے۔ بعض اوقات پُرخوری ثقل معدہ پیدا کر دیتی اور اصفہانی کا معمول تھا کہ ثقل معدہ کو دور کرنے کے لیے سیاہ مرچ کی خاصی مقدار استعمال کیا کرتا۔[1]

بعض لوگوں نے اصفہانی کی ان عادات کی وجہ تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ اصفہانی بچپن میں یتیم ہو گیا تھا۔ ماں نے دوسری شادی کر لی تھی۔ ان حالات میں اس کی نگرانی اور تربیت کما حقہ نہ ہو سکی۔ بڑی محنت و مشقت اور کد وکاوش سے اصفہانی نے علوم وفنون کی تحصیل تو کر لی لیکن اپنے ماحول کے خلاف اس کے دل میں غیر شعوری طور پر انتقامی جذبات پرورش پاتے اور مشتعل ہوتے رہے۔ اس کا اظہار کچھ تو لباس کے معاملے میں بے اعتنائی سے ہوا، کچھ پُرخوری کی شکل میں اور کچھ زبان درازی اور ہجوگوئی میں۔ مزید برآں مطالعہ کتب میں انہماک عشق وجنون کی حد تک بڑھ گیا۔ اس علمی اور ادبی وارفتگی نے ظاہری حسن ونمائش سے اس کی توجہ کو یکسر ہٹا دیا تھا۔

اصفہانی کے متعلق تمام سیرت نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خاندان بنوامیہ کا چشم وچراغ ہوتے ہوئے بھی اس کا میلان شیعیت کی طرف تھا۔ اس کی وجہ بھی بعض سیرت نگاروں نے ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے نزدیک اصفہانی کا تشیع صرف سیاسی اور اقتصادی اغراض پر مبنی تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کے سرپرست حکمران شیعہ تھے یا شیعہ نواز۔ ان کی خوشنودی کے لیے اصفہانی نے تشیع اختیار کیا۔[2]

ابوالفرج کی تصانیف

ابوالفرج اصفہانی بہت بڑا مصنف ہے۔ اس کی تصانیف کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ تاریخ، ادب وثقافت، نوادر وظرائف، انساب واشعار، راگ اور گانے ہر موضوع پر اس نے لکھا ہے۔ میدان تصنیف وتالیف میں اصفہانی کی علمی کاوشوں اور ادبی کارناموں کا

[1] الصفدی، الوافی بالوفیات: ۱۸/۲۱

[2] الزرکلی، الأعلام: ۴/ ۲۷۸ والطبری، التاریخ: ۱۱/ ۴۱۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اندازہ لگانے کے لیے اس کی تصانیف پر ایک سرسری نگاہ ڈال لیے تو معلوم ہو گا کہ اس نے کتنی محنت و مشقت سے کام کیا ہے، کتنا وقت صرف کیا ہے اور کیا کچھ معلومات اپنے قارئین کے لیے فراہم کر گیا ہے۔ ذیل میں اس کی ان کتابوں کے نام درج کیے جاتے ہیں جو ہم تک پہنچی ہیں یا ان کے نام ہمیں معلوم ہیں:

۱۔ کتاب الاغانی
۲۔ مقاتل الطالبیین
۳۔ اخبار الاماء الشواعر
۴۔ کتاب الممالیک الشعراء
۵۔ کتاب الاخبار والنوادر
۶۔ کتاب ادب السماع
۷۔ کتاب اخبار الطفیلیین
۸۔ کتاب لفضل ذی الحجه
۹۔ کتاب الحانات
۱۰۔ کتاب الدیارات
۱۱۔ کتاب آداب الغرباء
۱۲۔ کتاب القیان
۱۳۔ نسب بنی عبد شمس
۱۴۔ التعدیل والانتصاف
۱۵۔ نسب بنی شیبان
۱۶۔ فی مآثر العرب
۱۷۔ جمهرة النسب
۱۸۔ نسب بنی تغلب
۱۹۔ ایام العرب
۲۰۔ نسب المهالبه
۲۱۔ کتاب الغلمان المغنیین
۲۲۔ نسب بنی کلاب
۲۳۔ مجرد الاغانی[1]

اس مصروفیت وانہماک کی زندگی کے بعد ہمارے نامور مصنف نے ۷۲ برس کی طویل عمر پا کر ۳۵۶ھ (۲۱ نومبر ۹۶۷ء) میں وفات پائی۔

کتاب الاغانی کا تعارف

ابوالفرج اصفہانی کا سب سے بڑا علمی و ادبی شاہکار کتاب الاغانی (گیتوں کی کتاب) ہے۔ اصفہانی نے اس کتاب میں اپنے زمانے کے مروجہ عربی راگ، گانے

[1] ابن خلکان، وفیات الأعیان: ۳/ ۳۰۸ والصفدی، الوانی بالوفیات: ۲۱/ ۱۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور گیت جمع کر دیے ہیں۔ شاعروں، راگ لکھنے والوں، موسیقاروں اور مغنیوں کے حالات بالتفصیل درج کیے ہیں۔ اس امر سے بھی بحث کی ہے کہ شاعر نے کن حالات میں وہ شعر کہے تھے۔ مصنف فن موسیقی کو بھی زیر بحث لاتا ہے۔ نیز سُر، راگ اور نغمے بھی متعین کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ کس کس مغنی نے کیا کیا راگ گائے۔

اصفہانی نے کتاب الاغانی میں جو گانے، راگ اور گیت درج کیے ہیں ان کا ایک تاریخی پس منظر ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید کو علمی وادبی دلچسپیوں کے علاوہ فن موسیقی سے بڑا شغف تھا۔ اس کے دربار میں بڑے اچھے موسیقار اور گویّے موجود تھے۔ خلیفہ نے اپنے مغنیوں کو حکم دیا کہ وہ ایک سو راگ انتخاب کریں۔ چنانچہ اس کے دربار کے مشہور راگی ابراہیم موصلی نے فلیح بن عودہ اور اسماعیل بن جامع کے ساتھ مل کر ایک سو راگ منتخب کیے۔ پھر خلیفہ نے حکم دیا کہ اس میں سے دس جامع راگ منتخب کیے جائیں۔ جب اس حکم کی بھی تعمیل ہو چکی تو حکم ہوا کہ ان دس منتخب راگوں میں سے تین بڑے جامع راگ کا انتخاب کرو۔ چنانچہ مغنیوں نے ابوقطیفہ، عمر بن ابی ربیعہ اور نصیب کے اشعار میں سے تین راگ پسند کیے اور انھی تینوں پر باقی راگوں کی بنیاد ہے۔ بعد ازاں خلیفہ واثق کے عہد میں ان پر مشہور مغنی اسحاق بن ابراہیم نے نظر ثانی کی۔

اصفہانی نے کتاب الاغانی کی ابتدا انھی تین راگوں سے کی ہے جو خلیفہ ہارون الرشید کے لیے ایک سو راگوں میں سے منتخب کیے گئے تھے۔ اس کے بعد خلفاء اور ان کے خاندان کے لوگوں کے اشعار اور گیت درج کیے ہیں۔[1]

کتاب الاغانی تاریخ ادب عربی، عربی ثقافت اور عربی فن موسیقی کا بہت بڑا مصدر و مآخذ ہے۔ اس کتاب میں عربوں کے تیسری صدی ہجری تک کے راگ، نغمے، سُر اور تال سے متعلق بڑی قیمتی بحثیں مندرج ہیں۔ اس میں آلات طرب، مزامیر موسیقی کی مصطلحات وغیرہ کا بکثرت ذکر آتا ہے، مثلاً شبابئ (بِین) زلائی (زنامی، بانسری اور بین کی قسم) بوق (طبلہ، ڈھولک) بربط، رباب اور ہنج (چنگ) وغیرہ۔

1 ابوالفرج الاصفہانی، الاغانی: ۱/۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتاب الاغانی میں تاریخی، علمی اور ادبی معلومات کے خزائن کے علاوہ نوادر و ظرائف کے انبار، بادشاہوں اور وزیروں کے ادبی لطیفے اور چٹکلے، شاعروں کی ادبی طنزیات اور نچلے طبقے کے گویوں کی خرافات سب موجود ہیں۔

ابوالفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی کو پچاس برس کی مدت میں تالیف کیا اور اس کا واحد نسخہ سیف الدولہ کی خدمت میں پیش کیا۔ سیف الدولہ نے مصنف کی حوصلہ افزائی اور قدردانی کرتے ہوئے ایک ہزار دینار (سنہری اشرفیاں) بطور انعام دیے۔ جب دیلمی وزیر ابوالقاسم الصاحب ابن عباد نے سنا تو کہا کہ سیف الدولہ نے اصفہانی اور اس کی گراں قدر کتاب کی کوئی قدر نہیں کی۔ انعام کئی چند ہونا چاہیے تھا، کیونکہ اس کتاب میں علمی، ادبی، تاریخی اور فنی اعتبار سے زاہد، عالم، ادیب، ظریف، مرد مجاہد، بادشاہ غرضیکہ ہر طبقے اور ہر درجے کے آدمی کے لیے سامان لذت موجود ہے۔ یاقوت کے نزدیک اس کتاب میں سنجیدہ و متین باتوں کے ساتھ ہذلیات بھی ہیں [۱]

اس کتاب کی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ صاحب ابن عباد سفر میں کتابوں کے تیس اونٹ ساتھ لے جایا کرتا تھا۔ جب کتاب الاغانی کا نسخہ ہاتھ لگ گیا تو پھر تمام کتابوں سے بے نیاز ہوگیا اور تنہا کتاب الاغانی کو ساتھ رکھتا۔ عضدالدولہ بن بویہ دیلمی (م ۳۷۲ھ) سفر و حضر میں کتاب الاغانی کو ساتھ رکھتا۔ اسی طرح ابوالقاسم حسن بن علی المعروف بہ ابن مغربی (۳۷۰ھ۔ ۴۱۸ھ) نے اپنے عہد وزارت میں والہانہ محبت اور شوق مطالعہ کی خاطر ہر وقت پاس رکھنے کے لیے کتاب الاغانی کا ایک اختصار تیار کر لیا تھا۔ اسی طرح ایک اختصار قاضی ابن واصل حموی (م ۶۹۰ھ) نے، ایک ابن باقیا حلبی الکاتب (م ۴۸۵ھ) نے اور ایک کاتب حرانی (م ۴۲۰ھ) نے تیار کیا۔ کتاب کی ہردلعزیزی اور قبول عام کی علامت یہ ہے کہ بڑے بڑے ادیبوں نے اس کے مختارات اور تجریدات تیار کیے۔ [۲]

۱۔ الصفدی، الوافی بالوفیات: ۲۱/ ۱۶ و ابن خلکان، وفیات الأعیان: ۳/ ۳۰۷

۲۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون: ۱/ ۸۱ و ابن خلکان، وفیات الأعیان: ۳/ ۳۰۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ ابو الفرج اصفہانی کتاب الاغانی لکھنے میں پہلا مصنف نہیں ہے۔ اس کے کئی پیشرو ادیب کتاب الاغانی کے نام سے مغنیوں اور گویوں کے حالات پر کتابیں لکھ چکے تھے، لیکن اصفہانی نے جو بات پیدا کر دی وہ اس کے پیشرو نہ کر سکے۔

کتاب الاغانی کے جدید ایڈیشن

کتاب کا پہلا ایڈیشن (۱۲۸۵ھ) بولاق میں طبع ہوا۔ اس کی ۲۰ ضخیم جلدیں تھیں۔ یورپ سے ایک اور حصہ مل گیا اور وہ اکیسویں جلد کے طور پر شائع ہوا۔ اٹلی کے ایک فاضل نے اس کی مفید فہرستیں اور اشاریے تیار کر کے شائع کر دیے، کتاب الاغانی کا دوسرا ایڈیشن قاہرہ (۱۹۰۵ء۔۱۹۰۶ء) میں شائع ہوا۔

کتاب الاغانی کا ایک بڑا عمدہ ایڈیشن دارالکتب المصریہ قاہرہ سے ۱۹۲۷ء میں شائع ہونا شروع ہوا اور کئی برس تک شائع ہوتا رہا۔ یہ ایڈیشن بڑی خوبیوں کا حامل ہے۔ اس میں متن کو بڑی صحت اور احتیاط سے متعین کر کے قارئین کی سہولت کے لیے مشکول کر دیا گیا۔ ہر صفحہ پر حاشیہ میں مشکل الفاظ کے معانی ومطالب، اختلاف قراءت، تاریخی وادبی مزید معلومات درج کر دی گئی ہیں۔ نیز ہر جلد کے آخر میں مفید فہرستیں شامل کتاب ہیں۔[1]

ایک ایڈیشن دارالفکر مکتبہ الحیاۃ بیروت (۱۹۵۴ء۔ ۱۹۵۷ء) والوں نے ۲۱ جلدوں میں شائع کیا ہے۔ اس ایڈیشن کے بارے میں کوئی خاص چیز قابل ذکر نہیں ہے۔

ابن منظور افریقی (۶۳۰۔ ۷۱۱ھ) صاحب لسان العرب نے بھی کتاب الاغانی کا ایک اختصار تیار کیا تھا، جس کی کچھ جلدیں مختار الاغانی کے نام سے مصر سے شائع ہوئیں۔ ابن منظور نے اس اختصار میں دوسرے مصادر کے ذریعے کچھ تاریخی اور ادبی معلومات کا اضافہ بھی کیا ہے۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ابن واصل حموی نے بھی الاغانی کا ایک اختصار تیار کیا تھا۔

---

[1] یہ ایڈیشن اور دیگر طبعات مختلف برقی مکتبات پر دستیاب ہیں، جیسے مکتبۃ النور، الدرر، انٹرنیٹ آرکائیو وغیرہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ اختصار تجرید الاغانی کے نام سے ڈاکٹر طٰہٰ حسین اور ابراہیم ابیاری کی تحقیق و تصحیح سے مکتبہ مصر (شرکہ مساہمہ مصریہ) نے ۱۹۵۵ء و مابعد میں شائع کیا۔

کتاب الاغانی کا ایک ایڈیشن قطوف الاغانی کے نام سے مکتبہ صادر، بیروت والوں نے ایک سلسلہ شائع کیا ہے جس میں ایک ایک شاعر کے الگ الگ حالات کو اغانی کی مختلف جلدوں سے فراہم کر کے یکجا کر دیا ہے۔ اسناد کو حذف کر کے نئے انداز میں کتاب الاغانی کو مرتب کیا گیا ہے۔ اس ایڈیشن میں قدیم موسیقی، نغمے اور گانے کو بھی بے کار سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ مؤلف سلسلہ ہٰذا کا خیال ہے کہ عصر حاضر میں قدیم موسیقی کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

کتاب الاغانی کا ایک اور ایڈیشن قابل ذکر ہے۔ اصفہانی نے اپنی کتاب کو کسی تاریخی یا ادبی لحاظ سے ترتیب نہیں دیا، بلکہ اس نے خلیفہ ہارون الرشید کے لیے منتخب شدہ تین راگوں سے اس کی ابتدا کی ہے۔ شاعروں کے حالات لکھے ہیں، مغنیوں کے حالات، سر، تال، نغمہ وغیرہ سے بحث کی ہے۔ پھر وہ بات سے بات پیدا کرتا ہے۔ ایک قصے کے بعد دوسرا قصہ لکھتا ہے۔

محمد خضری نے اس ترتیب کو مشکل اور غیر مفید سمجھ کر عربی ادب کے طلبہ کے لیے اسے مفید اور آسان شکل دی اور کتاب کا نام ''مہذب الاغانی'' رکھا۔[1] اس کتاب کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک قسم میں شاعروں اور ان کے اشعار سے بحث ہے۔ شاعروں کے تین طبقے بنائے ہیں: جاہلی، اسلامی اور جدید (اصفہانی کے عہد تک کے)۔ دوسری قسم میں مغنیوں اور راگیوں کے حالات اور ان کے فنی کارناموں سے بحث ہے۔ یہ بھی بتایا ہے کہ ہر ایک نے کس کس قسم کے راگ ایجاد کیے تھے۔ یہ مہذب الاغانی مطبعہ مصر، شرکت مساہمہ مصریہ نے شائع کی ہے۔[2]

---

[1] الزرکلی، الأعلام: ۶/۲۶۹۔ مذکورہ بالا طبعات کے علاوہ دیگر نئی طبعات بھی منظر عام پر آ چکی ہیں۔

[2] تخریج مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس۔ ذیلی سرخیاں از ادارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ الرئیس ابن سینا، نامور فلسفی اور عالم[1]

سن ہجری کے لحاظ سے ابن سینا کو پیدا ہوئے ایک ہزار برس سے زیادہ ہوگئے ہیں۔ جس زمانہ میں ابن سینا پیدا ہوکر پروان چڑھا، خلافت عباسیہ دم توڑ رہی تھی۔ خلیفہ کا نام محض تقدس کی حیثیت رکھتا تھا۔ سلطنت پارہ پارہ ہوچکی تھی۔ نظم ونسق کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ بڑے علاقے میں ایک خود مختار سلطنت کی باگ ڈور سنبھالے نظر آتا تھا۔ اگر خلیفہ بغداد سے کسی قسم کا تعلق تھا بھی تو محض روحانی۔[2]

علمی مقام

ابن سینا فلاسفۂ اسلام کی صف اول میں شمار ہوتا ہے۔ وہ ان معدودے چند دانایانِ عالم میں سے ہے جنھوں نے علم کلام کے اصول اور مبادیات وضع کیے۔ شیخ الرئیس ابن سینا ان پیش رو حکمائے اسلام میں سے ہے جنھوں نے فلسفہ اور دین کو یکجا کرنے کی کوشش کی۔ وہ فلسفہ وحکمت، طب ونجوم اور طبعیات والٰہیات میں یگانۂ روزگار اور علامۂ زمان کہلایا۔[3]

اس کی شہرت مشرق ومغرب میں پھیلی اور وقت کی مقبول ترین علمی زبان، یعنی لاطینی میں اس کی فلسفیانہ تصانیف اور طبی کتب کے ترجمے کیے گئے۔ شیخ الرئیس کی شہرہ آفاق کتاب ''القانون فی الطب'' پندرھویں صدی عیسوی کے آخر میں دس مرتبہ لاطینی زبان میں شائع ہوئی۔ سولھویں صدی میں بیس سے زائد مرتبہ زیور طبع سے آراستہ ہوئی اور یورپ کی تمام یونیورسٹیوں اور درس گاہوں میں معالجات کے نصاب میں

[1] یہ مقالہ ''حمایت اسلام'' لاہور (ابن سینا نمبر) جون ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا۔
[2] الزرکلی، الأعلام: ۲۴۱/۲
[3] الصفدی، الوافی بالوفیات: ۲۴۲/۱۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شامل رہی۔ اس امر سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ابن سینا یورپ میں کتنا ہر دلعزیز رہا۔ ابن سینا ایک ممتاز ذہنی انفرادیت رکھتا ہے۔ اس نے نہ تو ابن رشد کی طرح ارسطو کے فلسفہ کی کورانہ تقلید کی اور نہ ابونصر فارابی کے تمام فلسفیانہ خیالات کو اپنایا، بلکہ اس نے تو ابن رشد اور فارابی کو ارسطو کی بے جا تقلید پر مورد عتاب ٹھہرایا۔ ابن سینا کو ارسطو سے جہاں کہیں اختلاف ہوا اس نے بڑی دیانت داری کے ساتھ پیش کیا۔ اگرچہ ارسطو اور ابن سینا کا انداز اصول و مبادیات میں یکساں ہے، لیکن اغراض وانجام اور استنباط میں دونوں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں[1]

خاندان و ماحول

ابن سینا ایسے علم دوست گھرانے میں پیدا ہوا جہاں فلسفہ وحکمت کے چرچے دن رات رہتے تھے۔ مصر سے اسماعیلی مبلغ اور علماء آتے تو ابن سینا کے والد کے ہاں قیام کرتے۔ ابن سینا کہتا ہے کہ میرا والد اسماعیلی عقائد رکھتا تھا اور میں نے اپنے گھر کی محفلوں میں بڑے بڑے علماء اور عقلاء کی زبان سے نفس اور عقل کے بارے میں گفتگو اور بحث سنی۔[2]

پیدائش اور نام ونسب

ابن سینا کا باپ ابوعبداللہ حسن بن علی بلخ کا رہنے والا تھا۔ سامانی حکمران نوح بن منصور کے عہد حکومت میں وہ بخارا کے ایک شہر ''خرمتین'' کا حاکم مقرر ہوا۔ بالآ خراسی گاؤں کی ایک نوجوان لڑکی مسمات ستارہ سے عقد نکاح ہو گیا۔ اس خاتون کے بطن سے اسلام کا شاندار حکیم اور طب مشرق کا شیخ الرئیس ماہ صفر ۳۷۰ھ میں عدم سے منصۂ شہود میں آیا۔ والدین نے حسین نام رکھا، ابوعلی کنیت مشہور ہوئی۔ دنیائے علم و

1. ابن خلکان، وفیات الأعیان: ۲/۱۵۷
2. الذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۱۷/۵۳۱

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

فضل میں ابن سینا کے لقب سے شہرت دوام کا مالک قرار پایا اور شیخ الرئیس کے معزز خطاب سے زبان زد عام وخاص ہوا۔[1]

تعلیم اور اساتذہ

ابن سینا کی عمر کی پانچویں بہار تھی کہ اس کے باپ نے بخارا میں جا کر مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ہونہار بچے نے ہوش سنبھالا تو گھر میں علم وحکمت کے چشمے ابل رہے تھے۔ ابن سینا نے دس برس کی عمر تک قرآن مجید وادب پڑھا۔

اس عرصے میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور ادب میں خاصی مہارت پیدا ہوگئی تھی۔ بعدازاں ابوبکر احمد بن محمد خوارزمی سے علم لغت اور صرف ونحو حاصل کیا اور اسمٰعیل زاہد سے فقہ۔ حسن اتفاق ملاحظہ ہو کہ ابوعبداللہ ناقلی جیسا شہرہ آفاق استاد، جو علوم منطق و ریاضی میں بے نظیر سمجھا جاتا تھا، ان دنوں اس کا بخارا میں گزر ہوا۔ ابن سینا کے باپ نے یہ موقع غنیمت سمجھتے ہوئے ابوعبداللہ ناقلی کو کچھ عرصہ کے لیے اپنے ہاں ٹھہرا لیا۔ ابوعبداللہ ناقلی کا چند روزہ قیام ابن سینا کے لیے ازحد مفید ثابت ہوا۔ ہونہار اور ذہین طالب علم نے ابوعبداللہ ناقلی سے منطق کی مشہور کتاب ''ایساغوجی'' اور ہیئت وجغرافیہ میں بطلیموس کی کتاب ''المجسطی'' سبقاً سبقاً پڑھی۔

ابن سینا نے اٹھارہ برس کی عمر تک پہنچتے پہنچتے علوم منطق، حکمت، نجوم، ریاضی اور طب میں بڑا کمال اور نام پیدا کر لیا تھا۔[2]

شوق مطالعہ

ابن سینا کے شوق تحصیل علم اور انہماک مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ زمانہ طالب علمی میں کبھی رات بھر سونا نصیب نہ ہوا۔ اکثر آدھی رات تک پڑھتا رہتا۔ سارا دن کتاب بنی اور مطالعہ کی نذر ہو جاتا۔

---

1. الذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۵۳۱/۱۷
2. الصفدی، الوافی بالوفیات: ۲۴۲/۱۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طالب علم بڑا ذہین اور تیز فہم تھا۔ شروع ہی سے جسمانی قوت صحت کے ساتھ ذہنی استعداد سے بھی بہرہ وافر پایا تھا، چنانچہ بہت جلد علوم وفنون کی منازل طے کرلیں۔ ابن سینا کو علم طب میں تو کوئی زیادہ دقت پیش نہ آئی۔ اس نے جب عملی طور پر مطب میں بیٹھ کر مریضوں کو دیکھنا اوران کا علاج معالجہ شروع کیا تو معلومات اور تجربات میں گراں قدر اضافہ ہوتا چلا گیا۔ تھوڑے عرصہ میں یہ کیفیت ہوگئی کہ ابن سینا کے اردگرد طبیبوں کا ہجوم رہنے لگا۔[1]

فارابی سے استفادہ

البتہ اسے مابعد الطبیعیات علوم کو سمجھنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور ایک وقت تو ایسا آیا کہ ابن سینا پریشانی کی حالت میں اس شعبہ علم کو سمجھنے سے قطعاً مایوس ہوگیا۔ مگر اس کی خوش نصیبی کہ یہ پریشانی زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوسکی۔ مابعد الطبیعیات کو سمجھنے میں ابونصر فارابی کے چند مسائل نے بڑی رہنمائی کی۔ اگر سچ پوچھیے تو ابن سینا کی مابعد الطبیعی الجھنوں کو دور کرنے میں جتنا دخل فارابی کی تصانیف کو رہا ہے اتنا کسی اور کو نہیں رہا۔ یہ سب منزلیں اٹھارہ برس کی عمر تک طے ہوچکی تھیں۔[2]

سلطان بخارا کا کتب خانہ

خدا کی قدرت دیکھیے کہ ذہانت، حافظہ اور شادماغی کے ساتھ حالات بھی ایسے سازگار اور موافق ہورہے تھے کہ عقل دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے۔ یاقوت حموی کو مرو کا شاہی کتب خانہ میسر آگیا تو اس نے شہروں اور ملکوں کی ضخیم ترین لغات ''معجم البلدان'' کے نام سے لکھ ڈالی۔ ساتھ ہی ادیبوں اور شاعروں کے حالات پر ارشاد الاریب یعنی معجم الادباء بھی تیار کرلی۔ یہی حسن اتفاق ابن سینا کو بھی نصیب ہوا۔

واقعات یوں بیان کیے جاتے ہیں کہ سلطان بخارا نوح بن منصور بیمار ہوگیا۔

[1] الزرکلی، الأعلام: ۲/۲۴۱

[2] الصفدی، الوافی بالوفیات: ۱۲/۲۵۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن سینا کو علاج کا موقع ہاتھ آیا۔ تشخیص اور دوا تیر بہدف ثابت ہوئی۔ سلطان صحت یاب ہو گیا۔ نوجوان طبیب کی شہرت اور اعزاز میں چار چاند لگ گئے۔ سلطان بخارا کا ایک بڑا شاندار اور نایاب کتب پر مشتمل عظیم الشان کتب خانہ تھا۔ ابن سینا کو ذاتی اثر ورسوخ کے باعث وہاں تک رسائی حاصل ہو گئی۔ قوت حافظہ اور تحصیل علم کے لیے تو ابن سینا مشہور تھا ہی، اس موقع کو غنیمت جان کر خوب فائدہ اٹھایا۔ اپنے زمانے کے تمام مروجہ علوم یعنی منطق، طبعیات، ریاضیات، نجوم، الٰہیات اور فلسفہ وحکمت میں اتنی گہری نظر پیدا کر لی کہ اس نوجوان فلسفی اور طبیب کو دنیا کے سائنس دانوں اور داناؤں کی صف اول میں بڑی ممتاز مسند پر جگہ ملی۔[1]

پریشان حالی

ابن سینا کی عمر بائیس برس کی ہوئی تو والد کا انتقال ہو گیا۔ باپ کا سایہ اٹھ جانے کے بعد ابن سینا کی زندگی میں بڑی تبدیلی رونما ہوئی، اگرچہ نوجوان حکیم مشرق ہر وقت اپنے کام کاج اور مطالعہ میں مستغرق رہتا، لیکن اس کی پریشانی اور مایوسی میں برابر اضافہ ہوتا چلا گیا۔

جب ذرا سکون نصیب ہوا اور جرجان، رے، ہمدان اور اصفہان کے حاکموں کے درباروں میں رسائی ہوئی تو اس نے اپنی معرکہ آراء کتابیں قلمبند کیں۔ ان کتابوں میں اس کی شہرہ آفاق فلسفیانہ تصنیف ''کتاب الشفاء'' اور طب پر جامع تالیف ''القانون فی الطب'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جب ابن سینا جرجان پہنچا تو بڑی خستہ حالت تھی۔ ابو محمد شیرازی نے اپنے پڑوس میں ایک مکان خرید کر اسے وہاں ٹھہرایا تاکہ وہ ابن سینا کے علم وفضل سے استفادہ کر سکے۔[2]

[1] الذہبی، تاریخ الإسلام: ۲۹/۲۲۲ وابن أبی أصیبعہ، عیون الأنباء: ۱/۴۳۷

[2] ابن أبی أصیبعہ، عیون الأنباء: ۱/۴۵۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قلمدان وزارت

جرجان سے رے پہنچا تو شمس الدولہ کے دربار میں بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ شمس الدولہ اس وقت قولنج کی بیماری سے صاحب فراش تھا۔ ابن سینا نے اس کا علاج معالجہ کیا تو وہ بالکل تندرست ہو گیا۔ انعام وخلعت سے نوازا گیا اور چالیس دن تک وہیں قیام رہا۔ شمس الدولہ دانائے مشرق کی خدا داد قابلیتوں اور استعدادوں سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے ابن سینا کو وزیر دفاع مقرر کر دیا۔ ابن سینا نے نظم ونسق برقرار کرنے کے لیے سختی سے کام لینا چاہا، نتیجہ یہ ہوا کہ ابن سینا کے خلاف فوج میں بڑا احتجاج ہوا۔ ستم یہ ہوا کہ عام بغاوت پھوٹ پڑی۔ باغیوں نے ابن سینا کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ اس کا سارا سامان اور مال ومتاع لوٹ لیا۔ ساتھ ہی بادشاہ سے درخواست کی کہ وہ ابن سینا کو قتل کر دے۔ شمس الدولہ نے اپنی فوج کی خاطر ابن سینا کو جلا وطن کر دیا، لیکن بعد ازاں اسے دوبارہ بلا بھیجا اور قولنج کا علاج کراتا رہا۔ یہاں تک کہ دوبارہ قلمدان وزارت ابن سینا کے سپرد کر دیا گیا۔

ابن سینا کا ذوق علمی ملاحظہ ہو کہ دوران وزارت میں بھی علمی مشاغل نہ چھوڑے۔ دن بھر تو حکومت کے کام کاج میں مصروف رہتا اور رات کے وقت درس وتدریس میں مشغول ہو جاتا۔[1]

قید وبند میں

شمس الدولہ کی وفات کے بعد حالات نے پھر پلٹا کھایا۔ ابن سینا کو ایک سازش کے الزام میں گرفتار کر کے قلعہ فردحان میں قید کر دیا گیا۔ اس قلعے میں چار مہینے تک قیام رہا اور یہیں ابن سینا نے اپنی مشہور کتاب "حی بن یقظان" تصنیف کی۔ اس کتاب میں ابن سینا کی قید وبند کی مشقتوں اور صعوبتوں اور صوفیانہ رموز کی طرف

[1] الذہبی، تاریخ الاسلام: ۲۹/ ۲۲۵ وعبدالرحمٰن بدوی، الفلسفۃ والفلاسفۃ، ص: ۱۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کافی اشارات پائے جاتے ہیں۔

قید سے چھٹکارا نصیب ہوا تو صوفیوں کے بھیس میں اصفہان کا رخ کیا۔ وہاں سلطان علاؤ الدولہ تعظیم وتکریم سے پیش آیا۔[1]

شوق تصنیف

ابن سینا کو تصنیف و تالیف میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ وہ نہایت قلیل مدت میں کتاب لکھ ڈالتا۔ کبھی تو اس نے کتابیں جیل خانے میں لکھیں، کبھی سفر میں لکھیں، کبھی رات کے وقت اور کبھی محفل رقص وسرود میں۔ کتاب پڑھنے اور لکھنے میں اس کی رفتار بلا کی تھی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ابن سینا کے عزیز شاگرد ابوعبید جوزجانی نے ابن سینا سے درخواست کی کہ وہ کتاب الشفاء کی تکمیل کر دے۔ ابن سینا نے فوراً قلم دوات اور کاغذ منگوایا اور لکھنے بیٹھ گیا۔ آن واحد میں کتاب کے سارے عنوان ضبط تحریر میں لے آیا۔ کہا جاتا ہے کہ ابن سینا پچاس ورق یعنی سو صفحات روزانہ لکھا کرتا تھا۔[2]

ابن سینا کی زندگی بڑی مصروف زندگی تھی۔ تکالیف ومصائب کی کثرت، فرصت و فراغت کی قلت، خواہشات کے بے پناہ ہجوم، آرزوؤں اور امیدوں کا وفور اور ذوق میں تنوع تھا۔ وہ مشکل سے مشکل کتاب اٹھاتا اور ایک ہی نظر میں اہم ترین مواقع اور مشکل ترین مسائل پر عبور حاصل کر لیتا۔ وہ تصنیفات و تالیفات کو دہرانے اور نظرثانی کرنے کا عادی نہ تھا۔ ابن سینا کی تصنیفات اس کے وسیع مطالعہ، گہری نظر، ہمہ گیر معلومات اور شاہ دماغی کی کھلی شہادت ہیں۔

ابن سینا نے فلسفہ، طب اور نجوم میں اتنا نام پیدا کیا کہ قرون وسطیٰ میں اس کی

[1] ابن کثیر، البدایہ والنہایہ: ۱۲/۴۲

[2] الصفدی، الوافی بالوفیات: ۱۲/۲۴۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تالیفات بالخصوص کتاب الشفاء، کتاب الاشارات، القانون اور کتاب النجاۃ علمائے مشرق و مغرب کا مرجع اور سرمایہ علم بنی ہیں۔

فلسفہ اور طب کے علاوہ ابن سینا کو علم نجوم سے بڑا شغف تھا۔ اسی انہماک و شغف کے پیش نظر سلطان علاؤ الدولہ والی اصفہان نے زر کثیر صرف کر کے ابن سینا کے لیے ایک رصد گاہ تعمیر کروائی، جہاں ابن سینا ستاروں کا مطالعہ کیا کرتا تھا، مگر یہ مطالعہ کوئی اہم نتیجہ خیز نئے تجربات اور معلومات فراہم نہ کر سکا، البتہ عیون الانباء کے مصنف کا کہنا ہے کہ ابن سینا نے فلکیات پر نہایت محققانہ اور پُر مغز کتابیں لکھیں اور ایسے آلات رصد یہ ایجاد کیے کہ اس سے پہلے اس قسم کے آلات ایجاد نہ ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرون وسطیٰ میں یورپ کے لوگوں میں ابن سینا فلسفہ و حکمت کی نسبت علم نجوم میں بہت زیادہ مشہور و معروف تھا۔

ابن سینا نے قیام اصفہان کے دوران میں ایک بے نظیر عربی لغات کی داغ بیل ڈالی۔ مؤلف نے اس لغات کا نام ''لسان العرب'' رکھا۔ یہ عجوبۂ روزگار لغات ابن سینا کے اپنے مسودے تک ہی محدود رہی۔ کسی شخص کو اس کی ترتیب اور انداز کا علم نہ ہو سکا۔

بہر حال ابن سینا کی ذہانت اور جودت طبع کی یہ دلیل کافی ہے کہ اس نے علم و فن کے ہر شعبہ میں بڑی گراں قدر اور بلند پایہ تالیفات و تصنیفات چھوڑیں۔ اس مختصر مقالے میں یہ گنجائش تو نہیں ہے کہ اس دانائے علم کی تصانیف کی پوری فہرست یہاں درج کی جائے، البتہ مختصراً عرض ہے کہ ابن سینا کی پچیس تیس کتابیں تو شائع ہو چکی ہیں۔ ایک سو بیس کے قریب مخطوطات کی صورت میں دنیا کے بڑے بڑے کتب خانوں میں محفوظ پڑی ہیں جن میں فلسفہ والٰہیات پر ۲۹، علم نجوم و طبیعیات پر ۱۱، علم طب پر ۳۳ اور شعر و نظم پر ۴ ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی پونے دو سو کتابیں ضائع ہو چکی ہیں، ان کے وجود کا کچھ علم نہیں۔ صرف ان کے نام تاریخ و رجال کی کتابوں میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ پونے دو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سو کتابیں ضائع نہ ہوتیں تو ہمارے پاس علم وحکمت کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو جاتا۔[1]

اسلوب نگارش

ابن سینا کی تمام تصانیف میں ایک ہی اسلوب نگارش نہیں ہے، بلکہ مختلف کتابوں میں مختلف انداز بیان نظر آتا ہے۔ کتاب الشفاء کی عبارت میں پختگی کم دکھائی دیتی ہے۔ اس کے مقابلے پر اس کی کتاب الاشارات کی عبارت بڑی فصیح وبلیغ اور مسجع ہے۔

اسلوب بیان میں اس اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ شیخ الرئیس نے کتاب الشفاء تو عنفوان شباب میں لکھی جب تحریر میں پختگی کم تھی اور اشارات عمر کے آخری دور کی یادگار ہے جب اشہب قلم میدانِ تحریر میں ترکتازیوں کے باعث شہرت دوام کا باعث بن چکا تھا۔ کتاب الشفاء کے اسلوب کے بارے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ابن سینا نے اس کی تالیف ہمدان میں اس وقت شروع کی جب وہ قلمدان وزارت سنبھالے ہوئے تھا۔ سب سے پہلے طبعیات پر قلم اٹھایا، پھر الٰہیات پر۔ ان اسباب کے پیش نظر کتاب الشفاء اور اشارات کے اسلوب نگارش میں اختلاف چنداں تعجب انگیز نہیں رہتا۔

ابن سینا کے اسلوب کے سلسلے میں یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ اس نے اپنی اکثر فلسفیانہ تصانیف میں بڑا علمی اور محکم اندازِ بیان اختیار کیا ہے۔ فلسفہ کی اصطلاحات دل کھول کر استعمال کی ہیں۔ اس کی تحریر میں بڑا اختصار ہے۔ اس نے اجمال پسندی کے ساتھ مترادف الفاظ اور تکرار بیان کو پاس تک نہیں آنے دیا۔ اس وجہ سے عبارت بڑی مشکل اور مغلق ہوگئی ہے۔

اسلوب نگارش کے ضمن میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ابن سینا نے بعض چھوٹے چھوٹے رسائل میں رمز وکنایہ سے کام لیا ہے، مثلاً: رسالہ ''حی بن یقظان'' اور

[1] الصفدی، الوافی بالوفیات: ۱۲/۲۵۰ وابن ابی أصیبعہ، عیون الأنباء: ۱/۴۳۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''سلامان وانسان'' اور ''القدر'' میں۔ ان مختلف قصوں میں صناعت لفظی کی روح کارفرما نظر آتی ہے۔ الفاظ بڑے مشکل اور دقیق استعمال ہوئے ہیں۔ ان رسائل کا اسلوب بھی علمی نہیں ہے۔ مشکل پسندی اور مغلق نویسی کا یہ حال ہے کہ ہر لفظ کی حقیقت تک پہنچنے کے لیے لغت کی ورق گردانی کے بغیر کامیابی ناممکن ہے۔[1]

معاصرین اور تلامذہ

ابن سینا کو اپنے عہد کے جلیل القدر اور یگانۂ روزگار معاصرین سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ یہ ان کے خیالات سے اور وہ اس کے خیالات سے متاثر ہوئے۔ ان نامور شخصیتوں میں ایک تو البیرونی تھا، جس کے متعلق جرمن مستشرق زخاؤ نے اظہار خیال کرتے ہوئے اسے دنیا کا سب سے بڑا عقل مند قرار دیا تھا۔ اسی طرح ابوسعید بن ابی الخیر سے ملاقات ہوئی۔ ابوسعید اپنے زمانے میں صوفیاء کا امام تصور کیا جاتا تھا۔ فلسفہ اخلاق کا نامور عالم یعنی ابن مسکویہ کو بھی ابن سینا سے ملنے کا اتفاق ہوا اور علمی گفتگو ہوتی رہی۔

ابن سینا کے شاگردوں میں ابوعبید جوزجانی، ابوالقاسم کرمانی، ابوعبداللہ معصومی اور بہمن یار بن مرزبان بڑے مشہور ہیں۔ عمر خیام نے بھی ابن سینا کو اپنے اساتذہ میں شمار کیا ہے۔ یہ سب لوگ ریاضیات، طبیعیات اور حکمت وفلسفہ پر صاحب نقد ونظر گزرے ہیں۔[2]

چند علمی نظریے

ابن سینا کے نزدیک زمین متحرک ہے۔ وہ کشش ثقل کا بھی قائل ہے، یعنی وہ کہتا ہے کہ چیزیں مرکز کی طرف کھنچی چلی آتی ہیں۔ علم طبقات الارض کے موضوع پر ابن سینا کی تحقیقات بڑی دلچسپ اور دقیق ہیں۔

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، عنوان: ابن سینا: ۱/۵۶۰

[2] الصفدی، الوافی بالوفیات: ۲/۱۰۱؛ الزرکلی، الأعلام: ۲/۷۷

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ابن سینا کے نزدیک منطق کی حیثیت محض تعارفی علم کی ہے۔ فلسفہ دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

ا۔ نظری ۲۔ عملی

نظری فلسفے میں علم طبیعیات، علم ریاضیات اور مابعد الطبیعیات شامل ہیں۔

عملی فلسفہ علم اخلاق، اقتصادیات اور سیاسیات کو حاوی ہے۔

علم طبیعیات میں ارسطو اس کا استاد ہے۔ اگرچہ افلاطون کے اثرات بھی نمایاں ہیں، مثلاً یہ کہ ارضی واقعات ستاروں کے زیر اثر تو ہیں، مگر حرارت اور گرمی کے باعث نہیں بلکہ نور اور روشنی کے ذریعے۔ اسی طرح افلاطون کے اثرات سے ابن سینا کے نفسیاتی نظریات بھی بچ نہیں سکے۔

ابن سینا نے ارسطو کی مابعد الطبیعیات کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے فلسفہ اور اسلامی عقائد کے درمیان یگانگت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

روح اور مادہ کے بارے میں اس کی بحث کا انداز فارابی سے زیادہ واضح ہے۔

ابن سینا کا خیال ہے کہ انفرادی روح کو موت نہیں۔

بعض غیر موافق اور خطرناک حالات میں ابن سینا کو تصوف کی پناہ لینا پڑی اور اس کے بغیر اور کوئی چارہ کار بھی نہ تھا کہ دشمنوں کے نرغے سے زندہ وسلامت بچ نکلتا۔ ابن سینا نے فقہ اور قرآن میں بھی دلچسپی لی۔ چند سورتوں کی تفسیر بھی لکھی، مگر اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے فلسفیانہ نظریوں کی تائید تلاش کرے۔[1]

اب تک ابن سینا کو علم طب میں شیخ الرئیس کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے نظریات کو آخری اور قطعی سمجھا جاتا ہے۔ ابن سینا یونانی زبان جانتا تھا اور ممکن ہے کہ اس نے یونانیوں کے علوم سے بہت کچھ حاصل کیا ہو۔ بہرحال یہ بات ابھی تحقیق طلب ہے اور فلسفہ وطب کے محققین کے لیے اس بارے میں بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے۔

[1] ابن خلکان، وفیات الأعیان: ۲/۱۷۵؛ والذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۱۷/۵۳۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وفات

ابن سینا نے زندگی کے آخری دن والی اصفہان سلطان علاؤالدولہ کے سایہ عاطفت میں گزارے۔ ۴۲۸ھ/ ۱۰۳۷ء میں والی اصفہان نے ہمدان پر لشکر کشی کی۔ ابن سینا ساتھ تھا، راستے میں ایسا بیمار ہوا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ ہمدان میں پہنچ کر جمعۃ المبارک کے دن ماہ رمضان ۴۲۸ھ میں اپنی جان، جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ اس کی قبر آج تک ہمدان میں اس فلسفی کی عظمت کا پتہ دیتی ہے۔[۱،۲]

---

۱ الذہبی، العبر فی خبر من غبر: ۲/ ۲۵۸

۲ تخریج مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابوالعلاء المَعرّی

(اسلامی فکر وادب میں نئے دور کا آغاز)

ابوالعلاء المعری چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کا ایک بڑا نامور مفکر اور ادیب تھا۔ اس نے اسلامی فکر وفلسفہ اور شعر وادب میں نئے باب کا اضافہ کر کے اپنی جدت پسندی اور ذہانت وشاہ دماغی کا ثبوت بہم پہنچایا۔ عربی فکر وادب کی تاریخ میں اس کا نام سرفہرست ہے۔ بعد میں آنے والے مشرق ومغرب کے شاعر اور مفکر اس کے افکار و خیالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

معری نے نظم ونثر کے لیے عنوان اور جدید موضوع تلاش کیے۔ وہ پہلا ادیب ہے جس نے جنت اور دوزخ کی سیر کے حالات قلمبند کیے۔ اس نے اجتماعی مسائل، اخلاقیات، حکومتوں کے نظم ونسق اور قوانین اور مذہب وسیاست پر دل کھول کر شعر کہے۔ مسائل حیات کو موضوع سخن بنانے میں معری کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ وہ صاحب طرز ادیب بھی ہے اور جدت پسند شاعر بھی۔ وہ ایسا نقاد ہے جو متانت وسنجیدگی کے ساتھ ساتھ تضحیک کرنے اور پھبتی اڑانے سے ذرا نہیں چوکتا۔ اس کی تنقید میں استہزاء کا پہلو نمایاں ہے۔

ابتدائی حالات

ابوالعلاء احمد بن عبداللہ المعری بروز جمعہ بتاریخ ۲۷ ربیع الاول ۳۶۳ھ/۹۷۳ء حلب کے شہر معرہ میں پیدا ہوا۔ اس کے آباء واجداد اپنی عزت وجاہ، دولت وثروت اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علم وفضل کے اعتبار سے شام کے علاقے میں بڑی شہرت کے مالک تھے۔ معری کا دادا، چچا اور باپ یکے بعد دیگرے منصب قضاء پر فائز رہ چکے تھے۔[1]

ابوالعلاء معری عمر کی چار بہاریں بھی نہ دیکھنے پایا تھا کہ چیچک کے شدید ترین حملے نے اس کی دائیں آنکھ تو بالکل ضائع کر دی۔ بائیں آنکھ کی بصارت میں بھی فرق آ گیا۔ چھ برس کی عمر میں معری دونوں آنکھوں سے یکسر محروم ہو گیا۔

اس نے اپنے شہر معرہ میں نشو ونما پائی۔ ابتدا میں ادب ولغت کی تعلیم زیادہ تر اپنے والد سے حاصل کی۔ چھوٹی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لینے کے بعد مختلف قراءتوں میں دسترس پیدا کر لی تھی۔ گیارہ برس کی عمر میں شعر وسخن کی مشق شروع کر دی۔ ابھی المعری عمر کے چودہ دانے ہی گننے پایا تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والد کی موت نے تحصیل علم کے شوق کو تیز تر کر دیا۔ معری اپنے شہر سے نکل کر طرابلس، شام، انطاکیہ، لاذقیہ اور حلب کی مشہور درس گاہوں میں علوم کے صافی چشموں سے اپنی تشنگی بجھاتا رہا۔ اس عہد میں طرابلس کا کتب خانہ نادر کتب اور نایاب مخطوطات پر مشتمل تھا۔ ابوالعلاء کو اس کتب خانہ سے استفادہ کا بڑا موقع ملا۔ افسوس کہ یہ نادر کتب خانہ صلیبی جنگوں میں عیسائی حکومتوں کے ہاتھوں تباہ ہو گیا۔

معری ۳۸۴ھ/۹۹۴ء میں بعمر ۲۰ سال حلب کو خیر باد کہہ کر اپنے وطن معرہ آ گیا۔ جہاں وہ ایک چھوٹی سی جاگیر پر، جس کی آمدنی تیس دینار سالانہ تھی، بسر اوقات کرتا رہا۔ یہ رقم اس کی ضروریات زندگی کی بمشکل کفالت کرتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابوالعلاء کی زندگی تنگ دستی اور عسرت میں گزری۔ غیر موافق اور ناسازگار حالات کے باوجود اس کے شوق علم میں کوئی فرق نہ آنے پایا۔ آہستہ آہستہ اس کی علمی شہرت علوم وفنون کے مرکزوں میں پھیلنے لگی۔[2]

---

1. الزرکلی، الأعلام: ۱/۱۵۷ والصفدی، الوافی بالوفیات: ۶۲/۷
2. الصفدی، الوافی بالوفیات: ۶۲/۷ والذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۲۳/۱۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابوالعلاء کی قدر دانی

امیر حلب سے جھگڑا ہو جانے پر ابوالعلاء معرہ چھوڑ کر بغداد جا پہنچا۔ ابوالعلاء کے پہنچنے سے پہلے ہی اس کے علم و فضل کی شہرت وہاں پہنچ چکی تھی۔ بغداد میں اس کی بڑی عزت و تکریم اور آؤ بھگت ہوئی۔ تشنگان علم و ادب اس کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہونے لگے۔ بغداد کے ادیبوں اور عالموں نے اس کی وسعتِ معلومات و ذہانت کو خراج عقیدت و تحسین پیش کیا۔

ابوالعلاء کے قیام بغداد کے زمانے میں سیاسی اور اجتماعی حالات بڑی تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے۔ انقلاب زمانہ ابوالعلاء کی پریشانیوں کا موجب بن گیا۔ ایک طرف تو اسے شفیق و مہربان ماں کی موت کی خبر نے بڑا مغموم اور اندوہ گین بنا دیا، دوسری طرف زادراہ نے جواب دے دیا۔ اس پر طرہ یہ کہ علم و فضل کے اس مرکز میں حاسدوں نے اس کے لیے جینا محال کر دیا۔

ابوالعلاء کی خودی اور عزت نفس نے اسے اجازت نہ دی کہ وہ کسی کے سامنے دست سوال پھیلائے۔ چنانچہ مجبور ہو کر وہ ۴۰۰ ھ/ ۱۰۱۰ء میں معرہ واپس پہنچا، لیکن وہاں حالت بد سے بدتر ہوتے دیکھ کر اسے بغداد کی علمی مجلسوں اور ادبی محفلوں سے محرومی کا بڑا رنج و قلق ہوا۔[1]

وفور علم و فضل اور وسعت معلومات کے ساتھ ذہنی صلاحیتیں بھی موجود تھیں لیکن آمدنی کے راستے مسدود تھے۔ شاہی درباروں میں شرف باریابی سے عزت نفس آڑے آتی رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ افلاس و تنگ دستی، زمانے کی قدر ناشناسی اور بصارت و بینائی کی محرومی نے دنیا سے اس کا دل اچاٹ کر دیا تھا۔

اس نے معرہ پہنچ کر عزلت نشینی اختیار کی، لیکن تھوڑے عرصے کے بعد پھر درس و

[1] الذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۱۸/۲۴

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تدریس میں مصروف ہو گیا۔ تنہائی، قنوط و یاس اور بے چارگی نے دنیا کی نعمتوں سے بے رغبتی بلکہ نفرت پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ وہ گوشت، دودھ، انڈے اور شہد کے استعمال سے کلی احتراز کرنے لگا۔ دال اور سبزی پر قناعت کر بیٹھا اور عمر کا باقی حصہ معرہ میں رہ کر حمد و تسبیح اور درس و تدریس میں صرف کر دیا۔

ابو العلاء معری پستہ قد، دبلا پتلا اور کمزور انسان تھا۔ نحیف و لاغر جسم، چہرے پر چیچک کے داغ، مگر تھا بلا کا ذہین۔ وہ آسمان علم و ادب اور فکر و نظر کا آفتاب و ماہتاب بن کر چمکا۔ اس کے افکار و خیالات نے فکر و ادب کو نئی رونق اور جدید آب و تاب بخشی۔

مشرق کا یہ صاحب فکر و نظر حکیم جمعہ کے روز ماہ ربیع الاول ۴۴۹ھ/ ۱۰۵۷ء میں اپنے وطن مالوف معرہ میں سفر آخرت اختیار کر گیا۔[1]

ابو العلاء کے دور کے حالات

ابو العلاء معری کو ایسا زمانہ نصیب ہوا جب کہ سیاسی و اجتماعی سکون مفقود تھا۔ مشرق و مغرب میں اضطراب اور بے چینی کی فرمانروائی تھی۔ خلافت بغداد ختم ہوا چاہتی تھی۔ ابو العلاء کے سامنے تین خلیفے بغداد میں سریر آراء ہوئے۔ ۳۸۱ھ میں آل بویہ نے بڑی شان و شوکت اور قوت و اقتدار حاصل کر لیا اور عضد اللہ بویہی کا بغداد میں داخل ہونا تھا کہ خلافتِ بغداد آل بویہ کے رحم و کرم پر رہ گئی۔ وہ جس کو چاہتے خلیفہ نامزد کر دیتے اور جب چاہتے اسے معزول کر دیتے۔

درحقیقت خلافت و حکومت آل بویہ کے ہاتھ میں تھی جو شیراز میں بیٹھے مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کرتے تھے۔ اگرچہ ادبی اور عمرانی اعتبار سے ان کا عہد بڑا بارونق اور کامیاب تھا، لیکن ملکی لحاظ سے بالکل ناکام رہا۔ آل بویہ کے عہد میں عراق کی سیاسی اور

[1] ابن خلکان، وفیات الأعیان: ۱/۴۵۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انتظامی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ دینی اور مذہبی فرقہ واریت نے بھی سر اٹھایا۔ بالآخر طغرل بیگ ۴۴۸ھ میں خلیفہ قاسم بامراللہ کی دعوت پر بغداد میں داخل ہوا۔[1]

مشرق اقصیٰ میں دولت سامانیہ کے طفیل بخارا سے اسلام کی کرنیں ماوراء النہر کو منور و درخشاں کر رہی تھیں۔ ابوبکر محمد بن زکریا رازی اور شیخ الرئیس ابن سینا اسی عہد کی یادگار ہیں۔ اسی عہد میں سلطان محمود غزنوی نے اپنی سلطنت کو مضبوط و مستحکم بنا کر ہندوستان میں عظیم الشان فتوحات حاصل کیں اور البیرونی اور فردوسی اس عہد کی یادگار ہیں۔

مغرب میں اندلس کے حالات برق رفتاری سے تبدیل ہو رہے تھے۔ ۳۶۶ھ میں خلیفہ الحکم بن عبدالرحمٰن الناصر کی وفات کے بعد سارا مغرب فتنہ وفساد کی نذر ہو گیا۔

وزیروں نے استبداد و ظلم کی راہ پسند کی۔ اندلس میں طوائف الملوکی نے پھر سر اٹھایا۔ شیرازہ سلطنت پارہ پارہ ہو گیا۔ بے شمار چھوٹی چھوٹی ریاستیں ظہور پذیر ہونے لگیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے فرمانروا و حکمران باہم دست وگریبان ہو کر ایک دوسرے کے خلاف فرنگی طاقتوں کی پناہ تلاش کرنے لگے۔

معری کے زمانے میں مصر کی عنان سلطنت فاطمیوں کے ہاتھ میں تھی۔ فاطمی حکمران اپنی علم دوستی اور معارف نوازی میں بڑے مشہور تھے۔ جب انھیں استحکام نصیب ہوا تو وہ بغداد اور اندلس فتح کرنے کے منصوبے سوچنے لگے۔

یورپ بھی اس قسم کی سیاسی بے چینی و اضطراب کا شکار تھا۔ خود ابوالعلاء کا اپنا ملک یعنی شام بڑا پریشان حال تھا۔ جب ۳۹۴ھ میں دولت حمدانیہ کا خاتمہ ہوا تو دولت مرداسیہ نے اس کی جگہ لی۔ دولت مرداسیہ کے عہد میں سیاسی اور اجتماعی انتشار اور بڑھ گیا۔

---

[1] الذہبی، العبر فی خبر من غبر: ۲/۲۹۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابوالعلاء کے اخلاق و عادات

ابوالعلاء معری نے ان سیاسی و اجتماعی حالات کے درمیان تعلیم و تربیت پائی اور پروان چڑھا۔ ابوالعلاء معری کی شخصیت اور اس کے افکار و خیالات کو ڈھالنے میں اس کے ماحول کو بڑا دخل ہے۔ وہ بچپن میں بینائی جیسی نعمت غیر مترقبہ سے یکسر محروم ہو گیا اور قدرت نے اسے لاغر اور نحیف جسم عطا کیا۔ ماں باپ کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ تجرد کی زندگی نے عمر بھر رفیقہ حیات سے محروم رکھا۔ مال و دولت کی ہمیشہ قلت رہی۔

ان تمام اسباب و عوامل نے ہمارے مفکر و ادیب میں کلبیت اور معاشرے کے خلاف نفرت پیدا کر دی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا دل رنج و قلق اور انتظامی جذبات سے معمور تھا[1]

معری بڑا حساس اور ذہین تھا۔ قدرت نے ذہانت کے ساتھ قوت حافظہ کے عطیہ میں بڑی فراخدلی سے کام لیا تھا۔ شاید اس کی بصارت کی کمی اللہ تعالیٰ نے ذہن و حافظہ سے پوری کرنا چاہی۔ بہر حال سوانح نگاروں کا کہنا ہے کہ وہ اعجوبۂ روزگار تھا۔ اسے زبان پر اس درجہ قدرت تھی کہ تاریخ میں اس کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔

ابوالعلاء معری کو تحلیل عقلی میں حیرت انگیز مہارت تھی۔ قوت حافظہ کے ساتھ اس میں نقد و جرح کی استعداد بھی بدرجہ غایت موجود تھی۔ وہ ہر چیز کے تاریک اور روشن پہلو کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتا تھا۔

ادبی و علمی معاملات میں رندانہ جرأت کا مالک ہونے کے باوجود معری نے اپنے بعض خیالات کو اتنی مبہم اور مشکل زبان میں پیش کیا ہے کہ بعض لوگوں کو اس کے عقائد و خیالات پر بے دینی اور زندقہ کا شک ہونے لگا۔

---

[1] ابن الجوزی، المنتظم: ۲۲/۱۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہ عام شاعروں کی سی خوشامد اور چاپلوسی سے قطعاً نا آشنا تھا۔ اس کی عزت نفس اور خود داری کا یہ عالم تھا کہ اس نے کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا۔ سخت تنگ دستی کی حالت میں بھی اس نے اپنی آن پر حرف نہیں آنے دیا۔ اس کی زندگی میں بڑے کٹھن مقام آئے، لیکن اس کی گردن کبھی خم نہیں ہوئی۔[1]

ابو العلاء کا علمی مقام اور فکر و فلسفہ

معری کی معلومات کا دائرہ وسیع تھا۔ علم لغت وادب اور علم فقہ باقاعدہ استادوں سے پڑھا۔ علم کلام اور علوم عقلیہ کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا جس پر معری کو عبور حاصل نہ تھا۔ ہندی فلسفہ اور چینی فلسفہ کا بھی خوب مطالعہ کیا۔

غرضیکہ اسلامی وغیر اسلامی علوم میں شاید ہی کوئی علم ایسا ہو جس پر معری کو آگاہی حاصل نہ تھی۔ اس کی کتاب ''لزومیات'' سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نحو، ادب، تاریخ، ایام العرب، قرآن وحدیث، فقہ اور قدیم ترین قوموں کے حالات واخبار پر چلتا پھرتا دائرۃ المعارف تھا۔

معری پہلا ادیب اور نقاد تھا جس نے تنقید وتبصرہ میں تضحیک واستہزا اور ہزل و استخفاف کا پہلو بھی شامل کیا۔ اس میں یہ بڑی خوبی ہے کہ جہاں وہ حقیقت کی تہ تک پہنچنے کے لیے بڑی متانت اور سنجیدگی سے بحث کرتا ہے، وہاں چند پھبتیوں اور ہلکی مذاق کی باتوں میں قارئین کو اپنا گرویدہ بنالیتا ہے۔

وہ نئے فکر وفلسفہ کا بانی ہے۔ اس نے اپنے عہد تک تمام اسلامی فلسفہ پر کڑی تنقید کی ہے۔ معری اجتماعی اور معاشرتی خامیوں اور کمزوریوں کو خوب پہچانتا ہے اور ان کے علاج سے بھی واقف ہے، لیکن اس میں دوا سازی اور چارہ گری کی اہلیت مفقود ہے۔

---

[1] ابن خلکان، وفیات الاعیان: ۱/۱۱۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابو العلاء معری حریت پسند مفکر ہے۔ وہ پرواز فکر کو محض خیال آرائی تک محدود نہیں رکھنا چاہتا، بلکہ عقل کو انسان کی بہبود اور بہتری کے لیے استعمال کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ بے فائدہ بحث و مناظرہ اور بے روح و بے کیف عبادت پر نتیجہ خیز اور کیف آور عبادات کو افضل قرار دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ تسبیح و تقدیس اچھا عمل ہے، لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی اس سے بدرجہا بہتر ہے، کیونکہ اس میں اجتماعی مفاد ہے۔[1]

اخلاق کے بارے میں معری کی رائے ایجابی اور مثالی تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ نیکی بذات خود قابل قدر اور اچھی چیز ہے۔ دین کے معاملے میں وہ نیک اعمال، صحیح اعتقاد اور حسن معاملہ کو محض رسمی عبادات اور فقہی تنازعات پر ترجیح دیتا ہے۔

معری کے نزدیک عقل ہی ہر معاملے میں قابل اتباع ہے۔ عقل و خرد کی رہنمائی کے فقدان کو گمراہی سے تعبیر کرتا ہے۔

معری کو فقر و افلاس کی زندگی سے سخت نفرت تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ انسانیت مظلوم و مجبور اور مفلس و قلاش نظر آئے۔ اسی جذبے کے تحت اس نے ازدواجی زندگی سے کنارہ کشی اختیار کی۔ وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی اولاد کو تکالیف و مصائب سے دوچار ہوتے نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

اس کی جدت پسندی اس کی کتابوں کے ناموں سے بھی ظاہر ہے۔ مثلاً:

۱۔ رسالۃ الغفران

۲۔ لزومیات

۳۔ سقط الزند وغیرہ۔

اسی طرح اس کے اسلوب نگارش اور انداز بیان کے ساتھ اس کی تشبیہات بھی جدید ہیں۔ رسالۃ الغفران میں جنت اور دوزخ کی سیر اور شاعروں اور بزرگان دین سے

[1] الذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۲۳/۱۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملاقات کا ذکر ہے۔ اپنے طرز کا یہ پہلا عنوان اور موضوع تھا۔ تین صدیوں کے بعد اسی تصور کو اطالوی شاعر دانتے نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''ملہمات الٰہیہ'' میں پیش کیا۔ اسی طرح برطانوی شاعر ملٹن نے بھی چھ صدیوں کے بعد وہی خیالات اور موضوع ''فردوس مفقود'' میں دہرایا۔

ابو العلاء کی شاعری

اس کی شاعری میں پختگی کے ساتھ مشکل پسندی بھی موجود ہے۔ البتہ ابتدائی شاعری نسبتاً خام ہے۔ معری نے اپنے فلسفیانہ خیالات اور حکیمانہ افکار کا اظہار زیادہ تر نظم میں کیا ہے۔

چونکہ عوام اور بالخصوص کم مایہ لوگوں سے بچنا مقصود تھا۔ اس لیے غیر مانوس الفاظ اور مشکل ترکیبوں میں پناہ لی۔ اس سے معری کا کلام اور بھی مبہم ہوگیا۔ اس کے اشعار متصوفانہ انداز میں باطن کا رنگ لیے ہوئے ہیں۔ شاعر کے مقصود و مفہوم تک پہنچنے کے لیے ظاہری الفاظ کافی نہیں، بلکہ باطنی معنوں تک رسائی ضروری ہے۔[1]

شاعری کے لیے نئے موضوع اور عنوان تلاش کرنے کا سہرا ابو العلاء معری کے سر ہے۔ اس نے اجتماعی مسائل اور اخلاقیات و سیاسیات کو موضوع سخن بنایا۔ متین و سنجیدہ عنوانوں کے ساتھ غزل گوئی کا دامن بھی نہیں چھوڑا۔ معری کی شاعری میں ایک جدید پہلو یہ بھی ہے۔ اس نے جانوروں اور حیوانات کے درمیان مکالمے اور مناظرے لکھے، مثلاً ''مرغ اور فاختہ کا مکالمہ'' اور ''بھیڑیے اور بکری کا مناظرہ'' وغیرہ۔ اس کی شاعری میں یہ چیز بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اس نے شراب، عشق و محبت اور ہجوگوئی سے اجتناب کیا ہے۔[2]

---

[1] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۲/۹۱

[2] ابن العماد، شذرات الذہب: ۵/ ۲۰۹ والبغدادی، تاریخ بغداد: ۵/ ۲۹۷ والصفدی، الوافی بالوفیات: ۷/ ۶۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مختصر یہ کہ ابو العلاء معری نے اسلامی فکر و ادب میں ایک نئے باب کا آغاز کر کے ایک طرف تو مشرق و مغرب کے فکر و شعر کے لیے نئی راہیں کھول دیں اور دوسری طرف اپنے لیے عالمی فکر و شعر میں بہت بلند مقام پیدا کر لیا۔[1]

[1] تخریجِ مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس۔ ذیلی سرخیاں از ادارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن منظور افریقی کی لسان العرب پر ایک نظر[1]

جن جن ملکوں میں اسلام کا پرچم لہرایا اور جہاں جہاں عربوں نے دین حنیف کا پھریرا اڑایا وہاں علم وعرفان کے چشمے ابل پڑے۔ جو ملک بھی اسلام کے زیر اثر آیا، عربی زبان وادب کا مرکز بن گیا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو عربی علوم وادب کی تاریخ کے ایک طالب علم کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

افریقہ بھی مسلمانوں کے انھی مفتوحہ ممالک میں سے ہے، جہاں عربوں نے اپنی تہذیب وثقافت کے اتنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں کہ زمانے کی دستبرد اب تک انھیں مٹا نہیں سکی۔ باوجودیکہ افریقہ وحشت اور بربریت میں شہرۂ آفاق ہے، لیکن عربی زبان کی گرفت میں کچھ اس طرح آیا کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی وہاں اسلامی اثرات بڑے نمایاں اور ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ چند برس ہوئے ایک امریکن مسیحی مبلغ نے لکھا تھا:

> ’’اسلام نے افریقہ کے لیے ایک مخصوص تعلیمی اسکیم تیار کر رکھی ہے، سینی گال میں، جو فرانس کے ماتحت ہے، عربی زبان اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے اور اس قسم کے اٹھارہ سو ابتدائی مدارس موجود ہیں۔ ان سب مدارس میں بارہ ہزار طلبہ تعلیم پا رہے ہیں۔ فرانسیسی سوڈان میں بھی عربی کی تعلیم کا انتظام ہے، وہاں دو ہزار ایک سو تیرہ مدارس ہیں، جن میں پچھتر ہزار طلبہ پڑھتے ہیں۔ فرانسیسی گائنا میں بھی عربی تعلیم ترقی پر ہے۔ آئیوری کوسٹ میں اگرچہ مسلمانوں کی آبادی صرف گیارہ فیصد ہے، لیکن وہاں تین سو

[1] یہ مقالہ معارف (اعظم گڑھ) جلد ۵۳، شمارہ ۱، سال ۱۹۵۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مسجدیں اور چار سو پچیس مدارسِ قرآن ہیں۔ برٹش نائیجیریا کے تمام مدرسوں میں بھی عربی پڑھائی جاتی ہے۔"

یہ حالت اس زمانہ میں نظر آتی ہے جب افریقہ میں حکومت کی باگ ڈور دوسری اقوام کے ہاتھ میں تھی، لہٰذا اگر ہم اپنی حکومت کے دور میں وہاں جلیل القدر علماء، آئمہ، ادباء اور مختلف علوم وفنون کے ارباب کمال دیکھتے ہیں تو یہ چنداں تعجب کی بات نہیں ہے۔

مؤلف لسان العرب کے مختصر حالات

اس مضمون کے موضوع بحث لسان العرب کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ صاحب کتاب کے حالات چند سطور میں پیش کر دیے جائیں۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تاریخ اسلام کے اس جلیل القدر لغوی اور ادیب کے حالات کی جانب تاریخ نویسوں اور تذکرہ نگاروں نے بہت کم توجہ کی ہے۔ کتابوں میں اس کے نہایت مختصر اور مجمل حالات ملتے ہیں۔[1] اگر اتنا بڑا عالم یورپ میں پیدا ہوا ہوتا تو اس کی سیرت پر مستقل کتابیں لکھی جاتیں اور اس کی زندگی کا کوئی گوشہ ہماری نظروں سے اوجھل نہ رہنے پاتا۔ اس ضمن میں یہ عرض کر دینا بھی غیر مناسب نہ ہوگا کہ صاحبِ لسان العرب کے حالات زیادہ تر اس کے دو معاصرین کی روایت پر منحصر ہیں، ایک صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی (۶۹۶-۷۶۴ھ)، جس نے اپنی کتاب نکت الھمیان (مطبوعہ ۱۹۱۱ء ص:۲۷۵) اور الوافی بالوفیات (مطبوعہ ۱۹۳۱ء، ۱/ ۵۰) میں اس کے حالات لکھے ہیں۔ دوسرے محمد بن شاکر الصفدی (۶۷۶-۷۶۴ھ) نے اپنی کتاب فوات الوفیات (مطبوعہ ۱۲۹۹ھ: ۲/ ۲۶۵) میں اس کے حالات قلمبند کیے ہیں۔ بعد کے تمام سیرت نگاروں نے انھی دونوں سے استفادہ کیا ہے اور بیشتر نے انھی دونوں کے بیانات نقل کر دیے ہیں۔ اس میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی الدرر الکامنہ (۲/ ۲۶)، سیوطی کی بغیۃ الوعاۃ (مطبوعہ ۱۳۲۶ھ، ص:۱۰۶)، ابن العماد کی شذرات الذہب

[1] دیکھیے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، عنوان: ابن منظور: ۱/ ۱۲۷ (مخرج)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۲۶/۶)، سرکیس کی معجم المطبوعات اور الزرکلی کی الاعلام (۳: ۹۹۰، ۹۹۱)۔ کسی کا استثناء نہیں ہے۔ المنهال العذب فی تاریخ طرابلس الغرب (ص: ۱۵) اور مفتاح السعادۃ (۱/ ۱۰۶) میں بھی ابن منظور کے کچھ حالات درج ہیں۔

ولادت اور تعلیم

محمد نام، جمال الدین لقب، ابوالفضل کنیت اور الافریقی اور المصری نسبت ہے۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے: محمد بن مکرم بن علی بن احمد بن ابی القاسم بن حبقہ بن منظور[1] سیوطی نے سلسلہ نسب میں علی (دادا کے نام) کے ساتھ کسی دوسری روایت کے مطابق رضوان بھی لکھا ہے اور صفدی نے الرویفعی الانصاری نسبت درج کی ہے[2] اس نسبت کے لحاظ سے مؤلف، حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ صحابی کے خاندان کی یادگار تھے۔ ابن منظور اور ابن مکرم کے نام سے عام طور پر مشہور ہیں۔

ابن منظور ۲۲ محرم الحرام ۶۳۰ھ کو دوشنبہ (پیر) کے دن مصر کے ایک بڑے علم دوست گھرانے میں پیدا ہوئے[3] بچپن ہی سے علم وادب کی طرف میلان تھا۔ مختلف اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ان میں ابن مقیر، مرتضٰی بن حاتم، عبدالرحیم بن الطفیل اور یوسف المخیلی زیادہ مشہور ہیں[4] نحو، لغت، تاریخ اور کتابت میں کمال حاصل کیا۔ مؤلف کا انداز تحریر نہایت سلیس، شگفتہ، متین اور سنجیدہ ہے اور ادبیات میں نہایت بلند درجہ ہے[5] نظم ونثر دونوں میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ شعر کے نمونے صفدی اور ابن شاکر نے نکت الہمیان اور فوات الوفیات میں درج کیے ہیں۔

۱۔ السیوطی، بغیۃ الوعاۃ، ص: ۱۰۶

۲۔ الصفدی، نکت الہمیان، ص: ۲۷۶

۳۔ الصفدی، نکت الہمیان، ص: ۲۷۶

۴۔ ابن حجر، الدرر الکامنہ، ۴/ ۲۶۲، ۲۶۳۔ نکت الہمیان میں عبدالرحیم کے بجائے عبدالرحمٰن بن الطفیل مرقوم ہے جو زیادہ قرین صحت ہے۔

۵۔ السیوطی، بغیۃ الوعاۃ، ص: ۱۰۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مشاغل

بعض تاریخی حقائق بڑے تعجب انگیز ہوتے ہیں۔ ہماری حیرت کی کوئی حد نہیں رہتی، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے اسلاف زندگی کی دوسری مشغولیتوں کے باوجود علمی مشاغل میں کتنا انہماک رکھتے تھے۔ یاقوت حموی امام ابن جریر کے متعلق لکھتا ہے کہ اگر ان کی تصنیفات اور تالیفات کے اوراق کو ان کی زندگی کے دنوں پر تقسیم کیا جائے تو چالیس ورق (اسّی صفحات) روزانہ کا اوسط پڑتا ہے۔[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تصانیف کتنے مختلف علوم پر ہیں، فتح الباری، الاصابہ، الدرر الکامنہ اور تہذیب جیسی ضخیم کتابیں ابن حجر کے علم و فضل کی شاہد ہیں۔ سیوطی کی روایات کے استناد کے متعلق جو بھی کہا جائے، لیکن اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ چار پانچ سو کے درمیان کتابیں ان کے قلم سے نکلیں۔ یاقوت حموی، ابن کثیر، ابن تیمیہ اور دوسرے بے شمار علماء ہیں جن کے قلم کی روانی اور برق رفتاری دیکھ کر انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے اور اندازہ نہیں کر پاتا کہ یہ بزرگ لکھنے پڑھنے کے لیے اتنا وقت کیسے نکال لیا کرتے تھے۔

ہمارے مؤلف کو کتب بینی اور تصنیف و تالیف کا بہت شوق تھا، باوجودیکہ قاہرہ میں مدت العمر دیوان الانشاء سے وابستہ رہے۔[2] پھر طرابلس میں نظارت اور قضاء کے فرائض انجام دیتے رہے، لیکن پڑھنے کا شوق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ان مشغولیتوں کے باوجود تاریخ و ادب کی بہت کم کتابیں ایسی ہوں گی جو ابن منظور کی نگاہ سے بچ سکی ہوں گی۔ محض مطالعہ ہی کا شوق نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ تالیف و تصنیف کا بھی ذوق تھا۔

ابن شاکر نے فوات الوفیات میں ان کو کثیر الخط لکھا ہے۔ صلاح الدین صفدی نے خود ابن منظور کے صاحبزادے قاضی قطب الدین کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ان کے

1۔ یاقوت الحموی، معجم البلدان: ۶/۲۴۴۲

2۔ دیوان الانشاء میں خدمت کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس کے لیے بڑے علم و فضل کی ضرورت تھی۔ القلقشندی نے صبح الاعشیٰ میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ علوم و فنون میں کمال حاصل کیے بغیر دیوان الانشاء میں کام کرنا قطعاً ناممکن ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والد محمد ابن منظور نے پانچ سو کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی چھوڑیں[1] صفدی کا بیان ہے کہ وَ مَا اَعْرِفُ فِی کُتُبِ الْاَدَبِ شَیْئًا اِلَّا اَخْتَصِرُ (مجھے علم وادب پر جو کتاب بھی معلوم ہے میں نے اس کا اختصار ضرور کیا تھا)۔ سیوطی لکھتے ہیں کہ روایات ونقل کے اعتبار سے ابن منظور کی مختصرات کی تعداد پانچ سو مجلدات تک پہنچتی ہے۔[2] ابن منظور نے جو مختصر مختارات لکھے ہیں ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

۱۔ مختار الاغانی بہ ترتیب حروف تہجی

۲۔ مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر، قریباً چوتھائی حصہ میں اختصار لکھا ہے۔

۳۔ مختصر تاریخ بغداد للسمعانی

۴۔ مختصر مفردات لابن بیطار

۵۔ مھذب سرور النفس بمدارک الحواس الخمس للتیفاشی

۶۔ مختصر العقد لابن عبد ربه

۷۔ مختصر ذخیرہ لابن بسام

۸۔ مختصر زهر الادب للحصری

۹۔ مختصر یتیمة الدهر للثعالبی

۱۰۔ مختصر نشوان المحاضرة

۱۱۔ مختصر تاریخ الخطیب

۱۲۔ مختصر الحیوان للجاحظ

۱۳۔ انتشار الازهار فی اللیل والنهار۔[3]

انھی چند کتابوں سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ابن منظور کتب بینی اور تصنیف وتالیف

---

[1] الصفدی، نکت الھمیان، ص:۲۷۶

[2] السیوطی، بغیۃ الوعاۃ، ص: ۲۰۶، اس زمانہ میں قدیم علماء کی مطول کتابوں کو محفوظ کرنے کے لیے ان کی تلخیص کا زیادہ رواج تھا۔

[3] الباباني، ہدیۃ العارفین: ۱۴۲/۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں کس درجہ استغراق اور انہاک رکھتے تھے کہ کتنی ضخیم کتابوں کو اول سے آخر تک بنظر غائر پڑھا، یاد رکھا اور پھر ان کے مختارات اور مختصرات لکھے۔ ایک الاغانی ہی کو لیجیے کہ بقول صاحب الوافی بالوفیات ابوالفرج اصفہانی نے اس کتاب کو پچاس برس کی طویل مدت میں تالیف کیا۔ پھر غور فرمایے کہ کتاب کے مطالعہ اور بلحاظ حروف تہجی اس کے اختیار اور ترتیب کے لیے کتنی مہلت اور محنت کی ضرورت تھی، یہ بھی پیش نظر رہے کہ مؤلف کے لیے تنہا یہی ایک کام نہ تھا، بلکہ ایسی بہت سی کتابیں ہیں جن میں سے ایک ایک کے لیے عمر درکار ہے[۱]

ابن العماد حنبلی کے قول کے مطابق ابن منظور مصر اور دمشق میں حدیث کا درس بھی دیتے رہے ہیں۔[۲] سیوطی رقمطراز ہیں کہ امام سبکی اور حافظ ذہبی نے ابن منظور سے روایت کی ہے۔[۳] لیکن ان کا شمار محدثین کے اس زمرے میں کیا جو حفظ کے اعلیٰ درجے تک تو نہیں پہنچے مگر علوسند میں منفرد ہیں[۴] مگر جہاں تک نحو و لغت کا تعلق ہے ابن منظور کا شمار ان علوم کے ائمہ میں ہے۔[۵] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن فضل اللہ کی سند سے بیان کیا ہے کہ ابن منظور آخری عمر میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔[۶] ظاہر ہے کہ یہ محرومیٔ بصارت کتب بینی اور کتب نویسی میں حد درجہ انہاک کا نتیجہ تھی۔ آخر میں مصر میں قیام اختیار کیا اور وہیں بیاسی برس کی عمر میں شعبان ۷۱۱ھ میں وفات پائی۔[۷]

ابن شاکر نے ابن منظور کے تشیع بلا رفض کا بھی ذکر کیا ہے،[۸] لیکن معاصرانہ

۱۔ الصفدی، الوافی بالوفیات: ۱/۵۰

۲۔ ابن العماد، شذرات الذہب: ۶/۲۶

۳۔ السیوطی، بغیۃ الوعاۃ، ص: ۱۰۶

۴۔ السیوطی، بغیۃ الوعاۃ، ص: ۱۶۲

۵۔ السیوطی، بغیۃ الوعاۃ، ص: ۲۲۹

۶۔ ابن حجر العسقلانی، الدرر الکامنۃ: ۴/۲۶۳

۷۔ السیوطی، حسن المحاضرہ: ۱/۱۶۳

۸۔ ابن شاکر، فوات الوفیات: ۲/۲۶۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چشمک سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ دوسرے سوانح نگاروں نے بھی اس کی تقلید میں اس کو نقل کر دیا اور یہ نہ سوچا کہ یہ الزام کہاں تک حقیقت واصلیت پر مبنی ہے۔

لسان العرب

ابن منظور کی سب سے قیمتی اور اہم تالیف لسان العرب ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن مصر سے بیس ضخیم جلدوں میں شائع ہوا۔ یہ عربی زبان کا سب سے بڑا، مستند اور مفصل لغت ہے۔ کتاب کے نام کے ضمن میں یہ عرض کر دینا بھی مناسب ہوگا کہ ابن منظور ہی پہلا مؤلف نہیں جس نے لسان العرب کے نام سے عربی زبان کا اتنا ضخیم لغت ترتیب دیا ہو، اس سے کئی صدیاں پہلے شیخ بوعلی سینا (۳۷۰-۴۲۸ھ) نے اسی نام سے ایک ضخیم لغت مرتب کیا تھا۔ ڈاکٹر جمیل صیلبا نے اپنی کتاب ابن سینا میں عربی لغت کی ایک کتاب موسوم بہ لسان العرب، جو دس جلدوں میں ہے، ابن سینا کی جانب منسوب کی ہے۔ غوری کی کتاب "نزهة الارواح" میں بوعلی سینا کے ترجمہ کے تحت زیادات میں مرقوم ہے:

"ثُمَّ صَنَّفَ الشَّيْخُ كِتَابًا فِي اللُّغَةِ وَسَمَّاهُ لِسَانَ الْعَرَبِ لَمْ يُصَنَّفْ مِثْلُهُ فِي اللُّغَةِ وَلَمْ يُنْقَلْ إِلَى الْبَيَاضِ فَبَقِيَ عَلَى مُسَوَّدَتِهِ لَمْ يَهْتَدِ أَحَدٌ إِلَى تَرْتِيْبِهِ"

یعنی پھر شیخ ابن سینا نے علم لغت میں ایک کتاب تصنیف فرمائی اور اس کا نام لسان العرب رکھا۔ لغت میں اس جیسی کوئی اور کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔ مگر وہ اس کی بیاض میں نقل نہیں کی گئی، لہٰذا اس کا مسودہ ایسا ہے جس کی جانب کسی کو رہنمائی نہیں ہوئی۔

شیخ کی لسان العرب کی عدم موجودگی میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ ابن منظور نے اپنی اس کتاب کا نام محض اتفاقی طور پر رکھا یا مستعار لیا اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ لسان العرب پہلی لسان العرب کا کہاں تک چربہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وجہ تالیف

ابن منظور کے لغت سے پہلے بھی عربی کے مستند لغات موجود تھے۔ خلیل بن احمد (م ۱۷۵ھ) کی کتاب العین اگرچہ اب ناپید ہے، [1] لیکن بعد کے مؤلفوں نے اس سے استفادہ کیا ہے اور اندلس کے مشہور مصنف ابوبکر زبیدی (م ۳۷۹ھ) نے اس کا اختصار بھی کیا۔ اس کے بعد ابن درید (م ۳۲۱ھ) نے کتاب العین کے انداز پر کتاب ''الجمهرة فی اللغة'' لکھی۔ بعد کی مشہور کتب لغت میں سے ابو عالی القالی (م ۳۷۱ھ) کی البارع، ابو منصور الازہری (م ۳۷۱ھ) کی الصحاح، ابو غالب قرطبی (م ۴۳۶ھ) کی الموعب، ابن سیدہ (م ۴۵۸ھ) کی الحکم، زمخشری (م ۵۳۸ھ) کی المجمل، الجوہری (م ۳۹۸ھ) کی اساس البلاغہ اور صاغانی (م ۶۶۰ھ) کی العباب قابل ذکر ہیں۔ لیکن ان کتب کی موجودگی بھی ابن منظور کے لیے وجہ تسلی نہ ہوئی۔ ان کو ان میں سے ہر ایک کتاب میں کچھ نہ کچھ ایسی کمی اور کوئی نہ کوئی ایسی خامی نظر آئی کہ انھوں نے لغت کی تالیف کی ضرورت محسوس کی۔ انھیں اگر کسی کتاب میں علم وادب کا کوئی بڑا ذخیرہ نظر بھی آیا تو اس کی ترتیب ان کی نگاہ میں ناپسند ٹھہری اور اگر کسی کی ترتیب تسلی بخش نظر آئی تو اس کو علمی وادبی خامیوں سے مبرّا نہ پایا تو انھوں نے ایک ایسی جامع لغت کی ترتیب کی ضرورت محسوس کی جو ان کے نقطہ نظر سے ترتیب اور علم وادب کے ذخیرہ دونوں لحاظ سے تسلی بخش اور قابل اعتبار ہو۔ اس مقصد کے پیش نظر ابن منظور نے لسان العرب کی تیاری شروع کی، لیکن انھیں اپنے پیش رو مؤلفین لغت کی طرح الفاظ کی تشریح و تحقیق کے لیے طویل سفر اختیار نہیں کرنا پڑے اور نہ بے آب و گیاہ صحراؤں کی خاک چھاننا پڑی۔ مؤلف نے کتاب کے دیباچے میں یہ اعتراف کیا ہے کہ انھوں نے پہلی کتب لغت پر انحصار کرتے ہوئے انھی کی محنتوں سے استفادہ کیا ہے۔ [2] سیوطی بغیۃ الوعاۃ میں لکھتے ہیں:

---

1. ابن منظور، لسان العرب: ۳/۱
2. ابن منظور، لسان العرب: ۳/۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"جَمَعَ فِي لِسَانِ الْعَرَبِ بَيْنَ التَّهْذِيبِ وَالْمُحْكَمِ وَالصِّحَاحِ وَ حَوَاشِيهِ وَالْجَمْهَرَةِ وَالنِّهَايَه"[1]

ابن منظور نے لسان العرب میں تہذیب، محکم، صحاح، اس کے حواشی، جمہرہ اور نہایہ کو جمع کیا ہے۔

لیکن احمد پاشا تیمور، سیوطی کی تغلیط کرتے ہوئے اپنی کتاب تصحیح لسان العرب میں یوں رقم طراز ہیں:

"وَالصَّوَابُ أَنَّ الْجَمْهَرَةَ لَيْسَتْ مِمَّا جَمَعَهُ ابْنَ مَنْظُور، بَلْ مَبْنَى كِتَابِهِ عَلَى خَمْسَةٍ فَقَط وَهِيَ الَّتِي صَرَّحَ بِأَسْمَائِهَا فِي خُطْبَتِهِ"[2]

صحیح یہ ہے کہ صاحب لسان نے جمہرہ کو اس کے مصادر میں شامل نہیں کیا ہے، بلکہ اس کتاب کے مصادر وہی پانچ ہیں جن کی مصنف نے کتاب کے آغاز میں صراحت کی ہے۔

لسان کی ترتیب

مؤلفین لغت نے اپنی کتب لغت کو تین طریقوں سے ترتیب دیا ہے:

۱۔ خلیل نے کتاب العین کو مخارج الفاظ کے لحاظ سے مرتب کیا ہے۔ المحکم اور تہذیب میں بھی اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۲۔ ابن درید نے الجمهره میں حروف تہجی کی اصل ترتیب کے لحاظ سے الفاظ کو ترتیب دیا ہے۔ المجمل، المحیط، اساس البلاغہ وغیرہ بھی اسی طریقہ سے مرتب کی گئی ہیں۔

۳۔ تیسرے گروہ کا امام جوہری ہے۔ اس نے الصحاح میں نیا انداز ترتیب اختیار کیا اور الفاظ کے حرف آخر کے اعتبار سے کتاب مرتب کی۔ لسان العرب، قاموس اور تاج العروس میں بھی یہی ترتیب اختیار کی گئی ہے۔

---

[1] السیوطی، بغیۃ الوعاۃ، ص: ۲۴۸

[2] احمد تیمور، تصحیح لسان العرب، ص: ۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتاب کی اہمیت

لسان العرب کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ مؤلف نے ساٹھ ہزار الفاظ کے مصادر اور مادوں پر بحث کی ہے اور ان کی تشریح و توضیح میں کلام عرب اور ان کے ضرب الامثال، محاورات، خطبات، آیات قرآنی اور احادیث نبویہ سے استشہاد کیا ہے۔ اس ضمن میں کم وبیش سترہ سو شعراء کے نام اور بے شمار اشعار لسان العرب میں محفوظ ہو گئے ہیں۔

غور فرمایے کہ اتنی ضخیم اور مفصل لغت کی تدوین کے لیے کتنے صبر و استقلال، عزم وہمت، علم و فضل، محنت ومشقت اور ذہانت وہوش مندی کی ضرورت تھی۔ آج اس ترقی کے زمانے میں اگر اتنا بڑا لغت لکھنا ہو تو ایک نہیں کئی علمی مجالس قائم کرنی پڑیں، بلکہ کی جاتی ہیں، مؤلفین کے بورڈ بنائے جاتے ہیں، مختلف شعبوں کے ماہرین کی امداد حاصل کی جاتی ہے، تب کہیں جا کر یہ بیل منڈھے چڑھتی ہے۔ لیکن اُس زمانے میں جب کہ یہ عملی سہولتیں مفقود تھیں۔ نہ پریس اور مطابع تھے، نہ نقل وحمل کے وسائل و ذرائع آج کے جیسے تھے، اتنے بڑے کام کا بیڑا اٹھانا کتنا مشکل کام تھا اور اس کو تکمیل تک پہنچانا اور بھی دشوار تھا، مگر آفریں ہے ان اولوالعزم بزرگوں کی جوانمردی اور ہمت پر جنھوں نے اتنے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیے کہ انھیں دیکھ کر آج دنیا فرط حیرت واستعجاب سے انگشت بدنداں رہ جاتی ہے۔

سالہا سال کی مسلسل وپیہم محنت کے بعد ابن منظور نے لسان العرب کو ۶۸۹ھ میں پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور لغت کے ساتھ ساتھ علم وادب کا اتنا شاندار قابل فخر ذخیرہ جمع کر دیا کہ یہ کتاب محض ایک کتاب لغت ہی نہیں، بلکہ عربی علوم کا انسائیکلوپیڈیا بن گئی۔ اگر ابن منظور اور کوئی کتاب نہ لکھتا اور صرف لسان العرب ہی چھوڑ جاتا تو تنہا یہی اتنی بڑی یادگار تھی کہ رہتی دنیا تک اس کا نام فراموش نہ کیا جاسکتا۔

یورپ کے بڑے بڑے مستشرقین نے دوسری زبانوں کے مقابلے میں عربی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زبان ولغت کی وسعت کا اعتراف کیا ہے۔ ایڈورڈ ولیم لین ۱۸۰۱ء، جس نے عربی لغت کے مطالعہ اور تدوین میں ساری عمر صرف کر دی، اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا کہ عربی زبان لغات، علمی تحقیق، وسعت نظر اور محنت وتفصیل کے اعتبار سے تمام لغات سے سبقت وفوقیت لے گئی ہے۔[1] لیکن المانی مستشرق نلد نے اس حقیقت کے اعتراف کے باوجود دبی زبان میں وسعت نظر کی کمی کا بھی اظہار کیا ہے۔ افسوس کہ اس نے لسان العرب نہیں دیکھی، ورنہ اس کو ابن منظور کی وسعت نظر کا اندازہ ہوتا، اس لیے کہ وہ عجمی الفاظ کی اصلیت وماآخذ کا پتہ بھی دیتا ہے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

"اَلْفَلْسَفَةُ الْحِكْمَةُ أَعْجَمِيٌّ" (۱۱/۱۸،س ۳۰)

"وَالتِّرْيَاقُ بِكَسْرِ التَّاءِ مَعْرُوفٌ فَارِسِيٌّ مُعَرَّبٌ نِيْزُ جَسَقَ الْجَوسَقِ...... مُعَرَّبٌ وَأَصْلُهُ كُوشَك بِالْفَارِسِيَّةِ" (۱۱/۳۱۵)

"اَلْقُنْذُعُ وَالْقُنْذُعُ وَالْقُنْذُوعُ كُلُّهُ الدَّيُّوثُ سِرْيَانِيَةٌ لَيْسَتْ بِعَرَبِيَّةٍ مَحْضَةٍ" (۱۰/ ۱۷۷)

"اَلنُّسْتُقُ كَأَنَّهُ بِلِسَانِ الرُّوْمِ تَكَلَّمَتْ بِهِ الْعَرَبُ" (۱۲/۲۳)

اسی طرح جہاں کہیں اس قسم کے الفاظ آ گئے ہیں، ابن منظور نے ان کے ماآخذ اور ان کی اصل بتانے کا پورا اہتمام کیا ہے۔[2] ان چار مثالوں سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے عربی لغت نویس، فارسی، سریانی، ترکی اور رومی وغیرہ ماآخذوں کا بھی پتہ دیتے ہیں۔

تسامحات

کسی کتاب کے متعلق نقص سے یکسر برأت کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے لسان العرب جیسی بڑی کتاب میں تسامحات کا پایا جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ایک انسان کا حافظہ اور علم کہاں تک کام کر سکتا ہے، لیکن افسوس ان لوگوں پر ہے جنھوں نے

[1] دیباچہ من القاموس

[2] ابن منظور، لسان العرب: ۴/۹۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لسان العرب کی نقل میں اس کے تسامحات پر نظر نہ ڈالی اور انھیں جو کچھ ملا بے کم و کاست نقل کر دیا، مثلاً لسان میں معقل بن خویلد کا یہ شعر مرقوم ہے۔

وَ سُــودٌ جِـعَــادٌ غِلَاظُ الــرِّقَــا

بِ مِثْـلُهُــمْ يَــرْهَــبُ الــرَّاهِــبُ [1]

مصحح نے اس کی تصحیح کی زحمت اٹھائے بغیر حاشیہ پر یہ لکھ دیا: ''اصل میں اسی طرح ہے...... نصف اول کے حذف کے ساتھ۔''

تاج العروس کے مؤلف شہیر سید مرتضٰی زبیدی (م ۱۲۰۵ھ) نے بھی لسان العرب کے تتبع میں یہی ناقص شعر نقل کر دیا،[2] وہاں بھی حاشیہ نگار صاحب نے لکھ دیا کہ لسان میں اسی طرح مرقوم ہے، حالانکہ اشعار الہذلیین میں یہ شعر یوں ملتا ہے۔

وَ سُــودٌ جِــعَــادٌ الــرِّقَــا

بِ مِثْلُهُــمْ يِـرْهَــبُ الــرَّاهِــبُ

لسان العرب (۱۵/۱۴۳) میں عبید بن الابرص کا ایک شعر یوں مندرج ہے۔

أَعَــاقِــرٌ كَـذَاتِ رِحْـمِ

أَمْ غَـانِـمٌ كَـمَـنْ يَـخِـيبُ

لیکن عبید کے دیوان (ص ۷) میں یہ شعر یوں ہے:

أَعَــاقِـرٌ مِثْـلُ ذَاتِ رِحْـمٍ

أَمْ غَانِـمٌ مِثْـلُ مَـنْ يَخِيبُ

ایک دو مثالیں اس کی بھی ہیں کہ ایک جگہ ایک شعر ایک ترتیب سے درج ہے، لیکن دوسرے مقام پر اسی شعر کا مصرعہ اول مصرعہ ثانی بن گیا ہے، مثلاً حمید الارقط کے شعر میں (۹/۴۱) اور (۱۸/۱۶) میں مصرعے الٹ گئے ہیں، یا (۲۰/۲۹) پر مؤلف نے

[1] ابن منظور، لسان العرب: ۴/۹۴

[2] مرتضٰی الزبیدی، تاج العروس: ۲/۳۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بطور استشہاد کے کمیت کا شعر درج کرنا چاہا ہے اور قال الکمیت لکھ کر شعر کی جگہ خالی چھوڑ دی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لکھتے وقت مؤلف کو شعر بھول گیا اور بعد میں درج کر دینے کے لیے جگہ خالی چھوڑ دی، لیکن بات ذہن سے اتر گئی اور شعر درج نہ ہو سکا۔

۴/۴۷۴ پر ایک شعر ہے ۔

رَكَضْنَ الخَيْلَ فِيهَا بَيْنَ بُسّ
إِلَى الأَوْرادِ تَنْحِطُ بِالنِّهابِ

اس سلسلہ میں مؤلف نے قال عباس بن ...... لکھ کر شاعر کے باپ کا نام درج نہیں کیا اور جگہ خالی چھوڑ دی، لیکن بعینہٖ یہی شعر دوسرے مقام پر درج کرتے ہوئے لکھا: "قَالَ عَبَّاسُ بْنُ مِرْدَاسٍ السُّلَمِي" (۳۲۷/۷)

اس کی مثال بھی ہے کہ مؤلف کو شعر نقل کرتے وقت شاعر کے متعلق شک ہو گیا اور بجائے ایک شاعر کا نام لکھنے کے دو کا لکھ دیا، مثلاً (۳۳۶/۲۱) پر لکھتا ہے: "قَالَ أَبُو ذُؤَيْبٍ أَوْ صَخْرُ الغَيِّ." بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ایک مقام (۲۰۷/۲) پر ایک شعر عبداللہ بن عتبہ الضبی کی جانب منسوب کیا ہے، پھر بعینہٖ وہی شعر دوسرے مقام (۱۴۳/۱۹) پر اسی شاعر کی جانب منسوب کرنے کے بعد انتساب میں شک پیدا ہو گیا ہے۔ پھر خود ہی اس کی تصحیح کر دی ہے: "وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لِسَلَامِ بْنِ عَوِيَةَ الضَّبِي."

یا ایک شعر ایک مقام پر (۷۶/۶) غسان بن وعلہ کی جانب منسوب کیا ہے، لیکن وہی شعر دوسرے مقام پر (۱۹۴/۱۹) النمر بن تولب کی طرف منسوب کر دیا۔ اس قسم کی مثالیں اور بھی ملتی ہیں۔ انتساب میں اختلاف کے علاوہ خود شعروں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک مقام پر ایک شعر درج ہے، دوسرے مقام پر وہی شعر تھوڑے سے اختلاف سے مرقوم ہے، اس کی مثالیں بھی بکثرت ملتی ہیں۔

بعض ایسے اشعار ہیں کہ مؤلف لسان العرب نے ان کو کسی شاعر کی جانب منسوب کر دیا ہے، لیکن وہ اشعار اس شاعر کے مطبوعہ دیوان میں نہیں ملتے، مثلاً ذیل کا شعر طرمّاح کی جانب منسوب کر دیا ہے (۲۵۸/۶)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

كُـلُّ مَشْـكُوكٍ عَصَافِيرُهُ
فَانِيُ اللَّوْنِ حَدِيثُ الذِّمَامِ

یہ شعر طرماح کے دیوان میں موجود نہیں اور نہ اس کے ملحقہ ضمیمہ میں ہے، جس میں مختلف کتب سے اس کے اشعار جمع کر کے درج کیے گئے ہیں۔ بعض اشعار لسان العرب اور دواوین میں باختلاف الفاظ پائے جاتے ہیں۔

اسی طرح اور بھی تسامحات ہیں، جنھیں ہم نے لسان العرب کی فہارس مرتب کرتے وقت جمع کیا تھا، اگر ان سب کا ذکر کیا جائے تو اس کے لیے کئی مقالوں کی ضرورت ہوگی۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

شہاب الدین الحجازی[1]

(مؤلف نوادر الاخبار وظرائف الاشعار)

ا۔نسب نامہ اور ولادت

احمد بن محمد بن علی بن حسن بن ابراہیم بنوخزرج کے اس خاندان کا چشم و چراغ تھا جو دولت اسلام سے بہرہ ور ہو کر انصار کہلائے۔ اس لحاظ سے الانصاری اور الخزرجی مشہور ہوا۔ خزرجی ہونے کی وجہ سے مدنی یا یثربی ہونا حتمی اور قطعی ہے۔ شہاب الدین لقب، ابوالطیب کنیت اور الحجازی نسبت ہے۔ اوائل عمر میں زکی الدین لقب اور ابوالعباس کنیت کا پتہ بھی چلتا ہے۔ الشہاب الحجازی کے لقب سے زیادہ مشہور ہوئے۔ فقہی معاملات میں امام شافعی کے مسلک کو ترجیح دیتے، اس لیے الشافعی کہلائے۔

ابو الطیب شہاب الدین احمد الحجازی ۲۷ شعبان ۷۹۰ھ/ اگست ۱۳۸۸ء کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔[2] الحجازی کے آباء و اجداد کون تھے، وہ کب اور کیوں مصر میں وارد ہوئے؟ یہ تمام واقعات ہم تک نہیں پہنچے۔

ان کا نسب نقل کرتے ہوئے علامہ السیوطی نے نظم العقیان میں ''احمد بن محمد بن علی بن حسین بن ابراہیم'' لکھا ہے۔[3] حالانکہ تمام دوسرے سوانح نگاروں اور خود سیوطی

---

[1] پروفیسر عبدالقیوم صاحب کا یہ مقالہ اورینٹل کالج میگزین میں مئی ۱۹۳۶ء میں (۸۷ سال قبل) شائع ہوا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب پروفیسر مرحوم الشہاب الحجازی کی ''نوادر الاخبار'' پر کام کر رہے تھے۔ اس وقت انھوں نے اس عنوان پر انگریزی میں بھی ایک مقالہ لکھا۔ تفصیل کے لیے دیکھیں، ''Islamic Culture'' اپریل ۱۹۳۹ء، ص: ۲۴۵-۲۴۸، حیدر آباد دکن۔

[2] الزرکلی، الأعلام: ۲۳۰/۱

[3] السیوطی، نظم العقیان: ۶۳/۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے حسن المحاضرہ میں حسین کے بجائے حسن لکھا ہے[1] اور یہی درست بھی ہے۔

بعض سوانح نگار ابوالطیب کو المصری لکھتے ہیں، مثلاً السیوطی اور صاحب معجم المطبوعات اور بعض القاہری لکھتے ہیں، مثلاً ابن العماد۔

۲۔ عہد طفولیت و تعلیم

شہاب الدین الحجازی کے عہد طفولیت کے حالات ہم تک نہیں پہنچے، اس لیے ان کے بارے میں اس زمانے کے متعلق جو کچھ بھی کہا جائے گا وہ محض ظن و قیاس پر مبنی ہوگا۔ تاریخی شہادت کی وجہ سے ہم خاموش رہنے پر مجبور ہیں۔ بہت چھوٹی عمر میں تحصیل علم میں مشغولیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ الحجازی کا خاندان علم و فضل میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا اور کم از کم یہ حقیقت ضرور ہے کہ اس کے والدین علم دوست تھے۔ قرآن، حدیث، ادب، فقہ اور اصول وغیرہ علوم میں الحجازی نے متعدد باکمال اہل علم و فضل کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

۳۔ اساتذہ

الحجازی کے تمام تر اساتذہ اپنے وقت کے اجلۂ فضلاء تھے اور بعض تو اپنے فن میں یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے۔ ان کے اساتذہ کی مکمل فہرست فراہم کرنا تو سخت دشوار ہے، اس لیے کہ الحجازی کے سوانح نگاروں نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی، مگر تفحص و تلاش کے بعد ہم ذیل کے چند نام گنوانے کے قابل ہو سکے ہیں:

۱۔ محدث عصر حافظ زین الدین ابوالفضل عبدالرحیم العراقی (۷۲۵۔ ۸۰۶ھ) جن کے متعلق ابن تغری بردی رقمطراز ہے:

"شَیْخُ الْحَدِیْثِ بِالدِّیَارِ الْمِصْرِیَۃِ."[2]

۲۔ ادیب وقت المجد الحنفی

۱۔ السیوطی، حسن المحاضرہ: ۵۷۳/۱

۲۔ ابن تغری بردی، النجوم الزاہرہ: ۱۶۰/۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۔ بدر النسابۃ (۷۶۷-۸۶۶ھ)

۴۔ البرہان الابناسی (۷۲۵-۸۰۲ھ) جن کے متعلق علامہ سیوطی رحمہ اللہ حسن المحاضرہ میں لکھتے ہیں: "شَیْخُ الشُّیوخِ بِالدِّیَارِ الْمِصْرِیَّةِ." [۱]

۵۔ ابن ابی المجد۔

۶۔ الکمال الدمیری (م ۸۰۰ھ) جو بہت بڑے محدث اور ادیب تھے۔ الحجازی نے الدمیری کی شرح سنن ابن ماجہ خود الدمیری کی زبان سے سنی۔

۷۔ شیخ عزالدین ابن جماعۃ (۷۵۹-۸۱۰ھ) جو معقولات میں مرجع خاص و عام تھے۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں: "وَمَالَ إِلَی فُنونِ الْمَعْقُول فَأَتْقَنَهَا إِتْقَانًا بَالِغًا إِلَی أَنْ صَارَ هُوَ الْمُشَارُ إِلَیهِ فِی الدِّیَارِ الْمِصْرِیَّه" [۲] وہ عقلی فنون کی طرف متوجہ ہوئے اور انھوں نے ان علوم میں اتنی مہارت حاصل کر لی کہ مصری علاقوں میں لوگ ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔

۸۔ مصر کے شہرہ آفاق اصولی اور فقیہ ولی الدین العراقی (۷۶۲-۸۲۶ھ)، جن کے متعلق تمام سوانح نگار یک زبان ہو کر لکھتے ہیں: "الْإِمَامُ الْعَلَّامَةُ الْحَافِظُ الْفَقِیهُ الْأُصُولِی." [۳]

۹۔ قاضی البساطی (۷۵۶-۸۴۲ھ)۔

۱۰۔ الامام الحافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) جن کے متعلق ابن تغری بردی ذیل کے الفاظ میں جذبات عقیدت کا اظہار کرتے ہیں: شَیْخُ الْإِسْلَامِ حَافِظُ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ أَمِیرُ الْمُؤْمِنِینَ فِی الْحَدِیثِ شِهَابُ الدِّینِ ...... قَاضِی الْقُضَاةِ بِالدِّیَارِ الْمِصْرِیَّةِ وَعَالِمُهَا وَ حَافِظُهَا وَ شَاعِرُهَا [۴]

---

[۱] السیوطی، حسن المحاضرہ: ۱/ ۴۳۷
[۲] السیوطی، حسن المحاضرہ: ۱/ ۵۴۸
[۳] السیوطی، حسن المحاضرہ: ۱/ ۳۶۳
[۴] ابن تغری بردی، النجوم الزاہرہ: ۷/ ۳۲۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہاں یہ ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ الحجازی کے سوانح نگار عام طور پر ابن حجر کو الحجازی رحمہ اللہ کے اساتذہ میں شامل نہیں کرتے، مگر فتح الباری کے آخر میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے تلامذہ میں الحجازی رحمہ اللہ کا نام احمد بن محمد الانصاری وضاحت کے ساتھ ملتا ہے۔ اسی طرح ابن حجر رحمہ اللہ کی وفات (۲۹ ذوالحجہ ۸۵۲ھ) پر الحجازی نے ایک مرثیہ لکھا ہے، جسے سیوطی نے حسن المحاضرہ میں اور حافظ ابن فہد نے لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ للذہبی میں اضافہ کے ساتھ محفوظ کیا ہے، جس کا یہ شعر مبرہن انداز میں اس حقیقت کی چہرہ کشائی کرتا ہے کہ الحجازی کو ابن حجر رحمہ اللہ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

لهفي علي شيخي الذي سعدت به صحب و اوجه ناظريه ناضره[1]

الحجازی کے اساتذہ کی فہرست اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ وہ بہت چھوٹی عمر میں تحصیل علم میں مشغول ہو گئے تھے۔ مندرجہ بالا فہرستِ اساتذہ میں عدد ۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ الحجازی بمشکل ۱۲ برس کے تھے، جب ابناسی کا انتقال ہوا۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز چیز یہ ہے کہ ان کے استاذ ابوالفضل العراقی نے ۸۰۶ھ میں وفات پائی، جبکہ الحجازی کی عمر سولہ سال کے قریب تھی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ وہ اس مقتدر ہستی سے تحدیث (تدریس حدیث) کی باقاعدہ اجازت حاصل کر چکے تھے۔

۴۔ شعر و شاعری اور ادب

ابتدائی زمانے میں الحجازی کی توجہ علم حدیث اور دیگر متعلقہ علوم پر مرکوز رہی، مگر کچھ عرصہ بعد ان علوم سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور تمام تر توجہ ادب پر صرف کر دی۔

الحجازی اپنے وقت کے بہترین شعراء میں شمار کیے جاتے ہیں اور قاہرہ کے چھ مشہور ترین شعراء، جو سب کے سب الشہاب کہلاتے تھے، میں سے ایک تھے۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ الحجازی کو ایسے شاگرد اور عقیدت مند میسر نہ آ سکے جو ان کے اشعار کو چار دانگ عالم میں مشہور کرتے اور ان کی شہرت کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچاتے۔

[1] السیوطی، حسن المحاضرہ: ۱/۱۱۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ ان کے بعض معاصرین کو یہ چیز نصیب ہوئی، مگر الحجازی کی مقابلتاً غیر معروفی چنداں ان کی قابلیت اور بلندی مرتبت میں آڑے نہیں آسکتی۔ آفتاب بہرحال آفتاب ہے خواہ گھنگھور گھٹائیں اٹھیں اور آسمان پر چھا جائیں، آندھیاں اور جھکڑ گرد وغبار کو مشرق ومغرب میں پھیلا دیں، مگر یہ سب چیزیں آفتاب کی تمازت کے سامنے عارضی ہیں۔ دیدۂ بینا آفتاب کی شعاعوں کو گرد وغبار کے بادل چیرتے اور دنیا کو روشن کرتے دیکھتا ہے۔ ناممکن ہے کہ آفتاب نمودار ہو اور اس کی تمازت حساس شے کو نہ گرمائے۔

قدرت نے الحجازی رحمہ اللہ کو شعر وشاعری کے لیے بہترین دل ودماغ ودیعت کیا تھا۔ ان کی علمی استعداد، فطری رجحان اور خداداد ذہانت نے ان کو شاعری کے لیے موزوں تر بنا دیا تھا۔ چنانچہ السیوطی رحمہ اللہ انھیں الشاعر البارع کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور ابن العماد الشاعر المفلق کا لقب تجویز کرتے ہیں۔

الحجازی کے اشعار کا مطالعہ اس حقیقت کو بے نقاب کر دیتا ہے کہ شعر وسخن میں ان کا کتنا بلند مرتبہ ہے۔ قصیدہ، غزل، ہجو اور مرثیہ گوئی کوئی سی چیز لے لو الحجازی ایک استاذ کامل کی حیثیت میں نظر آتا ہے۔ مختلف مقامات پر بکھرے ہوئے اشعار کے علاوہ الحجازی نے ایک مستقل دیوان چھوڑا ہے۔

یہ صریح ناانصافی ہوگی اگر الحجازی کو محض ایک شاعر کی حیثیت میں پیش کیا جائے اور دوسری تمام خوبیاں نظر انداز کر دی جائیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک بہترین شاعر تھے، مگر ان کی مختلف النوع تصانیف پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ الحجازی کو ادب سے اس قدر شغف اور دلبستگی تھی کہ وہ اپنے تمام اقران ومعاصرین سے سبقت لے گئے۔ اس سلسلے میں ان کے سوانح نگاروں کی شہادت ہی کافی وقیع اور وزنی ہے:

وَعَنِی بِالْأَدَبِ كَثِيرًا حَتَّى صَارَ أَحَدَ أَعْيَانِهِ[1]

وَقَدْ رَثَاهُ (ابْنُ حَجَرٍ) جَمَاعَةٌ مِّنَ الْفُضَلَاءِ وَالْأُدَبَاءِ النُّبَلَاءِ مِنْهُمْ

---

[1] السیوطی، حسن المحاضرہ: ۱/۱۷۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَلْأَدِيبُ شِهَابُ الدِّينِ أَبُو الطَّيِّبِ أَحْمَدُ[۱]

وَعَنِىَ بِالْأَدَبِ كَثِيرًا إِلَى أَنْ تَقَدَّمَ فِيهِ[۲]

وَعَنِىَ بِالْأَدَبِ كَثِيرًا حَتَّى صَارَ أَوْحَدَ أَهْلِ زَمَانِهِ وَ تَمَيَّزَ فِي فُنُونِ

لَكِنَّهُ هَجَرَ مَا عَدَا الْأَدَبِ مِنْهَا[۳]

كَانَ عَالِمًا فَاضِلًا بَارِعًا فِي الْأَدَبِ[۴]

ان تاریخی شہادتوں کے بعد الحجازی کی ادبی شخصیت کے اعتراف میں کیسے تأمل ہوسکتا ہے اور کون ہے جو اس کی جلالتِ قدر اور رفعتِ مقام سے انکار کرے؟

۵۔ نویں صدی ہجری اور ادبی ذوق

یہ صدی علم وادب کی خدمت میں بہت پیش پیش نظر آتی ہے۔ اس صدی میں ہمارے اکابر نے جس قدر محنت کی اور علمی خدمات سرانجام دیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو آج ہم علم کے ایک بہت بڑے حصے سے محروم ہو چکے ہوتے اور ہماری معلومات بعض علوم کے متعلق بالکل سطحی اور غیر مکمل ہوتیں۔ ہمیں یہ تسلیم کرنے میں بالکل کوئی باک نہیں کہ یہ زمانہ اکثر و بیشتر جمع و تدوین کا تھا اور بہت کم جدید علوم معرض وجود میں آئے۔ تاہم کیا یہ خدمت کچھ کم ہے کہ اسلاف کے علوم کے قیمتی ذخیرۂ معلومات کو یکجا جمع کر دیا جائے تاکہ آنے والی نسلیں ان مفید خزائن سے متمتع ہوسکیں؟ نویں صدی نے بہترین دل ودماغ پیدا کیے یا کم از کم بہترین دل و دماغ رکھنے والے لوگوں نے نویں صدی کو پایا۔ اس جمع وتدوین کے سلسلے میں ایک استثنا ضروری ہے۔ میرا مطلب ابن خلدون سے ہے، جس نے فلسفۂ تاریخ کی بنیاد رکھی اور دنیا کو ایک نئے شعبۂ علم سے روشناس کرایا۔ ابن خلدون کا فلسفہ تاریخ بجائے خود ایک مستقل مضمون ہے جو الگ فرصت

۱ ابن فہد، لحظ الالحاظ: ۱/۲۱۵

۲ السیوطی، نظم العقیان: ۱/۴۲

۳ ابن العماد، شذرات الذہب: ۹/۴۷۵

۴ سرکیس، معجم المطبوعات: ۲/۱۱۵۱

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

چاہتا ہے۔ اس صدی کی نامور شخصیتوں کے چند اسماء یہ ہیں:

ابن خلدون	المقریزی	ابن تغری بردی
السخاوی	ابوالفضل العراقی	ابن حجر
القلقشندی	مجدالدین فیروز آبادی	

اس صدی کی ایک اور خصوصیت بھی ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، یعنی سلاطین وملوک کی کور ذوقی۔ بنوامیہ (مغربیہ) اور بنوعباس کے عہد میں سلطنت وحکومت کا علم پرور ادب نواز اور معارف آفرین دست شفقت آمیز ہزاروں شعراء، ادباء، نقاد اور مؤرخ پیدا کرنے میں کامیابی کے ساتھ اونچی ترین چوٹی پر پہنچا، مگر ان ازمنہ میں شعراء کی کثرت، علوم ومعارف میں ترقی چنداں جاذب نظر نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ جس چیز کو حکومتیں اور سلطنتیں اپنی خسرانہ کرم فرمائیوں سے نوازیں اور جو ترقی دربار شاہی کی مرہون منت ہو اس میں کیا خوبی کی بات ہو سکتی ہے۔ اچھی سے اچھی اور بری سے بری چیز جسے حاکم وقت چاہے رائج ہی نہیں بلکہ وہ اسے ترقی کے ساتویں آسمان تک پہنچا سکتا ہے۔ قابل قدر اور خوبی کی بات یہ ہے کہ ایک چیز خواہ علوم سے متعلق ہو یا صنعت و حرفت سے، بغیر کسی شاہانہ سرپرستی کے ترقی کرے اور اتنی ترقی کہ دنیا انگشت بدنداں رہ جائے۔ اردو کی مثال ہمارے سامنے ہے، اگر اردو ادب دکن میں ارتقائی منازل طے کرتا نظر آئے تو چنداں تعجب اور خوبی کی بات نہیں، مگر جب یہی ادب پنجاب میں بغیر خسروانہ سرپرستی کے ترقی کی اعلیٰ منزل پر ہو تو سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ زبان میں ایک قدرتی جذب وکشش ہے، ایک خوبی ہے، ایک حسن ہے اور ایک جمال ہے جو ایک دنیا کو مسخر کر چکا ہے۔

اس صدی کے پچھتر برس الحجازی کے سامنے گزرے اور اس عرصے میں ہمارے مصنف نے سولہ ملوک وسلاطینِ مصر کو سریر آرائے سلطنت ہوتے دیکھا۔ ان سولہ ملوک میں سے صرف دو سلطان ایسے نظر آتے ہیں جو شعر وادب سے شغف رکھتے تھے اور علوم و فنون میں دلچسپی لیتے تھے۔ پہلا علم دوست سلطان الملک المؤید (۸۱۵-۸۲۴ھ) ہے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کی تمام تر توجہ فتنہ فساد کی آگ کو فرو کرنے پر مرکوز رہی۔ نو برس کی مدت میں ایک دن بھی چین و راحت کی زندگی نصیب نہ ہو سکی۔ دوسرا سلطان الملک الظاہر ہے، جو ۱۴۶۷ھ کے تین مہینے اور چار دن سے زیادہ حکومت نہ کر سکا۔ اسے علوم وفنون سے خاص اُنس تھا۔ علماء و فضلاء اور ظرفاء و ادباء کی صحبت کو پسند کرتا۔ شعراء اور اہل علم وفضل کی قدر و منزلت کرتا تھا۔ ان دو شخصیتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے باقی چودہ سلاطین کے متعلق تاریخی شہادت کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ بالکل کورذوق تھے۔ علم و ادب سے انھیں کوئی نسبت نہ تھی اور نہ شعر و سخن کی ان کے ہاں کوئی وقعت تھی۔

۶۔ سیاسی حالات

اس صدی میں مصر علوم وفنون اور شعر و ادب کا مرکز بن گیا، مگر اس مرکزیت میں خسروانہ توجہات کو بہت ہی کم دخل ہے۔ اس مرکزیت کا باعث ان برگزیدہ شخصیتوں اور ممتاز ہستیوں کا اجتماع ہے جو اپنے خاص فنون میں یگانۂ روزگار تھیں۔ سلاطین اور ملوک کو اپنے اپنے عہد میں ہمیشہ داخلی اور خارجی فتنوں اور بغاوتوں کا سامنا رہا۔ آپ خود اس امر سے اندازہ فرمائیں کہ الحجازی کی وفات، یعنی ۸۷۵ھ تک سولہ سترہ بادشاہ تاج و تخت کے مالک بنے اور بعض دفعہ تو ایک برس میں چار چار سلاطین یکے بعد دیگرے تخت حکومت پر چڑھتے اور اترتے نظر آتے ہیں۔ ۸۲۴ھ اور ۸۷۲ھ اس امر کی کافی شہادت ہیں اور جس سلطان کو دس بارہ سال حکومت کرنے کا اتفاق ہوا، اسے ایک دن بھی تو چین نصیب نہ ہو سکا۔ کبھی مشرق سے بغاوت کی خبر آئی تو کبھی مغرب سے۔ کبھی جنوب میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکتی نظر آتی تو کبھی شمال میں دشمنوں نے سر اٹھایا۔ اسی طرح سارا عہد حکومت بغاوتوں کے فرد کرنے، دشمنوں کی سرکوبی اور فسادات کی روک تھام میں گزر جاتا۔ ان حالات میں سلاطین بے چارے کس طرح صاحب علم وفضل لوگوں کی صحبت میں بیٹھ سکتے تھے اور کیونکر شعر و ادب کی سرپرستی کر سکتے تھے؟

ذیل میں الحجازی کے عہد کے بادشاہوں کی فہرست درج کرتا ہوں۔ یہ فہرست

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بہت حد تک اس عہد کے سیاسی حالات کو سمجھنے میں مدد دے گی:

۱۔ السلطان الملک الظاہر ابوسعید برق الچارکسی۔ یہ سلطان خاندان چراکسہ یا جراکسہ کا بانی ہے۔ اسے استحکام سلطنت کے سلسلے میں بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔

۲۔ الملک الناصر فرج بن برقوق (۸۰۱-۸۰۸ھ) اس کا حالات نے ساتھ نہ دیا جس کی وجہ سے وہ تخت چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔

۳۔ الملک المنصور عبدالعزیز (۸۰۸ھ) دو ماہ اور دس دن سے زیادہ حکومت نہ کر سکا۔

۴۔ الملک الناصر فرج بن برقوق (۸۰۸-۸۱۴ھ) چند ماہ کے بعد قسمت نے پھر یاوری کی۔ حالات کو مساعد و سازگار پا کر سلطنت کی باگ ڈور ہاتھ میں لی۔ فتنہ و فساد کے دبانے میں کامیاب ہوا اور پھر سے قصر سلطنت کو خاندان کے لیے محکم و مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔

۵۔ الخلیفہ المستعین باللہ العباس بن الخلیفہ المتوکل علی اللہ (۸۱۵ھ)، گردش زمانہ اور انقلاب روزگار کے تلاطم خیز سمندر کے تھپیڑوں نے عباسیوں کے آخری نشان کو مصر میں لا پھینکا، مگر زیادہ دیر تک خوش بختی اور عیش و راحت سے ہمکنار نہ رہ سکا۔ سات ماہ اور پانچ دن کے بعد معزول کر دیا گیا۔

۶۔ الملک المؤید (۸۱۵-۸۲۴ھ) علم دوست سلطان تھا، مگر علم پروری کی بہت کم فرصت ملی۔ سارا عہدِ حکومت لشکر کشی میں گزر گیا۔ باغیوں کی سرکوبی سے فارغ ہوا ہی تھا کہ موت نے آلیا۔

۷۔ السلطان الملک المظفر ابوالسعادات احمد بن الملک المؤید (۸۲۴ھ)۔ یہ سلطان بھی سات ماہ اور بیس دن کے بعد سلطنت سے علیحدہ کر دیا گیا۔

۸۔ السلطان الملک الظاہر ططر۔ خاندان چراکسہ میں دوسرا باذوق اور علوم وفنون سے شغف رکھنے والا سلطان تھا۔ علماء وفضلاء کی صحبت کو پسند کرتا اور اہل علم حضرات کی قدر کرتا تھا۔ زندگی نے وفا نہ کی، تین ماہ اور چار دن کی سلطنت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۹۔ الملک الصالح محمد بن ططر، چند دن کے بعد معزول کر دیا گیا۔

۱۰۔ السلطان الملک الاشرف برسبای (۸۲۵-۸۴۱ھ) تمام عہد حکومت داخلی اور خارجی فتنوں کے انسداد اور سلطنت کے استحکام میں گزارا، لشکر کشی نے تھکا دیا، بالآخر ۸۴۱ھ میں جان عزیز آفریں کے سپرد کی۔

۱۱۔ الملک العزیز یوسف بن الملک الاشرف (۸۴۱-۸۴۲ھ) معزول کر دیا گیا۔

۱۲۔ الملک الظاہر جقمق (۸۴۲-۸۵۷ھ) عالم باعمل تھا۔

۱۳۔ السلطان الملک المنصور عثمان (۸۵۷ھ)

۱۴۔ الملک الاشرف اینال (۸۵۷-۸۶۵ھ)

۱۵۔ الملک المؤید ابوالفتح احمد (۸۶۵-۸۷۲ھ)

۱۶۔ الملک الظاہر ابوسعید (۸۷۲ھ)

۱۷۔ الملک الاشرف المحمودی (۸۷۲ھ)

ان حالات کے مطالعہ کے بعد قارئین کرام پر یہ امر روشن ہو چکا ہے کہ الحجازی کے زمانے میں عام سیاسی حالات کیا تھے اور حکمران خاندان کے افراد علم و فضل کے ارتقاء میں کس قدر دلچسپی لیتے یا لے سکتے تھے۔ کیا ایسے ماحول میں خاص قابلیتوں اور استعدادوں کا مالک ہونا قابل شئے نہیں اور کیا ان حالات میں علم و فضل سے شغف بذات خود باعث فضیلت و مجد نہیں؟

۷۔ تبحر علمی

شہاب الدین احمد الحجازی رحمہ اللہ اس زمانے کے مشہور اور یگانہ روزگار علماء و فضلاء، فقہاء اور محدثین کی علمی صحبتوں سے فیض یاب ہو چکے تھے۔ علم حدیث میں شیخ العصر حافظ العراقی سے تحدیث کی اجازت حاصل کی اور وہ بھی پندرہ سولہ برس کی عمر میں جو الحجازی کی غایت درجہ ذہانت و ذکاوت پر دال ہے۔ علم و فضل اور شعر و سخن میں کافی شہرت حاصل کی اور اپنے زمانے کے شعراء، علماء اور ادباء میں بلند درجہ پایا۔ الحجازی کو اپنی فضیلت، قابلیت، بلندی مرتبت اور جودت طبع کا پورا پورا احساس تھا۔ وہ جانتا تھا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دنیا اس کی ادبی خدمات اور علمی کارناموں کو کبھی فراموش نہ کرے گی، چنانچہ لکھتا ہے ۔

قالوا اذلم یخلف میت ذکرا   ینسی فقلت لهم فی بعض اشعاری
بعد الممات اصیحابی ستذکرنی   بما اخلف من اولاد افکاری[1]

۸۔ معموں (چیستانوں) کی مہارت

تنوع پسند الحجازی نے اس فن پر بھی طبع آزمائی کی اور بعض اوقات اپنے دوستوں کو خطوط بھی اسی طرز میں لکھے۔ معموں کا شوق ملاحظہ ہو کہ اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی۔

۹۔ شغل تدریس

ہمارے مؤلف کو درس و تدریس کا بھی شوق تھا۔ ایک مدت تک حدیث اور دیگر متعلقہ علوم کا درس دیتے رہے۔ علامہ سیوطی حسن المحاضرۃ (۱۸۰/۲) میں رقمطراز ہیں:

"اخبرنی ابو الطیب الانصاری اجازہ عن الحافظ ابی الفضل عبدالرحیم العراقی"

پھر بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ، ص:۴۴۹ میں لکھتے ہیں:

"اخبرنی الشهاب ابو الطیب احمد بن محمد الانصاری المعروف بالحجازی بقراءتی علیه"

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ الحجازی کا حلقہ درس بہت وسیع اور کامیاب تھا۔ جس نے سیوطی جیسا جامع علوم شاگرد پیدا کیا۔

۱۰۔ تقسیم اوقات

روزانہ کے معمولات متعین و مقرر تھے، درس و تدریس کے لیے ایک خاص وقت تھا جس میں طلبہ آتے اور استفادہ کرتے۔ تالیف و تصنیف کے لیے ایک وقت مقرر تھا۔ مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ دن کا اکثر حصہ مطالعہ میں صرف ہوتا۔ اہل علم و فضل سے راہ و رسم بہت بڑھ

[1] السخاوی، الضوء اللامع: ۱۴۸/۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گئی تھی۔ بڑے بڑے لوگ ملاقات کے لیے آتے مگر بایں ہمہ مطالعہ میں کبھی فرق نہ آیا۔

۱۱۔ عادات و خصائل

نہایت متواضع، خوش خلق اور ملنسار تھے۔ شیریں کلام، حلم و بردباری، بے تکلفی اور سادگی طرۂ امتیاز تھی۔ صوم وصلاۃ کے پابند تھے۔ شعر و شاعری سے خاص لگاؤ تھا۔ ادیبانہ ذوق رکھتے تھے۔ لکھنے پڑھنے میں منہمک رہتے۔ علماء وفضلاء کے ساتھ بڑے احترام سے پیش آتے۔ اکابر کی عزت و عظمت کرتے تھے۔ ان محاسن اوصاف کے ساتھ ظریف الطبع تھے اور نوادر میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ تحریر نہایت صاف اور سلجھی ہوئی اور خط بہت پاکیزہ۔ امراء اور وزراء سے بہت اچھے تعلقات تھے۔ معاصر و اقران میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔[1]

۱۲۔ مختصر واقعات زندگی

رمضان المبارک ۸۱۵ھ میں ایک پھوڑا نکلا جس نے سخت بے چین کیا، کھانا پینا حرام ہوگیا۔ نیند تک کو آنکھیں ترسنے لگیں۔ چنانچہ اسی ضمن میں الحجازی نے اپنے ایک دوست کو خط لکھا جس میں اس بلائے بے درماں کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

"انه حدث لی نازلة وهی طلوع دمل كاد ان ينزلنی التراب، ويفرق بينی و بين الاحباب والاتراب، ولی عشر ليال لا اكتحل بالمنام ولا اطعم الطعام. فها انا فی هذا الشهر الشريف صائم الليل والنهار و طائر قلبی قد غشيته هذا الدمل فكانه السمندل و كيف لا وهو داخل النار:

فترانی كلما جن الليل مسلسلة بالدموع و نحل جسمی فی هذه

لقد طال ليل ساءنی فيه دمّل   فاسهر اجفانی ولم استطع صبرا

كانی بعلم الوقت مغری فها انا   اراعی نجوم الليل ارتقب الفجرا

[1] السیوطی، نظم العقیان: ۱/ ۶۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

العشر ليال لعدم الطعم والهجوع والواقع ان البكاء لايسمن ولا يغني من جوع. فاقسم بالفجر و ليال عشر، لقد فطر هذا الصيام قلبي و قطعني من المخاديم و رميت بالنوى فطار لبي."[1]

۸۲۶ھ میں روض الادب ختم ہوئی۔

۸۴۰ھ میں الفیۃ العراقی کو نقل کیا۔

۸۴۳ھ میں حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔

۸۵۰ھ میں قاضی عیاض کی شہرہ آفاق کتاب "الشفافی حقوق المصطفٰی" پر حاشیہ لکھا اور تمام مشکل الفاظ کی شرح لکھی۔

۸۵۲ھ میں اپنے استاذ حافظ العصر شیخ ابن حجر رحمہ اللہ کی وفات پر ایک مرثیہ لکھا۔

۱۳۔ وفات

مصر کا یہ مایہ ناز ادیب اور بلند پایہ شاعر، جو آسمان ادب و شعر پر آفتاب بن کر چمکا، ۷ رمضان المبارک ۸۷۵ھ (فروری یا مارچ ۱۴۷۱ء) کو قاہرہ میں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ مگر اس کی تابانی اور تمازت اب بھی اس کی تصانیف کا مطالعہ کرنے والوں کو منور کرتی اور گرماتی ہے۔ مؤرخین نے تاریخ وفات میں اختلاف کیا ہے۔ سیوطی ۷ رمضان لکھتا ہے۔ بانکی پور لائبریری کی فہرست کتب میں ۷ رمضان درج ہے۔ پھر سن میں بھی اختلاف ہے۔ جرجی زیدان اور براکلمان ۸۷۴ھ مقرر کرتے ہیں، مگر باقی تمام سوانح نگار ۸۷۵ھ لکھتے ہیں اور یہی صحیح بھی ہے۔

الحجازی کی وفات پر قاہرہ کا مشہور شاعر المنصوری (۷۹۹۔۸۸۷ھ) مرثیہ کہتا ہے جس میں اپنے ہم عصر ادیب اور شاعر کو ان الفاظ میں خراج تحسین ادا کرتا ہے ؎

لهف قلبي على افول الشهاب　　تحفة القوم نزهة الاصحاب

لهف قلبي على افول الشهاب　　تحفة القوم نزهة الاصحاب

[1] السیوطی، نظم العقیان: ۱/ ۶۶، ۶۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

كان في مطلع البلاغة يسرى — فتوارى من الثرى بحجاب
فقدت بره ايامى المعانى — ويتامى جواهر الآداب
هطلت ادمع السحاب عليه — وقليل فيه دموع السحاب
وذوالجمع اصبحوا حين ولى — كلهم جامعا بلا محراب
يا شهابا طلوعه في سما الفضل — ولكن افوله في التراب
لك في ما الفت تذكرة من — ما انتقى دره اولوا الالباب
روضة اينعت بفاكهة من — حسن لفظ كثيرة و شراب
فسقى تربها الرباب لتهتز — وتربو على سماع الرباب [1]

---

[1] رزق اللہ شیخو، مجانی الأدب: ۴/ ۶۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تصوف اور صوفیہ کرام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تصوّف، صوفیہ کی نظر میں

مسلمانوں کی تاریخ میں بے شمار تحریکیں ابھریں اور مٹ گئیں۔ تصوف بھی ایک تحریک تھی، بڑی شاندار تحریک۔ اس میں علم وفکر کے پہلو بھی تھے اور عبادات وریاضت کے بھی۔ یہ تحریک معاشرت واقتصادیات پر اثر انداز ہوئی۔ اس تحریک نے سیرت و کردار، انفرادی واجتماعی اخلاق اور فلسفہ اخلاق کو بھی متاثر کیا۔

تصوف کا معنی ومفہوم

تصوف کا لفظ اشتقاق کے لحاظ سے صوف سے مشتق ہے اور عام طور پر اونی لباس پہننے کی طرف اشارہ کرتا ہے، لیکن امام القشیری نے اونی لباس کو بھی ضروری نہیں ٹھہرایا۔[1] بہرحال اسلامی اصطلاح میں صوفی بن کر متصوفانہ زندگی بسر کرنے کو تصوف کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

لفظ صوفی کی مختلف توجیہات پیش کی جاتی ہیں، مثلاً: لفظ صوفی اہل الصفہ کی طرف نسبت ہے۔ صف اول کی طرف منسوب ہے، یا صفا (دل کی پاکیزگی اور طہارت) کی طرف۔ اس قسم کی اور توجیہات بھی پیش کی گئی ہیں، لیکن اہل لغت نے ان سب نسبتوں کو رد کر دیا ہے۔[2] البتہ ایک تاویل قابل غور ہے: بندار بن حسین شیرازی (م ۳۵۳ھ) کا قول ہے کہ صوفی اصل میں عوفی اور کوفی کے وزن پر ہے، یعنی جسے ذات حق نے اپنے لیے چن لیا ہو اور اپنا مقرب و برگزیدہ بنالیا ہو۔ من اختاره الله و صفاه.[3]

[1] القشیری، الرسالۃ القشیریہ: ۲/ ۴۴۰

[2] ابن منظور الافریقی، لسان العرب: ۹/ ۲۰۰ والزبیدی، تاریخ العروس: ۲۴/ ۴۲

[3] السلمی، طبقات الصوفیہ، ص: ۴۶۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اب تصوف کا مفہوم اہل تصوف کی زبان سے بھی سن لیجیے: حضرت بوشنجی کے نزدیک تصوف نام ہے حریت اور فتوت (جوانمردی) کا اور سخاوت و اخلاق میں تصنع اور بناوٹ سے کنارہ کشی کا[1] الفتوت کا مفہوم بھی صوفیاء کے نزدیک حسن خلق، بذل مال اور طبیعت و مزاج کے خلاف غیر پسندیدہ لوگوں سے میل جول ہے۔[2]

ابن الاعرابی فرماتے ہیں: فضولیات کو ترک کر دینے کا نام ہی تصوف ہے (ص:۴۲۸)۔

ابوالحسن النوری فرماتے ہیں: حظ نفس کا ترک کر دینا تصوف ہے (ص:۱۶۶)۔ پھر فرماتے ہیں کہ تصوف رسوم و علوم کا نام نہیں بلکہ یہ تو اخلاق کا نام ہے۔[3]

ان اخلاق کی تصریح کے لیے کئی اکابر صوفیاء کے اقوال ملاحظہ ہوں، مثلاً اوامر و نواہی کی خاطر صبر و ثبات، تصفیہ و تزکیہ قلب، افتاد طبع سے دست کش ہونا، صفات بشریہ کو مٹا دینا، نفسانی خواہشات سے اجتناب، روحانی صفات کا حصول، علوم حقیقت سے وابستگی، امت مسلمہ کی خیر خواہی، اللہ تعالیٰ سے وفا داری اور شرعی امور میں اتباع رسول ﷺ (ص:۴۶۴)۔

بقول جنید بغدادی رحمہ اللہ تصوف اعلیٰ اخلاق کے اپنانے اور اخلاق رذیلہ سے بچنے کا نام ہے۔(ص:۴۳۶)۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ ذات حق کے ساتھ استقامت احوال کا نام تصوف ہے۔(ص:۵۱۱)۔

ایک صاحب کے نزدیک تصوف ہمہ اضطراب و قلق ہے اور سکونت و راحت میں تصوف ناپید ہو جاتا ہے (ص:۴۷۴)۔

تصوف کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ لوگوں سے میل جول بالکل ترک کر دیا

---

[1] السلمی، طبقات الصوفیہ، ص:۴۶۰

[2] السلمی، طبقات الصوفیہ، ص:۵۰۶

[3] السلمی، طبقات الصوفیہ، ص:۱۶۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائے۔(ص:۵۶۳)۔

ایک صوفی بزرگ فرماتے ہیں کہ دراصل تصوف نام ہے کتاب وسنت سے تمسک اور وابستگی کا اور ترک بدعت وہوا کا۔[1]

تصوف کا آغاز وارتقاء

مندرجہ بالا صفات میں سے ساری یا کچھ صفات کے حامل کو صوفی کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔صوفی کا لقب پہلے پہل آٹھویں صدی عیسوی کے آخر میں جابر بن حیان کے لیے استعمال ہوا۔ یہ شخص کیمیا گر اور مسلکاً شیعہ تھا۔کوفے میں رہائش رکھتا تھا۔دوسرا شخص ابو ہاشم کوفی تھا جس کے نام کے ساتھ صوفی کا لفظ استعمال ہوا۔ بقول صاحب البیان والتبیین اسی زمانے کے قریب لفظ صوفی کا استعمال کوفہ کی ایک نیم شیعی مسلمانوں کی جماعت کے لیے ہوا۔اس گروہ کا ایک امام عبدک صوفی تھا۔ یہ صاحب گوشت سے پرہیز کرتے تھے۔صرف سبزی استعمال کرتے اور خلافت پر حقِ وراثت کے قائل تھے۔ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ اول اول لفظ صوفی کوفہ تک محدود رہا۔[2]

مگر تصوف کا مستقبل بڑا درخشاں اور شاندار تھا اور آنے والے زمانوں میں لفظ صوفی اپنے اندر ہزار ہا اوصاف جمیلہ رکھتا تھا اور عزت کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا۔ دوسری صدی ہجری کے بعد صلحا، زہاد، عباد اور نساک کے ایک گروہ کے لیے صوفی کا معزز لقب استعمال ہونے لگا اور صوفیاء کے مسلک کو تصوف کا نام دیا جانے لگا۔[3]

تصوف میں زاویہ نشینی، خلوت گزینی اور خانقاہ پناہی، ترک دنیا، ذکر وفکر، کثرت اوراد نے نمایاں حیثیت اختیار کر لی۔صبر ورضا، توکل اور اس نوع کے دیگر تصورات نے ایک بلند مقام حاصل کر لیا۔

---

[1] السلمی، طبقات الصوفیہ، ص:۴۸۸

[2] البغدادی، تاریخ بغداد:۶/۲۵۲

[3] اردو دائرہ معارف اسلامیہ:۵/۳۱۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صوفیائے کرام نے اصلاح قلب و نفس کے لیے بڑی کوششیں کیں اور مختلف ادوار میں مختلف پیمانے اپنائے۔ اصلاح قلب کے لیے چار چیزوں کو ضروری قرار دیا:
التواضع للّٰہ، الفقر إلی اللّٰہ، الخوف من اللّٰہ، الرجا فی اللّٰہ، (ص:۱۷۲)

ایک اور بزرگ نے فرمایا کہ حرام چیزوں سے پرہیز فرض ہے، مباح چیزوں سے پرہیز فضیلت ہے اور حلال چیزوں سے پرہیز قرب الٰہی کا موجب ہے۔ (ص:۱۷۴)

ایک قول یہ ہے کہ پیٹ میں حلال چیزیں ڈالنے سے اعمال صالح صادر ہوتے ہیں، مشتبہ چیزیں کھانے سے اللہ تک پہنچنے کی راہیں مشتبہ ہو جاتی ہیں اور حرام چیزوں کے کھانے سے بندے اور مالک کے درمیان پردے حائل ہو جاتے ہیں۔ (ص:۴۴۹)

ایک قول یہ ہے کہ مومن کی قوت اللہ کے ذکر میں ہے۔ (ص:۲۴۰)

ایک بزرگ نے فرمایا کہ نفس کے مارنے میں حیات قلب ہے۔ (ص:۴۷۱)

اولیاء اللہ کی تعریف یہ کی گئی کہ وہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اور تمام سہاروں سے بے نیاز ہو کر ذات حق کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ (ص:۱۱۰).

فقیر وہ ہے جس میں عجز و انکسار ہو۔ (ص:۱۱۰)

اللہ کے حکم پر راضی رہنے والا متوکل ہے۔ (ص:۴۵۵) اور اللہ پر اعتمادِ قلب کا نام توکل ہے۔ (ص:۲۳۹)

روزی کا اہتمام حق سے دور کر دیتا ہے اور مخلوق کا محتاج بنا دیتا ہے۔ (ص:۱۷۸)

اگر اس تحریک کا تاریخی تجزیہ کیا جائے تو ہم اس کے عناصر ترکیبی کا پتہ باآسانی لگا سکتے ہیں۔ قرآن مجید کی آیات متعلقہ ﴿فَفِرُّوٓا اِلَى اللّٰهِ﴾ (الذاریات:۵۱/۵۰) ﴿وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا﴾ (المزمل:۷۳/۸) ﴿وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا﴾ (الدھر:۷۶/۲۶) وغیرہ ہیں۔

یہ تحریک محض اتفاق نہ تھی بلکہ ایک سوچی سمجھی تحریک تھی۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے عہد میں دولت کی ریل پیل اور سیم و زر کی فراوانی، زندگی کی آسائشوں اور رفاقتوں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کی بہتات، مادی دور میں روحانی اقدار کی اہمیت دینے والوں کا ردعمل، معاشرہ میں بے انصافیوں کے خلاف ایک گونہ احتجاج تھا۔

تیسری صدی کا نصف اول گزرنے کے بعد تصوف کی دعوت کا کھلم کھلا اعلان بغداد کی مساجد میں ہونے لگا۔ اس دعوت میں تزکیۂ نفس، دنیا سے بے رغبتی، مادی اقدار کے بجائے روحانی اقدار کا فروغ، ذکر وفکر اور وصال الٰہی ایسے مقاصد پیش نظر تھے۔

آغاز تحریک ہی سے تصوف کی مخالفت بھی شروع ہوگئی۔ سب سے پہلے خارجیوں نے امام حسن بصری رحمہ اللہ کی مخالفت و مذمت شروع کی۔ پھر امامیہ فرقوں نے (تیسری صدی میں) تصوف کے ہر میدان کی مذمت کی۔ اہل سنت میں امام احمد بن حنبل نے اس لیے تصوف کو مورد الزام ٹھہرایا کہ تصوف میں ظاہری عبادات کے مقابلے میں مراقبے پر زور دیا جاتا ہے اور ذاتی قرب الٰہی کے لیے سنت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ معتزلہ اور ظاہری مکاتب فکر کے لوگ بھی خالق سے تعلقات کی استواری کے لیے مسلک عشق کی قدر نہ کر سکے۔[1]

بایں ہمہ تصوف کو اکابر اہل اسلام نے اپنایا اور اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ ہزاروں متقی اور پاکباز مسلمانوں نے اس تحریک میں اپنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ امام قشیری کا الرسالہ، ابوعبدالرحمٰن السلمی کی کتاب طبقات الصوفیہ، ابوطالب مکی کی قوت القلوب، امام غزالی کی احیاء علوم الدین اور المنقذ من الضلال ایک محقق طالب علم کے لیے بیش بہا علمی اور تاریخی خزائن ہیں۔

تصوف کے کارنامے

تصوف نے عبادت میں ذوق وشوق پیدا کیا۔ قلوب کو دولت قناعت سے مالا مال کر دیا۔ توبہ، صبر، توکل اور رضا ایسی بے بہا صفات اور خوبیاں عطا کیں۔ تصوف نے ہمارے ادبی سرمایہ میں بھی بڑا اضافہ کیا اور علمی زاویوں میں وسعت پیدا کی۔ مروجہ

[1] مذکورہ بالا اقوال کے لیے ملاحظہ کریں، اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۵/ ۴۱۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معانی والفاظ میں کچھ تغیر وتبدیلی رونما ہوئی۔ توکل، معرفت، فنا، بقا، ولایت وغیرہ الفاظ کو جدید معانی پہنائے گئے۔ روح اور نفس کی بحثوں نے ایک نیا فلسفہ پیدا کیا اور مادہ کے حدوث وقدم پر دلچسپ اور غیر دلچسپ بحثیں شروع ہوئیں۔ پھر ایک اور نہ سمجھ آنے والی بحث الٰہیات کے نام سے چل نکلی اور بڑے بڑے فلسفیوں نے خوب سر کھپایا۔

صوفیاء کے نزدیک اولیاء اللہ کا ایک مستور مگر منظم سلسلہ ثقافت ہے جس کی بدولت دنیا کی بلائیں ٹلتی رہتی ہیں۔ اس نظام کے مطابق دنیا میں اولیاء اللہ کی تعداد مقرر ہے۔ جب ایک ولی کا انتقال ہو جاتا ہے تو دوسرا ولی اس کی جگہ فوراً لے لیتا ہے۔ اس نظام میں تین سو نقباء، چالیس ابدال، سات امناء، چار عمود اور ان کا قطب شامل ہیں۔[1]

تصوف نے ہماری شاعری پر بھی گہرا اثر ڈالا ہے۔ عربی، فارسی، ترکی، اردو، پشتو، سندھی، پنجابی زبانوں کا ایک سرسری نظر سے جائزہ لیجیے تو آپ کو تصوف کے اثرات کا ضرور قائل ہونا پڑے گا۔ تصوف کا اپنا ایک انداز اور اسلوب ہے جو ہر جگہ کارفرما نظر آتا ہے۔

حضرت علی ہجویری کشف المحجوب میں ابوالحسن فوشنجہ سے نقل کرتے ہیں کہ تصوف ایک نام ہے بغیر حقیقت کے، لیکن زمانۂ سابق میں ایک حقیقت تھی بغیر نام کے، یعنی صحابہ کرام سلف صالحین کے زمانے میں یہ نام موجود نہ تھا، لیکن اس کی حقیقت ہر شخص میں جلوہ گر تھی۔[2،3]

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۴۱۸/۵۔ ذیلی سرخیاں از ادارہ

[2] علی بن عثمان ہجویری، کشف المحجوب، ص: ۶۳

[3] تخریج از حافظ محمد فیاض الیاس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سلطان ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ ، ایک نامور صوفی

(م۱۶۶ھ)

سلطان ابراہیم بن ادھم بن منصور دوسری صدی ہجری میں مشہور و معروف زاہد اور صوفی گزرے ہیں۔ آپ کی کنیت ابو اسحاق تھی اور التمیمی، العجلی اور البلخی کی نسبتوں سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ابن شاکر الکتبی نے اپنی کتاب فوات الوفیات میں لکھا ہے کہ ان کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی۔[1] سال ولادت کسی سوانح نگار نے نہیں لکھا۔ البتہ ان کی وفات کے بارے میں سیرت نگاروں کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ۱۶۰ھ اور ۱۶۶ھ کے درمیان فوت ہوئے۔

ابتدائی حالات

ان کے والد بزرگوار ادھم بن منصور بلخ کے بڑے رئیس اور متمول آدمی تھے۔ ہمارے اس نامور صوفی اور شہرۂ آفاق زاہد کو بھی لڑکپن اور جوانی میں رئیس زادوں کی طرح سیر و شکار کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے خادم ابراہیم بن بشار کے اصرار پر بتایا کہ انھوں نے مال و دولت اور عیش و عشرت کی زندگی کو خیر باد کہہ کر کیوں اور کس طرح فقر و درویشی اختیار کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میرے والد بلخ کے رہنے والے اور خراسان کے شاہی خاندان کے ایک فرد تھے۔ والد کی خوشحالی، فارغ البالی اور دولت مندی نے مجھے بے فکری کی زندگی کا عادی بنا دیا تھا۔ سیر و شکار کا مشغلہ مجھے بڑا محبوب تھا۔ ایک دن میں گھوڑے پر سوار ہوا، شکاری کتا ساتھ لیا اور جنگل کی طرف چل نکلا۔

---

[1] ابن شاکر الکتبی، فوات الوفیات: ۱/۱۳

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اچانک میری نظر ایک خرگوش یا لومڑی پر پڑی۔ میں نے فوراً گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اتنے میں ایک آواز سنائی دی۔ ہاتف غیبی پکار رہا تھا کہ اے ابراہیم! نہ تجھے اس کام کے لیے پیدا کیا گیا اور نہ اس کا حکم دیا گیا۔ میں نے دائیں طرف دیکھا کوئی نظر نہ آیا، پھر میں نے فوراً گھوڑے کو ایڑ لگائی تو پھر وہی آواز آئی۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ میں رک گیا، میں نے خواب غفلت سے بیدار ہوتے ہوئے کہا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے انتباہ ہے۔ بخدا! آج کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ میں گھر واپس آیا۔ گھوڑے کو خیر باد کہا۔ والد کے ایک چرواہے کے پاس آیا اور اس سے ایک جبہ اور چادر لی اور اپنے کپڑے اور سامان اس کے حوالے کر کے عراق کو روانہ ہوا۔ عراق پہنچ کر محنت مزدوری کرنے لگا، مگر رزق حلال کے بارے میں میری تمنا پوری نہ ہوئی۔ میں نے ایک بزرگ سے رزق حلال کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ رزق حلال چاہتے ہو تو شام چلے جاؤ۔ چنانچہ میں ملک شام کے لیے روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر چند دن محنت مزدوری کی، مگر وہی کیفیت رہی۔ پھر خالص رزق حلال کی تلاش میں طرسوس پہنچا۔ طرسوس میں باغبانی اور فصلوں کی کٹائی کو ذریعۂ معاش بنایا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے باغبانی تو کی، لیکن درختوں کا پھل وغیرہ کبھی نہیں چکھا، مجھے یہ تک معلوم نہ تھا کہ کون سے پودے کے انار ترش ہیں اور کون سے پودے کے میٹھے۔[1]

شقیق بلخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن ادھم سے پوچھا کہ آپ نے خراسان کیوں چھوڑا؟ جواب ملا کہ مجھے شام کے علاوہ کسی جگہ زندگی کا لطف میسر نہیں آیا۔ یہاں میں اپنے دین و ایمان کو ساتھ لے کر ایک چوٹی سے دوسری چوٹی تک اور ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی تک دوڑتا ہوں۔ دیکھنے والا مجھے دیوانہ یا ساربان سمجھتا ہے۔

[1] ابن عساکر، تاریخ دمشق: ۲۸۳/۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بلخ سے رخصت ہوئے تو عراق، شام اور حجاز میں اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء سے علم حاصل کیا۔ محنت کر کے پیٹ پالتے رہے۔ زندگی میں انھوں نے رزق حلال کو بڑی اہمیت دی ہے، یہاں تک کہ جس باغ میں چوکیداری کرتے اس باغ کے درختوں کا پھل تک نہ چکھتے۔

اخلاق واوصاف

سلطان ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ بڑے باصفا بزرگ تھے۔ ہر وقت یادِ خدا میں محو رہتے۔ دنیا و مافیہا سے بے نیاز رات دن عبادت و ریاضت میں مشغول نظر آتے۔ لباس بڑا سادہ، یعنی سردیوں کے موسم میں پوستین پہنتے جس کے نیچے کوئی قمیص وغیرہ نہ ہوتی۔ گرمیوں کے موسم میں پگڑی اور جوتے سے بے نیاز رہتے۔ سفر و حضر میں روزہ رکھا کرتے۔ فصیح عربی میں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔[1]

اس درویشانہ اور زاہدانہ زندگی کے باوجود جہاد میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ کفار کے خلاف چھ جنگوں میں شریک ہوئے اور بقول ابن عساکر وہ یونانیوں کے خلاف ایک بحری مہم میں شریک ہوئے۔ اسی جنگ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور بلاد روم کے ایک قلعے سوقین میں مدفون ہوئے۔

وہ روپے پیسے سے بالکل بے نیاز تھے۔ مال و زر کی نہ خواہش تھی نہ محبت۔ کیلکیا کے شہر مصیصہ میں مقیم تھے۔ ان کے والد کا ایک خادم آیا اور آکر بتایا کہ آپ کے والد بلخ میں وفات پا گئے ہیں اور مال و دولت کی بڑی مقدار چھوڑ گئے ہیں۔ آپ نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور دس ہزار درہم کی رقم بھی اس غلام کے حوالے کر دی۔

اکثر ایسا ہوتا کہ فصل کی کٹائی سے جو مزدوری حاصل ہوتی وہ غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتے۔ رات بھر عبادت الٰہی میں مصروف رہنے کے باوجود سارا سارا دن

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۱/ ۳۵۵ والذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۷/ ۳۸۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصلیں کاٹتے اور اتنی تیزی اور ہمت سے کام کرتے کہ دیکھنے والے حیران و ششدر رہ جاتے۔ سلطان ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ ایک باعمل، زاہد، دن کو روزہ رکھنے والے اور رات کو عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے والے صوفی تھے۔ ان کے نزدیک توکل مانع محنت و مزدوری نہ تھا۔ بہت سے قدیم صوفیائے کرام کی طرح انھوں نے اس بات کی پوری احتیاط رکھی کہ دینی مفہوم کے مطابق رزق حلال حاصل ہو۔[1]

طبقہ اولیٰ کے صوفی

مشہور صوفی مصنف ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "طبقات الصوفیہ" میں سلطان ابراہیم بن ادھم کو طبقۂ اولیٰ کے صوفیاء میں شمار کیا ہے۔ سب سے پہلے فضیل بن عیاض کے حالات درج کیے ہیں، پھر ابراہیم بن ادھم کے احوال و اقوال درج کیے ہیں۔[2]

امام قشیری نے اپنی تصنیف الرسالۃ القشیریہ میں زاہدوں اور عابدوں کے احوال و آداب لکھتے ہوئے سب سے پہلے سلطان ابراہیم بن ادھم کا ذکر کیا ہے۔[3] ان کے کمالات کی وجہ سے مختلف زبانوں میں ان کے بارے میں ایک افسانوی ادب بھی پیدا ہوگیا ہے۔

ابراہیم بن ادھم کے ملفوظات

ان کے زہد کا یہ حال تھا کہ کہا کرتے تھے کہ پاکیزہ اور حلال رزق رات بھر عبادت کرنے اور دن بھر روزہ رکھنے سے بہتر ہے۔ ایک شخص نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ سے کہا کہ گوشت مہنگا ہوگیا ہے۔ فرمانے لگے کہ سستا کردو، یعنی خریدنا بند کردو۔

1. ابن الجوزی، المنتظم: ۸/ ۳۵۸ و ابن عساکر، تاریخ دمشق: ۶/ ۲۷۸
2. السلمی، طبقات الصوفیہ، ص: ۳۵
3. القشیری، الرسالہ: ۱/ ۳۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کے چند صوفیانہ ملفوظات ملاحظہ ہوں، فرماتے ہیں:

نیکوکار لوگوں کا درجہ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نعمت و آسائش کو چھوڑ کر سختی اور تکلیف کی زندگی اختیار کرو، تکبر و نخوت کی جگہ عجز و انکسار، راحت کی جگہ تکالیف، نیند کی جگہ بے خوابی اور دولت کی جگہ فقر پسند کرو۔ امیدوں کی دنیا میں جینے کے بجائے موت کی فکر کیا کرو۔

فرمایا کہ

فقر ایک خزانہ ہے جسے اللہ نے آسمان میں رکھ چھوڑا ہے اور وہ یہ خزانہ صرف انھی لوگوں کو عطا کرتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے۔

اللہ کو پہچاننے والے کی نشانی یہ ہے کہ وہ ہر وقت نیکی اور عبادت کی فکر میں رہتا ہے اور اس کا بیشتر کلام خدا کی حمد و ثنا پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے نزدیک سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے دیدار سے محروم نہ کرے۔

ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ کا قول ہے کہ

جود و سخا، بخشش و عطا اور ہمدردی و غمگساری سب ختم ہو چکی ہے۔ جس شخص کے پاس نہ مال ہو اور نہ کھانے پینے کی چیزیں تو اسے چاہیے کہ وہ خندۂ پیشانی اور اخلاق حسنہ کے ساتھ لوگوں سے پیش آئے۔ مال و دولت کی کثرت تمھیں غریبوں کے مقابلے پر متکبر و مغرور نہ بنا دے اور کمزور لوگوں سے میل جول بھی ختم نہ کرو۔

ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے کہا کہ

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا: تین خصلتیں تین جگہوں پر نظر آ جاتی ہیں: حلم و بردبار آدمی کا پتہ غیظ و غضب کے وقت چلتا ہے، بہادر و شجاع آدمی کا پتہ صرف میدان جنگ میں چلتا ہے، جب دشمنوں سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقابلہ ہو اور مخلص دوست کا پتہ ضرورت و احتیاج کے وقت چلتا ہے۔[1]

ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں ایک عجیب قصہ بیان کیا ہے، وہ یہ کہ ۱۵۰ھ میں ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ جب حج کرنے کے لیے مکہ گئے تو ایک جن بھی ان کے ساتھ ہو لیا اور تین دن کی رفاقت کے بعد غائب ہو گیا۔[2،3]

---

[1] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۰/ ۱۳۷ و ابن عساکر، تاریخ دمشق: ۶/ ۲۸۳

[2] أبونعیم الأصفہانی، حلیۃ الأولیاء: ۷/ ۳۷۸

[3] تخریج مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس۔ ذیلی سرخیاں از ادارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اندلس کا صوفی، ابن عربی[1]

(۵۶۰ھ-۶۳۸ھ)

اندلس کے مشہور مفکر ابن عربی نے اسلامی علوم اور عربی ادب میں نئے انداز فکر کی بنیاد رکھی۔ ابن عربی پہلا صوفی مفکر ہے جس نے تصوف اور حکمت و فلسفہ کی آمیزش سے نیا ادب پیدا کیا۔ اس نے اسلامی تصوف میں نئی مصطلحات اور ترکیبوں کا اضافہ کیا۔ وہ ایسا دانائے راز ہے جس نے خالق و مخلوق کے تصور و تعلق کو نئے الفاظ میں پیش کیا اور قرآن و حدیث پر غور و فکر کی نئی راہیں تلاش کیں۔ ابن عربی بیک وقت صوفی بھی ہے اور مفکر بھی۔ وہ صاحب طرز ادیب بھی ہے اور شاعر بھی۔ فقیہانہ اجتہاد میں پوری مہارت رکھنے کے علاوہ ابن عربی تصوف میں نئے مکتب فکر کا بانی ہے اور وحدت الوجود کا تصور ابن عربی کا نمایاں کارنامہ ہے۔ ابن عربی کو شیخ الاکبر کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور اندلسی حلقوں میں ابن سراقہ کے نام سے بھی مشہور ہے۔[2]

ابتدائی حالات

ابوبکر محمد بن علی محی الدین ابن عربی ۱۷ رمضان المبارک ۵۶۰ھ (۲۸ جولائی ۱۱۶۴ء) میں بمقام مرسیہ پیدا ہوا۔ وہ اہلِ عرب کے مشہور شاعر اور سخی حاتم طائی کی اولاد میں سے تھا۔ ۵۶۸ھ (۱۱۷۲ء) میں ابن عربی کا خاندان اشبیلیہ میں جا بسا۔ تیس برس کی عمر تک ابن عربی کو اسی شہر میں مقیم رہنے کا موقع مل گیا۔ یہ شہر علوم و فنون کا ایک اہم مرکز تھا۔ چنانچہ ابن عربی نے علوم اسلامیہ بالخصوص قرآن و حدیث اور فقہ کے مشہور اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ابتدائی عہد میں ادبیات کی طرف زیادہ رجحان تھا

[1] یہ مقالہ ہفت روزہ ''لیل و نہار'' لاہور، جولائی ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔

[2] الزرکلی، الاعلام: ۲۸۱/۶۔ نیز دیکھیے: ارمغان ابن عربی، اشرف علی تھانوی، تصوف فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۹۹ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور علم و ادب میں اتنا کمال پیدا کیا کہ بعض حکمرانوں کے کاتب (سیکریٹری) کی حیثیت میں بڑی خوش اسلوبی سے خدمات انجام دیتا رہا۔[1]

۵۹۰ھ (۱۱۹۴ء) میں تونس کی سیر و سیاحت کی۔ مشرقی ممالک کی سیر کرتے ہوئے ۵۹۸ھ (۱۲۰۱ء) میں مکہ مکرمہ جا پہنچا۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ شیخ ابن عربی کی زندگی اور انداز فکر میں خوابوں کو بڑا دخل رہا ہے۔ انھیں خوابوں پر بڑا اعتقاد تھا۔ ایک مرتبہ سفر کرتے کرتے بجایہ کے مقام پر قیام ہوا۔ اس عرصے میں شیخ ابن عربی نے ایک خواب دیکھا اور اس خواب کی تعبیر یوں کی کہ شیخ موصوف علم و حکمت اور تصوف و معرفت کا ایسا بحر ذخار ہوگا جسے قرار و ساحل سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ اس خواب نے ابن عربی کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا اور اسی خواب کی بنا پر شیخ نے تمام ظاہری و باطنی کمالات حاصل کیے۔

شیخ ابن عربی نے دو مرتبہ بغداد کا سفر کیا۔ ایک مرتبہ تو ۶۰۱ھ میں اور دوسری مرتبہ ۶۰۸ھ میں۔ بیت اللہ شریف کے شوق زیارت نے ۶۱۱ھ میں پھر مکہ مکرمہ پہنچا دیا۔ ارض مقدسہ میں چند ماہ قیام کے بعد ۶۱۲ھ میں حلب جا نکلے۔ دوران سفر میں موصل اور ایشیائے کوچک کی سیر و سیاحت بھی کی۔

علمی شہرت و مقبولیت

آپ جہاں کہیں پہنچے علم و دانش اور فکر و عمل کی شہرت ساتھ گئی۔ ہر جگہ پر جوش خیر مقدم ہوا۔ اہل قلب و نظر نے نذرانۂ عقیدت پیش کیا اور اہل ثروت نے ہدیۂ سیم وزر، لیکن یہ مرد درویش علم و حکمت اور دانش و معرفت کی اقلیم کا تاجدار تھا۔ فقر و بے نیازی کا یہ حال تھا کہ دولت و ثروت اور دنیوی عز و جاہ اس کی نظر میں پرکاہ جتنی حیثیت بھی نہ رکھتے تھے۔ اگر سیم و زر کے ڈھیر بھی پیش کیے جاتے تو شیخ محتاجوں اور غریبوں میں تقسیم کر دیتے۔ ایشیائے کوچک کے ایک عیسائی حکمران نے شیخ کی رہائش کے لیے ایک مکان پیش کیا۔ شیخ نے وہ مکان بھی ایک فقیر و قلاش آدمی کو بخش دیا۔ مختصر یہ کہ اس صوفی مفکر نے اپنی

[1] الزرکلی، الاعلام: ۶/۲۸۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شان بے نیازی، خودی، فقر و قلندری، علم و حکمت اور تصوف و معرفت کا سکہ ہر جگہ بٹھایا۔

شیخ ابن عربی نے دمشق کو اپنا وطن بنایا اور وہیں ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء میں سفر آخرت اختیار کیا۔[1]

ابن عربی کی تصانیف

ابن عربی بلا کا ذہین اور طبّاع انسان تھا۔ سیر و سیاحت، تجربات اور شوق علم نے اس میں بڑی پختگی پیدا کر دی تھی۔ اس کے ہاں علم کی فراوانی کے ساتھ ساتھ قلم کی روانی بھی موجود ہے۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں غزالی اور ابن سینا جیسے شہرۂ آفاق اہل قلم اور صاحب علم بھی اس کے سامنے ماند پڑ جاتے ہیں۔

جرمن مستشرق بروکلمن نے اپنی مشہور کتاب تاریخ ادبیات عربی میں ابن عربی کی اڑھائی سو مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی اس رائے کا بھی اظہار کیا ہے کہ ابن عربی کے ہاں کثرت تالیفات کے ساتھ وفور عقل اور وسعت خیال بھی موجود ہے۔ خود ابن عربی نے اپنی وفات سے چھ برس پہلے یعنی ۶۳۲ھ میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ اس کی اپنی تصنیفات کی تعداد دو سو نوے کے قریب ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی نے نفحات میں ابن عربی کی تالیفات بشمول کتب و رسائل پانچ سو لکھی ہیں۔

شعرانی نے الیواقیت والجواہر میں ابن عربی کی تالیفات کی تعداد چار سو بتائی ہے۔

بہرحال یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہمارا یہ صوفی منفرد فکر کے ساتھ کم و بیش دو سو کتابوں کا مصنف بھی ہے۔[2]

شیخ ابن عربی کی تصنیفات میں ''الفُتُوحَاتُ الْمَكِّيَة'' اور ''فُصُوصُ الحِكَم'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ فاضل مصنف نے الفتوحات المکیہ ۵۹۸ھ میں لکھنا شروع کی اور ۶۳۵ھ میں مکمل کی۔ یہ بڑی ضخیم کتاب ہے اور بڑے عمدہ علوم اور فوائد پر

---

[1] معجم شعراء العرب، ص:۲۱۱۶

[2] اردو دائرہ معارف اسلامیہ:۱/۲۰۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مشتمل ہے۔ اس میں شرح و بسط کے ساتھ تصوف کے نظری اور عملی خدوخال اجاگر کیے گئے ہیں۔ شیخ ابن عربی نے اس کتاب میں علوم و معارف کا بیش بہا ذخیرہ جمع کرنے کے علاوہ تصوف کے بنیادی حقائق و معارف قلم بند کر دیے ہیں۔ شیخ موصوف کی دوسری کتابوں کی طرح فتوحات کو بھی احتیاط سے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ بڑے بڑے علماء اور فضلاء شیخ ابن عربی کی کتابوں کا بڑی دقت نظر اور غور سے مطالعہ کیا کرتے تھے۔ کیونکہ اکثر اوقات اس صوفی مفکر کے الفاظ و مطالب میں خاصا بُعد ہوتا ہے۔[1]

''فصوص الحکم'' شیخ ابن عربی کی بڑی معرکہ آراء تصنیف ہے۔ اس کتاب کی تصنیف بھی ایک خواب پر مبنی ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی نے ۶۲۷ھ میں ایک خواب دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے اور آپ ﷺ نے اس کتاب کا نام ''فصوص الحکم'' بتایا اور یہ کتاب ابن عربی کو عطا کر دی۔ ساتھ ہی فرمایا کہ ''یہ کتاب لوگوں تک پہنچا دو۔'' چنانچہ اس خواب کی بنا پر ابن عربی نے فصوص الحکم تصنیف کی۔[2]

فصوص الحکم اس زمانے کی یادگار ہے جب کہ ابن عربی کے فکر و نظر اور علم و دانش میں بڑی وسعت اور پختگی آ چکی تھی۔ یہ حقیقت تو ظاہر ہے کہ شیخ ابن عربی بیک وقت صوفی بھی ہے اور مفکر و فلسفی بھی۔ وہ ایسا مفکر ہے جو تحلیلی اور ترکیبی طریق کو چھوڑ کر رموز و اشارات اور خیالی اسلوب کی پناہ لیتا ہے۔ وہ ایسے مدرسۂ فکر کا بانی ہے جس میں تصوف اور فلسفہ کا امتزاج ہے۔ لوگوں نے شیخ ابن عربی کے فلسفیانہ خیالات کی تعبیر کے لیے رمز و کنایہ سے کام لیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ فصوص الحکم کے مطالعہ میں بڑی دقتیں اور مشکلات پیش آتی ہیں۔ کہیں تصوف ہے اور کہیں فلسفہ۔ حقیقت کو رموز و کنایات کے پردوں میں چھپا دیا ہے۔ اسی لیے فصوص کے مطالعہ کے بعد کئی شیخ ابن عربی سے بدظن ہو گئے۔

1۔ ابن عربی کی یہ کتاب بڑی مفصل ہے۔ ابھی تک مکمل کتاب کا اردو ترجمہ نہیں ہوا۔ البتہ بعض اجزاء کا ترجمہ مطبوع و متداول ہے۔

2۔ فصوص الحکم کتاب کا ایک اہم اردو ترجمہ عبدالقدیر صدیقی کا ہے جو مطبوع و متداول ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابن تیمیہ جیسا فاضل اور محقق عالم بھی یوں اظہار خیال کرتا ہے:

''عرصہ ہوا مجھ کو ابن عربی سے بہت حسن ظن تھا اور میں ان کی بہت عزت کرتا تھا، کیونکہ فتوحات مکیہ وغیرہ کتابوں میں بڑے عمدہ فوائد تھے، لیکن جب میں نے فصوص الحکم دیکھی تو میں رائے تبدیل کرنے پر مجبور ہو گیا۔''[1]

تاہم اس میں شبہ نہیں کہ فصوص الحکم بڑی اہم کتاب ہے۔ اس میں وجدان وکشف بھی موجود ہے جو صوفیاء کا خاصہ ہے۔ ابن عربی کے حامیوں کی رائے ہے کہ شیخ کو سمجھنے کے لیے فکر ونظر کے ساتھ ذوق سلیم اور صوفیانہ وجدان بھی ضروری ہے۔

اس کتاب میں ستائیس نگینے (فصوص) ہیں اور ہر ایک نگینۂ حکمت میں ایک نبی کے بارے میں قرآنی آیات پر اپنے خاص اسلوب میں بحث کی ہے اور نبی موصوف کو ایک خاص زمانے میں انسانیت کا نمائندہ ظاہر کیا ہے جو انسان کامل کی شکل وصورت میں اللہ تعالیٰ کو خوب پہچانتا ہے۔

فصوص الحکم میں فلسفۂ الٰہیات اور تصوف کی آمیزش ہے۔ شیخ کا مقصد یہ نہیں کہ تصوف کے نظری اور عملی مسائل بیان کرے اور نہ یہ کہ محض فلسفیانہ موشگافیوں کی ترویج کرے۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ مسائل فقہ کو صوفیانہ انداز میں ڈھالے، بلکہ ابن عربی کا مقصد یہ ہے کہ صوفیاء کے فلسفہ کو دین ودانش کی روشنی میں مختصراً بیان کرے۔ وہ ذاتی تجربات کی روشنی میں اپنے نہایت دقیق صوفیانہ اسلوب وذوق کے ساتھ اللہ، کائنات اور انسان سے متعلق مسائل پر اظہار خیال کرتا ہے۔

شیخ ابن عربی کی فصوص الحکم ایک عرصہ تک اہل قلب ونظر کی توجہ کا مرکز بنی رہی۔ شیخ صدر الدین قونوی، مولانا داؤد قیصری، مولانا عبدالرحمٰن جامی اور دیگر لوگوں نے عربی زبان میں شرحیں لکھیں اور نعمت اللہ شاہ ولی نے فارسی میں شرح لکھی۔

[1] ابن تیمیہ، مجموع الرسائل: ۱/۱۷۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ ابن عربی کے اکثر شارحین پر شیخ کا علمی اور روحانی رعب اس درجہ چھایا ہوا ہے کہ وہ قرآنی آیات کی تاویل کرلیں گے، لیکن شیخ کے قول کی تاویل نہیں کرتے۔[1]

شیخ ابن عربی کے تصوف کا بنیادی اصول

شیخ ابن عربی کے تصوف اور فکر ونظر کا دارومدار اس اصول پر ہے:

(۱) صرف اللہ تعالیٰ وجود بالذات کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا تمام کائنات کا وجود بالعرض ہے۔

مولانا حسرت موہانی نے یہی خیال اپنے کلام میں یوں ظاہر کیا ہے ؎

ممکن کا بالعرض وجود
ہستی حق ہی حقیقت ہے

(۲) ذات حق ہی موجودات کا اصل ہے۔ اللہ کے سوا کسی چیز کا وجود اصلی اور مستقل نہیں۔

بقول مولانا حسرت موہانی ؎

خارج میں ہے اصل وجود
علم میں ساری حقیقت ہے

شیخ ابن عربی کی عادت ہے کہ جب ایک بار ایک مسئلے کو جامع طریق سے قیود و شرائط کے ساتھ بیان کردیتے ہیں تو پھر قاری کے فہم پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ اس اصول کو ہمیشہ پیش نظر رکھے گا۔ پھر ان شرائط و قیود کو دہرانے کی زحمت نہیں اٹھاتے، مثلاً ایک دفعہ لکھ دیا کہ موجود بالذات خدا کے سوا کوئی نہیں۔ اس کے سوا سب چیزیں موجود بالعرض ہیں۔ پھر کہیں کہہ دیں گے کہ خدا کے سوا موجود بالذات کوئی نہیں۔ یہ کہنے سے شیخ کا مفہوم ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ حقائق اشیا باطل ہیں، یا یہ کہ بندے میں اور خدا میں

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۱/۶۰۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کوئی فرق نہیں۔

شیخ ابن عربی کا یہ اسلوب ہے کہ اصطلاحی اور لغوی معنوں کو ایک ہی عبارت میں جمع کر کے مختلف مفہوم ادا کرنے کے لیے ایک ہی لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح ایک لفظ کا دو مختلف معنوں میں استعمال قارئین کے لیے لغزشِ فہم کا باعث بن جاتا ہے۔

شیخ ابن عربی کے کلام کی یہ بھی ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ دوسرے شخص کا قول یا شعر اپنے حسب حال معنوں میں ڈھال لیتے ہیں۔[1]

شیخ کے کلام میں یہ بات بھی عام ہے کہ وہ قرآن مجید کی آیات کو اپنی عبارت میں نقل کرتے ہیں۔ مقصد تفسیر نہیں ہوتا، بلکہ اپنے مسلک کی تائید ہوتا ہے۔

ہمارے اس صوفی مفکر کے ہاں مختلف علوم بالخصوص علم کلام، منطق اور ہیئت کے مسائل کی طرف اشارات موجود ہیں جن کا عام قاری کے لیے سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

شیخ ابن عربی نے اپنے عقائد کی وضاحت کرتے ہوئے اپنی مشہور کتاب فتوحات مکیہ میں لکھا ہے:

(۱) اللہ ایک ہے، الوہیت میں اس کا کوئی ثانی نہیں، وہ بیوی بچوں سے پاک ہے۔ وہ سب کا مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہ بذاتہٖ موجود ہے اور وہ کسی موجد کا محتاج نہیں ہے۔

(۲) میں (ابن عربی) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان رکھتا ہوں اور آنحضرت ﷺ جو کچھ عقائد و احکام لائے ہیں میں ان سب پر ایمان لایا ہوں اور وہ احکام دینوی جو میں جانتا ہوں اور جو میں نہیں جانتا سب پر ایمان رکھتا ہوں۔

---

[1] شیخ ابن عربی کی کلام کی مشکلات کو پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ دیکھیے: شرح دیوان غالب، ص: ۱۹۱-۱۹۳۔ نیز دیکھیے: مقدمہ فصوص الحکم اردو از عبدالقدیر صدیقی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گزشتہ چند برسوں سے ابن عربی کے حالات زندگی اور تصانیف پر اہل علم حضرات نے خاصی توجہ فرمائی ہے اور مشرق و مغرب کے اہل قلم نے ان کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور فصوص الحکم ایسی کتاب کے عمدہ اور تشریحی ایڈیشن شائع کیے ہیں۔[۱،۲]

۱ ابن عربی کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے: محمد حسین الذہبی، تفسیر ابن عربی للقرآن، :۱۴ و ابراہیم البقاعی، مصرع التصوف، ص:۲۴ و عبدالرحمٰن بن عبدالخالق، ابن عربی، ص:۱۲

۲ تخریجِ مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس۔ ذیلی سرخیاں از ادارہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

شیخ جلال الدین بخاری رحمہ اللہ

(۷۰۷ھ-۷۸۵ھ)

اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے اور امن و سلامتی کی راہوں سے ہی عوام و خواص کے دلوں میں جاگزین ہوا۔ برصغیر پاک و ہند میں اسلام پھیلنے کے اسباب میں سے ایک بزرگ اور روحانی پیشوا تھے۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرنے والے بزرگوں میں حضرت علی ہجویری، حضرت نظام الدین اولیاء، خواجہ معین الدین چشتی، حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ اور ان کی اولاد پیش پیش نظر آتے ہیں۔ ان بزرگان دین نے صحراؤں اور ریگستانوں میں، گاؤں اور شہروں میں لَا اِلٰـہ اِلَّا اللّٰہ کا پیغام پہنچایا۔ مخلوق خدا کی روحانی پیاس بجھائی اور ان کے دلوں میں اسلام کی شمع روشن کر کے کفر و شرک کی تاریکیوں کو ختم کر دیا۔ اس مقدس جماعت کے ایک بزرگ حضرت جلال الدین حسینی بخاری ہیں جو عام طور پر مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے نام سے مشہور ہیں۔[1]

ابتدائی حالات

حضرت جلال الدین بخاری حسینی سید ہیں۔ آپ کے والد کا نام سید احمد کبیر تھا اور آپ کے دادا سید جلال الدین گلرخ بخارا کے رہنے والے تھے، مگر ترک وطن کر کے ملتان اور بھکر کے علاقے میں آباد ہو گئے تھے۔ سید جلال الدین بخاری کے والد سید احمد کبیر نے حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ کے خلیفہ اور فرزند ابوالفتح رکن الدین کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ کی دینی خدمات میں تبلیغ اسلام سرفہرست ہے۔ آپ کی کوششوں سے ہزارہا لوگوں نے راہ ہدایت اختیار کی اور اسلام کی

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۷/۳۲۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دولت سے مالا مال ہوئے۔[1]

حضرت سید جلال الدین بخاری جہانیاں اُچ میں ۷۰۷ھ/ ۱۳۰۷ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اُچ میں حاصل کرنے کے بعد ملتان پہنچے اور تحصیل علم میں مصروف رہے۔ مگر جذبہ تحصیل علم کی تسکین ممکن نہیں۔ شوق علم نے انھیں جہاں گشت بنا دیا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علاوہ مصر و شام، فلسطین و عراق، بلخ و بخارا اور خراسان و کازروں کے دور دراز سفر اختیار کر کے علم دین کی تکمیل کرتے رہے۔ اس زمانے کے وسائل آمد و رفت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ تحصیل علم کے لیے صعوبتیں اور تکالیف برداشت کرنا انھی بزرگوں کا حوصلہ تھا۔

علم دین میں علم حدیث کو خاص اہمیت اور مقام حاصل ہے۔ علمائے امت نے حدیث کے جن مجموعوں کو صحیح ترین کتب حدیث قرار دیا ہے، ان چھ کتب حدیث کے نام بھی سن لیجیے: صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداود، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ۔ یہ کتابیں صحاح ستہ کہلاتی ہیں۔ سید جمال الدین بخاری رحمہ اللہ نے مکہ مکرمہ کے مقدس شہر میں صحاح ستہ پڑھی۔ حضرت عبداللہ الیافعی کے ہم سبق تھے۔ وطن واپس آ کر انھوں نے تبلیغ دین اور اشاعت علم دین کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ ویسے تو برصغیر کی دینی خدمات بڑی نمایاں اور گراں قدر ہیں، لیکن علم حدیث کی تعلیم و ترویج میں بالخصوص ہمارے بزرگوں نے خدمات انجام دی ہیں۔ اس سلسلے میں اس خاندان کی اتنی خدمات ہیں کہ امت ان کی ہمیشہ احسان مند رہے گی۔ اس کی صرف ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔

نواب صدیق حسن کے جد امجد

پچھلی صدی میں ایک عالم نواب صدیق حسن خان، جن کی وفات ۱۸۹۰ء میں ہوئی، وہ چودھویں پشت میں سید جلال الدین بخاری رحمہ اللہ کے خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ نواب صدیق حسن خان نے ایک طرف تو علوم دینیہ بالخصوص حدیث پر بہت سی

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۷/ ۳۲۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتابیں تصنیف کیں اور دوسری طرف علم حدیث کے ماہر علماء کی سرپرستی فرمائی۔ نیز غیر مطبوعہ قدیم کتب حدیث کو شائع کر کے دنیائے اسلام کے لیے مطالعۂ حدیث کی راہیں کھول دیں۔ یہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ عربی، فارسی اور اردو میں علوم دینیہ کی جو گراں قدر خدمات نواب صدیق حسن خان نے سرانجام دیں اس کی مثال نہیں ملتی۔[1]

سید جلال الدین بخاری بڑے بلند پایہ روحانی پیشوا تھے اور آپ کو خرقۂ خلافت حضرت نصیر الدین چراغ دہلی رحمہ اللہ سے ملا تھا۔ اس نسبت سے صبر و رضا اور فقر و قناعت میں نام پایا۔

علوم ظاہری و باطنی میں مقام

سید جلال الدین بخاری رحمہ اللہ نے علوم ظاہری و باطنی میں اتنا بلند مقام حاصل کر لیا تھا کہ اس کی بنا پر سلطان محمد تغلق نے انھیں شیخ الاسلام مقرر کیا۔ ان کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے سلطان فیروز شاہ تغلق بھی ان کی بڑی عزت و تکریم کیا کرتا تھا۔ ہمارے سلاطین ان روحانی پیشواؤں سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور ان کے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہوتے رہتے تھے۔ ادھر ان بزرگوں کو بھی اپنے سیاسی حکمرانوں سے سچی محبت تھی اور وہ ان کی اور ملک و ملت کی خیر خواہی کے پیش نظر ان سلاطین کے ہاں آمد و رفت رکھتے تھے، تاکہ وہ دین سے غافل ہو کر عدل و انصاف سے چشم پوشی نہ کرنے لگیں۔ چنانچہ حضرت جلال الدین بخاری رحمہ اللہ کا یہ دستور تھا کہ وہ ہر دوسرے تیسرے سال سلطان فیروز شاہ تغلق سے ملنے دہلی جایا کرتے تھے اور سلطان کو وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان فیروز شاہ تغلق کی مذہبی حکمت عملی پر حضرت مخدوم جہانیاں کے گہرے اثرات نظر آتے ہیں۔ ہمارے یہ بزرگان دین اور روحانی پیشوا جہاں خرقہ و جادہ رکھتے تھے وہاں میدان جہاد کے بھی شہسوار تھے۔ جب سلطان فیروز شاہ ۷۶۴ھ/۱۳۶۲ء میں ٹھٹھہ کی مہم پر گیا تو حضرت جہاں گشت مخدوم جہانیاں رحمہ اللہ اس مہم میں سلطان کے ساتھ تھے۔

---

[1] الزرکلی، الأعلام: ۶/۱۶۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زہد و تقویٰ، علم و فضل، رضا و تسلیم اور قناعت و توکل کے پیکر حضرت جلال الدین بخاری رحمہ اللہ نے بڑی مجاہدانہ اور مصروف زندگی بسر کرنے کے بعد ۱۰ ذوالحجہ ۷۸۵ھ/۳ فروری ۱۳۸۴ء کو وفات پائی اور اُچ میں مدفون ہوئے۔

تصانیف

تین کتابیں ان کی یادگار ہیں جن میں ان کے اقوال و احوال مندرج ہیں:

(۱) پہلی کتاب "خلاصۃ الالفاظ لجامع العلوم" ہے جو علاؤ الدین الحسنی نے مرتب کی تھی۔ اس کا مخطوطہ رام پور میں موجود ہے۔ اس کا اردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمۃ ملفوظات المخدوم کے نام سے دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔

(۲) دوسری کتاب کا نام "سراج الہدایہ" ہے۔

(۳) تیسری کتاب "خزانہ جلالی المعروف بہ مناقب مخدوم جہانیاں" ہے، جسے ابوالفضل عباسی نے مرتب کیا ہے۔ یہ تمام کتابیں خاصی ضخیم ہیں۔

(۴) اس سلسلے میں ایک اور کتاب بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے، جس کا نام "خزانۃ الفوائد الجلالیہ" ہے۔ جسے احمد بن یعقوب نے ۷۵۲ھ میں تالیف کیا۔ اس کتاب میں حضرت مخدوم جہانیاں رحمہ اللہ کی تعلیمات پیش کی گئی ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ ان بزرگوں نے کس لگن، محنت، شوق اور جذبے سے اس راہ میں بے شمار مصیبتوں اور صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ دینی علوم کو حاصل کیا اور پھر کس جرأت و ہمت اور جوش و خروش کے ساتھ دین کی تبلیغ و اشاعت میں حصہ لیا۔ ہزاروں انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنے اور مخلوق خدا کو اپنے خالق حقیقی کی چوکھٹ پر لا کھڑا کیا۔ وہ اپنے کردار و عمل کی وجہ سے ایک طرف تو مرجع عوام بن گئے اور دوسری طرف سلطان وقت کے دینی مشیر اور روحانی وزیر ٹھہرے۔[۱،۲]

---

۱ تفصیل حالات کے لیے دیکھیے، اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۷/۳۲۰

۲ تخریج مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس۔ ذیلی سرخیاں از ادارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمہ اللہ

ایک نامور عالم اور صوفی

(۹۷۱ھ-۱۰۱۲ھ)

ابو المؤید رضی الدین خواجہ محمد باقی باللہ رحمہ اللہ برصغیر کے مشہور و معروف عالم دین اور شہرہ آفاق صوفی گزرے ہیں۔ آپ اپنے وقت کے امام و مقتدا تھے۔ ظاہری اور باطنی کمالات کے جامع اور تقویٰ، اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ کے پیکر تھے۔

دسویں صدی ہجری کے آخر اور گیارھویں صدی کے آغاز میں پیدا ہونے والی روحانی اور مذہبی تحریکوں کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کی ذات گرامی احیائے سنت و اماتت بدعت[1] کی تمام تحریکوں کا سرچشمہ اور منبع تھی۔ آپ نے برصغیر پاک و ہند میں سنت طیبہ کی شمع روشن کر کے بدعت کے اندھیرے دور کیے اور علم و عمل کی مشعل پیش کر کے سینوں کو نور ایمان سے منور کر دیا۔ احیائے دین اور ترویج شریعت کے سلسلے میں آپ نے عظیم الشان کارنامے سرانجام دیے۔[2]

ابتدائی حالات

آپ کے ملفوظات اور مکتوبات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ محمد باقی باللہ رحمہ اللہ ۵ ذوالحجہ ۹۷۱ھ/۱۵ جولائی ۱۵۶۴ء کو کابل میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بزرگوار قاضی عبدالسلام اپنے زمانے کے ممتاز اور نامور عالم دین تھے۔ حدیث و فقہ میں بڑی شہرت رکھتے تھے، اسی لیے اپنے ملک میں بڑی عزت و عظمت کے مالک تھے۔

---

[1] سنت کو زندہ اور بدعت کو ختم کرنا۔

[2] تفصیل حالات کے لیے دیکھیے، اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۹۸۲/۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خواجہ صاحب نے ابتدائی تعلیم گھر میں اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم سے فارغ ہو کر مزید تعلیم و تربیت کے لیے ایک عظیم استاذ ملا صادق کے سپرد کیے گئے۔ ملا صاحب موصوف اپنے عہد کے یگانۂ روزگار علماء میں سے تھے۔ علوم ظاہری کے ساتھ کمالات باطنی میں بھی فائق تھے۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے ظاہری علوم اور باطنی کمالات بھی اپنے استاد ملا صادق سے حاصل کیے۔

اساتذہ و اسفار

خواجہ صاحب کو اپنے استاذ محترم سے حد درجہ عقیدت و محبت تھی۔ وہ ہر وقت اپنے استاد کی مصاحبت میں رہتے تھے۔ چنانچہ جب ملا صادق ماوراء النہر[۱] جانے لگے تو خواجہ صاحب بھی اپنے استاد کے ہمراہ ماوراء النہر روانہ ہو گئے۔ یہ سفر خواجہ صاحب کے لیے کئی گوناگوں فوائد کا ذریعہ ثابت ہوا۔ ایک تو یہ فائدہ ہوا کہ اپنے استاد سے علوم ظاہری کی مزید تکمیل کا موقع میسر آ گیا، دوسرے یہ کہ علوم تفسیر و حدیث و فقہ کی تحصیل کے سلسلے میں ماوراء النہر کے علماء و فضلاء سے استفادے کے مواقع بکثرت میسر آئے۔ تھوڑے ہی عرصے میں، نوعمری کے باوجود خواجہ صاحب کا شمار جید علماء میں ہونے لگا اور دور دراز تک ان کی شہرت پھیل گئی۔

ماوراء النہر کے زمانۂ قیام ہی کی بات ہے کہ علوم ظاہری کے حصول کے بعد خواجہ صاحب کے دل میں معرفت حق اور تقرب الی اللہ کے لیے بے پایاں تڑپ پیدا ہوئی، لہٰذا وہاں جو بھی خدارسیدہ بزرگ ملا اس کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے اور اس طرح خاموشی کے ساتھ راہ سلوک کی منزلیں طے کرتے رہے۔ خواجہ صاحب کے زمانے میں سرزمین برصغیر پاک و ہند کو اولیاء اللہ کی وجہ سے بڑی عظمت و شہرت حاصل تھی، لہٰذا خواجہ صاحب ماوراء النہر سے برصغیر تشریف لائے اور روحانی رہنما کی تلاش و جستجو شروع کر دی۔ چنانچہ آپ متعدد اربابِ طریقت سے فیض حاصل کرنے کے بعد

۱ دریائے آموکے شمال میں واقع علاقے کا قدیم نام۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۱۸/۴۱۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھر ماوراء النہر واپس چلے گئے۔ وہاں خواجہ عبید اللہ احرار کے خلیفہ خواجہ محمد امکنگی سے اجازت وخرقہ حاصل کرنے کے بعد ۱۰۰۸ھ/ ۱۵۹۹ء میں برصغیر کی سرزمین میں لوٹ آئے۔ ایک سال لاہور میں قیام فرمایا اور بہت سے علماء کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ پھر دہلی کا رخ کیا اور وہاں قلعہ فیروزیہ میں قیام پذیر ہوئے اور آخری وقت تک درس وتدریس اور وعظ وتلقین میں مصروف رہے۔ جو کوئی بھی خواجہ صاحب کے زیر اثر اور زیر تربیت آیا، اس کی زندگی میں روحانی اور علمی انقلاب آ گیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ جیسے نابغہ روزگار نے بھی آپ کے دامن تربیت سے وابستہ ہو کر بہت فیض پایا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنے مرشد خواجہ صاحب سے بے حد عقیدت رکھتے تھے اور ہمیشہ ان سے اہم وقتی مسائل پر تبادلۂ خیالات کر کے ان کی رہنمائی حاصل کرتے رہتے تھے۔

شیخ محدث دہلوی رحمہ اللہ بڑے اچھے طریقے سے خواجہ صاحب کو اکبری فتنوں سے آگاہ بھی رکھتے تھے اور خواجہ صاحب ان کوائف واحوال کے پیش نظر اصلاحِ احوال کی طرف قدم اٹھاتے رہتے تھے۔[1]

اصلاحی خدمات

خواجہ صاحب میں اصولی سختی اور حکیمانہ نرمی کا حسین امتزاج تھا۔ خواجہ صاحب کی نظر معاشرے کے ان تمام گوشوں پر تھی جہاں اصلاح وتربیت کی ضرورت تھی۔ امراء، صوفیہ، علماء، طلبہ، سپاہی، تاجر، یعنی ہر طبقے اور ہر گروہ کے لوگوں کو آپ نے موقع اور مصلحت کے مطابق ہدایت وتلقین کی اور ایسے پُراثر انداز میں کہ جس نے ان کی بات سنی وہ گناہوں سے تائب ہو کر معاشرے کا مفید اور نیک فرد بن گیا۔

قیامِ دہلی کے زمانے میں حضرت خواجہ باقی باللہ نے ارشاد وہدایت کے فرائض بڑی سرگرمی سے انجام دیے اور مخلوقِ خدا کو بڑا فیض پہنچایا۔ عوام کے علاوہ خواص بھی

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۲/ ۲۱۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ اکابرین میں سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ احمد سرہندی المعروف بہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ، حسام الدین بدخشی رحمہ اللہ، شیخ ہداد دہلوی رحمہ اللہ اور دیگر بزرگوں نے ان سے بڑا فیض پایا۔

تصانیف

خواجہ صاحب دعوت وارشاد کے ساتھ صاحب تصنیف بھی تھے۔ ان کی تصانیف میں حسب ذیل کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

ان کی رباعیات کا مجموعہ سلسلۃ الاحرار، جس کی شیخ احمد سرہندی نے شرح لکھی۔ ان کی نظموں کا مجموعہ اور کلیات، ان کے خطوں کا مجموعہ بعنوان مکتوبات شریف حضرت خواجہ باقی باللہ چھپ چکا ہے۔

۲۵ جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ/ ۲ جولائی ۱۶۰۳ء کو دہلی میں فوت ہوئے۔

اخلاق و دینی خدمات

حضرت خواجہ صاحب کم بولتے، کم کھاتے اور کم سوتے تھے۔ دن بھر ذکر وفکر اور دعوت وارشاد میں مشغول رہتے اور رات بھر اللہ کی عبادت کرتے۔ زیادہ وقت تلاوت قرآن مجید میں صرف ہوتا۔ رات کا اکثر حصہ نوافل پڑھتے رہتے۔ درود شریف بکثرت پڑھتے تھے۔ تلاوت وعبادت سے فارغ ہوتے تو مخلوق خدا کی خدمت کرتے اور لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے کا خاص خیال رکھتے تھے۔

حضرت خواجہ صاحب پاکیزہ اخلاق اور اعلیٰ اوصاف کا بہترین نمونہ تھے۔ مخلوق خدا کے ساتھ حسن سلوک کرتے، خندۂ پیشانی اور خوش دلی سے پیش آتے۔ آپ انکسار اور تواضع کا پیکر تھے۔ نہ تو خود کبھی کسی کی دل آزاری کی اور نہ دوسروں کو اس کی اجازت دیتے، بلکہ ہمیشہ اس بات سے سختی سے روکا۔ لوگوں کی سختی کے مقابلے پر ہمیشہ نرمی اختیار کرتے بلکہ اکثر اوقات مسکرا کر درگزر فرما دیتے۔

المحبی نے ''خلاصۃ الاثر'' میں خواجہ صاحب کو آیۃ من آیات اللہ، نور من انوار اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور سرمن اسرار اللہ کے القاب سے یاد کیا ہے۔[1] اور "نزہۃ الخواطر" کے مصنف نے ان کے لیے حجۃ اللہ، قدوۃ الامہ، امام الائمہ، شیخ الاجل اور قطب الاقطاب کے معزز القاب استعمال کیے ہیں۔[2]

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کا قیام اور بقا و دوام انھی بزرگان دین کی مساعی جمیلہ کا مرہون منت ہے جنھوں نے شبانہ روز محنت اور دلی محبت سے دین کی تبلیغ و اشاعت کا فریضہ انجام دیا۔[3]

---

[1] المحبی، خلاصۃ الاثر: ۴/ ۲۸۸

[2] الطالبی، نزہۃ الخواطر: ۵/ ۵۵۱

[3] تفصیل کے لیے دیکھیے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۳/ ۹۸۲۔ ذیلی سرخیاں از ادارہ۔ تخریج از فیاض

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ

(۱۰۰۷ھ-۱۰۷۹ بمطابق ۱۵۹۹ء-۱۶۶۸ء)

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے خاندان کے چشم و چراغ اور ان کے جانشین تھے۔ اپنے نامور بزرگ باپ کی طرح برصغیر پاک و ہند میں احیائے دین اور قیام شریعت کے لیے ان کی مساعی جمیلہ بارآور ہوئیں۔ ان کی مبارک کوششوں سے برصغیر آج بھی اسلامی اقدار کا حامل اور کتاب وسنت پر عامل نظر آتا ہے۔ انھوں نے اپنے دور کی ہر بدعت اور ہر قبیح رسم کا استیصال کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ شرک وبدعت کے خلاف ہمیشہ سینہ سپر رہے اور بڑی بے باکی کے ساتھ حق گوئی اور دعوت الی الحق کا فریضہ بجالاتے رہے۔[1]

ابتدائی حالات

خواجہ محمد معصوم حضرت مجدد الف ثانی کے تیسرے صاحبزادے تھے۔ آپ سرہند میں ماہ شوال ۱۰۰۷ھ/۱۵۹۹ء میں پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار نے بیٹے کی ذہانت اور قابلیت کے پیش نظر ان کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دی۔ باپ کو اپنے فرزند ارجمند کی خداداد ذہنی اور فکری استعداد پر بجا طور پر ناز تھا اور آپ ان کی اس قابلیت کو اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم قرار دیا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا شریعت محمدی ﷺ کا علمبردار بن کر دین کی بڑی خدمت کرے گا۔ آپ نے اپنے صاحبزادے میں بچپن ہی میں کمالات ولایت اور آثارِ رشد وہدایت کی جھلک پا کر قطب وقت ہونے کی پیش گوئی بھی کی تھی۔

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۵۲۴/۱۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خواجہ صاحب موصوف نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر کے قراءت و تجوید میں کمال حاصل کر لیا۔ کچھ درسی کتابیں اپنے والد ماجد سے اور کچھ اپنے برادر اکبر خواجہ محمد صادق سے پڑھیں۔ بعد میں علوم معقولہ و منقولہ کی تکمیل شیخ طاہر لاہوری سے کی۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ اپنے صاحبزادے کو کہا کرتے تھے کہ بیٹا! درسی کتابوں سے جلدی فارغ ہو جاؤ، تم نے بہت اہم کام سرانجام دینے ہیں۔ بڑی بڑی دینی خدمات تمھارا انتظار کر رہی ہیں۔ تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مجدد رحمہ اللہ خواجہ صاحب کی روحانی تربیت پر خصوصی توجہ دینے لگے اور خلوت وجلوت میں اپنے ساتھ رکھنے لگے۔ اس طرح باپ نے اپنے بیٹے کو خدمت دینِ اسلام کے لیے تیار کیا اور وہ ایک عہد ساز اور تاریخی شخصیت بن کر شریعتِ محمدی کے بہت بڑے مبلغ اور خادم قرار پائے۔[1]

چودہ پندرہ برس کی عمر میں خواجہ صاحب کی شادی حضرت مجدد الف کے خلیفۂ خاص میر صغیر احمد کی دوسری بیٹی رقیہ سے ہوئی اور ان کی ساری اولاد اسی خاتون کے بطن سے ہوئی۔

خواجہ صاحب اپنے اخلاق و آداب، اقوال و اعمال اور اوضاع و اطوار کے لحاظ سے اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر گامزن تھے۔ اتباع نبی کریم ﷺ کے بڑے پابند تھے اور احکام شریعت کی بجا آوری میں ذرا سی کوتاہی بھی روا نہ رکھتے تھے۔ فرائض و عبادات کے ادا کرنے میں بڑے سرگرم و مستعد تھے۔ تلاوت قرآن مجید کے ساتھ ادعیہ مسنونہ اور وظائف ماثورہ بھی ان کی روزمرہ زندگی کا حصہ تھے۔

علمی و دینی خدمات

نماز ظہر کے بعد اکثر تفسیر و حدیث اور فقہ کا درس دیا کرتے تھے۔ ذوقِ عبادت کا یہ حال تھا کہ نوافل بکثرت ادا کرتے اور قیام اکثر طویل ہوتا۔ فرمایا کرتے تھے کہ

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۲/۱۲۵

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

حالت نماز میں قرآن مجید کی تلاوت سے بڑا سرور حاصل ہوتا ہے۔ رمضان المبارک میں نماز تراویح میں دو دو، تین تین قرآن مجید ختم کرتے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی وفات (۱۰۳۴ھ) کے بعد ہزارہا لوگوں نے آپ کی بیعت کی اور ماوراء النہر تک کے لوگ قافلوں کی صورت میں بیعت کے لیے حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ معصوم رحمہ اللہ اپنی علمی فضیلت، پرہیز گاری اور زہد وتقویٰ کے باعث مرجعِ خلائق ٹھہرے۔ آپ عمر بھر شریعتِ محمدی ﷺ کی ترویج اور رسول اکرم ﷺ کی سنت کے احیاء کے لیے کوششیں فرماتے رہے۔ آپ ہمیشہ اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کو اتباع سنت کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ ہر ایک کے لیے آپ کی یہی نصیحت ہوتی تھی کہ سرور کائنات ﷺ کے نقش قدم پر چلو۔ شریعت محمدی کے داعی اور اتباع سنت نبوی کے شیدائی بنو۔ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ تبلیغ دین اور احیائے اسلام کے سلسلے میں بڑی بھرپور اور مصروف زندگی گزارنے کے بعد ۷۲ سال کی عمر میں ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۸ء کو عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔

حضرت خواجہ صاحب نے اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر چل کر دین اسلام کی تبلیغ اور سنت نبوی کی ترویج کو اپنا نصب العین قرار دیا اور پیغام اسلام ہر آدمی تک پہنچانے کی کوشش کی۔ اس کے لیے وعظ ونصیحت اور خط وکتابت کے ذرائع ابلاغ استعمال فرمائے۔ ہر سطح پر شریعت کی حفاظت، اسلامی اقدار اور نظریاتی سرحدوں کے تحفظ کا پورا اہتمام کیا۔ ہر شخص کو اتباع سنت کی نصیحت فرماتے۔ تقویٰ اور خوف خدا کو دلوں میں راسخ کرنے کی تلقین کیا کرتے۔ شب زندہ داری کو دستور میں شامل کرنے پر بڑا زور دیتے تھے۔ زندگی کے ہر شعبے میں شرک وبدعت سے بچنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

سیاسی خدمات

حضرت خواجہ صاحب کے نزدیک اسلامی اقدار زندہ رکھنے کے لیے جہاں روحانی تزکیہ ضروری ہے وہاں یہ بھی لازمی ہے کہ سیاسی اقدار کی باگ ڈور متقی، دیندار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور صالح افراد کے ہاتھ میں رہے۔ اسی بلند مقصد کے پیش نظر انھوں نے اپنے تمام مریدوں سمیت دارا شکوہ کی مخالفت کی اور اورنگ زیب عالمگیر کا ساتھ دیا۔[1]

اورنگ زیب اور دارا شکوہ کے درمیان سلطنت کے لیے رسہ کشی اور جنگ تخت نشینی دراصل دو افراد کے درمیان جنگ نہ تھی، بلکہ دو نظریوں کے درمیان تھی۔ اورنگ زیب علامت تھا اسلامی نظامِ حیات اور قانونِ شریعت کی۔ وہ اس سرزمین میں نظامِ مصطفیٰ کے نفاذ کا داعی تھا۔ وہ سلف صالحین اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے نظریات کو رائج کرنا چاہتا تھا۔ اسلام کو ان تمام بدعات اور غیر ضروری رسوم سے پاک رکھنا چاہتا تھا، جنھیں اکبر نے ہندو تہذیب وثقافت کے زیر اثر رائج کر دیا تھا۔

دوسری طرف دارا شکوہ آزاد خیال اور ہندو فلسفۂ حیات کی نمائندگی کر رہا تھا۔ دارا شکوہ کے خیالات وعقائد میں بڑی تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔ ہندو پنڈتوں، سنیاسیوں اور جوگیوں کے زیر اثر ایسا بھٹکا کہ بنارس اس کا قبلہ وکعبہ قرار پایا۔ خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ کی عقابی نگاہ بھانپ گئی کہ دارا شکوہ صراط مستقیم کو چھوڑ کر الحاد وکفر کی نمائندگی کر رہا ہے۔ آپ نے صحیح طور پر یہ خطرہ محسوس کیا کہ اگر دارا شکوہ تخت شاہی پر متمکن ہو گیا تو مسلمانوں کا وجود مٹ جائے گا اور اسلامی احکام واقدار کے لیے اس سرزمین میں کوئی گنجائش باقی نہ رہے گی۔[2]

ان خطرات کے پیش نظر خواجہ صاحب نے مسند نشین ہونے کے بعد بڑی بلند ہمتی اور اولوالعزمی کا ثبوت دیا۔ اپنے بزرگوار حضرت مجدد الف ثانی کی طرح نہایت جرأت اور بے باکی سے حق گوئی کا فرض ادا کیا اور کھل کر دارا شکوہ کو اسلام دشمن کہہ کر اس کی مخالفت کی اور عالمگیر کو اسلام کا نمائندہ قرار دے کر اس کی حمایت کی۔ انھوں نے اس

---

[1] اورنگزیب (م ۱۱۱۸ھ) مغلیہ خاندان کا جلیل القدر، دیندار مدبر بادشاہ تھا جبکہ دارا شکوہ (م ۱۰۶۹ء) اس کا حریف تھا۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۲۰/۶۳

[2] دارا شکوہ کے احوال کے لیے دیکھیے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۹/۱۵۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جنگ کو دارا شکوہ کے خلاف جہاد تصور کرتے ہوئے اپنے تمام عقیدت مندوں کو حکم دیا کہ وہ اورنگ زیب کا پورا پورا ساتھ دیں۔ چنانچہ کفر و اسلام کی اس جنگ میں خواجہ محمد معصوم اور ان کے تمام مریدانِ باصفا اور عقیدت مندانِ باوفا کی عملی ہمدردیاں اورنگ زیب کے ساتھ تھیں۔ راسخ العقیدہ مسلمانوں کی نظریں اورنگ زیب پر مرکوز تھیں۔

جنگ تخت نشینی کے دوران میں خواجہ صاحب حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد جب وطن پہنچے تو دارا شکوہ قتل ہو چکا تھا اور سلطان اورنگ زیب عالمگیر تخت سلطنت پر جلوہ افروز تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے خاندان نے دارا شکوہ کی اسلام دشمنی کی بنا پر اس کی سخت مخالفت کی تھی اور اس کے خلاف فضا پیدا کرنے میں بھرپور حصہ لیا تھا۔ اس وجہ سے دینی رجحانات اور عقائد کی بنا پر بھی سلطان اورنگ زیب کو حضرت مجدد رحمہ اللہ اور ان کے خاندان بالخصوص خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ کے ساتھ مخلصانہ عقیدت اور نیاز مندی حاصل تھی۔ خود سلطان المسلمین نے حضرت خواجہ صاحب کی بیعت بھی کی تھی۔

خاندان مجددیہ کی روایت تھی کہ احیائے دین اور تجدید شریعت کے لیے وہ ایک طرف تو اصلاح عوام کا بیڑا اٹھائے ہوئے تھے اور دوسری طرف حکومتِ وقت کے سربراہوں کی اصلاح سے بھی غافل نہ تھے۔ اس سلسلے میں ان کا کردار ہمیشہ قابل تقلید اور لائق ستائش رہا۔

سلطان اورنگ زیب کی راسخ الاعتقادی، اسلام سے بے پناہ محبت اور اسلامی قانون کو نافذ کر کے اس کی بالا دستی کو قائم رکھنے کا جذبہ دراصل خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ اور ان کی اولاد کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ ۱۶۵۹ء میں سلطان اورنگ زیب نے اسلامی معاشرہ قائم کرنے کے لیے اسلامی شریعت کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔ حضرت خواجہ محمد معصوم اپنی کوششوں کا ثمرہ دیکھنے کے لیے دس سال تک زندہ رہے۔ سلطان اورنگزیب کی ملکی اصلاحات اور دینی خدمات میں خواجہ صاحب کے صاحبزادے خواجہ سیف الدین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی کوششوں اور مشوروں کو بڑا دخل ہے۔

یہ ایسے پاکباز اور باہمت مصلحین تھے جو راتوں کو تو اللہ کی عبادت کرتے اور دن بھر جہاد میں مصروف رہتے تھے۔[1]

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے، اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۵۲۴/۱۹۔ تخریج از محمد زکریا رفیق۔ ذیلی سرخیاں از ادارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت خواجہ محمد سعید رحمہ اللہ

(۱۰۰۵ھ-۱۰۷۰ھ بمطابق ۱۵۹۷ء-۱۶۶۰ء)

دین اسلام کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ ہر دور میں صلحائے امت کی ایک مقدس جماعت پیدا کر دیتا ہے جو عوام و خواص اور حاکم و محکوم سب کی دینی تربیت اور روحانی پرداخت کے فرائض بڑی تندہی اور خوش اسلوبی سے انجام دیتی رہتی ہے۔ یہ مقدس جماعت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بجا لاتی ہے۔ امت محمدیہ کے عقائد کی اصلاح کرتی رہتی ہے۔ عبادات کے ذوق کو تیز تر کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ اس مقدس جماعت کا مطمح نظر احیائے سنت اور اماتت بدعت و شرک ہوتا ہے۔

مغلوں کے عہد میں بھی اللہ تعالیٰ نے بہت سے علمائے دین، صوفیائے کرام اور صلحائے امت پیدا کیے، جنھوں نے اسلام کی تبلیغ اور اصلاح عقائد کی مہم کو جاری رکھا اور مسلمانوں کو کتاب و سنت کی پیروی کی دعوت دیتے رہے۔ ان بزرگان دین میں حضرت خواجہ محمد باقی باللہ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ابو المعالی اور حضرت میاں میر[1] رحمہم اللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس مقدس جماعت کے سلسلے کی ایک شاندار کڑی حضرت خواجہ محمد سعید رحمہ اللہ ہیں جو حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے دوسرے صاحبزادے اور بڑی صاحب علم و فضل شخصیت تھے۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ نے اسلام کی جو شاندار خدمات انجام دی ہیں ہر شخص اس کا معترف ہے۔ یہ آپ ہی کا کارنامہ تھا کہ طبقۂ صوفیہ میں اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اجتناب بدعت کی تلقین کی، سنت کی اہمیت واضح کر کے اسے رواج دینے میں کامیابی کامیابی حاصل کی اور بدعت کی روک تھام کے لیے ہر ممکن کوشش بروئے کار لائے۔

[1] میاں میر محمد فاروقی (م ۱۰۴۵ھ) برصغیر کے عظیم ولی اور بزرگ۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۱۲/ ۹۰۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ نے نہایت عالمانہ انداز میں حدودِ شریعت کے اندر رہتے ہوئے عقیدۂ وحدت الوجود کی ایک نئی توجیہ اور وحدت الشہود کا نظریہ قائم کر کے صوفیہ اور علماء کے اختلافات کو رفع کر دیا۔ آپ نے کوشش فرمائی کہ وہ تمام رخنے بند کر دیے جائیں جو بدعت کی ترویج کا باعث ہوتے ہیں۔[1]

ابتدائی حالات

احیائے اسلام کی خاطر آپ نے بڑے بڑے جتن کیے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم کام شریعت کی ترویج کا تھا۔ اشاعت دین اور احیائے اسلام کی ان تحریکوں کے درمیان حضرت خواجہ محمد سعید شعبان ۱۰۰۵ھ/ اپریل ۱۵۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ اس وقت حضرت مجدد کی عمر ۳۴ برس تھی۔ انھوں نے نہایت پاکیزہ، دینی اور اصلاحی ماحول میں آنکھیں کھولیں، جس کی مثالیں کم ہی ملتی ہیں۔ ان میں بچپن ہی سے شرافت و کرامت، ذوقِ سلیم اور طلبِ صادق کے آثار ہویدا تھے۔ ہوش سنبھالا تو علوم دین کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ اپنے والد ماجد کی خدمت بابرکت میں رہ کر ظاہری و باطنی کمالات حاصل کیے، اور سترہ سال کی عمر میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی پوری طرح تحصیل کر لی۔ ان فضائل و محاسن کے علاوہ کمال دینداری، تقویٰ و پرہیز گاری، اتباع سنت نبوی اور ریاضت و عبادت میں انہماک ورثہ میں ملا۔ حلم و بردباری، شیریں کلامی، تواضع و انکسار، جود و سخاوت، بے نفسی اور خلوص خواجہ محمد سعید کے کردار کے نمایاں پہلو تھے۔

خواجہ محمد سعید رحمہ اللہ نے بڑے شوق و انہماک سے قرآن مجید کی تجوید و قراءت میں دسترس پیدا کی۔ فن حدیث میں بلند مقام حاصل کیا اور فقہ میں بڑا نام پایا۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ کو جب کسی فقہی مسئلے کی تحقیق مطلوب ہوتی تو آپ اکثر اوقات یہ خدمات خواجہ محمد سعید ہی کے سپرد فرماتے۔ جب صاحبزادے مشکل مسائل کا حل پیش خدمت کرتے تو حضرت مجدد رحمہ اللہ بڑی مسرت اور خوشی کا اظہار فرماتے اور اکثر دعا دیا کرتے تھے۔

[1] وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے فرق کے لیے دیکھیے: عنوان: تصوف: اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۶/ ۴۱۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علمی خدمات

خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ بڑے کامیاب مدرّس تھے۔ جب آپ نے درس و تدریس کا کام شروع کیا تو علم و حکمت کے دریا بہا دیے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ دونوں میں بڑی دسترس تھی۔ ''شرح حکمت العین''، ''عضدی'' اور ''بیضاوی'' کا درس علمی نکات اور فنی معلومات کے باعث خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

تصانیف

علوم متداولہ کے درس و تدریس کے علاوہ آپ کو تصنیف و تالیف کا بھی شوق تھا۔ چنانچہ آپ نے حدیث نبوی کی مشہور ومقبول کتاب ''مشکوٰۃ المصابیح'' کا حاشیہ تحریر فرمایا۔ جس میں فقہی مسائل کی تشریح نہایت لطیف پیرایہ میں حنفی مسلک کے مطابق کی۔ آپ کا دوسرا تصنیفی کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے ''متن و حاشیہ خیالی''[1] پر ایک حاشیہ تحریر فرمایا۔

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ آپ کی روحانی تربیت اپنے والد بزرگوار کی زیر نگرانی ہوئی اور روحانی فیوض و کمالات اور اسرار حقائق انھیں سے حاصل کیے۔ خواجہ سعید کے مکتوبات بھی شائع ہو چکے ہیں۔ یہ مجموعہ سو مکتوبات پر مشتمل ہے۔ اکثر مکتوبات فارسی زبان میں ہیں۔ چند ایک عربی میں بھی تحریر کیے گئے ہیں۔ زبان سادہ اور سلیس ہے۔ حقائق و معارف کا بیان، اسرار و وقائع کی شرح اور ذات و صفات کی بحثیں، پھر قرآن وحدیث سے استدلال سب پڑھنے کے لائق ہیں۔ معانی کی گہرائی اور عبارت کی شیرینی وحلاوت کے باعث یہ مختصر مجموعۂ مکتوبات بڑا دلکش اور جاذب نظر بن گیا ہے۔ اس مجموعے کے پہلے دو مکتوبات اپنے والد ماجد کی خدمت میں تحریر کیے گئے ہیں جن میں اپنے ذاتی کوائف و احوال درج ہیں۔ نو خطوط سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے نام ہیں۔ چند خطوط اپنے صاحبزادگان اور نواسہ شیخ بدیع الدین کے نام ہیں۔ چند ایک خطوط حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادے خواجہ عبداللہ کے نام ہیں اور باقی دیگر بزرگان معاصرین کے نام ہیں۔

---

[1] احمد بن موسیٰ خیالی (م ۸۶۳ھ) نے شرح عقائد نفسیہ کا حاشیہ لکھا جو بہت مشہور ہوا: محمد عثمان معروفی، حالات المصنفین، ص: ۷۸۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیاسی خدمات

سلطان اورنگ زیب عالمگیر خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم، دونوں کا بڑا قدر دان تھا۔ خواجہ محمد سعید اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد ان کے جانشین سمجھے جاتے تھے، کیونکہ زندہ بیٹوں میں وہی سب سے بڑے تھے۔

شاہ جہان کے آخری ایام (۱۰۶۷ھ/ ۱۶۵۶ء) میں خواجہ محمد سعید اپنے برادر عزیز خواجہ محمد معصوم کے ساتھ حج کو روانہ ہوئے اور تقریباً تین سال ارض مقدسہ میں قیام پذیر رہے۔ سلطان اورنگ زیب کے تخت سلطنت پر متمکن ہونے کے بعد وطن واپس آئے۔ سفر میں خواجہ محمد سعید کی صحت خراب ہوگئی تھی۔ واپسی پر سلطان عالمگیر کی دعوت پر دہلی تشریف لے گئے۔ قیامِ دہلی کے دوران میں آپ سخت بیمار ہو گئے۔ شاہی طبیبوں نے بڑی محنت سے علاج معالجہ کیا، لیکن طبیعت سنبھلنے کے بجائے بگڑتی چلی گئی۔ بالآخر دہلی کو خیر باد کہہ کر سرہند کا رخ کیا۔ راستے ہی میں ۲۷ جمادی الآخر ۱۰۷۰ھ/ ۱۶۶۰ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ جنازہ سرہند لایا گیا اور حضرت مجدد کے پہلو میں مدفون ہوئے۔[1]

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد اقبال مجددی، تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند، جلد دوم، ص ۸۲۱، پروگریسو لاہور، ۲۰۱۳ء۔ تعلیق از محمد زکریا رفیق

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مشرق اوسط کی
علمی، لسانی، سیاسی اور
فکری تاریخ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مشرق اوسط

ہماری صحافت میں ''مشرق اوسط'' کو مشرق وسطیٰ کا نام دیا گیا ہے، حالانکہ ہم مشرق قریب ادنیٰ اور مشرق بعید یا شرق اقصیٰ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ قریب، بعید، ادنیٰ اور اقصیٰ مذکر ہیں، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وسطیٰ جو مؤنث ہے ہمارے ادیبوں اور صحافیوں کے ہاں قبول و رواج پا گیا۔ حالانکہ بہت کم لوگ ''وسطیٰ'' کے صحیح تلفظ کو ادا کر پاتے ہیں۔ اکثر لوگ وَسطی پڑھتے ہیں اور بہت کم وُسطیٰ کہتے ہیں۔ کبھی کسی نے یہ نہیں سوچا کہ آخر ''مشرق اوسط'' جیسی صحیح اور آسان ترکیب چھوڑ کر ہم مشرق وسطیٰ جیسا مشکل لفظ کیوں استعمال کریں؟ خیر یہ تو رواج پا جانے کی بات تھی، لیکن اب میرا خیال ہے کہ مشرق اوسط زیادہ موزوں ہونے کے علاوہ عام فہم اور سہل بھی ہے۔

مشرق اوسط کا تعارف

۱۹۱۴-۱۹۱۸ء کی پہلی جنگ عظیم میں مغربی استعمار نے ترکی اور اس کے آس پاس کے علاقوں کے لیے مشرق قریب کا لفظ استعمال کرنا شروع کیا۔[1] یہ اصطلاح اپنی نوعیت کی پہلی اصطلاح نہیں ہے۔ اس کی اولیت کا شرف مسلمان عربوں کو حاصل ہوا۔ تاریخ اسلام کا طالب علم ''مغرب اقصیٰ'' وغیرہ اصطلاحات سے بخوبی واقف ہے۔ پھر کچھ عرصے کے بعد عسکری، سیاسی و اقتصادی ضروریات کے پیش نظر مشرق اوسط اور مشرق بعید کی اصطلاحات مروج ہوئیں، لیکن یہ اصطلاحات بڑی مبہم اور غیر معین تھیں۔ بیس بائیس سال تک ان علاقوں کی حدود قائم کرنے میں بڑا اختلاف رہا۔ بہر حال کئی تبدیلیوں کے بعد دوسری جنگ عظیم کے شروع، یعنی ۱۹۳۹ء تک، مشرق قریب کا اطلاق عام طور پر بلقان،

[1] پہلی جنگ عظیم کے لیے دیکھیے: محمود شاکر، التاریخ الاسلامی: ۱۴/ ۱۳۱-۱۴۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ترکی، فلسطین، لبنان، شرق اردن، جزیرہ قبرص اور مغربی شام پر ہوتا رہا۔ مشرق اوسط میں ایران، عرب، دجلہ و فرات کے ساحلی علاقے اور کبھی کبھار ہند، پاکستان اور افغانستان بھی شامل کر لیے جاتے تھے اور مشرق بعید کے مفہوم میں چین، جاپان اور بعض اوقات ہند چینی اور انڈونیشیا بھی شامل تھے۔ چونکہ اصطلاحات کا وجود مغربی استعمار کا مرہونِ منت تھا، اس لیے ہمارے جغرافیہ دانوں کو ان علاقوں کی حدود متعین کرنے میں کافی دقت کا سامنا کرنا پڑا اور یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے فاضل جغرافیہ دانوں میں ایک عرصے تک یہ چیز پریشانی اور نزاع کا باعث بنی رہی۔ انگلستان کی شاہی جغرافیائی مجلس نے مشرق قریب میں مصر کو بھی شامل کر لیا اور مشرق اوسط میں عراق کو بھی، مگر امریکہ کے ایک مشہور جغرافیہ دان نے مصر کو مشرق اوسط میں شامل کرنے سے انکار کر دیا۔

۱۹۳۹ء میں مشرق اوسط کے ممالک

جب ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو مشرق اوسط کا مفہوم قطعی طور پر طے پا گیا۔[1] اس طرح جو چیز جغرافیہ دان حل نہ کر سکے وہ سیاست دانوں نے بیک جنبشِ قلم حل کر دی۔ ان حدود کا تعین اس لیے ضروری تھا کہ دوسری جنگ عظیم میں اتحادیوں نے مشرق اوسط کو عسکری ضروریات بہم پہنچانے کا مرکز قرار دیا اور اس مقصد کے پیش نظر ان ملکوں میں سیاسی اور اقتصادی زندگی کو ازسرنو تشکیل و ترتیب دینا جنگی مقاصد کے لیے ازحد ضروری تھا۔ اُس وقت مشرق اوسط کے شروع میں تو قابض انگلستان کی اجارہ داری تھی، لیکن بعدازاں اس "کارِ خیر" میں امریکہ کو بھی شامل کر لیا گیا۔

برطانیہ کی سرکاری اور فوجی یادداشتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اب مشرق اوسط میں اکیس ممالک شامل ہیں جن میں مالٹا، طرابلس غرب، برقہ، مصر، قبرص، لبنان، شام، فلسطین، شرق اردن، ایران، خلیج فارس کی ریاستیں، سعودی عرب، یمن، عدن، حبشہ اور سوڈان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اگرچہ سرکاری کاغذات میں عارضی طور پر ترکی کو

[1] دوسری جنگ عظیم کے لیے دیکھیے: محمود شاکر، التاریخ الاسلامی: ۱۴/۱۴-۲۱۴-۱۵۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیاسی وجوہات کی بنا پر مشرق اوسط میں شامل نہیں کیا گیا، لیکن ہمارے جغرافیہ دانوں کا اصرار ہے کہ ترکی جغرافیائی اور ثقافتی اعتبار سے مشرق اوسط میں ضرور شامل ہے۔ بعض جغرافیہ دانوں کو مالٹا[1] اور سوڈان کو مشرق اوسط میں شامل کرنے پر بھی اعتراض ہے۔

مشرق اوسط کے ممالک میں زندگی کی بہت سی قدریں مشترک ہیں۔ مذہب، زبان، معاشرت اور اقتصادیات کے اعتبار سے ایک طرح کی یگانگت اور مناسبت موجود ہے۔ مشرق اوسط دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کا مولد و سرچشمہ رہا ہے۔ یہودیت، عیسائیت اور اسلام اسی سرزمین میں دنیا کے سامنے پیش کیے گئے اور یہیں ان مذاہب کی تبلیغ و اشاعت اور خصوصیات کی ابتدا ہوئی۔ قدیم علمی و ادبی زبانوں کے مرکز بھی مشرق اوسط میں پائے جاتے ہیں۔ عربی، فارسی اور عبرانی زبانیں بھی مشرق اوسط سے ہی نکلیں اور اس کے علاوہ لوگوں کے رہنے سہنے کے طریقے، شہری اور دیہاتی زندگی، مویشیوں کی پرورش اور گلہ بانی، زراعت، تجارت، صنعت و حرفت اور محنت مزدوری کے ڈھنگ سب مشرق اوسط کی معنوی اور مادی یگانگت کی شہادت دیتے ہیں۔

اگرچہ مشرق اوسط کے بعض علاقے جغرافیائی حیثیت سے موجود ہیں، لیکن ان کے بارے میں بہت کم معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ ملک عرب میں ربع خالی، ایران کے صحرائے شور، عراق کے جنوب میں وسیع میدان میں دلدل اور اناطولیہ کے مرکزی اور جنوبی حصے اب تک جغرافیہ دانوں اور سیاحوں کی دسترس سے باہر خیال کیے جاتے ہیں۔ مغربی سیاحوں نے ربع خالی کے بارے میں گزشتہ ربع صدی میں البتہ کچھ معلومات ضرور مہیا کی ہیں۔ بایں ہمہ ہماری جغرافیائی معلومات تشنہ تکمیل ہیں۔

بین الاقوامی سیاحت نے مشرق اوسط کی اہمیت اور قدر و قیمت میں بہت اضافہ کر دیا ہے۔ انیسویں صدی کے آخر تک مشرق اوسط بڑے بڑے پس ماندہ علاقوں میں شمار ہوتا تھا۔ ان ممالک کا حکمران طبقہ بھی اپنی رعایا اور اپنے ملک سے بے نیازی اور بے اعتنائی برتتا تھا۔ نہر سویز نے مشرق و مغرب کو اس طرح ملایا کہ ایک طرف تو مرد بیمار

[1] بحیرہ روم کا ایک بڑا جزیرہ۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۳۶۴/۱۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تندرست وتوانا ہو کر انگڑائیاں لینے لگا اور دوسری طرف عام بیداری اور آزادی کی لہر پیدا ہوگئی۔ وسائل آمد و رفت اور بالخصوص فضائی و ہوائی ذرائع رسد و رسائل کی ترقی سے مشرق اوسط کی اہمیت تو بہت ہی بڑھ گئی ہے۔ مشرق اوسط میں وسیع میدانی علاقوں کی فراوانی کی وجہ سے ہوائی جہاز کے بہترین مستقر (AIR PORTS) معرض وجود میں آئے۔ آب و ہوا بہت عمدہ اور ہوائی جہاز کے اڑنے کے لیے بہت ممد و معاون ہے۔ اس وقت مشرق اوسط کے علاقے، یعنی مصر، عراق، شام اور سعودی عرب دنیا بھر کی ہوائی قوت اور آمد و رفت میں بڑی سیاسی اہمیت اور مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم نے یہ ثابت کر دیا کہ مشرق اوسط کی ہوائی شاہراہیں بین الاقوامی سیاست میں نہایت مفید اور کارآمد ہیں۔

مشرق اوسط کی عالمی سیاست میں اہمیت

مشرق اوسط میں قدرتی خزانوں کے وفور اور بہتات نے بھی اس کی اہمیت کو بہت بڑھا دیا ہے۔ دنیا بھر میں تیل اور پٹرول کے سب سے بڑے ذخیرے مشرق اوسط میں پائے جاتے ہیں۔

یہ بات کتنی حیرت افزا ہے کہ وہ ممالک جہاں تیل نکلتا ہے اتنے مفلس و قلاش ہوں کہ وہاں کے جمہور نان شبینہ کے محتاج نظر آئیں اور سردی کے موسم میں پھٹے پرانے، میلے کچیلے کپڑوں میں بسر کریں، لیکن تیل کے اجارہ دار ملک اپنے جمہور کو حریر و اطلس میں ملبوس کریں اور فاقہ کشی کے بجائے دن میں چار پانچ مرتبہ کام و دہن کی تواضع کریں۔ ایران، عراق اور عرب برطانیہ اور امریکہ کے لیے تو سونا اور چاندی پیدا کریں اور اپنی کوڑی کوڑی کے لیے بھیک مانگتے پھریں۔[1]

مشرق اوسط کی آبادی میں کافی تنوع ہے۔ یہاں مختلف نسلیں اور خاندان آباد

[1] مگر آج کل ان ممالک کے عام باشندوں اور جمہور کے حالات میں بھی بہتری پیدا ہوئی ہے۔ اسی لیے ان ممالک کے عوام بھی خوشحال نظر آتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ سامی بھی ہیں اور حامی بھی۔ سامی، عراقی، مصری، تورانی، ایرانی، کردی وغیرہ تو بہت ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ زبانوں کا بھی خاصا اختلاف ہے۔ ترکی، فارسی اور عربی زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ مشرق اوسط میں یہودی بھی بستے ہیں اور عیسائی بھی، مگر بھاری اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ ویسے تو وطنیت بہت حد تک اتحاد اور وحدت کی ضامن ہے، لیکن یگانگت اور اتحاد کو پختہ تر کرنے والے عوامل میں عربی زبان، جو قرآن مجید اور پیغمبر ﷺ کی زبان ہے، بہت اہم ہے۔ وحدت زبان کے علاوہ وحدت جنس، وحدت دین، وحدت تاریخ اور وحدت ثقافت نمایاں طور پر جلوہ گر ہے۔

مشرق اوسط کی اجتماعی زندگی میں بھی شہری اور بدوی اختلاف موجود ہے۔ وسائل معاش کی کمی کی وجہ سے بدوی فطرتاً لوٹ کھسوٹ کا عادی ہے اور شہری اپنی تجارت اور کاروبار کی خاطر امن وسلامتی کا طالب وخواہشمند۔ بدوی طبعاً زراعت اور تجارت کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے، مگر یہ حقیقت ہے کہ شہروں کا قیام اور ان کی ترقی کا انحصار تجارت پر ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ملکوں کی حکومت اور انتظام سلطنت کا کاروبار بھی شہروں نے ہی چلایا ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ پہاڑی باشندوں میں عسکری ہنرمندی، ولولہ اور انتظامی قابلیت نسبتاً زیادہ پائی جاتی ہے۔[1]

مشرق اوسط کے باشندے زمانے کے اثرات سے کس طرح بچ سکتے تھے۔ برطانوی اور امریکی استعمار نے لوگوں کے انداز فکر اور عادات واخلاق میں بھی نمایاں تبدیلی پیدا کر دی ہے۔

عالمی سیاست میں مشرق اوسط کو اپنے جغرافیائی مقام اور تیل کے ذخیروں کی وجہ سے خاص اہمیت حاصل ہونے کے باعث استعماری قوتوں میں رسہ کشی شروع ہو گئی، کبھی روس کی نگاہیں للچاتی ہیں تو کبھی برطانیہ اپنے حرص وآز کے دانت تیز کرتا ہے اور

[1] دور حاضر میں بدویت کے آثار بھی اب مٹتے نظر آتے ہیں۔ شہروں کی سہولتوں اور وسائل معیشت کی چمک دمک نے بدویوں کو شہروں اور تہذیب کے لہلہاتے گلستانوں کی طرف کھینچ لیا ہے۔ اس لیے اب قدیم بدویت خال خال ہی کہیں نظر آتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کبھی امریکہ اپنے ملکی مفاد اور سیاسی و اقتصادی وقار کی خاطر دونوں سے بازی جیت لے جانا چاہتا ہے۔ اس نے بیرونی سیاسی اور اقتصادی حالت کو خاصا مخدوش بنا رکھا ہے۔ یہ آئے دن کی سیاسی بے چینی، وزارتوں میں فوری تبدیلیاں، سیاسی رہنماؤں اور حکمرانوں کے قتل اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ مشرق اوسط کے جمہور سکون قلب اور جمعیت خاطر سے محروم ہو چکے ہیں۔ اگر استبدادی قوتوں کی باہمی کشمکش کا انداز بہت جلد نہ بدلا گیا تو خطرہ ہے کہ کہیں مشرق اوسط افتراق اور انتشار کی نذر نہ ہو جائے۔[1]

[1] یہ صورتحال کئی دہائیاں گزرنے کے بعد آج بھی جاری ہے۔ تعلیق از محمد زکریا رفیق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عربی ادب پر ایک نظر

عربی ادب اپنی قدامت، وسعت، گہرائی اور اپنے ادیبوں کی رفعت و کثرت کے اعتبار سے دنیا کی زبانوں میں بلند مقام رکھتا ہے۔ شعری اور نثری ادب میں تنوع بھی ہے اور وفور بھی۔ اس میں ہر مزاج اور طبیعت کے انسان کے جذبات اور ذوق کی تسکین کا وافر سامان موجود ہے۔

عربی ادب اسلام سے پہلے بھی موجود تھا، لیکن ظہور اسلام کے بعد جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر اقصائے عالم میں پھیل گیا۔ جہاں جہاں عرب مسلمان گئے اپنی زبان اور اپنا ادب ساتھ لے گئے، بلکہ غیر عربی خطوں اور علاقوں میں بھی عربی زبان نے ایسی ہر دلعزیزی حاصل کر لی کہ وہ ان ملکوں کی قومی اور مادری زبان بن گئی۔ مثال کے طور پر مصر، شام، عراق، لیبیا، افریقہ، الجزائر، سسلی اور پھر اندلس کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ان کا عربی ادب بھی اہل نظر کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔

عربی ادب کے ادوار

عربی ادب کو ادوار کے اعتبار سے کئی اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے:[1]

زمانہ قبل از اسلام کے ادب کو ''جاہلی ادب'' کہتے ہیں۔

ظہور اسلام کے بعد کے ادب کو ''اسلامی ادب'' کا نام دیا جاتا ہے۔

پھر اسلامی عہد میں عباسی دور کے ادب کو الگ قسم قرار دیا گیا ہے۔

اس طرح اندلسی ادیبوں کے اپنے ذوق اور مزاج کے پیش نظر ''اندلسی ادب''

---

[1] دیکھیے: احمد حسن زیات، تاریخ الادب العربی، دار نہضہ مصر

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بھی ایک مستقل قسم ٹھہرا۔

۱۹۷۰ء کے بعد کے ادب کو ''ادب جدید'' کے نام سے موسوم کیا گیا۔[1]

جاہلی نثر و شاعری کا تعارف

ظہور اسلام سے پہلے، یعنی جاہلی ادب میں نثر کی نسبت شعر و شاعری کے چرچے بہت زیادہ تھے۔ عربوں کا بچہ بچہ ذوق شعری کا حامل تھا۔ شعراء کی عربوں کے ہاں بڑی قدر و منزلت تھی۔ جاہلی دور میں قبائلی نظام زندگی تھا۔ ہر قبیلے کی اخلاقی مدافعت شاعر کرتا تھا۔ وہ دشمنوں کو منہ توڑ جواب دیتا اور کوشش کرتا کہ دشمن قبائل کی ہجو اس انداز میں لکھے کہ ان کی عزت و شہرت خاک میں مل جائے۔ محاذ جنگ پر وہ اپنے بہادروں کو جوش دلا کر جانبازی کا سبق دیتا تھا۔

امن و سلامتی کے زمانے میں شاعر اپنے قبیلے کے کارناموں اور فضائل و محاسن کے گن گاتا اور اس طرح قبیلے کی تاریخ شعروں میں بیان کر دیتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی عربوں کے کسی قبیلے میں کوئی شاعر نمودار ہوتا یا ناموری پاتا تو قبیلے والے خوشی و مسرت کا اظہار کرتے۔ کھانے پینے کی دعوتوں کا اہتمام کیا جاتا اور بڑے جشن منائے جاتے تھے۔ عربوں کی جاہلی شاعری ان کی زندگی کی آئینہ داری اور ان کی عکاسی کرتی ہے، اسی لیے اس کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ

''الشعر دیوان العرب'' یعنی عربی شاعری عربوں کی زندگی کا روزنامچہ ہے۔

اس میں ان کی تاریخ بھی ہے اور اجتماعی و معاشی زندگی کے احوال بھی۔ شاعر بیک وقت اپنے قبیلے کی عزت و آبرو کا محافظ و پاسبان بھی تھا، قبیلے کا خطیب بھی تھا اور میدان جنگ میں بہادر سپاہی بھی۔[2]

پھر جاہلی شاعری میں ہر صنف شعر موجود ہے۔ حماسہ و شجاعت، فخر و مدح، غزل،

۱۔ شوقی ضیف، تاریخ الأدب العربی، ص: ۱۴

۲۔ جواد علی، المفصل: ۱۷/ ۷۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہجو، مرثیہ اور زہد و وصف سب اصناف پائی جاتی ہیں۔ اخلاقیات اور فلسفہ حیات کی شاعری بھی ان کے ہاں بڑی قدر و منزلت رکھتی تھی۔

زمانہ قبل از اسلام میں لکھنے پڑھنے کا بہت کم رواج تھا، تقریباً نہ ہونے کے برابر۔ اس کے باوجود عربوں کی اس عہد کی شاعری کا خاصا حصہ محفوظ ہے اور آج عربی شاعری کو اس ذخیرہ پر ناز ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ علم عروض کے فقدان کے باوجود جاہلی شاعری بحور و عروض کے ترازو پر پورا اترتی ہے۔ اس میں موسیقیت اور غنائیت بدرجہ کمال موجود ہے۔ اس دور کے شعر عربی ادب کا بہترین سرمایہ تصور کیے جاتے ہیں۔

جاہلی دور میں ادبی ذوق ملاحظہ ہو کہ شاعروں کے کلام کو پرکھنے اور ان کے حسن و قبح پر رائے قائم کرنے کے لیے بڑے بڑے صائب الرائے لوگ محاکمہ کرتے تھے۔ پھر ایسا بھی ہوا کہ اس مقصد کے لیے عکاظ کے میلے کے موقع پر شعراء اپنا اپنا کلام سناتے اور منصف حضرات سے رائے حاصل کی جاتی۔ بہترین قصیدے کو سنہرے حروف میں لکھ کر غلاف کعبہ کے ساتھ آویزاں کر دیا جاتا۔ ایسے قصائد کو معلقات کا نام دیا جاتا تھا۔ پھر یہ قصیدہ زبان زد خلائق ہو جاتا۔ ایسے نامور شعراء کی تعداد سات سے دس تک بتائی جاتی ہے۔ ان میں:

۱۔ امراء القیس	۲۔ طرفہ بن العبد
۳۔ زُہیر بن ابی سلمٰی	۴۔ لبید بن ربیعہ
۵۔ عمرو بن کلثوم	۶۔ عنترہ بن شداد
۷۔ حارث بن حلزہ	۸۔ نابغہ الذبیانی
۹۔ اعشٰی اکبر	۱۰۔ عبید بن الابرص

کے نام شامل ہیں۔

ان قصائد کا آغاز تشبیب (غزل) کے اشعار سے کیا جاتا تھا۔ شاعر اپنی محبوبہ کو کسی نہ کسی طور پر یاد کر کے اپنی محبت اور شوق کا ذکر کرتا ہے اور قصیدہ شروع ہو جاتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان شعرائے جاہلیت کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ شعرائے بادیہ میں ایک گروہ بے فکرے شعراء کا تھا، جنھیں ''صعالیک'' شعراء کہا جاتا تھا۔ یہ بڑے جفاکش، مہم جو اور قبیلے کے خدمت گزار ہوتے تھے۔ ان میں تأبط شرا، الشنفریٰ، ازدی اور عروہ بن الورد نمایاں ہیں۔ جاہلی شاعروں میں ایک گروہ ان سخنوروں کا بھی تھا جو گھوم پھر کر اور دربار داری کر کے مال و دولت جمع کر لیتے تھے۔ ان میں طرفہ، عبید، نابغہ اور اعشٰی قابل ذکر ہیں۔ زہیر اور لبید اپنے حکیمانہ کلام کے لیے مشہور تھے۔[1]

جاہلی عربی شاعری اپنے بے شمار محاسن، سادگی، منظر کشی اور نازک ترین احساسات کی ترجمانی کے لیے بھی خاص طور پر قابل مطالعہ ہے۔[2]

---

۱ جواد علی، المفصل: ۱۷/۱۰۰،۳۵۱ وشوقی ضیف، تاریخ الأدب العربی، ص: ۳۷۵

۲ تخریجِ مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس۔ ذیلی سرخیاں از ادارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جدید عربی ادب

مختلف قسم کے اثرات، یورپی اقوام سے میل جول، بہت سے مصری اور شامی طلبہ کا فرانس کی یونیورسٹیوں میں تعلیمی سفر اور مشن بجانب یورپ، رسائل اور اخبارات کا اجراء، بہت سے عرب خاندانوں کا یورپ میں مستقل قیام، شمالی اور جنوبی امریکہ میں شامی نوجوانوں کا جانا عربی ادب میں جدید رجحانات کے فروغ پذیر ہونے کا سبب بنا۔ ابتدائی دور میں نثر نگار حضرات زیادہ تر شامی تھے اور مغربی خیالات سے بے حد متاثر، مگر سائنس کے میدان میں مصر پیش پیش تھا اور ادب کی خدمت شام کے حصہ میں آئی۔

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں شامیوں نے مصر کا رخ کیا اور تمام ترقی پسند اور اثر و رسوخ رکھنے والے رسائل و اخبارات شامیوں کے ہاتھ میں آ گئے۔ اس ضمن میں اس دور کی دو شخصیتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں: مفتی محمد عبدہٗ[1] اور جرجی زیدان (۱۸۶۱ء۔۱۹۱۴ء) اگرچہ اول الذکر کا ان کی تصانیف میں کوئی خاص قابل ذکر شاہکار موجود نہیں، لیکن ان کا (تہذیبی اور ادبی) اثر مسلمانوں پر ناقابل انکار ہے۔

اس دور کی ادبی تاریخ میں جن جن گروہوں نے اہم کردار ادا کیا ان کا مختصر سا تذکرہ حسب ذیل ہے:

الف۔ امریکی سکول: اس دبستان نے طرز نگارش اور انداز میں نمایاں تبدیلی پیدا کی۔ اس گروہ کے دو نمایاں لیڈر امین الریحانی (پیدائش ۱۸۷۷ء) اور جبران (۱۸۶۱ء-۱۹۱۴ء) تھے۔ مؤخر الذکر نے نیویارک میں خاص سرگرمی کا اظہار کیا۔ وہ وہاں ایک علمی و ادبی مجلس ''الرابطۃ الکلامیہ'' کا صدر تھا۔ اس مجلس نے ایک رسالہ بھی جاری کیا جس کا نام ''الصبائح'' تھا، جس کا مدیر عبدالمسیح حداد تھا۔ اس

[1] محمد عبدہٗ (م ۱۹۰۵ء) مصر کے مشہور مفکر، مصلح، عالم اور مصنف۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۱۹/ ۴۴۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گروہ کے بہت سے نمائندے مثلاً میخائیل نعیمہ (پیدائش ۱۸۸۹ء)، نامور شاعر، نقاد اور ڈرامہ نویس رشید ایوب (پیدائش ۱۸۶۲ء) اور معروف شاعر الیاس ابو ماضی (پیدائش ۱۸۸۹ء) وغیرہ تھے۔ ان لوگوں نے عربی ادب میں نمایاں شہرت حاصل کی اور بیرونی عرب ممالک میں بہت نام پیدا کیا، تیونس اور حجاز تک کے علاقوں میں اثر و رسوخ حاصل کیا۔

برازیل میں شامی امریکی سکول کی حیثیت بالکل مقامی، منفرد اور درسی ادارے کی تھی۔ اسے مقامی اعتبار سے گو بہت اہم حیثیت حاصل تھی، لیکن اس کی بیرونی عرب ممالک میں کوئی قابل ذکر اہمیت نہ تھی۔ اس گروہ کو شعر و شاعری سے بڑی دل بستگی اور شغف تھا۔ اس گروہ کے نمائندے الیاس فرحات (پیدائش ۱۸۹۱ء)، رشید سلیم خوری (پیدائش ۱۸۸۷ء) اور فوزی المعلوف (۱۸۹۹-۱۹۳۰ء) وغیرہ تھے۔

جنگ عظیم کے بعد امریکی سکول کا اقتدار کم ہونا شروع ہوا اور بتدریج گھٹتا گیا۔

ب۔ مصری سکول: اب تمام التفات مصریوں کی جانب ہے۔ مصری سکول یا مصری متجددین کے خیالات پر احمد لطفی سید کا (جس نے بعد میں ارسطو کی کتاب ''الاخلاق'' کا ترجمہ کیا) بہت اثر پڑا۔ اس کے ساتھ ''حزب الامۃ'' کے نام سے ایک جماعت تھی جس کا آرگن ''الجریدہ'' تھا۔ ۱۹۲۲ء میں محمد حسین ہیکل (پیدائش ۱۸۸۸ء) کے زیر ادارت اس پارٹی کا ایک نیا آرگن جاری ہوا جس کا نام ''السیاسۃ'' تھا۔

ج۔ شامی سکول: شامی امریکی سکول کو زیادہ تر شغف کلاسیکل عربی ادب سے تھا اور وہ ادبی تنقید اور تاریخ کے مطالعے میں خاص انہماک رکھتے تھے، لیکن مصری متجددین اور متنورین[1] نے جدید ادب سے لگاؤ زیادہ رکھا اور زندگی اور ادب میں ایک خاص نسبت اور تعلق پیدا کرنے میں کوشاں رہے۔ مصریوں نے عربی قومیت کی جگہ مصری وطنیت کا خوشنما بت کھڑا کیا اور اس تخیل کو عام کرنے میں بڑی جدوجہد کی۔

---

[1] متجددین اور متنورین سے مراد وہ لوگ جو جدید علم سے گہرا تعلق رکھتے ہیں اور محض شریعت کے علم کو روشن خیالی کے منافی سمجھتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جدید عربی شاعری

(حصہ اوّل)

تمام عرب ممالک میں بے شمار عربی شعراء نظر آتے ہیں۔ جدید عہد کی ابتدا میں لوگوں کا رجحان قبل از اسلام کی شاعری کے تتبع کی طرف تھا۔ شام میں نصیف یازجی (۱۸۰۰۔۱۸۷۱ء) اس تحریک کا پیش رو ہے۔ الیاس فرانس مراش (۱۸۳۶-۱۸۷۳ء) نے فلسفیانہ اور اجتماعی مسائل پر اظہار خیال کیا۔ مصر میں یہ تحریک بدیر جاری ہوئی۔ محمود سامی البارودی (۱۸۳۹۔۱۹۰۰ء) اور اسماعیل صابری (۱۸۵۴-۱۹۲۳ء) نے اشعار میں عباسی اور قبل از اسلام شاعری کی پیروی کی ہے۔ اس کے بعد احمد شوقی (۱۸۶۸-۱۹۳۲ء)، حافظ ابراہیم (۱۸۷۱-۱۹۳۲ء) اور خلیل مطران (پیدائش ۱۸۷۱ء) نے بھی مختلف رنگوں میں مختلف موضوعات پر اظہار خیال کیا، لیکن انداز و اسلوب وہی پرانا رہا۔ شوقی قادر الکلام شاعر تھا۔ زبان پر قدرت وعبور حاصل تھا۔ حافظ ابراہیم سیاسی اور اجتماعی مسائل پر قلم اٹھاتا تھا اور خلیل مطران (۱۸۷۱۔۱۹۴۹ء) اعتدال پسند شاعر تھا۔

عراق کے شعراء میں جمیل صدقی الزہاوی (م ۱۸۹۶ء) اور معروف الرصافی (۱۸۷۵ء) قابل ذکر ہیں۔ جمیل تو فلسفیانہ رجحانات کا مالک شاعر ہے، اسلوب بیان اور انداز نگارش میں کسی کی تتبع کا قائل نہیں اور شعر مرسل یعنی بغیر قافیہ کے شعرگوئی کا خاصا شوق رکھتا ہے۔ معروف الرصافی قدیم ڈگر پر چلتا ہے اور اجتماعی مسائل پر خوب لکھتا ہے۔ سلیم خوری پر مصری اثرات زیادہ ہیں۔[1]

[1] ان جدید شعراء کے تعارف کے لیے دیکھیے: حنا الفاخوری، الجامع فی تاریخ الادب العربی، دار جیل، ص: ۴۱۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جدید عربی شاعری کے دلچسپ پہلو

جدید عربی شاعری پر مختلف زاویوں سے بحث کی جا سکتی ہے، مثلاً:

۱۔ جدید عربی شاعری کا تاریخی پس منظر

۲۔ جدید عربی شاعری کا ارتقا

۳۔ جدید شعراء مختلف عربی ملکوں کے نمائندہ شعراء

۴۔ جدید شاعری کی چند خصوصیات، رومانیت، واقعیت اور رمزیت وغیرہ

یہ تو حقیقت ہے کہ عربی شاعری میں خیالات میں صفائی وغیرہ، یہ رجحانات اکثر مغربی اسلوب کے رہین منت ہیں۔

سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی شکست خوردگی سے پناہ لینے کے لیے حسین وجمیل مناظر کی تلاش، دل کو غم واندوہ سے نجات دلانے کے لیے فطرت کی آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی چمک دمک، پرندوں کے رسیلے اور میٹھے گیت، بدنصیبی اور بدحالی پر قناعت قنوطیت کی طرف میلان کا باعث ہوتا ہے۔ خلیل مطران، امین نخلہ، نزار قبانی، خلیل شیوب، ابوالقاسم الشابی اور عمر ریشہ مشہور شعراء ہیں۔ واقعیت پسند شعراء وطنی، اجتماعی اور انسانی گرد وپیش کا جائزہ لیتے ہیں۔

شاعر عملی جہاد، زندگی اور تگ ودو کی دعوت دیتا ہے۔ رمزیت پسند شاعر اظہار خیال کے لیے صراحت کی جگہ تلمیحات استعمال کرتا ہے۔ اس مدرسہ فکر میں حسن وجمال کی پرستش، تصوف، عقل وباطن کی آزمائش وتجربات اور ابہام وغموض کے لیے کثیف پردے ہوتے ہیں کہ ذہین ترین آدمی کے لیے بھی حقیقت تک پہنچنا دشوار ہوتا ہے۔ ان شعراء کے اکثر تجربات ذاتی نوعیت کے ہوتے ہیں اور ان کی کیفیت خواب وبیداری کے درمیانی عالم کی ہے۔ یہ لوگ سیاسیات واجتماعیات سے الگ تھلگ نظر آتے ہیں۔ عقل میثال بشیر، ایلیا ابو ماضی اور ابوشادی وغیرہ اس گروہ کے اہم نمائندہ ہیں۔[1]

---

[1] جدید دور کے ادب میں مختلف رجحانات ومکاتب فکر کے لیے دیکھیے: الشعر العربی علی ضوء النقد الحدیث للسحرتی، اشہر مشاہیر ادباء الشرق، بمیر الادباء، شعر العصر وغیرہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جدید عربی شاعری کا پس منظر

فرانسیسی فاتح نپولین نے ۱۷۹۸ء میں سرزمین مصر میں قدم رکھا تو مصر کی تاریخ ادبیات میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ اسی عہد سے جدید عربی ادب کی ابتداء ہوئی۔ فرانسیسی اقتدار (۱۷۹۸-۱۸۰۱ء) کے زیر اثر عربی صحافت معرض وجود میں آئی۔ عربی مطابع نے جنم لیا، علمی اور ادبی انجمنوں کی داغ بیل ڈالی گئی۔ لائبریریاں، مدارس اور جمہوری طرز کے دارالمطالعے کھولے گئے۔ کیمیائی مَعمَل اور رصدگاہوں کا قیام عمل میں آیا۔ مختصر یہ کہ عربوں اور مصریوں کے جدید رجحانات فرانسیسی اختلال و اقتدار کے رہین منت۔ ہیں اور یہی رجحانات جدید عربی ادب کی تخلیق و توسیع کا موجب ہوئے۔

۱۸۰۱ء میں فرانسیسی اقتدار ختم ہو گیا۔ محمد علی پاشا[1] نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی جدید تعلیم کی طرف توجہ مبذول کی۔ طب جدید اور فنی تعلیم کے لیے درسگاہوں کی بنیاد رکھی گئی اور تعلیم یافتہ لوگوں کو سرکاری وظائف دے کر تکمیل تعلیم کے لیے فرانس بھیجا گیا۔ ان فارغ التحصیل طلباء نے جدید علمی اور فنی کتابوں کے عربی تراجم کیے۔ اس طرح طب جدید اور دیگر فنی علوم سے عربی زبان کو مالا مال کر دیا گیا۔ مصری رہنماؤں نے یہ راز معلوم کر لیا تھا کہ ملک کی ترقی کا انحصار جدید تعلیم پر ہے۔ چنانچہ ملک کے گوشے گوشے میں نئے طرز کے مدارس کھول کر عصری تعلیم کو عام کرنے کی طرح ڈال دی گئی۔[2]

شام میں امیر بشیر الشہابی نے محمد علی پاشا کے نقش قدم پر چل کر شاہراہ ترقی کی طرف قدم اٹھایا اور امریکی مشنریوں اور یورپی پادریوں کی اعانت سے جدید تعلیم کے لیے مدارس کا افتتاح کیا۔ اس طرح شامیوں کو جدید اسلوب اور نئے افکار و علوم سے

---

[1] محمد علی پاشا، مصر جدید کا بانی، تاریخ حکمرانی (از ۱۸۰۵ تا ۱۸۴۹ء) اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۱۹/۴۵۴

[2] الزرکلی، الأعلام: ۶/۳۰۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آشنا کرنے کی مہم شروع ہوئی۔

علمی و ادبی ماہناموں کا اجراء، غیر ملکی کتابوں کے تراجم، علمی و ادبی مجالس کے قیام، جدید مدارس کی کثرت، چھاپہ خانوں (مطابع) کا رواج، قدیم و جدید علمی کتابوں کی طباعت و اشاعت اور مغربی درسگاہوں کے فارغ التحصیل عرب طلبہ نے جدید عربی کی تخلیق و ترویج میں نمایاں حصہ لیا۔

انیسویں صدی کی عربی شاعری درحقیقت قدیم شاعری کے احیاء کی تاریخ ہے۔ جدید عرب شعراء نے بدلے ہوئے گرد و پیش میں متنبی اور دیگر عباسی شعراء کی تقلید کی ٹھان لی۔ شام میں نصیف الیازجی (۱۸۰۰-۱۸۷۱ء) جیسے قدامت پسند مگر قادر الکلام اور بلند پایہ ادیب نے ادبی قیادت کی زمام ہاتھ میں لی۔ بعض جگہ مغربی اثر بڑا نمایاں نظر آتا ہے، بالخصوص فرانس مراش (۱۸۳۶-۱۸۷۳ء) کے کلام میں۔ قنوطیت پسند مراش کی شاعری حکیمانہ اور اجتماعی افکار کی حامل ہے، مگر خلیل مطران (۱۸۷۱-۱۹۴۹ء) بڑا معتدل اور ہر دلعزیز شاعر ہے۔

مصر میں قدیم شاعری کے احیاء کی تحریک ذرا بعد میں شروع ہوئی۔ اس تحریک کے پیش رو محمود سامی پاشا البارودی (۱۸۳۹-۱۹۰۴ء) اور اسماعیل صبری (۱۸۵۴-۱۹۲۳ء) ہیں۔ بارودی کو مشاہیر شعرائے عرب کے بے شمار اشعار ازبر تھے، اس لیے قدرتی طور پر لغت و اسلوب کے لحاظ سے اس کا کلام جاہلی اور ابتدائی اسلامی عہد کے شعراء کی عکاسی کرتا ہے، لیکن اس کے باوجود زمانہ حاضر کے تقاضوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور اس وجہ سے بارودی کو عصر جدید کے شعراء کا پیش رو تسلیم کیا گیا ہے۔

اسماعیل صبری مغرب و مشرق کے ادب کا شناسا ہے، اس لیے اس کے اشعار میں دونوں کا حسن امتزاج موجود ہے۔ امیر الشعراء احمد شوقی (۱۸۶۸-۱۹۳۲ء) اور شاعر نیل حافظ محمد ابراہیم (۱۸۷۱-۱۹۳۲ء) اپنے پیش رو شعراء سے زیادہ مقبول عوام ہوئے۔ ان کے کلام میں جوش اور ولولہ کی فراوانی کے ساتھ عوام کے دلوں کی ترجمانی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی موجود ہے۔ احمد شوقی نے اپنے آخری ایام میں عربی الیہ کی جانب توجہ مبذول کی اور حافظ ابراہیم نے اپنی شاعری کا رخ سیاسی اور اجتماعی مسائل کی طرف پھیرا۔ شوقی شاعر اسلام ہے۔ حافظ مصری اور عربی شاعر ہے۔ اس کے اشعار قومی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ قدیم اسلوب کے حامی ہیں، لیکن جدید افکار کی قلت نہیں۔[1]

جدید ترین شاعروں میں مازنی، عقاد، شکری، صدیقی اور محمد الاسمر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ یہ مدرسۂ فکر عربی ادب کی روح کو خوب سمجھتا ہے اور عصر حاضر کے تمام ادبی تقاضوں کو بطریق احسن پورا کر رہا ہے۔ زبان کی پختگی، افکار کی بلندی، معلومات کی وسعت، مغربی اسالیب سے واقفیت، ذوق شعری اور الفاظ کا صوری و معنوی جمال اس مدرسہ فکر کی امتیازی خصوصیت ہے۔

عراق کی شاعری بھی کئی خصوصیات کی حامل ہے۔ بغداد اور موصل جیسے شہروں میں قدیم روایات رائج ہیں۔ عراقی شعراء میں جمیل صدقی الزہاوی اور معروف الرصافی (۱۸۷۵ء) بہت بلند پایہ شعراء ہیں۔ الزہاوی کے افکار حکیمانہ ہیں اور رسم و رواج کی زنجیروں سے آزاد۔ قافیوں اور بحروں کے بارے میں وہ بڑا جدت پسند واقع ہوا ہے۔ شعر مرسل کا حامی ہے۔ الرصافی ویسے تو قدیم اسلوب کا حامی ہے، مگر افکار نئے ہیں۔ حریت افکار، آزادی وطن اور معاشرہ کی اصلاح ان شاعروں کے عام موضوع ہیں۔

انیسویں اور بیسویں صدی کی سیاسی اور اقتصادی تحریکوں نے عربوں کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کیا۔ کچھ لوگ یورپ کے مختلف ملکوں میں جا بسے اور اکثر شامی مہاجرین شمالی اور جنوبی امریکہ میں جا آباد ہوئے۔ ان نو آباد عربوں نے نئے ماحول میں پہنچ کر

[1] دکتور شوقی ضیف، شوقی شاعر العصر الحدیث، الھیئۃ المصریہ القاہرہ، ۲۰۰۵ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عربی زبان کو نئی جلا دی اور بدلے ہوئے ماحول کے اثرات اور رجحانات سے عربی کو زینت دی۔ میخائیل نعیمہ، ایلیا ابو ماضی اور الیاس ابو سبکتہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[1]

خصوصیات

جدید شاعری کی چند خصوصیات قابل ذکر ہیں:

۱۔ اس عہد میں شعراء نے بچوں کے اشعار کہے۔

۲۔ عہد حاضر کے عرب شاعروں نے اپنی شاعری میں چڑیا کو خاص جگہ دی۔

۳۔ وطن سے محبت اور قومی گیت لکھے گئے۔

۴۔ فلسفہ حیات کو شاعری کا موضوع بنایا گیا۔

۵۔ نظم معریٰ کو رواج دیا گیا۔

اس جدید دور کی روح اس جستجو اور تلاش میں تھی کہ ذہن و فکر کسی شے کی حقیقت اور اس کے جوہر پر مرتکز ہو۔ نئے حالات میں ظاہری شکل و صورت کا کوئی زیادہ خیال نہ تھا۔ نثری اور شعری ادب میں معانی و مطالب مقصود بالذات تھے اور الفاظ محض اظہار حقیقت کا ذریعہ۔

اس نئے دور کا ادب قیود سے آزاد ہے۔ آج کا شاعر اور ادیب اپنے سامنے ایک خاص مقصد رکھتا ہے، خواہ وہ سیاسی ہو یا اجتماعی، تعلیمی ہو یا انقلابی، اخلاقی ہو یا اقتصادی۔

قدیم عربی شاعری میں قصیدہ کا ہر ایک بیت معانی کے اعتبار سے مستقل حیثیت رکھتا تھا، مگر اب قصیدہ ایک زنجیر کی طرح مربوط اور مسلسل ہوتا ہے، اس کی تمام کڑیاں ایک دوسرے سے وابستہ ہوتی ہیں۔ اس جدید اسلوب کی طرف ان لوگوں کا زیادہ رجحان ہے جو یورپ کی شاعری اور ادب سے واقف ہیں۔

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: دکتور سعد بن عید العطوی، الشعر العربی الحدیث، موقع الالوکۃ، ۱۴۳۳ھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس جدید دور کے دو بڑے شاعر شوقی اور حافظ تھے۔ دونوں کے دل وطن اور دین کی محبت سے لبریز ہیں۔ دونوں کو کلام پر قدرت حاصل ہے۔ دونوں میں بلندی فکر موجود ہے، لیکن طرز بیان اور اسلوب میں قدرے اختلاف ہے۔

شوقی بھاری بھرکم الفاظ، پُرشکوہ ترکیبوں اور ادق اسلوب کا شائق ہے۔ حافظ کے کلام میں سادگی اور سلاست اپنے کرشمے دکھاتی ہے۔ شوقی جب اور جہاں چاہتا شعر کہہ لیتا، اس کی طبیعت ہمیشہ حاضر رہتی تھی۔ وہ عوام کا شاعر ہے۔ شوروشغب سے دور تنہائی میں شعر کہتا تھا۔ اس کے شعروں میں سنگتراشی کی محنت و محبت اور دلسوزی جلوہ گر ہے۔[۱]

ڈاکٹر منصور فہمی (پ ۱۸۸۶ء)

مصری انشا پردازوں میں ڈاکٹر منصور فہمی کا مقام بہت بلند ہے۔ جدید عربی ادب میں منصور فہمی کے مقالات بڑی نمائندہ حیثیت رکھتے ہیں۔ جس طرح اس کی شخصیت عصر جدید کی آئینہ دار ہے اسی طرح اس کے مقالات بھی عصر حاضر کے جدید تقاضوں اور رجحانات کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس کے ہاں طنز تو ہے لیکن اس طنز میں رذالت و دنایت نہیں۔ اس کی تنقید میں اظہار حقیقت کے ساتھ ہلکی سی چبھن بھی ہے، لیکن مبالغہ اور توہین و تذلیل کا پہلو نہیں۔ تقریباً تمام معیاری رسائل میں اس کے مضامین شائع ہوتے رہے۔

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل (پ ۱۸۸۸ء)

قاہرہ میں قانون کا امتحان پاس کیا۔ پیرس یونیورسٹی سے سیاسیات پر ڈگری حاصل کی۔ قاہرہ میں وکالت بھی کی۔ پہلا عربی ناول ''زینب'' لکھا، جس میں مصر کی دیہاتی زندگی کا نقشہ پیش کیا۔ ۱۹۱۱ء میں ''فی اوقات الفراغہ'' میں ہمعصر ادیبوں پر تنقید بھی کی۔

[۱] شوقی اور حافظ جدید عربی کے بڑے شاعر ہیں۔ اردو میں ان کے مشابہ شعراء حالی، اکبر اور علامہ اقبال ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بلند پایہ قانون دان، صحافی، انشاء پرداز اور نقاد ہونے کی وجہ سے اس کی تحریر میں وضاحت اور اختصار آ گیا ہے۔ وہ ہر بات بڑی احتیاط اور ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے کہتا ہے۔ اس کے اسلوب میں جاذبیت اور انفرادیت موجود ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کم از کم نثر میں جو کچھ کہا جائے وہ بڑا غیر مبہم اور واضح ہونا چاہیے۔ ہیکل کا کہنا ہے کہ مشرق کی زندگی روحانیت میں مضمر ہے۔ ہماری تمام ثقافتی اور تمدنی سرگرمیوں کا انحصار روحانی بیداری پر ہے۔ اس کے نزدیک مذہب ہی انسانی تسکین اور قلبی سکون کا سرچشمہ ہے۔ بقول ہیکل ہمارے انحطاط کی وجہ دینی رہنماؤں میں قلت اخلاص اور کثرت خودغرضی ہے۔[1]

خلیل جبران

وہ بیک وقت شاعر، ادیب اور مصور ہے۔ اس کا اسلوب عربی بائبل کا رہین منت نظر آتا ہے۔ انجیلوں کی زبان میں لکھتا ہے۔ مضامین و خیالات میں تصوف کا رنگ غالب ہے۔ اسی وجہ سے استعارہ، تشبیہ اور کنایہ بہت استعمال کرتا ہے۔ کبھی کبھار تو ابہام کا یہ حال ہے کہ اتنا صوفیانہ اور مجذوبانہ اسلوب اختیار کرتا ہے کہ قارئین کے پلے کچھ بھی نہیں پڑتا۔ اس کی نگارشات میں عیسائی تصورات کا پہلو نمایاں ہے۔

جبران اپنی ادبی تخلیقات کی وضاحت کے لیے تصویر کشی کرتا ہے اور بعض اوقات اس کی تصویریں اور لکیریں الفاظ سے زیادہ مبہم ہوتی ہیں۔ عرائس المروج، الاجنہ المتکسرۃ ودمعہ فی عالم الادب، الأرواح المتردہ اس کی معروف تصانیف ہیں۔[2]

ماری زیادہ المعروف بہ مِی زیادہ (۱۸۹۵ تا ۱۹۴۱ء)

بڑی پڑھی لکھی اور فضیلت مآب خاتون تھی۔ انگریزی، جرمن، فرانسیسی، لاطینی،

[1] الزرکلی، الأعلام: ۶/۱۰۷

[2] الزرکلی، الأعلام: ۲/۱۱۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جدید یونانی اور ہسپانوی زبانوں کی ماہر تھی۔ بڑے بڑے ادیبوں، شاعروں اور انشا پردازوں کے تلمذ کا شرف رکھتی تھی۔ ذہانت کی وجہ سے ''الآنسہ النابغہ'' مشہور ہے۔ نظم معریٰ خوب کہتی ہے اور مخالفین اور قدامت پسند طبقہ بھی سر دھنتا ہے۔ تنقید نگاری میں اس کا اسلوب بیان سب سراہتے ہیں۔ زبان میں اتنی چاشنی ہے کہ تھرڈ کلاس کہانی یا ناول بھی عربی میں ترجمہ کر دے تو قاری ختم کیے بغیر دم نہ لے۔ قدیم و جدید دونوں طبقوں میں مقبول ہے۔ نثر میں ''بین الجزر والمد، غایۃ الحیاۃ، الکلمات والاشارات، الحب فی العذاب'' (ناول) اور نظم میں ''سوانح فتاۃ'' پڑھنے کے لائق ہیں۔[1]

سلامہ موسیٰ (پ ۱۸۸۸ء)

عربی ادیبوں میں ایک نرالی شان کا مالک ہے۔ جب سلامہ موسیٰ لندن یونیورسٹی میں قانون اور اقتصادیات کی تحصیل کر رہا تھا تو وہاں اسے ۱۹۰۸ء میں برنارڈ شا کے لیکچر سننے کا موقع ملا۔ پھر پیرس میں فرانسیسی ادب کا مطالعہ بھی کیا۔ بعد ازاں روسی ادب میں دل لگا لیا اور کئی ایک روسی ناولوں اور کہانیوں کا عربی میں ترجمہ بھی کر ڈالا۔ الہلال میں ٹالسٹائی، گورکی اور دوسرے روسی ادیبوں پر خوب مقالات لکھے۔

سلامہ موسیٰ زبان کی سادگی اور سلاست کا بڑا قائل ہے۔ لفظوں کا بانکپن اور ترکیبوں کا شان وشکوہ اسے ایک نظر نہیں بھاتا۔ مشرق کو قطعاً پسند نہیں کرتا اور مغرب کی ہر شے کا دلدادہ ہے۔ ادب اور زندگی کی اقدار کے تعین میں برنارڈ کا پیرو ہے۔ زبان کے معاملے میں اس کا کہنا ہے کہ جدید مسائل، نئی تہذیب اور نئے افکار کے لیے قدیم بدوی زبان استعمال کرنی چاہیے۔ وہ ماضی سے بالکل بیگانہ ہو کر حال و مستقبل میں رہنا چاہتا ہے۔ ادب کے بارے میں اس کا نظریہ یہ ہے کہ عوام کی تعلیم کی رہنمائی، کائنات کے حقائق کا انکشاف، ان حقائق سے لطف اندوزی اور ان میں سکون کی تلاش و تخلیق ادب کا مقصد ہے۔ یہ مقصد مسلسل مطالعہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ادیب کو چاہیے کہ

[1] الزرکلی، الأعلام: ۲۵۳/۵ و عمر رضا کحالہ، معجم المؤلفین: ۱۶۵/۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عوام کی زبان میں لکھے اور فصحاء و بلغاء کے اسالیب کو خیر باد کہہ دے۔ احلام الفلاسفہ، الیوم والغد، حریۃ الفکر وغیرہ اس کی تصانیف قابل مطالعہ ہیں۔[1]

عقاد (پ ۱۸۸۹ء)

عباس محمود العقاد شاعر بھی ہے اور ادیب بھی۔ ہر موضوع پر قلم اٹھاتا ہے اور بڑی عمدگی سے نبھاتا ہے۔ صف اول کا نقاد ہے۔ بے لاگ نقد و تبصرہ کرتا ہے اور بڑے بڑے ادیبوں کی پگڑی اچھلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ عقاد کا اسلوب بڑا پیارا اور دلکش ہے۔ بقول مدیر المقتطف عقاد کے اشعار میں قدماء کی متانت، پختگی اور جدید ادیبوں کی سلاست جمع ہوگئی ہے۔[2]

عقاد اپنے دیوان کے دیباچہ میں اعتراف کرتا ہے کہ اس کے دیوان میں عقل و خرد کے ساتھ حماقت و بیوقوفی، امید و رجا کے ساتھ یاس و قنوط اور محبت و الفت کے ساتھ نفرت و حقارت کے جذبات وغیرہ سب موجود ہیں۔ عقاد کا دعویٰ ہے کہ اس کا دیوان اس کی اپنی زندگی کا آئینہ اور اس کے ذاتی تجربات و احساسات کا مرقع ہے۔

ایک نقاد کی حیثیت میں عقاد کا کہنا ہے کہ یہ درست ہے کہ ہم ایک شاعر سے سائنس کی تحقیقات اور معلومات کا نہ تقاضا کر سکتے ہیں اور نہ ایک مؤرخ سے تاریخی واقفیت و حد بندی کی امید رکھ سکتے ہیں، مگر اتنا ضرور ہے کہ یہ بھی گوارا نہیں کر سکتے ہیں کہ ایک شاعر محقق صداقتوں کو جھٹلانا شروع کر دے اور ہمیں یہ بتانے لگے کہ پانچ اور پانچ آٹھ ہوتے ہیں اور دو اور دو سات۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شوقی، منفلوطی اور جبران سے اونچے درجے کے ادیب اور شاعر بھی اس کی تنقید سے نہیں بچ سکے۔ مراجعات فی الادب والفنون، ساعات بین الکتب، الفصول اور مطالعات اس کی اہم کتب ہیں۔

دوسرے ادیبوں میں خلیل مطران لبنانی (م ۱۹۴۹ء)، شاعرہ و ادیبہ عائشہ عبدالرحمٰن

---

[1] الزرکلی، الأعلام: ۳/۱۰۷

[2] عقاد موسوعی مفکر، ادیب، شاعر اور نقاد تھے۔ ان کے علمی کاموں کا مجموعہ درجن سے زائد مجلدات پر مشتمل ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

المعروف بہ بنت الشاطی، آنسہ دنا فیر اور آنسہ عبدالفتاح طوقان وغیرہ قابل ذکر ہیں۔[1]

ایلیاء ابو ماضی

ایلیا ابو ماضی لبنان میں ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوا۔ گیارہ برس کی عمر میں مصر پہنچا، دس سال تک وہاں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ ۱۹۱۱ء میں امریکہ جا بسا۔ پہلے تو صحافت کو بطور پیشہ اپنایا اور ''مرأۃ الغرب'' کے ادارہ تحریر سے وابستہ رہا، لیکن تھوڑے عرصے کے بعد صحافت کو خیر باد کہہ کر تجارت شروع کر دی۔ پھر ۱۹۲۹ء میں دوبارہ میدان صحافت میں کود پڑا اور نیویارک سے مجلہ ''السمیر'' جاری کیا۔

اگرچہ ایلیا ابو ماضی امریکی مکتب فکر کا شاعر ہے، لیکن اس کا اسلوب تمام شامی و امریکی شاعروں کے لحاظ سے بہترین ہے۔ اس کی زبان خالص عربی ہے، جس کی وجہ یہی ہے کہ اسے مسلسل دس سال تک مصر میں قیام کا موقع میسر آیا۔ اس کے اشعار سلیس اور اس کی زبان شیریں ہے۔ اسلوب، موضوع اور اوزان میں اعتدال پسندی نمایاں ہے۔ اس کا کلام کئی مجموعوں میں شائع ہو چکا ہے، جن میں الخصائل جلد اول وغیرہ قابل ذکر ہیں۔[2]

میخائل نعیمہ

لبنان کا عیسائی ادیب شاعر میخائیل نعیمہ ۱۸۸۹ء میں بسکنتہ میں پیدا ہوا۔ بچپن روسی مدارس کی گود میں گزرا۔ لڑکپن میں روس جا کر تعلیم حاصل کرتا رہا۔ جوانی روسی ادب کی سرپرستی میں گزری۔ ۱۹۱۲۔۱۹۱۶ء میں واشنگٹن یونیورسٹی میں قانون کی تحصیل کی۔ جبران اور الریحان کے بعد امریکی مکتب فکر کا بڑا ہر دلعزیز ادیب اور شاعر سمجھا جاتا ہے۔

اس کا قول ہے کہ ادب تو ادیب اور قاری کے درمیان ایک پیغامبر ہے۔ وہی

[1] الزرکلی، الأعلام: ۳/۲۶۶

[2] الزرکلی، الأعلام: ۲/۳۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شخص حقیقی معنوں میں ادیب ہے جو اپنا دل کھول کر قارئین کے سامنے رکھ دے۔ اس کے خیال میں نقاد ایک محقق رہنما ہے جو قارئین کے لیے حسن اور قبیح، اچھے اور برے، صحت مند اور بیمار ادب میں تمیز کر دے۔

میخائل نعیمہ کے نزدیک نقاد کے لیے ضروری نہیں کہ وہ خود بھی شاعر، ادیب یا مصور ہو۔ وہ اس بات کا بھی حامی ہے کہ ڈرامہ عوام کی زبان میں لکھا جائے، لیکن علمی و ادبی معیار اور زبان کو زندہ رکھنے کے لیے تعلیم یافتہ کرداروں کو ادبی زبان میں گفتگو کرنا چاہیے۔

میخائل نعیمہ کا دیوان ہمس الجفون بالخصوص قابل ذکر ہے اور نثر میں ''الغربال'' اور'' الاباء والبنون۔''

جدید عربی شاعری کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے عربوں کو اقدار حیات اور انسانی حقوق کے تصور سے آگاہ کیا، فکر و ذہن کی آزادی بخشی، جدید تعلیم کی ضرورت و اہمیت بتائی، نئی تہذیب سے روشناس کیا، غلامی کے خلاف نفرت و حقارت کے لیے بے پناہ جذبات پیدا کیے، آزادی وطن کے جذبے سے سرشار کیا، جذبہ خودی کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا، نئے موضوع اور نئے خیال سے آشنا کیا۔

میخائل نعیمہ نے قومی گیتوں اور وطنی ترانوں سے عربی ادب کو مالا مال کر دیا۔ زبان کی سلاست و حلاوت، افکار کی جدت، خیال و مقصد کی وضاحت اور بیان کی صراحت سے عربی شاعری کو چار چاند لگا دیے۔[1]

جمیل صدقی الزھاوی

عصر جدید میں عراق کا سب سے بڑا شاعر ہے جو بغداد میں پیدا ہوا (پیدائش ۱۸ جون ۱۸۶۳ء۔ وفات فروری ۱۹۳۶ء)۔ باپ محمد فیضی الزہاوی کرد نسل سے تھا اور بغداد کا مفتی تھا۔ شجرۂ نسب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے ملایا جاتا ہے۔ اس کا دادا فارس کے

[1] الزرکلی، الأعلام: ۳۳۶/۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قصبہ زہادی میں کچھ عرصہ کے لیے مقیم رہا۔ پھر اسی نسبت سے الزہادی مشہور ہوا۔ ابتدائی اسلامی علوم کی تحصیل اپنے والد سے کی۔ عربی، فارسی، ترکی اور کردی زبانوں پر بہت کچھ مطالعہ کیا، لیکن یورپی زبانوں سے بالکل واقفیت نہ تھی۔

شروع میں مختلف عہدوں پر متمکن رہا، لیکن آزادی رائے اور حریت فکر کے باعث زندقہ کا الزام لگ چکا تھا جس کی بنا پر بڑا مرتبہ حاصل نہ کر سکا۔ صحت بھی چنداں اچھی نہ رہتی تھی۔ مختلف امراض کا شکار ہوتا رہا اور آخرکار ۵۵ سال کی عمر میں پاؤں سے لنگڑا ہو گیا۔

عہد شباب میں بغداد کے تعلیمی بورڈ (Board Of Education) کا رکن منتخب ہوا۔ بعد ازاں حکومت کے محکمہ طباعت (State Printing Office) کا ڈائریکٹر مقرر ہو گیا۔ الزوراء کا ایڈیٹر بھی رہا اور کورٹ آف اپیل کے ممبر کی حیثیت سے بھی کام کیا۔

۱۸۷۶ء میں استانبول سے دعوت آئی جہاں ''نوجوان پارٹی'' سے اچھے تعلقات پیدا ہو گئے اور ترکی مشن کے ساتھ یمن بھیجا گیا۔ ترکی جاتے ہوئے راستہ میں مصر میں بھی قیام کیا اور وہاں علمی اور ادبی حلقوں سے تعارف حاصل کیا۔

نوجوان پارٹی کے انقلاب کے بعد دوبارہ استانبول بلایا گیا، جہاں یونیورسٹی میں مسلم فلسفہ اور عربی ادب کی تدریس کے فرائض انجام دیے۔ لیکن صحت کی خرابی کے باعث پھر وطن واپس آنا پڑا۔

بغداد کے لاء کالج میں قانون پڑھانا شروع کیا۔ اس دوران میں آزادی نسواں کے موضوع پر بہت سے مقالے ''المؤید'' میں چھپے جس کی وجہ سے عوام میں بڑا ہیجان پیدا ہوا اور لوگ اسے مرنے مارنے پر تل گئے۔

جنگ عظیم کے دوران میں اور بعد میں بھی بہت سے عہدوں پر فائز رہا اور زیادہ تر ترجمہ اور تالیف کا کام اس کے سپرد رہا۔ اس عرصہ میں اس پر کئی وجوہات کی بنا پر قنوط و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یاس کا عالم طاری ہو گیا اور اس وجہ سے امیر فیصل کی پیشکش (بصورت درباری شاعر اور مؤرخ) قبول کرنے سے انکار کر دیا۔[۱]

۱۹۲۴ء میں پھر شام اور مصر کا سفر کیا۔ ۱۹۲۶ء میں ایک رسالہ جاری کیا جس کا نام ''الاصابہ'' تھا جس میں اجتماعی اور مجلسی مسائل پر وہ اپنے خیالات کا اظہار کرتا تھا۔ یہ رسالہ بہت دیر جاری نہ رہ سکا۔ اس کے بعد موصوف نے دنیا سے تنگ آ کر گوشۂ تنہائی اختیار کر لی اور افلاس و تنگ دستی کی زندگی کو پسند کیا۔

الزہاوی محض شاعر نہیں بلکہ بہت بڑا فلسفی، مفکر اور اسلامی علوم کا متبحر عالم بھی ہے۔ علم الطبیعیات کے مطالعہ کا بھی شوق تھا اور اس ضمن میں بجلی پر اپنے نظریے پیش کیے، لیکن ان کا حقائق سے بہت کم تعلق تھا۔

الزہاوی فارسی زبان کا بھی عالم تھا اور عمر خیام کی رباعیوں کا عربی میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔ چنانچہ ۱۹۲۵ء میں بغداد میں فارسی رباعیاں اور ان کا عربی ترجمہ شائع کیا۔ ۱۹۳۴ء میں، جبکہ تہران میں فردوسی کی یادگار منائی جا رہی تھی تو الزہاوی نے اپنے عربی اور فارسی قصائد پڑھ کر سنائے جن کی ایرانیوں نے بہت تعریف کی۔[۲،۳]

---

۱ یوسف علی، جمیل صدقی الزہاوی، حیاتہ وشعرہٗ، جامعہ ام درمان، ۲۰۰۸ء، ص: ۱۷-۳۷

۲ الزرکلی، الأعلام: ۲/ ۱۳۷

۳ تخریجِ مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جدید عربی شاعری

(حصہ دوم)

جب شاعر کسی مخالف یا کسی دشمن قبیلے کے معائب و نقائص بیان کرتا، ان کے نسب پر نکتہ چینی کرتا، ان کے خلاف شرم و عار کی باتیں کہتا، ان کی بدکرداریوں کو اجاگر کرتا، انھیں قلتِ تعداد اور فقدانِ عزت و شرافت کا طعنہ دیتا تو اس اندازِ شعر کو ہجاء یا ہجو گوئی کہتے ہیں۔ شخصی اور قومی زاویہ نگاہ سے فریق مخالف کو بدنام و رسوا کرنے کے لیے ہجاء بہت بڑا سیاسی حربہ تھا۔ قبائل و عوام کے علاوہ بڑے بڑے سردار اور سلاطین بھی ہجو گو شاعر سے ڈرتے تھے۔

اگر شاعر کسی سردار یا صاحب فضل و مال کی تعریف و توصیف کرتا، اس کے عدل و انصاف، بذلِ مال، عقل و دانش، عفت و عصمت، حسن و جمال اور قد و قامت کی تعریف و توصیف کرتا تو اس صنف شاعری کو مدح کہتے ہیں۔ کبھی کبھار یہ مدح انعام و اکرام کے شکریہ میں بھی ہوتی تھی۔

عرب شاعر مرثیے بھی کہتے تھے۔ جب کوئی عزیز یا بہادر یا سردار بستر مرگ پر یا میدان جنگ میں مرجاتا تو اس کی موت پر اپنے جذبات کا اظہار شعروں میں کرتے۔[1]

عرب صحرا نشین اور بادیہ پیما تھے۔ ان کے ہاں پالتو جانوروں میں اونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے عام تھے۔ انھیں جنگلی جانوروں اور وحشی درندوں سے بھی سابقہ پڑتا تھا۔ ان کا ذوق شعری تیز رفتار اونٹ، ناقہ سیار اور اسپ برق رفتار کے گن گانے کے علاوہ نیلے آسمان، پھیلے ہوئے ریگستان، ٹیلے، پہاڑ، وادی اور چشمے وغیرہ سب محاسن و

[1] قدیم عربی شاعری کی خصوصیات کے لیے دیکھیے: احمد حسن زیات، تاریخ الادب العربی، ص: ۴۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مناظر کی داد دیتا ہے۔ اس طرح ان کے ہاں وصفیہ شاعری کی بھی کچھ کمی نہیں۔ تلواروں کے سائے میں پلنے والا اور شیروں اور بھیڑیوں سے نہ ڈرنے والا۔ عرب شاعر نازک اور لطیف جذبات سے بھی عاری نہ تھا، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ طبعی ذوق اور فطری رجحان عرب شاعروں میں غلو کی حد تک موجود تھا۔ عورت اس کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی۔ وہ شاعر کے لیے مصدر الہام اور عروس شعر تھی۔ عرب شاعر عورتوں کے حسن و جمال کا ذکر کرتا، ان کے سفر و اقامت کا تذکرہ کرتا، ان کے اجڑے دیار کا حال سناتا۔ اونٹوں کے بلبلانے، فاختہ کے چہچہانے، بجلی کی چمک، بادل کی کڑک، آگ کی روشنی اور باد نسیم کے جھونکے سے شاعر کے دل میں محبوبہ کی یاد تازہ ہو جاتی اور اس کا شوق محبت انگڑائیاں لینے لگتا۔

یہ بھوت شاعر کے دل و دماغ پر اس حد تک سوار ہو گیا کہ عربوں کے ہاں یہ دستور بن گیا کہ جب بھی کوئی قصیدہ کہا جاتا تو اس کے شروع میں غزلیہ اشعار کہنا لازمی قرار پا گیا۔ اس طرح نسیب یا تشبیب عربی قصائد کا جزو لاینفک ٹھہرا۔ متنبی نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور کہا ؎

اذا کان مدح فالنسیب المقدم
اکل فصیح قال شعراء متیم [1]

یہ کیا بے ہودگی ہے کہ قصیدہ کے شروع میں غزل کے اشعار ضرور کہے جائیں۔ کیا ہر فصیح الکلام شاعر کے لیے لازم ہے کہ اس پر عشق سوار ہو؟

بعد میں آنے والے نقادان شعر نسیب کے بارے میں جتنی تاویلیں چاہیں کریں، لیکن یہ ایسی حقیقت ہے جس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ عربی غزل حقیقی بھی ہوتی ہے اور خیالی بھی۔ اسی طرح عفیف بھی اور اباحی بھی۔

عرب شاعروں کے حکیمانہ اشعار کی بھی کچھ کمی نہیں۔ اپنی بدوی زندگی میں شاعر

---

[1] ضیاء الدین الموصلی، المثل السائر: ۱/ ۲۳۷ و ابو منصور الثعالبی، یتیمۃ الدہر، ص: ۵۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی زندگی خوشگواری اور تلخی سے ہم کنار ہوتی تھی۔ اس نے سفر کی صعوبتیں، زندگی کے مصائب و آلام اور ذہنی کوفت اور جسمانی مشقت برداشت کرنے کے بعد سوچ وفکر کی راہیں تلاش کیں۔ زندگی کی تلخی اور رنگینی، موت وحیات کی کشمکش، فکرونظر اور قلب وجگر کی داستان نے اسے عقل ودانش کی چوکھٹ پر لا کھڑا کیا۔ اب شاعر لمحات فکریہ میں کچھ شعر کہہ جاتا ہے جو فلسفہ حیات بیان کرتے ہیں۔

عربی شعر میں عروض کا استعمال

عربی شعرا اپنے عروض اور قوافی کے اعتبار سے بھی خاصا دلچسپ ہے۔ عربی شعر کے ارتقاء کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اولاً سجع نے رواج پایا۔ دانشور اور حکمت پیشہ لوگوں کا گروہ جنھیں کاہنین کہا جاتا تھا، ان کی حکیمانہ باتیں مسجع عبارت میں ہوتی تھیں۔ پہلے پہل عرب شاعر کے تصورات نے سجع سے ترقی کر کے رجز کا قالب اختیار کیا۔ رجز بحر میں اشعار کو ارجوزہ (جمع: اراجیز) کہتے ہیں۔ ارجوزہ نسبتاً آسان تھا، یعنی مستفعلن، مستفعلن، مستفعلن. ارجوزہ کی ترقی یافتہ صورت قصیدہ کی شکل میں رونما ہوئی۔ اوزان وبحور کی پابندی شعری موسیقی کی ضامن تھی۔ عربی کلاسیکی شاعری کی نمایاں خصوصیت اوزان وبحور کی پابندی ہے۔[1]

کلاسیکی شاعری کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بحر طویل ان کے ہاں سب سے زیادہ مقبول و مروج اور ہردلعزیز تھی۔ سب سے زیادہ قصائد اور اشعار بحر طویل میں ملتے ہیں، پھر قبولیت ورواج کے اعتبار سے کامل، وافر اور بسیط ہے۔ امراؤ القیس کے ہاں متقارب بھی خاصی مقبول ہے۔

اب ذرا ایک طائرانہ نظر ان بحور پر بھی ڈال لی جائے تاکہ قارئین حضرات کو یہ اندازہ ہوسکے کہ شاعر کے انتخاب بحور میں کس قسم کا ذوق موسیقی کارفرما ہے:

---

[1] علم عروض کی تفصیل کے لیے دیکھیے: عبدالعزیز عتیق، علم العروض والقافیۃ، دارالنھضۃ العربیۃ، بیروت، ۱۹۸۷ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مستفعلن، مستفعلن، مستفعلن (دوبار)

مستفعلن زحافات کے سبب مفتعلن متعلن بھی بن جاتا ہے۔مفعولن اور فعولن رجزیہ شعر عام طور پر فی البدیہ کہے جاتے تھے۔

یا شبل ذات البصر الحدید
و من یری بالنظر البعید
کم لک بین الوحش من طرید
تسوقه یوما بلا قیود

کلاسیکی شعراء کے رجز کہنے والوں میں درید بن زید بن نہد، ابوالنجم، عجاج اور رؤبہ زیادہ مشہور ہیں۔

طویل: فعولن، مفاعلین، فعولن، مفاعیلن (دوبار)

فعول:

قفا نبک من ذکری حبیب و منزل
بسقط اللوی بین الدخول فحومل
هما خطتا اما اسار و منة
و اما دم و ان القتل بالحر اجدر [1]

کامل: متفاعلن، متفاعلن، متفاعلن (دوبار)

(مستفعلن، مفعولن وغیرہ)

خلت الدیار فسدت غیر مسود
و من الشقاء تفردی بالسودد [2]

وافر: مفاعلتن، مفاعلتن، مفاعلتن (دوبار)

مفاعلین، فعولن.

---

[1] ابن الجوزی، المنتظم: ۲/۱۴۱ و ابن کثیر، البدایة والنہایہ: ۲/ ۲۷۸

[2] ابن خلکان، وفیات الأعیان: ۴/ ۲۲۰ والجاحظ، البیان والتبیین: ۳/۱۴۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اقـول لهـا و قـد طـارت شـعـاعـا
مـن الابـطـال ويـحـک لا تـراعـی [1]

بسیط: مستفعلن، فاعلن، مستفعلن، فاعلن (دوبار)

(مفاعلن، فعلن، فعلن)

انـا محيـوک يـا سـلـمـی فـحـيـنـا
و ان سـقـيـت كـرام الـنـاس فـاسـقـيـنـا [2]

متقارب: فعولن، فعولن، فعولن، فعولن.

ارقـت لـبـرق بـلـيـل اهـل
يـضـئ سـنـاه بـاعـلـى الـجـبـل
اتـانـی حـديـث فـكـذبـتـه
بـامـر تـزعـزع مـنـه الـقـلـل

عربی شاعری کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں الفاظ کے حسن و جمال کے ساتھ معانی کی وضاحت بھی موجود ہے۔ عربی شاعر نے مبالغہ کا بہت کم استعمال کیا ہے۔ ایسے انداز میں فکر اور اسلوب سے اجتناب کیا گیا ہے جس سے قاری یا سامع کے ذہن وفکر کو کدوکاوش کی ضرورت ہو۔

جب اسلامی دور شروع ہوا تو شاعری میں تنوع پیدا ہونے لگا۔ عربی شاعری میں دینی رجحانات بکثرت نظر آنے لگے۔ شاعری میں نعت کی ابتدا ہوئی اور گروہ بندی نے ایک اہم جگہ حاصل کر لی۔

خارجی عقیدہ رکھنے والوں اور شیعانِ علی رضی اللہ عنہ کی شاعری اس سلسلے کی قابل ذکر مثال ہیں۔ پھر تصوف آ گیا۔ ابوالعتاہیہ کی قنوطیت، معری کا فلسفہ، مختصراً یہ کہ بعد کی عربی شاعری میں بڑا تنوع پیدا ہو گیا۔

---

[1] الذہبی، تاریخ الاسلام: ۵/۵۱۱ و ابن خلکان، وفیات الأعیان: ۴/۹۴

[2] ابن سعد الأندلسی، نشوۃ الطرب، ص: ۴۵۶ و عبدالقادر البغدادی، خزانۃ الأدب: ۸/۳۰۲

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جدید عربی شاعری کے چند نمونے

اب میں آپ کی خدمت میں عربی شاعری کے چند نمونے پیش کرتا ہوں۔

فخر وحماسہ

عمرو بن کلثوم فخر وحماسہ میں کہتا ہے ؎

بانا نُورد الرایات بِیضاً
و نُصدرهن حُمرا قد رَوِینا
و ایام لنا غر طوال
عصینا الملک فیها ان ندینا[1]
متی ننقل الی قوم رحانا
یکونوا فی اللقاء لها طحینا
ورثنا المجد قد علمت معد
نطاعن دونه حتی یبینا
لنا الدنیا و من اضحی علیها
و نبطش حین نبطش قادرینا
اذا ما الملک سام الناس خسفا
ابینا ان نقر الخسف فینا
اذا بلغ الفطام لنا صبی
تخر له الجبابر ساجدینا
الا لا یجهلن احد علینا
فنجهل فوق جهل الجاهلینا[2]

---

[1] علی الجندی، فی تاریخ الأدب العربی، ص: ۳۱۸ وحسین أحمد الزوزنی، شرح المعلقات السبع، ص: ۲۲۱
[2] ابن حجۃ الحموی، خزانۃ الأدب: ۱/۴۲۳

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہم (میدان جنگ میں) سفید جھنڈے لے کر اترتے ہیں اور جب ہم انھیں واپس لاتے ہیں تو وہ سیراب ہو کر سرخ ہو چکے ہوتے ہیں۔ ہماری تاریخ طویل اور روشن ہے۔ اگر بادشاہ کی مجلس میں بھی ہم حاضر ہوئے (یا بادشاہ نے ہم پر بخشش کرنا چاہی) تو ہم نے اس کی بھی حکم عدولی کی۔ ہماری طاقت وقوت کا حال یہ ہے کہ جب بھی ہم نے موت کی چکی کو کسی قوم کی طرف منتقل کیا تو وہ اس کے ساتھ مل کر آٹے کی طرح پس گئے۔ بنو معد جانتے ہیں کہ ہم معد کی بزرگی کے وارث ہیں اور ہم اس وقت تک اس کے لیے لڑتے ہیں جب تک وہ ہمارے لیے واضح نہ ہو جائے۔ تمام دنیا اور اس پر جو کچھ بھی ہے وہ ہمارا ہے۔ جب ہم کسی کو پکڑتے ہیں تو بڑی سختی اور قدرت سے پکڑتے ہیں۔ جب بادشاہ سب لوگوں کو ذلیل کرے تو ہم ذلت کو قبول نہیں کرتے۔ جب ہمارا کوئی بچہ دودھ چھوڑنے کی عمر کو پہنچتا ہے تو اس کے سامنے تمام جابر حکمران سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ خبردار! ہمارے بارے میں کوئی شخص نادانی نہ دکھائے، ورنہ ہم نادان کی نادانی سے بڑھ کر نادانی دکھائیں گے۔

الفند الزمانی جنگ بسوس کے متعلق کہتا ہے ؎

مشينا مشية الليث
غدا والليث غضبان
بضرب فيه توهين
وتخضيع واقران
وطعن كفم الزق
غذا والزق ملآن
وبعض الحلم عند الجهل

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

لـــلـــــذلة اذعـــــان

وفــي الشــر نــجــاة حيــن

لا يــنـــجيك احســـان[1]

ہم شیر کی چال چلے، جیسے کہ وہ غضبناک ہو کر حملہ کے لیے آگے بڑھتا ہے۔ ایسی شمشیرزنی کے ساتھ جس میں دشمنوں کی توہین، ان کو جھکانا اور ان کو ذلیل کرنا تھا۔ ہمارے نیزوں کے زخم مشک کے منہ کی طرح ہوتے ہیں۔ جیسے کہ منہ تک بھرا ہوا گھڑا کھلنے کے بعد نظر آتا ہے۔ بعض اوقات نادانی کے وقت بردباری دکھانا ذلت قبول کرنے کی طرح ہے اور جب دوسرے سے حسن سلوک فائدہ نہ دے تو لڑائی ہی میں نجات ہے۔

بنو قیس بن ثعلبہ کا ایک نامعلوم شاعر کہتا ہے ؎

ان تبتـدر غـايـة يومـا لـمكـرمـة

تـلـق السـوابـق منـا والـمـصليـنا

وليـس يهـلـك منـا سيـد ابـدا

الا افتـلينـا غلامـا سيدا فيـنـا

انـا لـنـرخـص يوم الـروع انفسنـا

ولـو نسـام بهـا فـي الامن اغلينـا

اذا الـكـمـاة تـنـحـوا ان يصيبهم

حـد الـظبـاة وصلنـاهـا بايـديـنـا[2]

اگر کسی دن کسی عزت و آبرو والی شے کے حصول میں مقابلہ ہو تو تم ہماری قوم کے لوگوں کو پہلے اور دوسرے نمبر پر آنے والے دیکھو گے۔ ہمارا

---

[1] أبوتمام، دیوان الحماسہ: ۱/ ۵۹ و عبدالقادر البغدادی، خزانۃ الأدب: ۳/ ۴۳۲

[2] أبوتمام، دیوان الحماسہ: ۱/ ۷۷ والمبرد، الکامل فی اللغۃ والأدب: ۱/ ۹۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سردار جب بھی ہلاک ہوتا ہے تو ہم فوراً ہی کسی لڑکے کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔ ہم لوگ لڑائی کے دن اپنی جانوں کو سستا کر دیتے ہیں اور اگر امن کے دنوں میں ان کی قیمت لگائی جائے تو ہم بڑے گراں قیمت ہیں۔ جب شہسوار لوگ تلوار کی دھار لگنے کے خطرے سے ادھر ادھر ہوتے (چھپتے نظر آتے) ہیں تو ہم لوگ تلواروں کو ہاتھوں پر لیتے ہیں۔

سموآل بن عادیا (ایک یہودی سردار) کہتا ہے ؎

و ما مات منا سيد حتف انفه
و لا طل منا حيث كان قتيل
تسيل على حد الظبات نفوسنا
و ليست على غير الظبات تسيل [1]

ہمارا کوئی سردار خودکشی کر کے نہیں مرا اور نہ ہی ہمارے کسی مقتول کا خون ضائع ہوا ہے۔ ہم اپنی جانوں کو تلواروں کی دھار پر بہاتے ہیں۔ ہماری یہ جانیں تلواروں کی دھار کے سوا کسی اور چیز پر نہیں بہتیں۔

مرثیہ نگاری

عبدہ بن الطبیب (ایک جاہلی شاعر) کہتا ہے ؎

عليك سلام الله قيس بن عاصم
و رحمته ما شاء ان يترحما
تحية من غادرته غرض الردى
اذا زار عن شحط بلادك سلما
فما كان قيس هلكه هلك واحد
و لكنه بنيان قوم تهدما [2]

---

[1] أبوتمام، دیوان الحماسہ: ۱/ ۹۷ وابن عبدربہ، العقد الفرید: ۱/ ۹۳

[2] أبوتمام، دیوان الحماسہ: ۱/ ۳۸۷ والنویری، نہایۃ الأدب: ۴/ ۲۲۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اے قیس بن عاصم! تجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام اور رحمت ہو، جب تک وہ رحم کرنا چاہے، اس شخص کا سا سلام، جسے ہلاکت نے پچھاڑ دیا ہو۔ جب وہ دور سے تیرے علاقے میں آتا ہے تو سلام کرتا ہے۔ (درحقیقت) قیس کا مرنا ایک شخص کا مرنا نہیں ہے، بلکہ اس کی موت سے تو قوم کی بنیادیں ہی ڈھے گئی ہیں۔

درید بن الصمہ (ایک نامور جاہلی شاعر اپنے بھائی کے مرثیے میں) کہتا ہے ؎

فجئت الیہ و الرماح تنوشہ
کوقع الصیاصی فی النسیج الممدد
و کنت کذات البو ریعت فاقبلت
الی جلد من مسک سقب مقدد
فطاعنت عنہ الخیل حتی تبدّدت
و حتی علانی حالک اللون اسودی
قتال امرء آسی اخاهُ بنفسہ
و یعلم ان المرء غیر مخلد
فان یک عبداللہ خلی مکانہ
فما کان وقافا و لا طائش الید
کمیش الإزار خارج نصف ساقہ
بعید من الآفات طلاع انجد
قلیل التشکی للمصیبات حافظ
من الیوم اعقاب الاحادیث فی غد
تراہ خمیص البطن و الزاد حاضر
عتید و یغدو فی القمیص المقدد[1]

[1] ابوتمام، دیوان الحماسہ: ۱/ ۳۹۷ والدینوری، الشعر والشعراء: ۲/ ۷۳۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب میں اس کے پاس آیا تو اس وقت نیزے اس کے جسم کو اس طرح چھید رہے تھے جیسے کہ جولاہے کا کوچ پھیلائے ہوئے تانے کو چھیدتا ہے۔ میری حالت اس وقت اس مادہ اونٹنی کی سی تھی جس کا بچہ مرگیا ہو کہ وہ پہلے ڈری، پھر وہ بھوسہ بھری ہوئی کھال کی طرف لپکی، جو سوراخ دار ہو چکی تھی۔ میں نے اس سے گھڑ سواروں کو دور ہٹانے کے لیے نیزہ زنی کی تاآنکہ وہ دور ہٹ گئے اور تاآنکہ میرے اوپر سیاہ رنگ کا خون چڑھ گیا۔ میں ایسے شخص کی طرح لڑا جسے اس کے بھائی کی موت کا صدمہ پہنچا ہو اور یہ جانتا ہو کہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ پھر اگر عبداللہ نے اپنی جگہ خالی کر دی تو کوئی بات نہیں، اس لیے کہ وہ نہ تو (لڑائی کے وقت) رکنے والا تھا اور نہ ہی کنجوس تھا۔ وہ چھوٹے ازار والا تھا جس کی نصف پنڈلی ازار سے باہر ہوتی تھی۔ آفات (عیوب) سے دور، بہت باخبر اور بہت سخی تھا۔ بہت کم شکوہ و شکایت کرنے والا، مصیبتوں پر ثابت قدم اور آئندہ آنے والے واقعات و حوادث سے پہلے سے باخبر رہنے والا تھا۔ تو اسے دبلے پیٹ والا دیکھتا، حالانکہ کھانا حاضر ہوتا تھا۔ وہ ہمہ وقت تیار رہنے والا اور پھٹی ہوئی قمیص میں چلنے پھرنے والا تھا۔

خنساء (اپنے بھائی صخر کا مرثیہ لکھتے ہوئے) کہتی ہے ۔

اعینی جودا و لا تجمدا

الا تبکیان لصخر الندی

الا تبکیان الجری الجمیل

الا تبکیان الفتی السیدا

طویل النجاد رفیع العماد

ساد عشیرته امردا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اذا القوم مدوا بايديهم

الى المجد مد اليه يدا

فنال الذى فوق ايديهم

المجد ثم مضى مصعدا

يكلفه القوم ما عالهم

و ان كان اصغرهم مولدا

و ان ذكر المجد الفتية

تازر بالمجد ثم ارتدى [1]

اے میری دونوں آنکھو! بارش برساؤ، منجمد نہ ہو۔ کیا تم صخر جیسے سخی نوجوان پر نہ روؤ گی؟ کیا تم نہ روؤ گی جرأت مند، خوبصورت نوجوان اور اپنے قبیلے کے سردار پر؟ جو طویل القامت اونچا لمبا نوجوان تھا، جس نے داڑھی مونچھ آنے سے پہلے قوم کی سرداری کی۔ جب لوگ بزرگی کو پانے کے لیے اس کی طرف ایک ہاتھ دراز کرتے تو وہ دونوں ہاتھ اس کی طرف بڑھاتا تھا۔ پھر اس نے لوگوں کے ہاتھوں سے اوپر جا کر بزرگی کو پالیا اور پھر اور اوپر چڑھتا چلا گیا۔ لوگ اسے ایسے ایسے کاموں کا ذمہ دار بناتے جن کا کرنا ان کے لیے گراں اور مشکل ہوتا۔ اگرچہ وہ عمر کے اعتبار سے ان سب میں کم عمر تھا۔ جب بزرگی کا ذکر کیا جاتا تو وہ اسے پاتا کہ اس نے پہلے بزرگی کو بطور ازار کے پہنا اور پھر پورے جسم پر اوڑھ لیا۔

یہی شاعرہ ایک اور مرثیہ میں کہتی ہے ؎

و ان صخر لمقدام اذا ركبوا

و ان صخرا اذا جاعوا لعقار

[1] المبرد، الکامل فی اللغۃ والأدب: ۴۰/ ۴۱ وابن عبد ربہ، العقد الفرید: ۳/ ۲۲۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جلد جميل المحيا كامل ورع

وللحروب غداة الروع مسعار

حمال الوية هباط اودية

شهاد اندية للجيش جرار [1]

میرا بھائی صخر، جب لوگ سوار ہوتے تو وہ سب سے پیش پیش ہوتا اور جب لوگ بھوکے ہوتے تو وہ ان کا علاج کرنے والا ہوتا۔ مضبوط جسم، خوبصورت زندگی والا، کامل، پرہیزگار اور خطرے کی صبح وہ لڑائی بھڑکانے والا تھا۔ جھنڈے اٹھانے والا، میدانوں میں اترنے والا، مجالس میں حاضری دینے والا اور لشکروں کو ہانکنے والا تھا۔

غزلیات

بکر بن النطاح کہتا ہے ؎

بيضاء تسحب من قيام فرعها

و تغيب فيه و هو وحف اسحم

فكانها فيه نهار ساطع

و كانه ليل عليها مظلم [2]

میری محبوبہ کا سفید رنگ ہے۔ اس کے بال زمین پر گھسٹتے ہیں اور وہ خود ان میں چھپ جاتی ہے، کیونکہ وہ گھنے اور سیاہ ہیں۔ ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے کہ ان (بالوں) میں سے دن طلوع ہو رہا ہو اور رات اس پر اندھیرا کیے ہوئے ہو۔

نابغہ کہتا ہے ؎

[1] تماضر بنت عمرو، دیوان الخنساء، ص: ۳۵ و دواوین الشعر العربی: ۹۱/۳

[2] أبوتمام، دیوان الحماسہ: ۴۲/۲ والنویری، نہایۃ الأرب: ۱۹/۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیضاء کالشمس و افت یوم اسعدھا

و لم توذ اھلا و لم تفحش علی جار

و الطیب یزداد طیبا ان یکون بھا

فی جید واضحۃ الخدین معطار[1]

میری محبوبہ سورج کی طرح سفید رنگت والی ہے۔ اس نے سعادت سے پورا پورا حصہ پایا ہے۔ اس نے کسی گھر کے فرد کو ستایا اور نہ کسی ہمسائے سے بدگوئی کی۔ خوشبو اس کی خوشبو میں اضافہ کرتی ہے جب کہ وہ گورے گالوں والی عطر آگیں محبوبہ کی گردن میں لگی ہو۔ یعنی

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں

آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

توبہ بن حمیر کہتا ہے ؎

و لو ان لیلٰی الاخیلیۃ سلمت

علی و دونی تربۃ و صفائح

لسلمتُ تسلیم البشاشۃ اوزقا

الیھا صدی من جانب القبر صائح

و اغبط من لیلی بما لا انالہ

الا کل ما قرت بہ العین صالح[2]

اگر میری محبوبہ لیلٰی اخیلیہ مجھے اس وقت سلام کرے جب میرے اور اس کے درمیان (قبر کی) مٹی اور پتھر حائل ہوں تو میں اسے مسکرا کر سلام کا جواب دوں گا۔ یا پھر میری قبر سے ایک الو (یا ہامہ) اس کی جانب چیختا ہوا

1. ابن أبی الخطاب، جمہرۃ أشعار العرب، ص: ۱۸۷
2. الذہبی، تاریخ الاسلام: ۵/۳۰۶ و ابن الجوزی، المنتظم: ۶/۱۷۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آئے گا اور مجھے لیلیٰ سے ان باتوں کی توقع ہے جو نہیں پا سکتا۔ کیا ہر وہ بات جس سے آنکھ ٹھنڈی ہو وہ انسان کو مل جاتی ہے؟

جدید نقطہ نظر

ایک شاعر کہتا ہے

تمتع بها ما ساعفتک و لا تکن
علیک شجا فی الحلق حین تبین
و ان خلف لا ینقض النای عهدها
فلیس لمخضوب البنان یمین[1]

تو اس (اپنی محبوبہ) سے اتنا ہی فائدہ اٹھا جتنی وہ تجھے اجازت دے اور وہ تجھ پر حلق کا زخم نہ بن جائے جب وہ جدا ہو۔ اگر وہ قسم کھائے تو دوری اس کی قسم کو نہ توڑے گی، مگر سبز رنگ بنیاد والے کی قسم کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ایک اور شاعر کہتا ہے

فیا رب ان اهلک و لم ترو هامتی
بلیلی امت لا قبر اعطش من قبری
و ان اک عن لیلی سلوت فانما
تسلیت عن یاس و لم اسل عن صبر
و ان اک عن لیلیٰ غنی و تجلد
فرب غنی النفس قریب من الفقر[2]

اے میرے پروردگار! اگر میری اسی حالت میں موت آ گئی کہ میری کھوپڑی لیلیٰ سے سیراب نہ ہوئی تو میں اس حالت میں مروں گا کہ

[1] أبوتمام، دیوان الحماسہ: ۲/ ۶۵ والراغب الأصفہانی، محاضرات الادباء: ۲/ ۵۸

[2] أبوتمام، دیوان الحماسہ: ۲/ ۶۳ ومحمد بن عبدالرحمٰن العبیدی، التذکرة السعدیہ ص: ۴۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میری قبر سے زیادہ کسی کی قبر پیاسی نہ ہوگی۔ اگر مجھے لیلیٰ سے صبر و سکون آ گیا ہے تو یہ صبر و سکون اس کی ملاقات سے مایوسی کی بنا پر آیا ہے ویسے نہیں۔ اگر میں لیلیٰ سے بے نیاز اور سخت دل ہو گیا ہوں تو (اس کی وجہ یہ ہے کہ) بعض اوقات انسان کی ظاہری بے نیازی شدید قسم کی محتاجی کی عکاس ہوتی ہے۔ [۱،۲]

[۱] مقالے میں آنے والے اشعار کا ترجمہ از مرتب

[۲] تخریج مضمون: حافظ محمد فیاض الیاس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عربی شاعری میں جدید رجحانات کے چند نمونے

اصلاح معاشرہ

جدید عربی شاعری میں جدید رجحانات کے ساتھ جدید عنوانات بھی آئے۔ صرف چند ایک عنوانوں کی جانب توجہ دلانے کی اجازت چاہتا ہوں۔ اس سے آپ کو باآسانی اندازہ ہو سکے گا کہ عرب شاعروں نے کن کن موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے۔

خلیل مطران: عرب قوم سے خطاب (العربی یخاطب امته)، احمد شوقی، نرسی۔

جمیل صدقی الزہاوی: طلوع آفتاب (وصف الشروق)۔ علی جارم: نوجوانوں کو نصیحت "نصیحة الشباب" استاذ علی جارم اس نظم میں نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے انھیں علم و عمل کی دعوت دیتا ہے اور جدید علوم بالخصوص سائنس کی قوت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہتا ہے ؎

الآن صار العلم خير سلاح

اليوم فكرة عالم في مصنع

تغني عن الاسياف و الارماح [1]

اب علم ہی بہترین اسلحہ ہے، آج کل ایک عالم کا لیبارٹری میں غور و خوض تلواروں اور نیزوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

امضوا الجهود و اخلصوا لبلادكم

في الجهد و الاخلاص كل نجاح

محنت جاری رکھو اور اپنے ملک کو آزاد کراؤ، یاد رکھو کہ کوشش اور اخلاص

[1] دواوین الشعر العربی: ۱/۷۱/۱۹۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہی میں کامیابی ہے۔

لا یرتجی من امته مفتونة
بالـلهو و التسويف اى فلاح
خوضوا الصعاب و لا تملوا انما
نيل المنى بالصبر و الالحاح

کھیل تماشے اور مشغول و مفتون قوم کون سی کامیابی کی امید رکھتی ہے۔
مشکلات میں گھس جاؤ اور آزردہ خاطر مت ہو، اس لیے کہ کامیابی، صبر اور
عمل پیہم سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

علم حاضرہ کی تحصیل پر زور دیتے ہوئے اقبال کی طرح اس کی دعوت بھی یہی ہے کہ ؂

سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی رنگین

ایلیا ابو ماضی[1] کی ایک نظم کا عنوان ہے: ''الیتیم'' اس نظم میں شاعر نے یہ انداز اختیار کیا ہے کہ یتیم بچہ قوم کے لیے مصیبت اور وبال جان نہیں ہے۔ یہ نونہال ایک ننھا سا پودا ہے جو مستقبل قریب میں نہایت خوبصورت اور خوشنما پھولوں سے لدا ہوا نظر آئے گا اور نہایت لذیذ اور خوش ذائقہ پھل دے گا۔ مختلف انداز سے یتیم کی اہمیت اور شخصیت پر طبع آزمائی کرنے کے بعد ایلیا ابو ماضی کہتا ہے ؂

فاعينوه كى يعيش و يرقى
ناعم البال فى الحياة رضيا
رب زمن مثل النهار مصر
صار بالبوس كالظلام وجيا

تم اس کی مدد کرو تا کہ وہ زندہ رہے اور ترقی کرے، خوشحال زندگی گزارے اور راضی رہے۔ کچھ زمانے دن کی طرح روشن ہوتے ہیں، مگر وہ بدحالی میں اندھیروں کی طرح ننگے پاؤں ہوتے ہیں۔

---

[1] ایلیاء ابو ماضی (۱۸۸۹-۱۹۵۷ء)، عربی لبنانی شاعر، مہاجر شعراء میں سے ایک، الجبوری، معجم الشعراء: ۱/۳۲۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

محمود خفیف کی نظم "مناجاۃ النیل" خلیل مطران کی "وصف عصفور مبرقش" (سنہری چڑیا)، البارودی کی "وصف الخریف" اور خلیل مطران کی "نشید الحریۃ" وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

وصف مغنیہ

اما انت الا نادرہ فی کل فن ساحرہ
معجزۃ بالفہ من معجزات القاھرہ
انحن فوق ارضنا لم فی السماء الزاھرہ
لو کان یحی المیت احیتہ الاغانی الساحرہ

تو ایک نادرہ روزگار عورت ہے، ہر ایک فن میں جادوگر ہے، معجزہ ہے، متاثر کن، قاہرہ کے معجزات میں سے، (تیرے رقص کو دیکھ کر یہ محسوس نہیں کرتا) کہ ہم زمین کے اوپر ہیں یا ہم روشن آسمان کے اوپر۔ اگر کوئی شخص مردے کو زندہ کرسکتا ہوتا تو اس جادوگر عورت کے نغمات ضرور ایسا کر دیتے۔

اسی انداز میں الرصافی[1] نے "وصف موسیقار" نظم کہی ہے۔ استاد محمد السید الشحاتہ کی نظم بعنوان "القطن و الھدھد" جمیل صدقی الزہاوی کی نظم "ماں کی تدفین" یتیم پر سلمٰی کے جذبات، ولی الدین یکن کی "فتاۃ عمیاء تتحدث الی الاخیار" (اندھی لڑکی کی اہل خیر سے درخواست) از معروف الرصافی۔

تربیۃ البنات

ھل یعلم الشرقی ان حیاتہ
تعلو اذا ربی البنات و ادباء
و الشرقی لیس بناھض الا إذا
ادنی النساء من العلوم و قربا
من این ینھض قائما من نصفہ

[1] معروف الرصافی (۱۸۷۷-۱۹۴۵ء)، مفکر، عراقی شاعر (معجم الشعراء: ۴۲۹/۵)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

يشكو المقام بفالج متوصبا

کیا مشرقی انسان اس بات کو جانتا ہے کہ اس کی زندگی اسی وقت ترقی کر سکتی ہے جب وہ لڑکیوں کو تربیت دے اور ان کو ادب سکھائے؟ مشرق صرف اسی وقت اٹھ سکتا ہے جب وہ عورتوں کو علوم کے قریب اور نزدیک کرے گا، مشرق کہاں سے ترقی کر سکتا ہے جب اس کا نصف حصہ بیماری اور فالج کا شکوہ سنج ہو۔

استاد محمود غنیم:[۱] (الحراث اھل)

يخطط الارض فی نظم و اتقان

كـأنـه ريشة فی كف فـنـان

شاعر کے نزدیک کسان ایک ماہر فن کار ہے جو زمین پر لکیریں کھینچ رہا ہے اور ان لکیروں میں ایک تناسب، ایک حسن اور ایک فن ہے۔

نیچے بالکل اسی طرح کا فن جس طرح کہ موسیقی اور مصوری ہے۔ شاعر سمجھتا ہے کہ کسان کو بھی اپنی فنکاری پر اتنا ہی ناز ہے جتنا کہ ایک موسیقار اور مصور کو ہوتا ہے، پھر کہتا ہے ؎

لـه سلاح إذا ما شقها انفتحت

فيـهـا كـنـوز يـواقيت و مـرجـان

اس کے پاس ایک ہتھیار ہے، جب وہ (اس سے) اس (زمین) کو پھاڑتا ہے تو اس میں یاقوت اور مرجان کے خزانے کھل جاتے ہیں۔

حمص کا شاعر نذیر الحسامی زندگی کے بارے میں عجیب نظریہ رکھتا ہے۔ اس نے ”الصبر الجمیل“ کے عنوان سے ایک نظم لکھی ہے، جس میں وہ کہتا ہے کہ اسے مصائب و آلام سے محبت ہے۔ اس کی اپنی زبان سے سنیے۔ ایک تصور حیات تو یہ ہے ؎

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج

۱؎ محمود غنیم (۱۹۰۱-۱۹۷۲ء)، مصری شاعر و استاذ (معجم الشعراء: ۵/۳۳۹)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مگر شاعر رنج و غم میں زندگی کی سرمستی محسوس کرتا ہے اور مصائب و آلام کا بڑا دلدادہ ہے ۔

انــا صــب بــعــذابــي انا صـب بـاكتـابـي
انـا متراح الـى ثـورة نـفـسـي و اضـطـرابي
انـا راض بـانـفـرادي مستخف بـاغـترابـي
أنـا هـيـمـان بـآلا مـي و جرحي و احترابي
انهـا مبـعـث اقـدامـي و هـزى بـالصعاب
انهـا تـريـاق احسـاسـي و فكري و شبابي

میں اپنی تکلیف و اذیت کو برداشت کرنے والا ہوں، میں اپنی ذات کی تکلیف اور اضطراب پر خوش ہوتا ہوں، میں اپنی علیحدگی پر راضی ہوں، اپنی اجنبیت کو کم محسوس کرتا ہوں، میں فریفتہ ہوں اپنی تکلیفوں، اپنے زخم اور اپنی جلن پر کہ وہ میرے قدموں کو اٹھاتی اور مجھے مشکلات برداشت کرنے پر ابھارتی ہیں۔ وہ میرے احساس وفکر کا تریاق اور میرا شباب ہیں۔

یہ سخت کوش اور رنج دوست شاعر ایک اور مقام پر اپنی شاعری اور فن کاری کو غریبوں، مسکینوں اور دکھیا لوگوں کے لیے وقف ٹھہراتا اور کوٹھیوں اور محلات میں رہنے والوں کو اپنے خیالات کا مستحق قرار نہیں دیتا۔[1] اس کے نزدیک غریب اور مفلس و قلاش لوگ شاعر کے فن سے استفادہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور شاعر ان کے رنج و غم کو کم کرنے میں ان کی مدد کر سکتا ہے، لیکن دولت مند طبقہ فنی جمال سے بہرہ مند ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس کے نزدیک سرمایہ داروں کا نظریۂ حیات دنیا کی زیب و زینت اور مال و دولت کی پرستش کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے ۔

انــا لـلـكـوخ و لـلـسـر داب لا لـلـمقصر فـنـي
و لا نــات احــزانــي اهــدم الـدنـيـا و ابـنـي

[1] نذیر الحسامی (م ۱۹۲۰ء)، حمص کا ممتاز شاعر۔ الموسوعۃ العربیۃ الوافر، عنوان: نذیر (الحسامی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لابتسام البائس المسکین اشفاقی و حزنی

انا للبوئس و فی البواس اعاصیری و مزنی

احمد شوقی[1] مزدوروں سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تم بڑی محنت اور مشقت سے کام کرتے ہو۔ علی الصبح اٹھ کر رزق تلاش کرتے ہو۔ پھر شاعر مزدوروں کو آسائش و راحت کی زندگی کے چند گر بتاتا ہے ؎

ایها الغالون کالنحل ارتیاداً و طلابا

فی بکور الطیر للرزق مجیئا و ذهابا

اطلبوا الحق برفق و اجعلوا الواجب دأبا

و استقیموا یفتح اللہ لکم بابا فبابا

اهجروا الخمر تطیعوا اللہ او ترضوا الکتابا

اے شہد کی مکھیوں کی طرح صبح سویرے اٹھنے اور تلاش رزق کے لیے جانے والو! جو پرندوں کی طرح صبح کے تڑکے روزی کے لیے جاتے اور (رات گئے) آتے ہیں۔ اپنا حق (رزق حلال) نرمی کے ساتھ تلاش کرو اور ادائے واجب کو اپنی عادت بناؤ اور سیدھے رہو، اللہ تعالیٰ تمھارے لیے ایک ایک دروازہ کھولتا چلا جائے گا۔ شراب کو چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو اور اپنی تقدیر پر راضی رہو۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مستقبل کی طرف توجہ دلاتا ہے ؎

انما العاقل من یعجل للدهر حسابا

فاذکروا یوم مشیب فیه تبکون الشبابا

ان للسن لهما حین تعلو، و عذابا

فاجعلوا من مالکم للشیب و الضعیف نصابا

و اذکروا فی الصحة الدا إذا ما السقم نابا

[1] علی احمد شوقی بک (۱۸۶۸-۱۹۳۲ء)، مصنف، مصری شاعر، امیر الشعراء (شوقی ضیف، شوقی شاعر العصر الحدیث، ص:۹۰)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عقلمند وہ ہے جو زمانے کے لیے حساب رکھتا ہے۔ تم لوگ بڑھاپے کے اس وقت کو یاد کرو جب تم لوگ جوانی کو روؤ گے۔ عمر کی البتہ بڑی اہمیت ہے۔ جب تم بڑے ہو جاؤ گے اور تکالیف دیکھو گے، پس تم لوگ اپنے مال میں سے بڑھاپے اور کمزوری (کے وقت) کے لیے الگ حصہ (نصاب) رکھو اور تم صحت کے دوران میں بیماری کو یاد رکھو، جب بیماری کے آنے کا اندیشہ ہو۔

استاد محمد عبدالمطلب[1] نے اپنی ایک نظم میں سرمایہ داروں کی سرد مہری کی شکایت کی ہے۔ نظم کا عنوان ہے: "فقیر عزیز یتحدث قسوة جاره الغنی"

ایک غریب مگر شریف انسان کو دیکھ کر شاعر کو ترس آ گیا۔ یہ شریف انسان اپنے افلاس کے بارے میں حرف شکایت زبان پر نہیں لاتا۔ تنگ دستی کا شکوہ کرنا وہ اپنے وقار کے منافی سمجھتا ہے۔ شاید وہ صبر کر لیتا، لیکن اس کے اردگرد بھوکے اور ننگے بال بچے ہیں۔ بڑے صبر بھی کر لیں، معصوم بچے صبر کی دولت سے ناآشنا محض، کیا جانیں صبر کیا ہے؟ اس ماحول میں وہ مفلس انسان کہتا ہے:

اے میرے پروردگار! میرا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے۔ کیا میرے پڑوسی کو معلوم ہے کہ میں کن حالات سے دوچار ہوں؟ ہائے افسوس! اسے کیسے معلوم ہو، وہ تو دولت کے نشے میں سرشار اور آسائش دوگیتی کا متوالا ہے۔

شاعر نے معاشرے کے خلاف جی بھر کر زہر اگلنے کے بعد مفلس انسان میں جذبہ خود داری بیدار کر دیا ہے۔ وہ غیرت مند مسکین و قلاش انسان اس بات پر افسوس کرتا ہے کہ اس نے غلط انداز اختیار کیا۔ اس نے اپنے دولت مند پڑوسی سے ایک موہوم سی آس رکھی۔ وہ اپنی اس روش پر بڑا نادم ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اتنی سی بات بھی اس کے وقار اور صبر کے خلاف تھی، بالآخر وہ یوں اظہار تمنا کرتا ہے

یا رب انت الرجاء فیهم
یا رازق الطیر فی القفار

اے میرے پروردگار! تو ہی ان کے لیے امید ہے، اے صحراؤں میں

---

[1] محمد عبدالمطلب (۱۹۱۰-۱۹۸۰ء) معروف مصری قومی نغمہ گو شاعر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پرندوں کو رزق دینے والے!

استاد امجد طرابلسی الشامی[1] نے ایک بچے کو دیکھا کہ وہ ایک چھوٹے سے پرندے کو ستا رہا ہے۔ شاعر کو پرندے کی حالت دیکھ کر ترس آ گیا۔ اس نے پرندے کو بچے کے ظلم سے نجات دلائی۔ شاعر کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

هـو يـا طـفـل حـزيـن جـائـع غيـر فـطـيـم
صـامـت يحمل عب الحزن و الكرب العظيم
جـسـمـه الازغـب لا ينهض بالحطب الجسيم

اے چھوٹے سے بچے! وہ (پرندہ) بھوکا اور پیاسا ہے، خاموش ہے، غم اور بری تکلیف کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے، اس کا نرم بالوں والا جسم بڑی لکڑی کے ساتھ بھی نہیں اٹھ سکتا۔

شاعر نے اس پرندے کی ماں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے جو انداز اختیار کیا ہے، وہ ملاحظہ ہو ؎

امـه يـا طـفـل تبـكـي فـي دجـىٰ الليل البهم
تـخشـي فـوق اغـصــان الـربـا مشي السقيم
لم تذق طعم الكرى من جرحها الدامي الديم
غـاب لا تـدرى احـي هـو ام بـعض الـرميم
عـد بـه لـلـوطـن الـغـالـي و لـلام الـرؤم
و ارحم الضعف فما يقسو سوى الباغي اللئيم
كـن رحيـمـا انـمـا الانسان و القلب الرحيم

اے بچے! اس کی ماں رات کے اندھیروں میں روتی ہے۔ وہ بڑھی ہوئی ٹہنیوں پر بیمار پرندے کی طرح چلتی ہے۔ اس نے اپنے زخمی بچے کی بناء پر اونگھ کا ذائقہ تک نہیں چکھا، جو کہ غائب ہے۔ اسے نہ یہ معلوم ہے کہ وہ (بچہ) زندہ ہے یا مر گیا۔ اسے اس کے گراں قدر وطن اور اس کی غمزدہ ماں

---

[1] امجد طرابلسی (۱۹۱۶-۲۰۰۱ء)، مصنف، نقاد، شاعر، محقق، محمد فرقزان (امجد الطرابلسی، مجمع اللغۃ، دمشق ۲۰۰۸ء)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے پاس لوٹا دے۔ اس کی کمزوری پر رحم کر، اس لیے کہ سوائے کمینہ خصلت باغی کے کوئی سخت دل نہیں ہوتا۔ تو مہربان ہو جا، کیونکہ انسان تو مہربان دل والا ہوتا ہے۔

شاعر نیل حافظ محمد ابراہیم[1] کی ایک نظم بعنوان "واجبنا نحو الطفل البائس" یعنی "دکھیارے بچے اور ہمارا فرض" بھی قابل غور ہے۔ اس نظم میں شاعر نیل کہتا ہے کہ ہمیں بچوں کی حفاظت کرنی چاہیے۔ انھیں مصائب و آلام سے بچانا چاہیے۔ ان کا دکھ ساری قوم کا دکھ ہے۔ یہی بچے کل کو قوم بننے والے ہیں۔ یہی بچے مصلح اور بہادر بنیں گے۔ کون جانتا ہے کہ ان چیتھڑوں میں چلنے والے پہاڑوں سے ٹکرانے والے عزم کے مالک ہوں۔ وہ کر گزرنے والا ارادہ رکھتے ہوں جو پہاڑوں کی بلند چوٹیوں کو مسخر کر لیں۔

جدید عربی غزل

انیسویں صدی کے آخر تک عربی غزل کا انداز بالکل قدیم تھا۔ البارودی[2] اور اسمٰعیل[3] صبری وغیرہ نے قدیم انداز اختیار کیا۔ البتہ صبری نے غزل میں دل کو مخاطب کیا۔

اقصر فؤادی فما ذکر بنافعہ
و لا بشافية في رد ما کانا
هلا اخذت لهذا اليوم اهبة
من قبل ان تصبح الاشواق لشجانا
لهفي عليک قضيت العصر مقحما
في الوصل نارا و في الهجران نيرانا

اے دل رک جا! اس لیے کہ جو کچھ ہو چکا اس کے ازالے کے لیے نہ تو

---

[1] حافظ محمد ابراہیم (۱۸۷۱-۱۹۳۲ء)، مصری شاعر، ملقب بہ شاعر نیل، (عبدالحمید، حافظ ابراہیم، دارالمعارف ۱۹۵۹ء)

[2] محمود سامی البارودی (۱۸۳۹-۱۹۰۴ء) شاعر اور مصری وزیر (الحدیدی، محمود سامی البارودی، ص:۷۱)

[3] اسماعیل صبری (۱۸۵۴-۱۹۲۳ء)، شاعر، مصنف، قانون دان، بیداری کا مکتب فکر، (مقدمہ دیوان اسماعیل صبری، ص:۵)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میرا اسے یاد کرنا فائدہ مند ہے اور نہ شفا دینے والا ہے۔ تو نے جدائی کے اس دن کے لیے پہلے سے خود کو تیار کیوں نہ کیا۔ قبل اس کے کہ (تیرے شوق) زخمی ہو جائیں۔ تجھ پر افسوس! تو نے تمام زمانہ اوندھے منہ گرے ہوئے گزار دیا کہ وصل میں ایک آگ ہے اور ہجر میں کئی ہیں۔

ان اشعار میں جدت صرف اس قدر ہے کہ شاعر نے یہاں خاصی رقت اور موسیقی پیدا کر دی ہے اور دل کو خطاب کرتے ہوئے محبت کے تاثرات بیان کیے ہیں۔

خلیل مطران[1] محبت میں وفاداری و مداومت کا قائل ہے۔ وہ محبت میں ہرجائی نہیں ۔

و کم عرضت لی غانیات فعففتها
و صنت ضمیری و اللسان المشببا

میرے سامنے کتنی ہی حسین و جمیل عورتیں آئیں، مگر میں پاک دامن رہا اور میں نے اپنے ضمیر اور اپنی دراز زبان کی حفاظت کی۔

خلیل مطران نے غزل کو ایک وحدت بنا دیا اور تسلسل پیدا کر کے اس میں ایک نئی طرح ڈالی۔ خلیل کے نزدیک محبت کا تصور ہر لحظہ بڑھتا ہے، کم نہیں ہوتا۔ وہ کہتا ہے ۔

کأنا شعلتان إذا اعتنقتا
علی ظما فلم یرو الاوام
و ما ان تنطفی نار بنار
فیشفینا التعانق و اللزام

وہ ایسے دو شعلے ہیں جو باہم ایک دوسرے سے پیوست ہیں، شدید پیاس پر، مگر اس سے پیاس نہیں بجھی اور آگ آگ سے نہیں بجھا کرتی کہ ہمیں معانقہ کرنا اور لپٹنا شفاء دیتا۔

دوسرے مقام پر مطران محبت کو گلاب کے پھول سے تشبیہ دیتا ہے، جسے توڑنے والا خوش ہوتا ہے، اگرچہ اس کے ہاتھ کانٹوں سے زخمی اور خون آلودہ ہی کیوں نہ ہو جائیں ۔

[1] خلیل مطران (۱۸۷۲-۱۹۴۹ء) مشہور لبنانی شاعر، مصر اور لبنان سے تعلق کی وجہ سے شاعر القطرین کہلایا۔ (معجم الشعراء: ۲/۳۰۳)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یا وردة یرتاح جانیها و ان
دمیت یداه بشوکها المعدوا

اے پھول! جس کا چننے والا راحت پاتا ہے، خواہ اس کے دونوں ہاتھ تیز کانٹے سے زخمی ہو جائیں۔

خلیل مطران نے غزل میں جذبہ صادق اور وفاداری کا پیغام سنایا۔ اس حب صادق میں شاعر کو ایک گونہ تسکین قلب اور مسرت و شادمانی محسوس ہوتی ہے۔

عباس محمود العقاد[1] نے غزل میں خاص قصائد لکھے اور رنگ آمیزیوں سے غزل میں بانکپن پیدا کر دیا۔ العقاد محبت کو لے کر آسمان کی طرف پرواز کرتا ہے۔ اس کی نگاہ دوسرے آفاق پر پڑتی ہے۔ جہاں اس کا دل کسی دوسرے دل کے پڑوس میں پھڑ پھڑاتا ہے ؎

قلب یرفرف فی جوار قرینه
لا القلب مبتعد و لا هو فان
متفرقین یعطیا فاذا التقی
حظاهما فسروره ضعفان
و یلذ بالشمر الجدید کلاهما
کالحور تحت عرائش الرضوان

وہ ایسا دل ہے جو اپنے ساتھی کے پڑوس میں پھڑپھڑاتا ہے، نہ تو دل دور ہونے والا ہے اور نہ ہی فنا ہونے والا ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے کی جدائی دے دی گئی۔ جب دونوں کے نصیب ملتے ہیں تو ان کی خوشی دو چند ہو جاتی ہے اور وہ دونوں محبت کی خوشبو سے ایسے لذت حاصل کرتے ہیں جیسے کہ حوریں عرش الٰہی کے نیچے۔

محبت میں عفت و شرافت اور تقدس و پاکیزگی کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

و حب القداسة لم اعده
و حب التصوف لم یعدنی

[1] عباس محمود العقاد (۱۸۸۹-۱۹۶۴ء)، مصری ادیب، مفکر، صحافی، شاعر، (العقاد، انا، الخصفہ مصر، ۲۰۰۲ء)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور پاک محبت، میں اس کا عادی نہیں اور تصوف کی محبت نے مجھے عادی نہیں بنایا۔

حبیب کا تصور پیش کرتے ہوئے عقاد کہتا ہے ؎

یـــا حبیبـــی! انـــت ریّ
لیـــس فـــی الـمـاء نـظـیـره
یـــا حبیبـــی! انـــت ظـــل
لیـــس لـلـروض عبیـره
انـــت عـنـدی کـل شـــیٔ
کـل شـی مـا شـئـت یکون

اے میرے محبوب! تو میری سیرابی ہے مگر پانی اس کی مثال اور نظیر نہیں ہے۔ اے میرے محبوب! تو سایہ ہے مگر باغوں میں اس کی مثال نہیں ہے۔ تو میرے نزدیک ہر ایک شے ہے، تو جو چاہے وہ ہو جا۔

ان اشعار کے وزن پر غور فرمایے، الفاظ کی سادگی، مطالب کی وضاحت اور قوافی میں تبدیلی بھی نظر آتی ہے۔

ابراہیم مازنی[1] محبت کا تاثر بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نے ایک حسین چہرہ دیکھا تو میں نے چاہا کہ اس کے حسن میں اللہ کی عبادت کروں ؎

ان وجهـــا رایتـــه لیلة السبت
رمـــانـــی بـحـبـــه و تـــولـــی
عـجـب کیف یـرتـضـی اللـه عنا
مـن عـبـده فـی حـسـنـه اللـه جلا
هـل هـبــاک الا لـــه بـالحسن الا
لـــنـــری فیـک آیة تـتـجـلـــی

ہفتے کی شب میں نے ایک چہرہ دیکھا، اس نے مجھے اپنا گرویدہ کر لیا اور

[1] ابراہیم المازنی (۱۸۸۹-۱۹۴۹ء)، مصری شاعر، نقاد، معنف (المازنی، احادیث المازنی، ہنداوی، ص:۷)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہ چلا گیا۔ مجھے تعجب ہے اللہ تعالیٰ ہم سے کیسے راضی ہوگا، جس نے اس شخص کی بندگی کی، جس کے حسن میں اللہ کی ذات جلوہ گر ہو۔ تجھے اس کی طرف اس کے حسن نے نہیں چلایا، بلکہ اس بات نے کہ ہم نے اس میں روشن نشان دیکھا ہے۔

انت افسدتنی وعلمتنی الحب

فهلا اصلحت منی هلا؟

تو نے ہی مجھے بگاڑا ہے اور مجھے محبت سکھائی ہے۔ سو تو نے مجھے کیوں نہ سنوارا، کیوں نہیں؟

ڈاکٹر احمد زکی ابوشادی[1] یونانیوں کی طرح حسن و جمال کی پرستش کرتا ہے ؎

و قد عبدت جمالا فیک مستترا

کفارس الاس یرعی نشاۃ الاسی

یہی نہیں بلکہ وہ تو صوفی بن جاتا ہے اور ایک بچے کی طرح حسن کا شیدائی اور عابد بن جاتا ہے ؎

من علم القلب الصغیر

عبادۃ الحسن العجیب

و تبتلا کتبتل الصوفی

ذاب علی الصلیب

کس نے چھوٹے سے دل کو حیران کن حسن کی پرستش کرنا سکھایا اور صوفی کی طرح دنیا سے کنارہ کش، جو صلیب پر پگھلتا رہتا ہے؟

امریکہ کے دوسرے عرب شعراء کی طرح میخائل نعیمہ پر بھی قنوط و یاس سوار ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لذت اور شادکامی سے محروم رہا ہے، اس لیے وہ کسی حسن و جمال کے سامنے سرنگوں نظر نہیں آتا۔

[1] احمد زکی ابوشادی (۱۸۹۲-۱۹۵۵ء) شاعر اور مصری طبیب، جدید عربی شاعری کا مجدد، (معجم الشعراء،۱:۱۱۰)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

محبت وعشق کے میدان میں فوزی معلوف کے تجربات بھی اس کی ناکامی اور یاس کی غمازی کرتے ہیں۔ اس کی غزل میں حسرت بڑی نمایاں ہے۔ وہ ہوائی جہاز میں سوار ہوکر آسمان کی بلندیوں میں پرواز کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے جس جس سے محبت کی وہ وفا سے تہی دامن نکلا اور خیانت کی طرف مائل۔

صرف رشید الخوری ایسا دیہاتی شاعر ہے جو محبت سے شاد کام نظر آتا ہے۔ وہ امریکہ میں رہ کر بھی بدوی اور دیہاتی حسن کو پسند کرتا ہے۔ شاعر کو محبوب کی سادگی اور بے تکلفی بے حد مرغوب ہے۔

البتہ بشارت الخوری محبت وعشق کا رسیا ہے۔ وہ کہتا ہے: محبت میری سرشت میں ہے۔ ''ولد الھوی والخمر لیلة مولدی'' محبت اور شراب میری ولادت کی رات میرے ساتھ پیدا ہوئیں۔ پھر کہتا ہے ؎

قد عشت بینھما علی نغم الصبا

عون کا شاعر علی محمد لقمان اپنی نظم بعنوان ''الالم والفن'' میں ایک محبوس پرندے کا ذکر کرتے ہوئے یہ نظریہ بیان کرتا ہے کہ انسان کو محبت وعشق کا دعویٰ ہے، وہ آزادی وحریت کا علمبردار ہے، لیکن ایک معصوم پرندے کو پنجرے میں قید کر دیتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ پرندے کے گیتوں میں سوز وموسیقی اس پنجرے کی بدولت ہے، یہ درست ہے کہ پرندے کو قید میں تکلیف اور دکھ ہے، لیکن انسانوں کے لیے گیت روح پرور ہیں ؎

لو لا عذاب فی قیود الدنیا

لم یبتکر الحانہ المبدع

اگر دنیا کی قید میں تکلیف نہ ہوتی تو اس کے خوبصورت راگ بھی نہ ہوتے۔[1]

---

[1] جدید عربی شاعری کے رجحانات کے لیے دیکھیے: فی الشعر العربی الحدیث، تحلیل وتذوق، دکتور ابراہیم عوض، خصائص الشعر الحدیث، دکتورہ نعمات، الشعر العربی الحدیث۔ تعلیق از محمد زکریا رفیق

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

عربی صحافت (ابتدا و ارتقا)

ایک تاریخی و تنقیدی جائزہ[1]

عربی صحافت فنی اعتبار سے دنیا کے کسی متمدن اور مہذب ملک کی صحافت سے کسی لحاظ سے بھی پیچھے نہیں ہے۔ خبروں کے حصول میں وہ تمام ذرائع و وسائل اختیار کیے جاتے ہیں جو کسی ترقی یافتہ ملک کے لوگ کر سکتے ہیں۔ اخبار و حوادث کے علاوہ بہترین شذرات اور اداریے نیز ماہرین فن اور مفکرین وقت کے قلم سے اقتصادی، سیاسی، اجتماعی، علمی اور ادبی غرضیکہ ہر قسم کے بلند پایہ مقالات زینت صحائف ہوتے ہیں۔ اخبارات و مجلّات کے تحریری اداریوں کے لیے بہترین دل و دماغ رکھنے والے قلم کاروں کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ اخباروں اور ماہناموں کی کثیر تعداد عربی ممالک کے شوق اخبار بینی کا پتہ دیتی ہے۔ آج عربی اخبارات اور رسالے اپنی تازہ ترین خبروں، دلفریب تصویروں، بلند پایہ مقالات، وسعت معلومات، طباعت کی نفاست اور عمدہ کاغذ کے لحاظ سے صحافتی دنیا کی صف اول میں نظر آتے ہیں۔

صحافت اور طباعت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ عربی ممالک اٹھارھویں صدی کے آخر تک جدید فن طباعت سے بالکل ناآشنا رہے۔[2] یہ درست ہے کہ اٹلی میں عربی حروف والا مطبع ۱۵۱۴ء میں قائم ہو چکا تھا، مگر اسلامی ممالک میں سب سے پہلے یہ شرف ترکی کے حصے میں آیا۔ قسطنطنیہ میں ۱۷۲۸ء میں عربی حروف (ٹائپ) میں طباعت شروع ہوئی، لیکن عربی ممالک میں ٹائپ والے مطابع کا رواج انیسویں صدی کے اوائل میں ہوا۔ سب سے پہلا مطبع حلب میں قائم ہوا۔ پھر لبنان کی باری آئی۔ لبنان کے بعد بیروت میں مطبع کی بنیاد رکھی گئی۔ ۱۸۲۲ء میں انگریزوں نے مالٹا میں ایک عربی مطبع کی داغ بیل ڈالی اور

[1] یہ مقالہ اورینٹل کالج میگزین، فروری ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا۔

[2] طباعت کی تاریخ کے لیے دیکھیے: تاریخ الطباعۃ العربیۃ، مجموعۃ من العلماء، المجمع الثقافی ابوظبی، ۱۹۹۶ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۸۲۴ء میں اسی مطبع کو مالٹا سے بیروت منتقل کر دیا گیا۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ نپولین ۱۷۹۸ء میں ایک مطبع اپنے ساتھ مصر لایا تھا، تاکہ سرکاری احکام اور منشورات کو عربی زبان میں شائع کیا جا سکے۔ اس مطبع کو "المطبعة الاهلیه" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔[1]

عربی صحافت کا آغاز

ابتدائی دور میں عربی صحافت کو درحقیقت مصری صحافت کہنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے جغرافیائی محل وقوع اور شاندار تاریخی اور ثقافتی روایات کی بنا پر مصر ہی اس بارگراں کا متحمل ہو سکتا تھا اور یہ مصری صحافت غیر ملکی اثر واقتدار کی رہین منت ہے۔

قصہ یہ ہے کہ ۱۷۹۸ء سے لے کر ۱۸۰۱ء تک مصر پر فرانس کا تسلط رہا۔ فرانسیسیوں نے اپنے قیام مصر کے دوران میں عربی صحافت کا بیج بویا۔ حکومت فرانس نے اپنی سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر دو اخبار فرانسیسی زبان میں مصر سے جاری کیے۔ ایک کا نام برید مصر (Courrierd Egypt) اور دوسرے کا نام العشارة المصریہ (De Cate Egyptienne) رکھا۔[2]

"برید مصر" خالص سیاسی اخبار تھا۔ اور "العشارة المصریہ" دہ روزہ علمی و ادبی صحیفہ جو ہر دس دن کے بعد شائع ہوتا تھا۔ یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ حکومت فرانس نے مہینے کو چار ہفتوں کی بجائے تین دہائیوں میں تقسیم کر دیا تھا اور اسی نسبت سے یہ اخبار دہ روزہ قرار پایا۔ فرانسیسی اقتدار کے خاتمے کے ساتھ ہی ان دونوں اخباروں کی زندگی بھی ختم ہو گئی۔

اخبارات و جرائد کے اغراض و مقاصد حالات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ سیاسی غلامی کے زمانے میں اغراض و مقاصد اور ہوتے ہیں اور آزادی و حریت کے زمانے میں کچھ اور۔ زمانۂ غلامی میں عوام کو غیر ملکی حکومت کے خلاف بھڑکایا جاتا ہے۔

[1] عمر الدسوقی، فی الأدب الحدیث: ۱/۱۰۱

[2] انور الجندی، تطور الصحافة العربیة فی مصر، مطبعہ الرسالہ، ۱۹۶۷ء، ص: ۱۷-۲۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جمہور کے دلوں میں حکومت اور حاکم قوم کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات کی پرورش کر کے وطنی شعور اور سیاسی بیداری پیدا کی جاتی ہے۔ ذہنی اور سیاسی تربیت کے ساتھ عوام الناس کو جہاد حریت کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ نیز احساس حقوق کو تیز تر کر دیا جاتا ہے، مگر آزادی کے زمانے میں اسے کم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ حقوق کے بجائے انھیں فرائض یاد دلائے جاتے ہیں اور احساس شہرت کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔

پہلا دور

فرانسیسی اقتدار کے شروع ہوتے ہی حکومت نے ضروری سمجھا کہ مصری عوام سے براہ راست تعلقات پیدا کر کے ان کا تعاون حاصل کیا جائے۔ اس غرض کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکومت نے محکمہ تعلقات عامہ قائم کیا اور اس محکمے کو کامیاب بنانے کے لیے مصری علماء اور ادیبوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اس سلسلے کی اہم کڑی مسلمانوں کے لیے ''دیوان قضاء'' کا قیام تھا۔ دیوان قضاء کے فیصلوں اور احکام کو جمہور اور بالخصوص فوجی حلقوں تک پہنچانے کے لیے روزنامچہ کے طور پر ایک صحیفہ ''التشبیہ'' جاری کیا گیا۔ اس اخبار کی ادارت کے فرائض سید اسمٰعیل خشاب کے سپرد ہوئے۔ ''التشبیہ'' عربی صحافت کا سنگ بنیاد ہے، لیکن یہ حقیقت نظروں سے اوجھل نہ ہونی چاہیے کہ اس کی اشاعت فوجی حلقوں تک محدود رہی اور اس کی حیثیت قضائی یا عسکری صحیفہ سے زیادہ نہ تھی۔ جب فرانسیسی حکومت نے مصر کو خیر باد کہا تو یہ اخبار بھی موت کی آغوش میں چلا گیا۔

مصر سے فرانسیسی اقتدار کے ختم ہو جانے کے پورے ستائیس برس بعد محمد علی پاشا نے ۱۸۲۸ء میں ایک سرکاری اخبار ''الوقائع المصریہ'' کے نام سے جاری کیا۔[۱] یہ اخبار حقیقی معنوں میں پہلا عربی جریدہ تھا جس میں جمہور کی ضروریات کو ملحوظ خاطر رکھ کر خبروں اور حوادث و واقعات کی اطلاع بہم پہنچانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اول اول یہ اخبار ترکی زبان میں شائع ہوا۔ اس کے ساتھ پڑھنے والوں کو ذہنی تربیت اور علمی تسکین

[۱] بطور مثال دیکھیے: الوقائع المصریہ، ۲ جنوری ۱۸۹۴ء، مکتبۃ النور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لیے اچھے اچھے مقالوں کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔ تھوڑے عرصے کے بعد یہ اخبار ترکی اور عربی دونوں زبانوں میں چھپنے لگا اور بالآخر صرف عربی زبان میں طبع ہوتا رہا۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے بعد ہفتہ میں صرف تین بار چھپنے لگا۔ سیاسیات سے کنارہ کشی کر کے معاشرتی برائیوں کی طرف زیادہ توجہ دی گئی۔ عمرانی مسائل پر بہت کچھ لکھا گیا۔ جمہور کی بہبود کا خیال رکھتے ہوئے تعلیم کی ضرورت اور بالخصوص علوم مغرب کی تحصیل پر زور دیا گیا۔ بعد ازاں حکومت نے اپنے مفاد اور مصلحت کے پیش نظر اس اخبار کو سرکاری گزٹ کی حیثیت دے کر سہ روزہ کر دیا۔

اخبار ''الوقائع مصریہ'' کے ادارۂ تحریک پر ایک نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زمام ادارت کتنے بڑے بڑے قلم کاروں، صائب الرائے مفکروں، ماہر انشا پردازوں اور تجربہ کار ادیبوں کے ہاتھ میں رہی۔ شیخ حسن عطار (۱۷۶۶-۱۸۳۵ء)، شیخ ابراہیم الدسوقی، شیخ شہاب الدین محمد بن اسمٰعیل (۱۸۱۲-۱۸۵۷ء)، احمد فارس الشدیاق (۱۸۰۴-۱۸۸۷ء)، شیخ رفاعہ بک طہطاوی (۱۸۰۱-۱۸۷۳ء)، مفتی محمد عبدہٗ اور سعد زغلول پاشا جیسے بلند پایہ لوگ اس اخبار کی ادارت سے وابستہ رہے۔[1] ان مذکورہ بالا مدیروں میں سے ہر آدمی ایک خاص حیثیت کا مالک ہے۔ مغرب کے اثرات اور سفیروں نے ان لوگوں کے لیے زندگی کے نئے دھارے بہا دیے تھے۔ ان کے فکر ونظر کے زاویے بالکل نئے تھے۔ ان کے نزدیک زندگی کی قدریں بالکل مختلف تھیں۔

صحافت کے پہلے دور میں انتظامی امور اور دفتری معاملات کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی تھی، جس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ انتظامی خامیوں نے غیر تسلی بخش حالات پیدا کر دیے۔ چنانچہ ''الوقائع المصریہ'' بھی انھی انتظامی کوتاہیوں کا شکار رہا۔ بعد ازاں اسماعیل پاشا نے ذاتی دلچسپی اور محنت سے تمام بدنظمیوں کو دور کر کے بہترین انتظامات کر دیے۔

۱۸۲۷ء میں حکومت فرانس کے زیر اہتمام ایک پندرہ روزہ اخبار ''المبشر'' کے نام سے الجزائر میں شائع ہونے لگا۔ ابتداء میں اس اخبار کی عبارت بڑی پھس پھسی،

[1] انورالجندی، تطور الصحافۃ العربیۃ فی مصر، ص: ۲۳ و بعد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الفاظ رکیک اور ضخامت بالکل معمولی ہوا کرتی تھی، مگر بعد میں اس کی ظاہری خوبیوں کے ساتھ ساتھ باطنی خوبیوں کی جانب بھی توجہ دی گئی۔ اچھے اچھے ادیب اور مشہور اہل قلم حضرات کو اس کے ادارۂ تحریر میں شامل کیا گیا۔ اس کا صحافتی معیار خاصا بلند ہو گیا۔ یہ اخبار عربی اور فرانسیسی ہر دو زبانوں میں چھپتا رہا۔

دوسرا دور

عربی صحافت کا دوسرا دور ۱۸۴۹ء سے لے کر ۱۸۶۳ء تک رہا۔ اس دور میں صحافت پر کچھ بے حسی اور جمود طاری رہا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ محمد علی پاشا کے دو جانشین عباس پاشا اور سعید پاشا صحافت سے بے اعتنائی اور بے رغبتی برتنے لگے۔ ان دونوں جانشینوں میں نہ تو اپنے پیشرو کی سیاسی بصیرت تھی اور نہ حکمت عملی و تدبر۔ انھوں نے صحافت کی سیاسی اہمیت اور جمہوری افادیت کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ حکومت کی اس بے رخی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو مصر میں ذوق صحافت اتنا کم ہو گیا کہ اس دور میں سرزمین مصر سے کوئی نیا اخبار یا مجلّہ شائع نہ ہو سکا۔ دوسری جانب میدان صحافت مصریوں کے ہاتھوں سے نکل کر شامیوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اس دور کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ عربی صحافت کے جراثیم غیر عربی ممالک میں پھیلنے شروع ہوئے۔

شامیوں نے ۱۸۵۵ء میں ''مرآۃ الاحوال''[1] کے نام سے ایک اخبار جاری کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ کی حکومتیں ترکی کے مقبوضات کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ''مرآۃ الاحوال'' کی سیاسی روش حکومت ترکیہ کے خلاف تھی۔ لب و لہجہ بڑا تلخ تھا اور تنقید بڑی چبھتی ہوئی۔ انجام ظاہر ہے کہ کسی اخبار کے ابتدائی دور میں حکومت وقت پر کڑی نکتہ چینی کر کے اس سے ٹکر لینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ چنانچہ یہ اخبار کوئی زیادہ عرصہ نہ چل سکا۔ اخبار ''مرآۃ الاحوال'' کے اجراء اور اشاعت کے سلسلے میں یہ بات بڑی معنی خیز اور سیاسی اعتبار سے بڑی دلچسپ ہے کہ یہ جریدہ لندن میں چھپا کرتا تھا اور اسی مقصد کے لیے رزق اللہ حسون حلبی (۱۸۲۵-۱۸۸۰ء) خود بھی لندن جاتا رہا۔

[1] پہلا عربی اخبار جو لندن سے شائع ہوتا تھا۔ (دی طرازی، تاریخ الصحافۃ العربیۃ، جلد اوّل، ص: ۴۸، ۷۳، ۲۳۳)، بیروت، ۱۹۱۳ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۸۵۷ء میں اسکندریہ آفندی شلھوب نے ''اخبار السلطنۃ'' نکالا۔ ۱۸۵۸ء میں جریدہ ''حدیقۃ الاخبار'' بیروت سے جاری ہوا اور صحیح بات تو یہ ہے کہ شامی اخباروں میں اولیت کا حقیقی شرف حدیقۃ الاخبار کو ہی کو حاصل ہے۔ اس کا بانی اور مدیر خلیل الخوری تھا۔ اس اخبار کو جاری ہوئے ابھی دو برس ہی ہوئے تھے کہ شام میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس سلسلے میں فواد پاشا نمائندہ ہو کر شام آیا اور اس کی سفارش پر حکومت ترکیہ نے حدیقۃ الاخبار کے مدیر کا ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ اس طریق سے دولت عثمانیہ کو اس شامی اخبار کا تعاون حاصل ہو گیا۔ فرانکو پاشا کے عہد میں حکومت لبنان نے بھی اس جریدے کی سرپرستی قبول کر لی۔ ایک معقول رقم مدیر اخبار کے نام مقرر ہو گئی اور حدیقۃ الاخبار لبنانی حکومت کا نیم سرکاری اخبار بن گیا۔ برابر پچاس برس تک وطن اور ادب کی خدمت کرنے کے بعد ۱۹۰۹ء میں خلیل الخوری کی وفات کے دو برس بعد ''حدیقۃ الاخبار'' بند ہو گیا۔[1]

۱۸۵۸ء میں مستشرق کرلتی (Carletti) نے جریدہ ''عطارد'' مارسیلز سے جاری کیا، لیکن یہ جریدہ چند اشاعتوں کے بعد بند کر دیا گیا۔

۱۸۶۰ء میں رشید لبنانی نے اخبار ''البرجیس'' پیرس سے جاری کیا۔ وہ اس اخبار کی اشاعت و طباعت کے لیے بڑا اہتمام کیا کرتا تھا، مگر چار سال کے بعد یہ اخبار سلیمان الحرائری تیونسی کے حوالے کر دیا گیا۔ پانچویں سال کے بعد یہ اخبار بند ہو گیا۔

اسی سال احمد فارس الشدیاق نے اخبار ''الجوائب'' آستانہ سے شائع کیا۔ احمد فارس اس دور میں عربی ادب کا بہت بڑا ستون تھا۔ مدیر و مالک کی اہمیت سے اخبار کی اہمیت بھی بہت بڑھ گئی۔ عرب ادیبوں اور قلم کاروں کی نظروں میں ''الجوائب'' بڑا گراں قدر اور بلند پایہ جریدہ قرار پایا۔ اس کی ادبی اہمیت کے ساتھ ساتھ ترکی ارباب اختیار کے نزدیک اس اخبار کا سیاسی وقار اور مرتبہ بھی کچھ کم حیثیت نہ رکھتا تھا۔ بڑے بڑے ادیبوں اور مشہور مفکروں کے خیالات اس اخبار کے صفحات کی زینت ہوتے تھے۔ اخبار

---

[1] دی طرازی، تاریخ الصحافۃ العربیۃ، جلد اوّل، ص: ۴۰، ۱۷۱، ۱۷۳، ۱۸۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''الجوائب'' ۱۸۸۴ء تک برابر شائع ہوتا رہا۔

۱۸۲۰ء میں تیونس سے ایک اخبار ''الرائد التونسی'' شائع ہونے لگا۔

تیسرا دور (۱۸۶۳-۱۸۸۲ء)

عربی صحافت کا تیسرا دور ۱۸۶۳ء سے شروع ہو کر ۱۸۸۲ء تک رہا۔ اس دور میں مصر سیاسی تحریکوں اور شورشوں کا مرکز بن رہا تھا۔ خفیہ سیاسی جماعتیں اس کی گود میں پرورش پا رہی تھیں۔ سازشیں اور ہنگامے پل کر جوان ہو رہے تھے۔ سیاسی افق پر نئے ستاروں کی روشنی اور تابندگی اہم حوادث کا پتہ دے رہی تھی۔ عربی صحافت نے بھی بہت سی ارتقائی منزلیں طے کیں۔ یورپ کے زیر اثر مصریوں کو مغربی تہذیب و ثقافت اور جدید انداز فکر سے روشناس ہونے کا موقع مل گیا۔ مغربی علوم وفنون نے ان کے دل و دماغ کو روشن کر دیا۔ یورپ کی تہذیب اور ثقافت نے مصری ذہن کو نئی جلا دی۔ فکر و عمل نئے سانچے میں ڈھل رہے تھے۔ مصری ادیبوں اور مفکروں نے جمہور کے لیے دین و سیاست پر غور و فکر کی نئی راہیں کھول دیں۔ سیاسی شعور نے آزادی ضمیر اور حریت فکر کے دروازے پر دستک دی۔ علم و اخلاق کی نئی قدریں مقرر ہونے لگیں۔ اجتماعی اور عمرانی گتھیوں کو نئے زاویوں سے سلجھایا جانے لگا۔ اقتصادی مسائل حل کرنے کے لیے نئے ذرائع اختیار ہونے لگے۔ غرضیکہ پرانی اور نئی تہذیب دوراہے پر کھڑی نظر آتی ہے۔[1]

زیر بحث دور کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ مصر نے پھر صحافت کی جانب توجہ کی اور بہت سے اخبارات اور علمی و ادبی رسالے معرض وجود میں آئے۔ خدیو اسماعیل پاشا کے عہد میں محمد علی پاشا الحکیم نے ۱۸۶۵ء میں ''مجلّہ الیعسوب'' جاری کیا۔ عربی صحافت میں یہ پہلا طبی مجلّہ تھا۔ شیخ ابراہیم الدسوقی کو بھی اس کی ادارت میں شامل کر لیا گیا، مگر یہ مجلّہ کچھ زیادہ عرصے تک نہ چل سکا۔

۱۸۶۲ء میں ابو السعود آفندی عبداللہ المصری (۱۸۲۸-۱۸۷۸ء) نے ایک سیاسی، ادبی اور علمی سہ روزہ اخبار ''وادی النیل'' قاہرہ سے جاری کیا۔ آفندی مذکور بڑا

---

[1] علی المحافظہ، الاتجاہات الفکریۃ عند العرب فی عصر النہضہ (۱۷۹۷-۱۹۱۴ء)، ص:۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مشہور ادیب تھا۔ اس کی اپنی شخصیت اور ہردلعزیزی نے اس اخبار کو عام بنا دیا۔ کہنہ مشق ادیبوں اور قلمکاروں نے اس اخبار میں مضمون اور مقالے لکھنے شروع کیے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وادی النیل پہلا غیر سرکاری اخبار تھا جو مصر سے شائع ہوا۔ اس اخبار کے اجراء کے بعد ''الوقائع المصریہ'' کی واحد اجارہ داری ختم ہوگئی۔ جریدہ ''وادی النیل'' آفندی مذکور کی وفات یعنی ۱۸۷۸ء تک جاری رہ سکا۔[1]

اب صحافت کی ترقی کے لیے راہیں کھل چکی تھیں۔ صحافت کی آزادی نے فن اخبار نویسی کو چار چاند لگا دیے۔ سوچ اور فکر کے نئے انداز کے ساتھ عبارت کی تحسین و تزئین نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا۔ خبروں کے تفحص و تلاش، تصدیق و تحقیق اور ان کو جلد از جلد قارئین تک پہنچانے کا ذوق ترقی کر رہا تھا۔ قومی اور ملکی سیاست کے ساتھ بین الاقوامی سیاست بھی عربی صحافت کا موضوع بن گئی۔

۱۸۶۷ء میں جودت پاشا کے ایماء سے ''الفرات'' حلب سے شائع ہوا۔ اسی سال داؤد پاشا حاکم لبنان نے سرکاری اخبار ''لبنان'' جاری کیا۔ ۱۸۶۸ء میں مدحت پاشا نے بغداد سے ایک اخبار ''الزوراء'' کے نام سے نکالنا شروع کیا۔ ابراہیم المویلحی اور محمد عثمان بلال نے مل کر ایک ہفت روزہ اخبار ''نزھۃ الافکار'' ۱۸۶۹ء میں قاہرہ سے جاری کیا۔ حکومت کی نگاہ میں اس اخبار کا لب ولہجہ سخت قابل اعتراض تھا۔ حکومت کی مخالفت کے نتیجے میں صرف دو تین شماروں کے بعد اسماعیل پاشا نے اس کی اشاعت حکماً بند کر دی۔

۱۸۷۰ء میں مجلّہ ''روضۃ المدارس'' شائع ہوا۔ اس کے قلمکاروں میں رفاعہ بک، طہطاوی، علی مبارک پاشا، اسماعیل پاشا الفلکی، شیخ حسین المراصفی اور عبداللہ پاشا فکری جیسے صائب الرائے مفکر اور کہنہ مشق انشا پرداز شامل تھے۔ اس رسالے نے مصری نوجوانوں میں ایک نئی ادبی اور سیاسی روح پھونک دی۔ امریکن مشنری نے بیروت سے ۱۸۶۰ء میں ایک مذہبی رسالہ ''النشرۃ الشہریہ'' جاری کیا تھا۔ ۱۸۷۰ء میں اسے

[1] ابراہیم عبدہ، تطور الصحافۃ العربیہ، ص: ۳۳۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''النشرۃ الاسبوعیہ'' میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس کے مقابلے پر کیتھولک جماعت نے ''المجمع الفاتیکانی'' کے نام سے ایک مجلّہ نکالا۔ جب امریکیوں کا ''النشرۃ الاسبوعیہ'' شائع ہوا تو کیتھولک گروہ نے ۱۸۷۰ء میں ''البشیر'' نکالنا شروع کر دیا۔ سرزمین شام سے اس سال بہت سے علمی اور سیاسی مجلّات شائع ہونے شروع ہوئے۔ ان میں پطرس البستانی کے ''الجنان'' اور ''الجنہ'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۸۷۱ء میں امریکیوں نے ''کوکب الصبح المنیر'' اور صابونجی نے ''النجاح'' جاری کیا۔ ۱۸۷۴ء میں ''التقدیم'' نکلنے لگا اور اس کی ادارت کے فرائض ادیب اسحاق (۱۸۵۶-۱۸۸۵ء) کے سپرد ہوئے۔

اس عرصے میں شام پر ترکی کا تسلط جاری رہا۔ وہاں حریت قلم اور آزادی افکار نسبتاً بہت کم تھی۔ جب شامی ادیبوں اور صحافیوں نے دیکھا کہ شام کی سرزمین میں ترکی حکومت کے زیر اثر آزاد صحافت کے پنپنے کے بہت ہی کم مواقع ہیں اور اس کے مقابلے پر مصر میں اشہب قلم کی ترکتازیوں اور سمند فکر کی جولانیوں کے لیے میدان صحافت زیادہ وسیع اور فراخ ہے تو وہاں کے مفکروں اور قلم کاروں نے مصر کا رخ کیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مصر اور اسکندریہ میں شامی ارباب صحافت کی اکثریت ہے۔ اس سلسلے میں سلیم حموی پاشا نے سب سے پہلا اخبار ''الکوکب الشرقی'' ۱۸۷۳ء میں اسکندریہ سے جاری کیا، مگر یہ اخبار کوئی زیادہ دیر تک نہ چل سکا۔ ۱۸۷۶ء میں دو شامی برادران بشارت تقلا (۱۸۵۲-۱۹۰۱ء) اور سلیم تقلا (۱۸۴۹-۱۸۹۲ء) کی کوششوں سے ''الاہرام''[1] جیسا وقیع اور شاندار اخبار اسکندریہ میں ظہور پذیر ہوا۔ تھوڑی ہی مدت میں یہ اخبار بہت مقبول اور ہر دلعزیز ہو گیا۔ کچھ عرصے کے بعد اخبار مذکور کو قاہرہ میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں پہلے سے بھی زیادہ آب و تاب اور شان و شوکت سے شائع ہونے لگا۔

اب تک مصری صحافت میں قبطیوں نے کوئی حصہ نہ لیا تھا۔ انھوں نے اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے ایک اپنا الگ اخبار نکالنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ اس ضمن میں میخائیل

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: ابراہیم عبدہ، جریدۃ الاہرام، دارالمعارف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آفندی نے ۱۸۷۷ء میں اخبار ''الوطن'' شائع کیا۔ قبطیوں کا دوسرا اہم اور مشہور اخبار ''مصر'' ہے۔ جسے ادیب اسحاق نے فرانس سے واپسی پر جمال الدین افغانی کے مشورے سے جاری کیا تھا اور افغانی اس اخبار کے لیے مضامین بھی لکھا کرتے تھے۔ اسی سال ''لسان الحال'' خلیل سرکیس کی ادارت میں شام سے نکلنے لگا۔ مجلّہ ''المقتطف'' بھی ۱۸۷۷ء میں شائع ہوا۔ اس کے مقالہ نگاروں میں فارس نمر اور یعقوب مروف کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ مجلّہ اپنے بلند پایہ مضامین اور مقالات میں تنوع کے لحاظ سے دیگر تمام مجلّات سے سبقت لے گیا۔

۱۸۸۰ء میں ادیب اسحاق اور سلیم نقاش نے اخبار ''المحروسہ'' اسکندریہ سے جاری کیا۔ ان دونوں کی موت کے بعد زمام ادارت مختلف لوگوں کے ہاتھوں میں گھومتی رہی۔ مدت مدید تک نکلنے کے بعد پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر یہ جریدہ بھی ختم ہو گیا۔ نقولا نقاش نے ۱۸۸۰ء میں شام سے ''الصباح'' جاری کیا۔

زیرنظر دور میں علامہ جمال الدین افغانی[۱] جیسا مفکر اور مصلح مصر میں مقیم رہا۔ اس کی عقابی نگاہ دنیائے اسلام کا جائزہ لے چکی تھی۔ مسلمانوں کی ضرورت اور وقت کے تقاضے اس کے سامنے تھے۔ اس کی زندگی اسلامی دنیا کے لیے سررشتہ حیات تھی۔ انقلاب اس کی گود میں پرورش پاتے تھے۔ بغاوتیں اس کے اشاروں پر ناچتی تھیں۔ اس کی شخصیت میں مقناطیسی قوت تھی۔ جہاں بیٹھ گیا وہیں ایک نئی دنیا آباد کر لی۔ اس کی موجودگی نے مصر میں ایک نیا سیاسی اور فکری ماحول پیدا کر دیا۔ افغانی نے مصر کی آزادی اور مصریوں کی خوشحالی پر بڑا زور دیا۔ دینی اصلاح، دستوری نظام اور اسلامی جمہوریت کے حق میں ایک خاصی بڑی جماعت پیدا کر لی۔ ۱۸۸۱ء میں ''الوقائع المصریہ'' کی عنان ادارت مفتی محمد عبدہٗ کے ہاتھ میں چلی گئی۔ مفتی نے سعد زغلول کو اپنا مدیر معاون مقرر کیا۔ یہ دونوں افغانی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اب انھیں افغانی کے خیالات کو نشر کرنے کا زریں موقع ہاتھ آیا۔ سعد زغلول پاشا نے استبداد اور شوریٰ کے عنوان

[۱] محمد عمارہ، جمال الدین الافغانی، دارالسلام ۲۰۰۹ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے ایک مستقل سلسلہ مضامین لکھنا شروع کیا۔ جس کی وجہ سے مصری سیاست نے ایک نئی کروٹ لی۔ ۱۸۸۴ء میں افغانی مرحوم نے ''العروۃ الوثقیٰ'' جاری کر کے عربی صحافت میں نئے باب کا اضافہ کیا۔[1] غرضیکہ عربی صحافت میں وطن دوستی، مکمل آزادی اور جمہوری نظام کے جذبات افغانی مرحوم کے رہین منت ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سلیم نقاش نے ''المحروسہ'' اور ''العصر الجدید'' بھی افغانی کے مشورے سے جاری کیے تھے۔

اس دور کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ سیاسی صحافت کو ادبی اور فنی صحافت سے الگ کر دیا گیا تھا۔ اخبارات کے پہلو بہ پہلو رسالوں اور ماہناموں کا وجود بزم صحافت کی رونق کا موجب بنا۔ اس دور میں اخبارات کے لیے جریدہ کا لفظ استعمال ہونے لگا اور علمی و ادبی ماہناموں اور رسالوں کے لیے مجلّہ کا لفظ۔ اس سے پہلے دونوں کے لیے صحیفہ یا نشریہ کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔

چوتھا دور

انگریزوں کے داخلہ مصر سے عربی صحافت نے نئے دور میں قدم رکھا۔ اس نئے دور میں قاہرہ علمی و ادبی اور سیاسی تحریکوں کا مرکز قرار پایا۔ جب انگریزوں کے بڑھتے ہوئے حرص و آز[2] نے سرزمین مصر پر ڈورے ڈالنے شروع کیے تو اخبارات کی روش میں ایک نمایاں تبدیلی نظر آنے لگی۔ پالیسی اور حکمت عملی کے لحاظ سے عربی صحافت دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی۔ اخبار الزمان نے ۱۸۸۲ء میں قاہرہ سے جاری ہوتے ہی کھلے بندوں انگریزوں کی حمایت کرنا شروع کر دی۔

الزمان کی اس روش کا ردعمل یہ ہوا کہ مصری محبان وطن نے ایک سیاسی جماعت تشکیل دی۔ اس جماعت کا مقصد یہ تھا کہ جمہور میں بیداری پیدا کر کے انھیں آزادی

---

[1] انور الجندی، تاریخ الصحافۃ الاسلامیہ، ص: ۱۷

[2] طمع و لالچ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وطن کی جدوجہد کے لیے تیار کیا جائے اور انگریزی اقتدار و تسلط کو ختم کر دیا جائے۔ اس مقصد کے پیشِ نظر شیخ علی یوسف اور شیخ حمدانی کے زیرِ اہتمام ۱۸۸۸ء میں اخبار المؤید ملی صحافت کا سنگِ میل تھا۔ تمام وطن دوست سیاسی اور مذہبی مفکرین اس اخبار کی پشت پناہی کرنے لگے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ اخبار مصری جمہور کا حقیقی ترجمان بن گیا۔ مفتی محمد عبدہ، سعد زغلول پاشا، قاسم ابن ابراہیم مویلحی، مصطفیٰ کامل اور مصطفیٰ لطفی جیسے بلند مرتبہ مفکر اور صاحبِ قلم حضرات نے اپنے افکار و خیالات سے المؤید[1] کے صفحات کو زینت بخشی۔ مصر کی سیاسیات ایک عرصہ تک اسی اخبار سے وابستہ رہیں۔ المؤید کے اجراء سے پہلے شیخ علی یوسف نے ''مجلّہ الآداب'' بھی جاری کیا تھا۔ ۱۸۸۴ء میں جمال الدین افغانی ''العروۃ الوثقیٰ'' جاری کر کے انگریزوں کی استعمار پرستی اور اسلامی دنیا کے خلاف ریشہ دوانیوں کو بے نقاب کرنے لگا۔ اس کی پالیسی اور اندازِ بیان کے پیشِ نظر تمام انگریزی مقبوضات میں اس کا داخلہ بند ہو گیا۔

مجلّہ المقتطف والوں نے مصر پہنچ کر ۱۸۸۸ء میں اخبار ''المقطم'' بھی جاری کر دیا۔ عربی صحافت کے اس دور میں بے شمار مجلّات اور ہفت روزہ اخبارات معرضِ وجود میں آئے۔ جن میں البرہان، البیان، مرآۃ الشرق اور الہلال بڑی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

مصر میں انگریزی تسلط نے عربی صحافت کو خوب چمکایا۔ عربی اخبارات نے اتنا سیاسی شعور پیدا کر دیا کہ مصری جمہور ملک کے سیاسی معاملات میں گہری دلچسپی لینے لگے۔ اخبارات کا ایک گروہ تو انگریز کے ساتھ تھا اور اس گروہ میں الزمان اور المقطم پیش پیش تھے۔[2]

دوسرا گروہ انگریز کے مخالف تھا اور اس کی قیادت کا فخر اخبار المؤید کو حاصل تھا جو

[1] دیکھیے: سلیمان صالح، الشیخ علی یوسف و جریدۃ المؤید الہیئۃ المصریہ، ص:۹

[2] تیسیر ابوعرجہ، المقطم، الہیئۃ المصریہ، ص:۵

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

شیخ علی یوسف کی زیر ادارت شائع ہو رہا تھا۔ المؤید نے تحریک آزادی مصر کے سلسلے میں بڑی خدمات سرانجام دیں اور مستقبل کے وطن دوست اخبارات کے لیے بہترین لائحہ عمل قائم کر دیا۔

۱۸۹۲ء سے لے کر ۱۹۰۲ء تک بے شمار ماہنامے اور اخبارات جاری ہوئے۔ اخبارات کے سامنے طریق کار کے دو ہی راستے تھے۔ المقطم کی پیروی میں انگریزی اقتدار کی حمایت یا المؤید کی رہبری میں انگریز کی مخالفت۔ اس عرصہ میں مصر سے شائع ہونے والے جرائد و رسائل کی تعداد ڈیڑھ سو سے بھی تجاوز کر گئی۔ اس کثرت تعداد کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس عہد میں پریس کو نسبتاً زیادہ آزادی حاصل تھی اور ہر شخص کسی قسم کی ضمانت داخل کیے بغیر اخبار یا مجلّہ جاری کر سکتا تھا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ انداز اور لب و لہجہ زیادہ تر علمی اور ادبی ہو گیا تھا۔ ۱۸۹۹ء میں مفتی عبدہٗ کے شاگرد رشید علامہ رشید رضا نے رسالہ ''المنار''[1] شائع کیا۔ یہ ماہنامہ دینی، اجتماعی اور سیاسی مباحث و مسائل پر جمال الدین افغانی اور مفتی محمد عبدہٗ کے خالص اسلامی زاویۂ نگاہ سے بحث کرتا تھا۔ عربی صحافت میں المنار نے دینی و اجتماعی نقطہ نظر سے خاصی خدمات سرانجام دیں اور قرآنی مباحث کو جدید انداز میں پیش کر کے بحث و نظر کے لیے نئے زاویے کھول دیے۔

مصطفیٰ کامل نے ۱۹۰۰ء میں ''اخبار اللواء'' جاری کیا۔[2] جذبہ وطنیت سے سرشار ہو کر مصطفیٰ کامل کے سیاسی شعور نے اسے شعلہ جوالہ بنا دیا۔ وہ رسالے کا سرورق اور اندرونی مصور صفحات کی طباعت کا اہتمام یورپ میں کرتے تھے اور باقی صفحات مصر میں چھپتے تھے۔ اس طرح المصور والوں کو اس کی طباعت پر زر کثیر خرچ کرنا پڑتا تھا۔

[1] انور الجندی، تاریخ الصحافۃ الاسلامیہ، ص:۲۹

[2] الموسوعۃ العربیہ، عنوان: کامل (مصطفیٰ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۹۰۷ء میں اخبار الجریدہ کے اجراء سے عربی صحافت نے نئی کروٹ لی۔ اخبارات کے تحریری اداروں کی تنخواہوں میں خاطر خواہ اضافہ کر دیا گیا۔ مقالہ نگاروں کو معقول معاوضہ ادا ہونے لگا۔ جدید قسم کے اجتماعی اور فلسفیانہ مقالات نے ممتاز حیثیت اختیار کر لی۔ الجریدہ سید احمد لطفی کی زیر قیادت حزب الامت کی طرف سے جاری کیا گیا تھا۔

۱۹۱۲ء کی جنگ عظیم شروع ہو رہی تھی۔ آرڈیننس نافذ ہونے لگے۔ صحافت کو پابجولاں کر دیا گیا۔ کاغذ کی قلت کے ساتھ قیمتوں میں معتدبہ اضافہ ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے اخبارات بند ہو گئے تھے۔ نئے اخبار نکالنے کی کسی نے جرأت نہ کی۔ جنگ کے اختتام پر کچھ ہفت روزہ مصور اخبار نکلنے لگے ہفت روزہ صحافت کے ضمن میں الہلال کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اس کی طباعت فوٹو گرافی کے ذریعے ہونے لگی۔ رنگین تصویریں اخبارات اور صحافت کی زینت بننے لگیں۔ مزاحیہ اور سیاسی کارٹون بھی شائع ہونے لگے۔ خبروں کی فراہمی ایک خاص فن ہے۔ رپورٹر یا خبر رساں کی اخباری حس بڑی تیز ہوتی ہے۔ وہ خبر کو حاصل کرنے کے لیے جان پر کھیلنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ رپورٹر کی مشاقی کو دیکھ کو عرب کہتے ہیں کہ وہ خبریں سونگھ لیتا ہے۔ خبروں کی فراہمی کے سلسلے میں عرب رپوٹروں کی بڑی دلچسپ کہانیاں بیان کی جاتی ہیں۔ ادبی اور فنی رسالوں کے علاوہ الہلال کے کارپردازوں نے ایک فکاہی مزاحیہ رسالہ ''الفکاہہ'' کے نام سے دسمبر ۱۹۲۶ء میں جاری کیا۔

اس دور میں تمام علوم وفنون سے متعلق الگ الگ مجلات نکلتے تھے۔ طبی رسائل میں ''الطبیب'' اور ''الشفاء'' قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر ۱۸۷۷ء میں جاری ہوا اور مؤخر الذکر ۱۸۸۶ء میں۔ ''الحقوق'' قانونی رسالہ ہے۔ ادبی رسالوں میں ''المقتطف'' اور ''المشرق'' زیادہ مشہور ہیں۔ اجتماعی مساعی سے متعلق مجلّہ ''العلوم الاجتماعیہ'' اور اقتصادیات پر مجلّہ ''التعاون'' قابل ذکر ہیں۔ مذہبی رسائل میں ''المنار'' پیش پیش ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عورتوں کے رسالے اور مجلے الگ ہیں اور ان کی تعداد تیس کے لگ بھگ ہے۔[1]

عربی ادب کے ارتقا میں صحافت کا حصہ

آج عربی ادب بالخصوص افسانہ اور کہانی کی ہر دلعزیزی اور مشہور ادیبوں اور شاعروں کی شہرت کا تمام انحصار عربی صحافت پر ہے اور عربی صحافت کی کامیابی کا سہرا انھی شاعروں اور ادیبوں کے سر ہے۔ جمیل صدقی الزہاوی عراق کا سب سے بڑا انقلابی اور فلسفی شاعر ہے۔ اس نے ۱۹۲۶ء میں ''الاصابہ'' کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا، لیکن اس کے معاشی اور اجتماعی نظریے بالخصوص عورتوں کی آزادی کے بارے میں اس کی آراء و افکار لوگوں کو پسند نہ تھے۔ اس لیے اس رسالے کے صرف چھ شمارے نکل سکے۔ جب الزہاوی کا مضمون آزادی نسواں ''المؤید'' میں شائع ہوا تھا تو اس کی سخت مخالفت کی گئی۔ جب عراق کا مشہور مجلہ ''لغۃ العرب'' شائع ہوا تو اس کی ادارت کے فرائض رفائیل بطی اور محمد بہجت الاثری کے سپرد کیے گئے۔

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل ۱۹۲۲ء میں ''السیاسۃ'' کا مدیر اعلیٰ مقرر ہوا۔ ۱۹۲۲ء میں ''السیاسیۃ الاسبوعیہ'' جاری کر دیا۔ عربی ہفت روزہ اخبارات میں اس اخبار کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر موصوف نے الاہرام، الجریدہ وغیرہ کے اداروں میں بھی کام کیا ہے۔ عباس محمود العقاد پہلے تو الدستور، الجریدہ، المؤید، الہلال، الاہرام، البلاغہ اور الاساس وغیرہ اخبارات میں مقالات لکھتا رہا۔ بعد میں اخبار الیوم اور الاساس کا مدیر مقرر ہوا۔ عبداللہ عنان ایک عرصہ تک السیاسہ اور السیاستہ الاسبوعیہ میں مضمون اور مقالے لکھتا رہا۔ شام کے مشہور ادیب امیر شکیب ارسلان[2] اور علی دمشقی کے مشہور و معروف رسالے ''مجلۃ المجمع العالم العربی'' کے لیے مقالے سپرد قلم

1. تفصیل کے لیے دیکھیے: دی طرازی، تاریخ الصحافۃ العربیۃ، طبع اول، ۱۹۱۳ء۔ لیلیٰ عبدالمجید، تطور الصحافۃ المصریہ، طبع: ۱۹۸۱ء
2. محمد علی طاہر، ذکریٰ الامیر شکیب ارسلان، القاہرہ، ۱۹۳۷ء، ص: ۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتا رہا۔ ابراہیم عبد القادر المازنی ''السیاسہ، الاخبار، الاتحاد اور الکشاف'' وغیرہ میں مقالے لکھتا رہا۔ سلامہ موسیٰ نے ۱۹۱۴ء میں ایک رسالہ، المستقبل کے نام سے جاری کیا جو سولہ ہفتوں سے زیادہ نہ چل سکا۔ بعد ازاں اس نے الھلال اور البلاغہ میں باقاعدہ لکھنا شروع کر دیا۔ سات آٹھ برس تک الھلال اور ''کل شئی'' کے ادارۂ تحریر میں شامل رہا۔ نومبر ۱۹۲۹ء میں الھلال کو چھوڑ کر اپنا الگ رسالہ ''المجلۃ الجدیدۃ'' جاری کیا۔ ندیم الملاح نے ۱۹۳۲ء میں عمان سے ماہنامہ ''الحکمۃ'' جاری کیا۔ اس مجلّہ میں اسلامی، علمی، ادبی اور اجتماعی مقالات مندرج ہوتے تھے۔

بیسویں صدی کی عربی صحافت کا ایک روشن پہلو یہ بھی ہے کہ غیر عربی بالخصوص جرمنی، انگلستان، جاپان، ہندوستان، پاکستان، امریکہ اور دیگر ممالک نے سیاسی اور ثقافتی اغراض کے پیش نظر عربی صحافت میں بڑی دلچسپی کا اظہار کیا۔ علم دوست افراد اور حکومت نے مجلّے اور رسالے جاری کیے۔

عربی صحافت اقصائے عالم میں

انیسویں صدی کے آخر میں شامیوں اور لبنانیوں کی کثیر تعداد امریکہ چلی گئی۔ کچھ لوگ شمالی اور کچھ جنوبی حصوں میں آباد ہو گئے۔ ان لوگوں نے وہاں بھی اپنی زبان اور ثقافت کو برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ ۱۸۹۱ء میں پہلا عربی جریدہ ''کوکب امریکہ'' کے نام سے نجیب عربلی نے نیویارک سے شائع کیا۔ ۱۹۱۱ء میں نیویارک سے کئی عربی رسالے نکلتے تھے۔ ان میں ''مرأۃ العرب'' سب سے زیادہ مشہور ہے۔ ۱۹۲۹ء میں ایلیا ابو ماضی کا مجلّہ ''اسیر'' جو نیویارک میں چھپتا تھا خاصا مقبول ہوا۔ اسی طرح برازیل میں مقامی امریکی سکول بھی قابل ذکر ہے۔ میکسیکو، کولمبیا، ارجنٹائن وغیرہ علاقوں میں عربی اخبارات اور مجلّے نکلتے ہیں۔

ہندوستان کے عربی رسالوں میں ''افیضۃ العرب'' اور ''الرابطۃ الشرقیہ'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ پاکستانی نشریات کے زیر اہتمام ایک سہ ماہی عربی رسالہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"بیــنة" کراچی سے شائع ہوتا رہا ہے۔ اس کا پہلا شمارہ اکتوبر ۱۹۴۸ء میں نکلا۔ دوسرا جنوری ۱۹۴۹ء میں۔ اب کراچی سے سہ ماہی رسالہ "الوحی" شائع ہوتا ہے۔ خوبصورت کاغذ، دیدہ زیب طباعت، جاذب نظر تصاویر اور دلچسپ اور متنوع مضامین کے اعتبار سے عربی مجلات کی صف اول میں نظر آتا ہے۔ گزشتہ دس پندرہ برس کے اندر امریکہ اور یورپ سے شائع ہونے والے جرائد وصحائف اور مجلات کی بڑی کثرت ہے اور اس کے لیے الگ فرصت درکار ہے۔[1]

عربی صحافت زندگی کے مختلف گوشوں پر اثر انداز ہوئی۔ اس نے عربی افکار کو بیداری بخشی۔ ذہنوں کو جلا دی۔ ادب کو وسعت عطا کی۔ جمہور کی ہمتوں کو بلند کیا۔ عوام کے ارادوں کو رفعت بخشی اور انھیں سعی وعمل پر اکسایا۔ مشرقی اور مغربی ثقافتوں کو یکجا کر کے نئی عربی ثقافت کی بنیاد رکھی۔ بالخصوص مصر اور شام میں مغربی تہذیب اور انداز فکر پیدا کیا۔

عربی تہذیب، زبان اور انداز بیان عربی صحافت کے احساس سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ مصر میں قدیم عربی تہذیب دوراہے پر کھڑی تھی۔ قدامت پسندوں اور نئے تعلیم یافتہ گروہ میں رسہ کشی ہو رہی تھی۔ ایک طرف پرانی وضع کے حامی قدیم عربی زبان اور انداز بیان سے متاثر اور دوسری طرف روشن خیال لوگ زبان اور قدیم انداز بیان کو سادہ اور عام فہم بنانے کے خواہش مند بلکہ کوشاں نظر آتے تھے۔ ان دونوں کے طرز بیان اور انداز گفتگو میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔ قدامت پسند طبقہ چاہتا تھا کہ عربی زبان پرانے اسلوب اور انداز سے ذرا الگ نہ ہو۔ جدید تعلیم یافتہ لوگ چاہتے تھے کہ نئے خیالات وافکار اور بدلے ہوئے ماحول کے لیے نیا انداز اور نیا اسلوب اختیار کر لیا جائے۔ صحافت نے ان دونوں گروہوں کو کچھ اس طرح سمویا کہ دونوں کے انداز و اسلوب میں آہستہ آہستہ قرب وموانست پیدا ہونے لگی اور بالآخر ایک ایسا اسلوب اختیار

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد نافع عارفی، بیسویں صدی میں عربی صحافت، ماہنامہ اردو، دنیا، دہلی، ۲۰۱۹ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا گیا جو نئے افکار کی وسعت کا متحمل ہو سکا اور بدلے ہوئے ماحول کی آئینہ داری میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ اس کے ساتھ زبان کی صحت اور حسن بھی برقرار رہا۔

اخبارات کے مخاطب زیادہ تر جمہور ہوتے ہیں۔ بس اسی لیے صحافتی زبان کو زیادہ سے زیادہ آسان اور سہل بنانے کی کوشش کی گئی۔ معانی میں تعمق کو نظر انداز کر کے آسان ترین الفاظ کو اختیار کیا گیا، تا کہ معمولی استعداد کا آدمی بھی مقالہ نگار کے خیالات اور اخباری خبروں سے لطف اندوز ہو سکے۔ البتہ رسالوں اور ماہناموں کی زبان روزمرہ کی زبان سے قدرے سلجھی ہوئی اور ذرا ادیبانہ ہوتی تھی۔ عربی اخبار نویس اپنا فرض سمجھتا تھا کہ وہ اپنا مطلب آسان اور عام فہم زبان میں اخبار پڑھنے والوں تک پہنچائے۔ اس کی غرض وغایت مطلب کی ادائیگی تھی نہ کہ ادبیت۔ مشکل پسند ذخیرہ الفاظ اور علم وفضل کا اظہار نمائش سمجھی جاتی تھی۔ مختصر یہ کہ عربی صحافت نے عربی ادب وثقافت اور زبان کو نئے سانچوں میں ڈھالنے اور آسان و عام فہم کو رواج دینے میں بڑی خدمات سرانجام دی ہیں۔[1]

---

[1] مزید مطالعہ کے لیے دیکھیے: علی کنعان، الصحافة، مفهومها وانواعها، دار المعتز اردن، ۲۰۱۳ء۔ تعلیق از محمد زکریا رفیق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مفتی محمد عبدہٗ، مصر جدید کا بانی

شخصیت کا جائزہ

مفتی محمد عبدہٗ کی شخصیت پر سرزمین نیل جتنا فخر کرے کم ہے۔ وہ ایک روشن ضمیر عالم دین اور سیاسی مفکر تھا۔ اس نے دینی علوم اور مذہبی تصورات وعقائد کو نئی جلا دی۔ سیاسی تحریکیں اس کی گود میں پل کر پروان چڑھیں۔ اس نے فکر وعمل کو نئے سانچوں میں ڈھالا۔ اجتماعی اور سیاسی گتھیوں کو سمجھنے اور سلجھانے کے لیے نئے انداز تراشے۔ مذہب اور ادب کو نئی قدروں سے جانچا۔ تعلیمی اور سیاسی مسائل پر نئے طریق سے غور و فکر کیا۔ قدامت پسندی اور جمود کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے مصر کو انقلاب کے دروازے پر لا کھڑا کیا۔ غرضیکہ مفتی محمد عبدہٗ نے مصر کو ایک نئی زندگی عطا کی۔[1] مفتی محمد عبدہ کے علم و فضل کی شہادت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ انیسویں صدی کا مفکرِ اسلام اور مجددِ ملت علامہ جمال الدین افغانی ۱۸۷۹ء میں مصر کو آخری مرتبہ الوداع کہتے ہوئے مصریوں کو یوں مخاطب کرتا ہے:

> میں شیخ محمد عبدہٗ کو تمھارے لیے چھوڑے جاتا ہوں۔ اس کا علم وفضل مصر کے لیے کافی ہے اور باعث نازش وافتخار بھی۔

مفتی محمد عبدہٗ بڑی فصیح مگر سلیس عربی بولتا تھا۔ انگلستان اور فرانس کا سفر کرنے کے باوجود نہ تو کبھی انگریزی بولتے سنا گیا، نہ فرانسیسی اور نہ کبھی ترکی زبان میں گفتگو کی۔ ہمیشہ عربی زبان بولنے کو ترجیح دی۔ گفتگو میں تواضع اور انکسار کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پایا۔ تقریر وتحریر بڑی مدلل ہوتی تھی۔ تقریر میں تو غضب کی روانی تھی

---

[1] محمد کامل الفقی، الأزہر وأثرہ فی النھضۃ الأدبیۃ الحدیثۃ: ۳/۲۱۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور فی البدیہہ بولنے میں خدا داد ملکہ حاصل تھا۔ حسن بیان کے ساتھ بلا کا ذہن تھا۔ قوت حافظہ کے عطیہ میں قدرت نے بڑی فیاضی سے کام لیا تھا۔ درمیانہ قد، گندمی رنگ، سیاہ گھنی داڑھی، سڈول جسم، بلند آواز، نگاہیں بڑی تیز اور پیشانی روشن اور نورانی۔

اسلامی علوم بالخصوص فلسفہ، تفسیر قرآن، فقہ و حدیث اور دینی مسائل پر بڑا عبور حاصل تھا۔ عربی ادبیات پر گہری اور وسیع نظر تھی۔ انداز تحریر میں جدت اور انفرادیت پائی جاتی تھی۔ انتظامی قابلیت کے علاوہ انتھک کام کرنے والا انسان تھا۔ اس نے اسلامی فلسفہ اور قرآنی تعلیمات کو جدید طرز فکر اور نئے اسلوب نگارش کے ساتھ دنیا کے سامنے رکھا۔ آفرین ہے مفتی محمد عبدہٗ کو کہ اس نے حالات کی ناسازگاری، اپنوں، مخالفوں اور بیگانوں کی سازشوں کے باوجود اتنا کچھ کر دکھایا۔ یہ کہنا بالکل بے جا نہ ہوگا کہ اس کی جگہ کوئی اور انسان ہوتا تو ان مخالف اور غیر موافق حالات میں بالکل ہتھیار ڈال دیتا۔

علامہ افغانی کی زیر تربیت محمد عبدہٗ نے ۲۵ برس کی عمر میں اپنے ترقی پسند خیالات اخبارات کے ذریعے لوگوں تک پہنچانے شروع کیے۔ محمد عبدہ کے اخلاقی اور اجتماعی مضامین نے مصریوں کو پہلی مرتبہ حریت فکر اور آزادیِ خیال کی دعوت دی۔ جب اس نے فلسفۂ تربیت و صناعت پر قلم اٹھایا تو مصری عوام کی آنکھیں کھل گئیں۔ ایک مصری عالم دین کا مذہبی اور اجتماعی معاملات پر بالکل نئے زاویوں سے سوچنا اور اچھوتے انداز میں اظہار خیال کرنا ایک بہت بڑا اُعجوبہ تھا۔ جب محمد عبدہٗ نے دیکھا کہ ہوا سازگار ہے اور زمین ہموار تو اس نے اخبار ''الاہرام'' کے کالموں میں علوم جدیدہ کی طرف توجہ دلانے کے لیے ایسے دل کش انداز اور مؤثر پیرایہ بیان میں لکھنا شروع کیا کہ قدیم ترین درس گاہیں اپنے فرسودہ نظام کو خیر باد کہہ کر اصلاح و تجدید کے استقبال کے لیے آمادہ ہو گئیں۔[1]

خاندان

مصر جدید کا یہ بانی ۱۸۴۶ء کے آخر میں محلہ نصر میں پیدا ہوا۔ محمد عبدہ کا باپ عبدہ

[1] الزرکلی، الأعلام: ۲۵۲/۶۔ شیخ محمد عبدہٗ نے اپنے اصلاحی کام کو ایمان و توحید سے جوڑا، چنانچہ ایک کتاب ''رسالۃ التوحید'' لکھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خیر اللہ مصر کے متوسط طبقہ کا فلاح (کسان) تھا۔ بڑا خود دار اور باوقار انسان۔ قدرت نے فربہ جسم کے ساتھ عزیمت اور خوش باشی کی نعمت سے بہرہ ور کیا تھا۔ تیراندازی اور سیر و شکار کا بڑا شوقین تھا۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود بڑا کم گو تھا۔ نچلے طبقے کے لوگوں سے میل جول پسند نہ کرتا تھا۔ ہیبت اور رعب کا یہ عالم تھا کہ بال بچوں اور بیویوں سے بھی کھچا کھچا رہتا اور اکثر تنہا کھایا کرتا۔ سخی اتنا تھا کہ مسافروں کے لیے اس کے گھر کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا۔ وہ اس درجہ بہادر اور آزاد منش آدمی تھا کہ ظلم کے سامنے کبھی جھکنے نہ پایا۔ یہی وجہ تھی کہ اکثر حکام کے جور و ستم کا تختہ مشق بنتا رہا۔

محمد عبدہٗ کی ماں جتینہ بڑی نرم خو، مگر شرم و حیا والی عورت تھی۔ غریبوں اور مسکینوں کا بڑا خیال رکھتی۔ محمد عبدہٗ نے اس ماحول میں آنکھیں کھولیں، اپنے خاندان پر حکام کے تشدد اور ظلم کی داستانیں سنیں۔ ان سب چیزوں کا مجموعی طور پر اتنا گہرا نفسیاتی اثر ہوا کہ جوان ہو کر محمد عبدہ مصر جدید کا بانی قرار پایا۔ ایک طرف تو اس نے اعلان کر دیا کہ حکومت کی اطاعت اور فرمانبرداری اسی صورت میں روا ہے کہ حاکم وقت رعایا سے عدل و انصاف برتے، تو دوسری طرف اس نے اصلاحات کا بیڑا اٹھایا۔

تعلیم و تربیت

جب محمد عبدہٗ مدرسہ جانے کی عمر کو پہنچا تو اس کے والد نے محسوس کیا کہ مصری مکتب اور مدرسے بڑی ابتر حالت میں ہیں۔ بچوں کی صحت اور نشو و نما کو قطعاً نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ بچوں کی طبعی ذہانت کو اجاگر کرنے کے بجائے ناقص انتظامات، غلط طریق تدریس اور علم نفسیات سے استادوں کی عدم واقفیت الٹا انھیں زنگ آلود کر دیتی ہے۔ ان حالات کے پیش نظر محمد عبدہٗ کے باپ نے اپنے بیٹے کو مکتب بھیجنے کے بجائے گھر ہی میں لکھانا پڑھانا شروع کرا دیا۔ محمد عبدہٗ نے دس برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔[1]

باپ نے دیکھا کہ بچہ ذہین اور ہونہار ہے، گھر کے انتظامی معاملات میں بڑی دلچسپی لیتا ہے، طبیعت کا رجحان پاکیزگی، صفائی اور جدت پسندی کی طرف ہے تو اس نے مناسب

[1] رزق اللہ شیخو، تاریخ الآداب العربیہ، ص: ۳۱۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سمجھا کہ بچے کو فن تجوید اور قراءت کی تعلیم سے محروم نہ رکھنا چاہیے۔ اس مقصد کے پیش نظر محمد عبدہ کو ۱۸۶۲ء میں طنطا[1] کی مسجد احمدی میں بھیج دیا گیا۔ اس زمانے میں مسجد احمدی تعلیم قرآن اور فن تجوید و قرأت میں شہرۂ آفاق تھی۔ محمد عبدہٗ دو برس تک تجوید قرآن سیکھتا رہا۔ جب فارغ ہوا تو مصر کے مشہور ترین قاریوں اور حافظوں میں شمار ہوا۔ محمد عبدہٗ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کی سریلی اور میٹھی آواز میں بڑا سوز اور ترنم تھا۔ ترتیل و تجوید کا یہ عالم تھا کہ جب وہ قرآن مجید کی تلاوت کرتا تو سننے والے مسحور ہو جاتے تھے۔

فن قراءت سے فارغ ہونے کے بعد مسجد احمدی میں عربی زبان کے قواعد سیکھنے شروع کیے۔ طریقۂ تعلیم یہ تھا کہ طالب علم سمجھے یا نہ سمجھے اسے عبارت ازبر ہونی چاہیے۔ محمد عبدہٗ بغیر سوچے سمجھے کسی چیز کو رٹ لینے کے لیے تیار نہ ہوا۔ ذہن میں ایک کشمکش پیدا ہونے لگی۔ اگر استادوں سے نحوی عبارتوں کا مطلب پوچھنا چاہتا تو انھیں ناگوار گزرتا، کیونکہ یہ چیز استادوں کے لیے بالکل نئی تھی۔ وہ اس بات کے عادی نہ تھے کہ ایک بچہ اٹھ کر استاد سے سوال پوچھے۔ چنانچہ وہ ایسے بگڑے کہ اس ذہین بچے کو لعنتوں اور ملامتوں کا نشانہ بنانے لگے۔ ایک طرف تو بچے کو ذہنی پریشانی کا سامنا ہے۔ وہ دیانت داری سے یہ سمجھتا ہے کہ جس چیز کی سمجھ نہ آئے اسے کیوں کر پڑھا اور یاد کیا جائے۔ دوسری طرف استاد صاحبان بچے کی نفسیات سے بالکل بے خبر ہیں۔ وہ اس کی مشکلات اور ذہنی کشمکش کا اندازہ کرنے سے یکسر قاصر ہیں۔ اگر بچہ کچھ پوچھتا ہے تو وہ اسے اپنی اور اپنے منصب کی توہین تصور کرتے ہوئے اس معصوم پر غضبناک ہو کر خوب برستے ہیں۔[2]

تعلیمی مشکلات

اسی حالت میں ڈیڑھ برس گزر گیا۔ یہ طالب علم ہر روز مسجد سے نہایت مایوسی کے عالم میں واپس آتا۔ اس کا دامن علم نحو کے مسائل سے بالکل خالی ہے۔ آخر وہ سوچتا ہے کہ عربی علوم میرے لیے کتنے مشکل ہیں۔ ایک بات بھی تو میری سمجھ میں نہیں آتی۔

۱۔ مصر کا ایک شہر، قاہرہ سے شمال کی طرف ۹۳ کلو میٹر دور

۲۔ أحمد الهاشمي، جواهر الأدب: ۲/۲۲۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں نے سارا قرآن مجید حفظ کر لیا۔ میرے دل میں اس کے لیے بے پناہ شوق ہے۔ قرآن کتنا آسان ہے اور عربی علوم کتنے مشکل۔ محمد عبدہ کے حساس دل میں یہ جذبہ پیدا ہو گیا کہ آخر وقت کو یوں بے فائدہ ضائع نہ کیا جائے۔ اس کے ضمیر نے مشورہ دیا کہ ایسے سبق کو چھوڑ کر بھاگ جانا بہتر ہے۔ چنانچہ محمد عبدہٗ بھاگ کر اپنے ماموں کے ہاں چلا گیا اور تین مہینے تک وہاں روپوش رہا۔ اس عرصے میں نیزہ بازی، تیر اندازی اور گھڑ سواری کی خوب مشق کی۔

محمد عبدہٗ کے بھائی مجاہد نے جستجو اور تلاش کے بعد اس کا سراغ لگالیا۔ اس نے ہر چند کوشش کی کہ بھگوڑے طالب علم کو دوبارہ مسجد احمدی میں لے جائے، لیکن اصرار کے باوجود محمد عبدہ نے پڑھنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میں علم حاصل کرنے میں کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتا۔ اب تو میرے سامنے صرف ایک ہی راہ ہے کہ میں اپنے وطن واپس جا کر دوسرے عزیزوں کی طرح کھیتی باڑی کروں۔

وہ ارادے کا بڑا پکا نکلا۔ طنطا میں جس قدر سامان اور کپڑے تھے اس خیال سے اٹھا لایا کہ اب تحصیل علم کے تمام دروازے بند ہو چکے ہیں اور اسی خیال کے پیش نظر سولہ برس کی عمر میں بیاہ کر لیا۔ بیوی کو گھر لائے۔ ابھی چالیس ہی دن ہوئے تھے کہ ایک دن محمد عبدہٗ کا باپ اسے ملنے آیا۔ باپ کے دل میں اس بات کا بڑا رنج و قلق تھا کہ اس کا لائق ترین بیٹا استعداد و قابلیت اور ذہانت کے باوجود تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ ترک کر بیٹھا ہے۔ اس نے بیٹے کو سمجھا بجھا کر پھر تحصیل علم کے لیے آمادہ کر لیا۔ اب بظاہر محمد عبدہٗ کے لیے مسجد احمدی میں واپس جا کر تعلیم کو جاری رکھنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا، مگر وہ دل ہی دل میں کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔[1]

شیخ درویش کے قدموں میں

جب سفر کی تیاری ہو چکی اور گرمی کی شدت کے باوجود اسے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا گیا تو اسے سوائے اس کے اور کوئی راہ فرار نظر نہ آئی کہ بھاگ کر کنیسہ اورین کے

[1] عباس محمود العقاد، الاستاذ الامام محمد عبدہٗ، ص: ۲۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قصبے میں پناہ لے۔ وہاں پہنچ کر رات بسر کی۔ صبح اس کے والد کے ماموں شیخ درویش اسے ملنے کے لیے تشریف لائے۔ یہ صوفی منش بزرگ بڑے صاحب قلب ونظر انسان تھے۔ ان سے ملاقات محمد عبدہ کی زندگی میں سنگ میل ثابت ہوئی۔

شیخ درویش کو قرآن مجید خوب یاد تھا اور وہ قرآن بڑی خوش الحانی اور سوز سے پڑھتے تھے۔ قرآن فہمی میں خاص شہرت تھی۔ موطا امام مالک کے علاوہ دیگر کتب حدیث پر بڑا عبور حاصل تھا۔ صحرائے لیبیا میں کئی مرتبہ سفر کر چکے تھے۔[1] طرابلس الغرب تک کے علاقے کی سیاحت کر چکے تھے۔ سیر و سیاحت سے فارغ ہو کر شیخ درویش اپنے وطن کنیسہ اورین میں واپس آئے اور کھیتی باڑی میں مشغول ہو گئے۔

شیخ موصوف طرابلس کے مشہور و معروف بزرگ صوفی سید مدنی کی صحبت سے فیض یاب ہونے کے علاوہ اپنے ساتھ ایک کتاب بھی لائے تھے۔ جس میں سید مدنی کے چند رسائل شامل تھے۔ یہ رسائل انھوں نے اپنے مریدوں کو لکھے تھے۔ ان رسائل میں ریاضت نفس اور مجاہدہ کے بارے میں صوفیاء کے اقوال و خیالات درج تھے۔[2] شیخ درویش نے محمد عبدہٗ کے سامنے وہ کتاب رکھ کر کہا کہ میری خواہش تھی کہ یہ کتاب پڑھوں، لیکن بڑھاپے نے نظر کمزور کر دی ہے اور میں مطالعہ سے محروم ہو گیا ہوں۔ نوجوان محمد عبدہٗ نے کتاب اٹھا کر پرے پھینک دی اور کہا: میں پڑھ نہیں سکتا، پڑھنے والوں سے مجھے نفرت ہو گئی ہے۔

شیخ درویش نے پوچھا: بیٹا پھر کیا تو نے قرآن حفظ کر لیا ہے؟ ہاں میں نے حفظ کر لیا ہے اور خوب شوق اور ترنم سے پڑھتا ہوں، لیکن عربی زبان کے قواعد سے دل اچاٹ ہو گیا ہے اور یہی میری بدبختی کا سبب ہے۔

شیخ نے نہایت تلطف آمیز لہجہ میں سمجھایا کہ مایوسی کی کوئی بات نہیں، یہ کتاب پڑھو۔ محمد عبدہٗ نے کتاب کی چند سطریں پڑھیں۔ شیخ درویش نے اس عبارت کا مفہوم نہایت دل کش انداز میں سمجھایا۔ تھوڑا عرصہ گزرنے نہ پایا تھا کہ بستی کے چند لڑکے

---

[1] لیبیا کا سابق شمال مغربی صوبہ، (اردو انسائیکلو پیڈیا، ص:۹۵۵)

[2] شیخ درویش کے حالات کے لیے دیکھیے: حافظ محمد حیدر، الشیخ محمد عبدہٗ و آراؤہٗ، ص:۲۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حسبِ عادت آئے۔ بس پھر کیا تھا، محمد عبدہٗ نے کتاب ہاتھ سے رکھ دی اور ان کے ساتھ ہو لیا۔ سب لڑکے مل کر باہر نکل گئے اور نیزہ بازی اور گھڑ سواری کی مشق کرتے رہے۔

عصر کے وقت شیخ درویش کتاب لے کر پھر آ پہنچا اور محمد عبدہٗ کو کتاب پڑھنے پر آمادہ کر لیا۔ اس نے چند ایک صفحات پڑھ کر سنائے۔ شیخ نے ساری عبارت کی تشریح و توضیح اپنے خاص پیرایہ میں بیان کی۔ یہ سلسلہ کچھ روز تک جاری رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محمد عبدہ کو کتاب میں دلچسپی پیدا ہو گئی۔ وہ شیخ صاحب سے کتاب لے کر خود پڑھنے لگا۔ مشکل اور حل طلب مقامات کو نشان لگاتا جاتا اور بعد میں شیخ صاحب سے پوچھ لیتا۔

ہفتہ عشرہ کی قلیل مدت میں شیخ درویش کی بدولت محمد عبدہٗ کو پھر سے لکھنے پڑھنے کا اتنا شوق ہوا کہ تمام کھیل کود چھوٹ گیا۔ کھیل کے ساتھیوں سے ملنا تک گوارا نہ رہا۔ شیخ درویش کی مختصر صحبت نے محمد عبدہٗ کی زندگی کو یکسر بدل ڈالا۔ اسے زندگی کی نئی شاہراہوں سے روشناس کیا۔ نیک دل صوفی نے بڑے نازک موڑ پر اس نوجوان کی رہنمائی کی۔ محمد عبدہ کی ساری زندگی اس بزرگ انسان کی تعلیمات کا پرتو ہے۔

ایک دن محمد عبدہٗ شیخ درویش کی زیارت کے لیے اس کے گھر حاضر ہوا۔ اثنائے گفتگو میں شیخ سے پوچھا: آپ کا کیا طریقہ ہے؟ اس نے کہا: اسلام۔ پھر پوچھا: کیا یہ سب لوگ مسلمان نہیں ہیں؟ شیخ نے جواب دیا کہ اگر یہ مسلمان ہوتے تو آپس میں بات بات پر یوں نہ جھگڑتے اور نہ جھوٹی قسمیں کھاتے۔[1] محمد عبدہٗ کے لیے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اس قسم کے خیالات سننے کا یہ پہلا موقع تھا۔ شیخ کے ان الفاظ نے نوجوان کے دل میں ایک ایسی آگ بھڑکا دی جس سے تمام پرانے عقیدے خس و خاشاک کی طرح جل کر خاکستر ہو گئے۔

پھر شیخ سے دریافت کیا کہ آپ خلوت میں اور نمازوں کے بعد کیا ورد و وظیفہ کرتے ہیں؟ اس مردِ مومن نے جواب دیا کہ قرآن میرا ورد ہے۔ ہر نماز کے بعد ایک پارہ قرآن پورے تدبر اور غور و فکر کے ساتھ تلاوت کرتا ہوں۔ محمد عبدہٗ نے عرض کیا کہ

---

[1] مصر میں بدوی، رفاعی اور شاذلی کے صوفی سلسلے، الازہر اور ذیلی ادارے مدارس، اخوان المسلمون اور سلفیہ وغیرہ مشہور مذہبی گروہ ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں نے تو تعلیم مطلقاً حاصل نہیں کی۔ بھلا میں قرآن مجید کیسے سمجھ سکتا ہوں؟ شیخ نے فرمایا کہ میں تمھارے ساتھ مل کر پڑھوں گا۔ تمھارے لیے اجمالی نکات کافی ہیں۔ اس پاک کتاب کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمھیں تفاصیل خود بخود سمجھا دے گا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ خلوت میں اللہ کا ذکر کیا کرو۔

کانوں کی راہ سے بات دل میں اتر گئی۔ محمد عبدہٗ نے شیخ کی نصیحت پر شوق و شدت کے ساتھ عمل کرنا شروع کر دیا۔ چند دن گزرنے کے بعد اس نے اپنے آپ کو ایک نئی دنیا اور نئے فکری ماحول میں پایا۔ تمام مشکلات آسانیوں میں بدل گئیں۔ دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت اس کی نگاہوں میں حقیر ہو کر رہ گئی۔ اسے صرف علم و عرفان ہی ایک اہم شے نظر آنے لگی۔ معرفت کے فکر و تدبر نے تمام غم اور فکر مٹا دیے۔ رشد و ہدایت کے لیے بے پناہ تڑپ پیدا ہو گئی۔ محمد عبدہ نے خود اقرار کیا ہے کہ شیخ درویش کی صحبت نے جہالت کی قید سے نکال کر علم و عرفان کے ناپیدا کنار سمندر کے ساحل پر لا کھڑا کیا اور تقلید و جمود کے بندھنوں کو توڑ کر توحید کی آزاد فضا کے دروازے کھول دیے۔

طنطا میں واپسی

دامن مراد کو علم و حکمت کے موتیوں سے بھر کر ۱۸۶۵ء میں شیخ سے رخصت ہوا اور علم کے چشموں سے مزید سیرابی کی خاطر طنطا کی مسجد احمدی کا پھر رخ کیا۔ اب کی مرتبہ نئے ولولے اور نئے جذبے تھے۔ سبق میں خوب انہماک دکھایا۔ استاد کی ہر بات بڑے دھیان سے سنتا اور خوب یاد رکھتا۔

جامعہ ازہر میں

شوق علم نے ایک اور تازیانہ لگایا۔ محمد عبدہٗ طنطا کو خیر باد کہہ کر قاہرہ پہنچا۔ قاہرہ کی شاندار درسگاہیں اور عمارتیں دیکھ بڑا خوش ہوا۔ جامعہ ازہر[1] میں داخل ہو گیا۔ ابتدا میں نحو، فقہ اور اصول کی تعلیم میں دلچسپی اور شوق کا اظہار کیا۔

[1] مصر کی مشہور یونیورسٹی۔ جامعہ ازہر کی بنیاد ۳۵۸ھ بمطابق ۹۶۹ء کو رکھی گئی۔ یہ دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹیوں میں سے ایک ہے۔ ۱۹۶۱ء سے اس کے جدید دور کا آغاز ہوا۔ (مجلۃ الازہر، شمارہ ۱۹۵۵ء)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جامعہ ازہر کے اساتذہ پرانی وضع کے لوگ تھے۔ ان کی قدامت پسندی ہر جدت پسند شخص کو بے دین اور ملحد قرار دیتی تھی۔ محمد عبدہ تحصیل علم کے شوق میں سب کچھ گوارا کرتا رہا۔ البتہ اسے جن اسباق کی سمجھ نہ آتی یا جن کتابوں میں دلچسپی پیدا نہ ہوتی ان میں شرکت نہ کرتا اور اگر مجبوراً شریک ہونا پڑتا تو دوران درس میں کوئی اور کتاب پڑھتا رہتا۔

ہر سال موسم گرما کی تعطیلات میں اپنے گاؤں محلہ نصر چلا جاتا۔ حسن اتفاق ملاحظہ ہو کہ شیخ درویش بھی ہر سال وہاں پہنچ جاتا اور اس طرح عبدہٗ کو سال بھر کی پڑھائی کا اعادہ کرنے اور علم و حکمت سیکھنے کا بڑا اچھا موقع مل جاتا۔ اسی طرح اس نے تین برس تک جامعہ ازہر میں قیام کر کے نصاب کے حصہ اول کی تکمیل کر لی۔

طالب علمی کے زمانے میں محمد عبدہٗ کا میلان زیادہ تر تصوف کی طرف رہا۔[1] وجہ یہ تھی کہ اس طریقے میں مجاہدہ نفس، ریاضت اور خلوت نشینی کی تعلیم تھی۔ وہ دن بھر روزہ رکھتا اور رات نماز پڑھتے گزر جاتی۔ لوگوں سے میل جول قطعاً نہ تھا، ہر وقت خدا کی یاد میں بسر ہوتی۔

پورے سات برس اسی طرح گزر گئے۔ ۱۸۷۱ء کی گرمیوں میں ایک دن شیخ درویش نے محمد عبدہٗ کو مخاطب کر کے کہا کہ یہ خلوت نشینی کب تک؟ آخر اس علم کا کیا فائدہ جو ملت کے کام نہ آ سکے؟ علم تو مشعل ہدایت ہے اور لوگوں کو اس سے محروم رکھنا بڑا ظلم ہے۔ یہ تو خود پرستی کی انتہا ہے کہ انسان اپنی ذات کی خاطر سب کچھ سیکھے اور ملت کو یکسر فراموش کر دے۔ انسانیت کی طرف سے تم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ تم لوگوں سے میل جول رکھو۔ انھیں سچائی اور نصیحت کی باتیں بتاؤ اور سیدھی راہ پر چلاؤ۔ محمد عبدہٗ نے اپنے آپ کو اس کام کے لیے ہر چند آمادہ کیا، لیکن وہ قدم قدم پر رکتا۔ جب شیخ درویش نے دیکھا کہ نوجوان کی طبیعت میں حجاب ہے تو وہ اسے اپنے ساتھ لوگوں کے پاس لے جاتا۔ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی۔ شیخ درویش اسے اظہار خیالات کے لیے اشارہ کرتا۔ آہستہ آہستہ محمد عبدہٗ کو بولنے اور گفتگو کرنے کا ڈھنگ آ گیا۔ بالآخر ۱۸۷۲ء میں شیخ

[1] رضا محمد رشید، تاریخ الاستاذ الامام، الشیخ محمد عبدہٗ، دار الفضیلۃ، ۲۰۰۶ء، ۲/۱۳۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

درویش کے انتقال پر ملال کے بعد محمد عبدہ دوبارہ ازہر جا کر اسباق میں شرکت کرنے لگا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب جامعہ ازہر کا طریقہ تعلیم بالکل فرسودہ ہو چکا تھا۔ استاد پڑھا رہا ہے، طالب علم بالکل تہی دامن آتے ہیں اور تہی دامن چلے جاتے ہیں۔ استاد کو معلوم نہیں کہ حالات کا تقاضا کیا ہے اور زمانہ کس رخ پر جا رہا ہے۔ اس کا سرمایہ علم چند کتابوں اور مخصوص جملوں تک محدود تھا۔ اس کی ساری کائنات علم یہ تھی کہ یہ جملہ درست ہے اور وہ غلط۔ اس مؤلف نے بجا کہا اور اس نے خطا کی ہے۔ اس سے زیادہ نہ وہ جانتا تھا اور نہ بتا سکتا تھا۔ اسے زندگی کی قدریں معلوم ہی نہ تھیں۔ اس عہد کی تعلیم کا حال محمد عبدہ کی زبانی سنیے، وہ کہتا ہے:

> زمانہ طالب علمی میں ہم بیٹھے سنا کرتے تھے، استاد پڑھا رہا ہوتا تھا، میں یہ سمجھا کرتا کہ وہ کسی غیر زبان میں گفتگو کر رہا ہے۔[1]

سید جمال الدین افغانی کی صحبت میں

مصر کی سب سے بڑی اور قدیم ترین درس گاہ کا یہ حال تھا کہ ۱۸۶۹ء میں سید جمال الدین افغانی پہلی مرتبہ تشریف لائے اور انھوں نے اپنے خاص انداز بیان میں تفسیر قرآن اور تصوف اسلامی پر خیالات ظاہر کیے تو لوگ کارواں در کارواں ان کے ہاں آنے جانے لگے۔ محمد عبدہٗ بھی وہاں پہنچا اور افغانی کے افکار و خیالات سن کر حلقہ تلمذ میں داخل ہو گیا۔ افغانی کا طریق یہ تھا کہ علم اجتماع، فلسفہ، تصوف، تاریخ اور سیاست سے متعلق پرانی عربی کتابوں اور مغربی زبانوں کے انتخابات پڑھ کر سناتا۔ مصری طلبا کے لیے یہ طریقہ بالکل نیا اور اچھوتا تھا۔

سفر استنبول کے بعد افغانی دوبارہ ۱۸۷۱ء میں قاہرہ وارد ہوا۔ اس کی جدت پسند طبیعت نے اصلاح و انقلاب کے نئے ڈھنگ سوچ رکھے تھے۔ قاہرہ پہنچتے ہی علمی محفلیں جمنے لگیں۔ ان مجلسوں میں افغانی نے علم کلام، فقہ، فلسفہ، منطق، سیاسیات اور اخلاقیات کو بالکل جدید طریق اور نئے انداز میں بیان کرنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ازہر یونیورسٹی کے

[1] عباس محمود عقاد، الاستاذ الامام محمد عبدہٗ ص: ۳۸، ۱۷۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہونہار طلباء اور روشن خیال اساتذہ ان محفلوں کی رونق بن گئے۔ دوران گفتگو میں افغانی اپنے جدید اجتماعی اور فکری نظریے تعلیم یافتہ گروہ کے سامنے رکھتا اور دینی اصلاح، عقل و فکر کی آزادی، دستوری نظام اور اسلامی جمہوریت کے اصول پر دل کھول کر بات کرتا۔

محمد عبدہٗ پہلے ہی شخصی حکومت اور فرسودہ نظام تعلیم کے خلاف باغی ہو چکا تھا۔ افغانی کے انقلابی خیالات اور ترقی پسند رجحانات نے اس کے دل میں آتش عشق وطن اور فروزاں کر دی۔ چنانچہ شمع آزادی کا یہ پروانہ آزادیٔ وطن کے جذبات سے سرشار مصر کو غیروں کے تسلط سے آزاد کرانے کے لیے مردانہ وار میدان میں کود پڑا۔ اس نے مصریوں کے بڑھتے ہوئے افلاس کو دور کرنے کے لیے وسائل اور ذرائع کی تلاش شروع کر دی۔

فرانسیسی اقتدار نے مصر کو سیاسی و اقتصادی لحاظ سے بالکل کھوکھلا کر دیا تھا۔ انگریزوں کی ملک گیری کی حرص و آز فرانس کی چبائی ہوئی ہڈیوں کی ریزہ چینی کے لیے ہر روز نیا بہانہ تراشتی تھی۔ مصری عوام ایک نیم بسمل گائے کی طرح برطانوی شیر اور فرانسیسی بھیڑیے کے پنجوں تلے سسکیاں لے رہے تھے۔ ادھر یونانیوں نے مصری تجارت اور اقتصادیات کی اجارہ داری کی وجہ سے منڈیوں پر قبضہ جما رکھا تھا۔ مصری عوام بالکل مفلس اور قلاش ہو کر رہ گئے۔

افغانی کی تربیت کا محمد عبدہٗ پر یہ اثر ہوا کہ وہ عقل و فکر اور علم و دانش میں اپنے اساتذۂ ازہر سے بہت آگے نکل گیا۔ نوخیزی کے باوجود اس کی ذہانت اور فہم و فراست شیوخ ازہر کے لیے بھی قابل رشک بن گئی۔ چنانچہ جب ازہر کا آخری امتحان ہوا تو استادوں کی انتہائی مشکل پسندی کے باوجود محمد عبدہٗ کی حاضر جوابی اور روشن ضمیری نے انھیں ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔[1]

استاد جامعہ ازہر

حالات نے کروٹ لی۔ محمد عبدہ ازہر یونیورسٹی میں علم اخلاق اور منطق پڑھانے

[1] عباس محمود العقاد، الاستاذ الامام محمد عبدہٗ، ص: ۱۲۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لیے استاد مقرر کر دیا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جامعہ ازہر میں اخلاقیات کو بطورِ نصاب شامل کیا گیا۔ ایک طرف تو طلبہ کو علم اخلاق پڑھنے کا موقع مل گیا، دوسری طرف شیخ محمد عبدہ کو ازہر کے طالب علموں سے براہ راست میل جول کا بہانہ ہاتھ آیا۔ بس پھر کیا تھا، شیخ نے خوب رنگ جمایا اور طلبہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔

ایک تو مضمون بالکل نیا ہونے کی وجہ سے طلبہ کے لیے بہت زیادہ دلچسپی کا موجب بن گیا، دوسرے محمد عبدہٗ جیسا روشن خیال استاد۔ اس نے تعلیم و تدریس کے پرانے طریقے چھوڑ کر پڑھانے اور سمجھانے کا بالکل نیا طریق اختیار کیا۔ مضمون کو بڑے عمدہ اور دلچسپ طریق سے طالب علموں کے ذہن نشین کرا دیا جاتا۔ طلبہ کے لیے یہ چیز بالکل نئی تھی۔ شیخ محمد عبدہٗ نے طلبہ کے لیے علم و حکمت اور طریقہ تدریس کے نئے دروازے کھول دیے۔ ان کے دلوں میں ذوق علم اس درجہ پیدا کر دیا کہ وہ راتوں کو جاگتے اور سبقوں کی تیاری اور معلومات کی فراہمی میں منہمک رہتے۔ پرانی کتابوں کے ساتھ مغرب کی جدید ترین تصانیف سے بغیر کسی تامل کے استفادہ کیا جاتا۔ اگر ایک طرف ابن مسکویہ کی کتاب ''تہذیب الاخلاق'' پڑھائی جا رہی ہے تو ساتھ ہی تاریخ تمدن ممالک مغرب کا درس بھی دیا جانے لگا ہے۔

۱۸۷۸ء کے آخر میں شیخ محمد عبدہٗ کو مدرسہ دارالعلوم میں تاریخ کا استاد مقرر کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی عربی زبان کی تدریس کے فرائض بھی سونپ دیے گئے۔ تاریخ کے سبقوں کے لیے شیخ محمد عبدہٗ نے مقدمہ ابن خلدون پر لیکچر دینا شروع کیے۔ ابن خلدون کا فلسفہ تاریخ، اصول شہریت اور فلسفۂ اجتماع پر خوب سیر حاصل بحث ہوتی۔ لطف یہ کہ موضوع کی جدت کے ساتھ طریقہ تعلیم بالکل نیا تھا۔ پرانی ڈگر سے ہٹ کر نئے زاویۂ نگاہ سے ابن خلدون کے خیالات کا جائزہ لیا اور جدید قدروں سے اس کی رائے کا اندازہ لگایا۔ آسان اور عام فہم زبان میں ربط و تسلسل قائم رکھ کر تقریر کے ذریعے طلبا کو سمجھایا جاتا۔[1]

---

[1] الاسلام بین العلم والمدنیۃ، محمد عبدہٗ، کلمات قاہرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نظر بندی

شیخ موصوف کی بدولت مصر کے طریقۂ تعلیم میں تبدیلی کا آغاز ہوا ہی تھا کہ ۱۸۷۹ء میں خدیو اسمٰعیل کو تخت حکومت سے اتار کر عنان سلطنت اس کے بیٹے توفیق پاشا کے ہاتھ میں دے دی گئی۔ مصر کے حریت پسند طبقے نے توفیق پاشا سے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ بالخصوص سید جمال الدین افغانی اور شیخ محمد عبدہٗ کو تو اس پر بڑا بھروسہ تھا۔ توفیق پاشا بھی افغانی اور شیخ کو اپنے مخلص ترین خیر اندیشوں میں شمار کرتا تھا۔ توفیق پاشا کے سریر آرائے سلطنت ہوتے ہی افغانی نے اسے مشورہ دیا کہ وہ نمائندہ اسمبلی کو معرض وجود میں لانے کے لیے مناسب قدم اٹھائے اور حکومت کی ذمہ داریاں وزارت جمہوریہ کے سپرد کر کے اسے عوام کے سامنے جواب دہ قرار دے۔ خدا کا کرنا دیکھیے کہ ایک طرف تو عوام و خاص بڑی بڑی امیدیں لگائے بیٹھے ہیں اور دوسری طرف قدرت ہنس رہی ہے۔ توفیق پاشا کو اصلاحات کے بارے میں یہ عجلت ناگوار محسوس ہوئی۔ مزید برآں قدامت پسندوں اور اصلاحات کے مخالفوں نے مل کر توفیق پاشا کو خوب اکسایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ افغانی کو تو راتوں رات ملک بدر کر دیا گیا اور محمد عبدہٗ کو مدرسہ دارالعلوم سے برطرف کر کے اس کے گاؤں محلّہ نصر میں نظر بند کر دیا گیا۔[1]

میدان صحافت میں

۱۸۸۰ء میں وزیراعظم ریاض پاشا کی کوششوں سے محمد عبدہٗ سے تمام پابندیاں اٹھا دی گئیں۔ قدرت کی نیرنگی دیکھیے کہ حکومت کو اپنے سرکاری جریدہ ''الوقائع المصریہ'' کی ادارت کے لیے ایک پختہ کار مدیر کی ضرورت پیش آئی۔ نگاہ انتخاب محمد عبدہٗ پر پڑی۔ محمد عبدہٗ نے زمام ادارت سنبھالتے ہی اخبار کی معنوی اور صوری اصلاحات کی طرف توجہ دی۔ حکومت نے اس کی تمام سفارشات کو قبول کر لیا۔ مدیر اعلیٰ کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے مطلب اور ذوق کے قلم کار، نائب مدیر اور معاون بھرتی کرے۔ ان معاونین میں ہونہار سعد زغلول پاشا کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ شیخ محمد عبدہٗ اور ان کے جدید معاونین

---

[1] احمد شایب، الشیخ محمد عبدہٗ، حیاتہ و بیئتہ، ص:۳۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے اخبار میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی۔ اس اخبار کے ذریعے سیاسی، اجتماعی اور تعلیمی اصلاحات کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ شیخ محمد عبدہٗ نے ایک عامی سے لے کر حکومت کے بڑے سے بڑے افسر تک ہر طبقہ کے لوگوں پر نکتہ چینی کی۔ اس نے عقل اور نفس کی تربیت پر بڑا زور دیا۔ اس کے علاوہ عربی ادب میں نئے اسلوب تحریر کی بنیاد رکھی۔[۱]

جلاوطنی

ادھر محمد عبدہٗ اور اس کے ساتھی برق رفتاری کے ساتھ اصلاحات کے لیے راہ ہموار کر رہے تھے، ادھر اعرابی پاشا کی تحریک آزادی ناکام ہوگئی۔ بس پھر کیا تھا، مصر میں انگریزوں کے قدم بڑے مضبوط ہوگئے اور تمام اصلاح اور انقلابی کوششیں کچھ عرصہ کے لیے معرض التواء میں جا پڑیں۔ حب وطن کے جرم کی پاداش میں شیخ محمد عبدہٗ کو تین برس کے لیے جلاوطن کر کے شام بھیج دیا گیا۔

سرزمین فرانس میں

بیروت میں رہتے ابھی ایک برس ہی گزرا تھا کہ سید جمال الدین افغانی نے خط کے ذریعے محمد عبدہٗ کو فرانس آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ ۱۸۸۴ء میں وہ اپنے استاد کو ملنے کے لیے پیرس جا پہنچا۔ وہاں پہنچتے ہی استاد و شاگرد نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کر کے اخوت اسلامی کی لڑی میں منسلک اور متحد و مضبوط کرنے کے لیے ''جمعیۃ العروۃ الوثقیٰ'' قائم کی۔ جمعیت کے مقاصد کی اشاعت وحصول کے لیے ''العروۃ الوثقیٰ'' کے نام سے ایک اخبار بھی جاری کیا۔ اس کی اشاعت نے قصر استبداد وملوکیت میں تہلکہ مچا دیا۔ انگریز نے اس جریدے کو اپنی سیاست کے لیے برق سوزاں سے کم نہ سمجھا۔

لندن کے سیاسی حلقوں میں

۱۸۸۴ء میں مسٹر ویل فورڈ یلنٹ کی دعوت پر شیخ محمد عبدہٗ پیرس سے لندن پہنچا

[۱] احمد شایب، الشیخ محمد عبدہٗ، حیاتہ و بیئتہٗ، ص:۴-۷ نیز دیکھیے، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، عنوان: محمد عبدہٗ: ۱۹/ ۴۴۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور مشرق کی سیاست پر گفتگو شروع ہوئی۔ شیخ کے لندن پہنچنے پر تمام سیاسی حلقوں نے بڑی دلچسپی کا اظہار کیا۔ ہاؤس آف لارڈز نے تو بڑی آؤ بھگت کی۔ جب بھی مصری سیاسیات کے بارے میں شیخ سے بات چیت ہوئی تو ہر مرتبہ شیخ نے اس بات پر بڑا زور دیا کہ صلح و سلامتی کی اساس و بنیاد یہ ہے کہ انگریز اپنی فوجوں کو مصر سے واپس بلائے، کیونکہ مصر نے انگریزی اقتدار جتنا ظلم، ناانصافی اور استبداد کبھی نہیں دیکھا۔ ہماری صرف ایک ہی آرزو ہے کہ انگریز ہمارے وطن کو فوراً خالی کر دے۔

واپس مصر میں

جب محمد عبدہٗ ۱۸۸۸ء میں وطن واپس آیا تو حکومت نے اسے قاضی مقرر کر دیا، مگر اسے عہدۂ قضا سے طبعاً نفرت تھی اور وہ کہا کرتا تھا کہ مجھے قاضی بننے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔ میرا طبعی رجحان تعلیم و تدریس کی طرف ہے اور میں نے معلمی کر کے آزما لیا ہے کہ اس فن میں مجھے کتنی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ شیخ نے ہر چند چاہا کہ حکومت اسے معلم بنا کر مدرسہ دارالعلوم میں واپس بھیج دے، لیکن حکومت اس بات کے لیے آمادہ نہ ہو سکی۔ کیونکہ حکومت کو شیخ محمد عبدہٗ کی طرف سے ہر وقت یہ خدشہ رہتا تھا کہ طلبہ پر اس کے سیاسی اور اجتماعی خیالات کا اثر پڑے گا۔[1]

تعلیمی امور میں دلچسپی

شیخ محمد عبدہٗ کو یورپ کی زبانیں سیکھنے کا بڑا شوق تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ جب تک کوئی شخص مغربی زبانیں نہیں جانتا وہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے وطن اور قوم کی خدمت سے پورے طور پر عہدہ بر آ ہو گیا ہے۔ شیخ موصوف کی یہ رائے تھی کہ عالم اسلامی کی سیاسی اور اجتماعی مصلحتوں کا مغربی اقوام سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جب واقعات یہ ہوں تو پھر ان کی زبانیں جانے بغیر یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم بروں کی برائی سے بچ سکیں اور اچھوں کی اچھائی سے فائدہ اٹھا سکیں۔ شیخ موصوف مغربی علوم

1. محمد عمارۃ، الامام محمد عبدہٗ، دارالشروق، ص:۱۷۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا بڑا دلدادہ ہو گیا تھا اور بذات خود اس نے مغربی فلسفہ، علم الاجتماع، علم الاخلاق، تاریخ اور تعلیم کا گہرا مطالعہ کیا۔ شیخ نے فرانسیسی زبان بڑے شوق اور انہماک سے سیکھی۔ الگزنڈر ڈوما سے ابتدا کی اور محنت کر کے اتنی مہارت پیدا کر لی کہ بے تھکن پڑھتا اور بولتا۔ مغربی فلسفہ کا مطالعہ فرانسیسی زبان میں کیا اور ہربرٹ سپنسر کی کتاب ''تعلیم'' کا فرانسیسی زبان سے عربی میں ''تربیت'' کے نام سے ترجمہ کیا۔

شیخ محمد عبدہٗ نے ازہر یونیورسٹی کی اصلاحات کی طرف خاص توجہ دی۔ یہ جامعہ ازہر اپنی امتیازی اور افادی حیثیت سے بڑی نمایاں درس گاہ ہے۔ شیخ موصوف کا خیال تھا کہ اس کے انتظامات، نصاب تعلیم اور طریق تدریس کی اصلاح سے عالم اسلامی کی اصلاح کی طرف قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔ شیخ فرمایا کرتے تھے کہ قرون وسطیٰ کی لکھی ہوئی کتابیں ہمارے جدید ماحول کے لیے بے کار ہیں۔ ہمارے زمانے کے تقاضے نئے ہیں۔ ہماری زندگی کے مسائل بالکل جداگانہ ہیں۔ ہماری ضرورتیں ہمارے بزرگوں کی ضرورتوں سے بالکل مختلف ہیں۔ ہمیں زندگی کی دوڑ میں پیچھے نہیں رہ جانا چاہیے۔ شیخ محمد عبدہٗ کا ارادہ محض دینی نصاب کی تبدیلی کا نہ تھا، بلکہ وہ چاہتا تھا کہ اسلامی علوم کے ساتھ مغربی اور دنیوی علوم کی تعلیم و تدریس کا انتظام کر کے طلبہ کو زندگی کی تگ و دو کے لیے تیار کیا جائے۔ اس نے ترقی اور اصلاح کا سنگ بنیاد تو رکھ دیا لیکن جامعہ ازہر کے معیار تعلیم کو حسب منشا بلند نہ کر سکا، کیونکہ قدامت پسند طبقہ اس کے راستے میں سد سکندری بن گیا تھا۔[1]

منصب عدالت

حکومت مصر کے ایک اعلان کے مطابق ۱۸۹۹ء میں شیخ محمد عبدہ کو دیار مصر کا مفتی مقرر کر دیا گیا۔ اس منصب پر فائز ہوتے ہی مفتی محمد عبدہ نے آزادی رائے اور حسن تدبر کا وہ ثبوت دیا کہ مصر کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ سوچ اور فکر کی پرانی راہوں سے ہٹ کر ملکی حالات اور عصری تقاضوں کی رعایت کرتے ہوئے مفتی موصوف نے اسلامی روح اور جدید اجتماعی ضرورتوں میں مناسبت پیدا کرنے کی کوشش کی۔

---

[1] محمد عمارۃ، الامام محمد عبدہٗ، مجدد الدنیا بتجدید الدین، دار الشروق، ص: ۲۱۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مفتی محمد عبدہٗ بڑا نڈر اور بے لاگ آدمی تھا۔ قدامت پسندوں کے احتجاج کے باوجود اس نے یہ فتویٰ صادر کر دیا کہ مسلمان کے لیے اہل کتاب کا پکا ہوا کھانا جائز ہے اور ایک مسلمان غیر مسلم قوموں کا لباس پہن سکتا ہے۔

مفتی عبدہٗ کو اہل وطن کی نظروں سے گرانے کے لیے ہر قسم کا حربہ اختیار کیا گیا۔ اسے کافر ٹھہرایا گیا۔ اس کی نسبت یہ بات مشہور کی گئی کہ وہ محرمات کو حلال سمجھتا ہے اور وہابی وزندیق کا فتویٰ تو سب سے کم تر اور کند ہتھیار تھا جو مفتی کے خلاف استعمال کیا گیا۔[1]

مجلس شوریٰ کی رکنیت

مصر کی مجلس شوریٰ انگریزی پارلیمنٹ کا ایک ناقص چربہ تھی۔ ۱۸۹۹ء میں مفتی محمد عبدہٗ کو اس مجلس کا رکن نامزد کر دیا گیا۔ جب مفتی عبدہٗ مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کرنے لگا تو اس نے محسوس کیا کہ مجلس اور حکومت کے درمیان موجودہ اختلافات ملکی مفاد کے لیے سخت مضر ہیں۔ مفتی نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ان اختلافات کو مٹایا۔ چند ہی نشستوں میں ارکان مجلس کو مفتی کی حکمت وفصاحت، تدبر وسیاست، دلائل و براہین، وسعت معلومات اور روشن ضمیری کا یقین ہو گیا اور وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے کہ مفتی بڑا نیک طینت، صائب الرائے اور سمجھدار آدمی ہے۔ بس پھر کیا تھا، ہر معاملے میں مفتی کی رائے کو تسلیم کیا جانے لگا اور کوئی کام مفتی کے مشورے کے بغیر طے نہ ہونے پاتا۔ اس ضمن میں یہ بات کبھی فراموش نہ کرنی چاہیے کہ مفتی کا مقصد استبدادیت نہ تھا، بلکہ اول سے آخر تک اس کی غرض رائے عامہ کی تربیت رہی ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ مصری سیاستدان اور جمہور کو اس بات کی عادت ہو جائے کہ وہ ہر معاملے پر پوری طرح سوچ بچار کر کے صحیح نتیجہ تک پہنچ جائیں۔[2]

جذبۂ خدمت خلق

مفتی محمد عبدہ ہر اعتبار سے ایک روشن خیال اور جدت پسند واقع ہوا تھا۔[3] اس نے

[1] عبدالرحمٰن محمد بدوی، الامام محمد عبدہٗ، القضایا الاسلامیۃ

[2] حوالہ مذکور، ص:۲۰۱

[3] حافظ محمد حیدر، الشیخ محمد عبدہٗ و آراؤہٗ، ص:۵۹۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۸۹۲ء میں ''جمعیت خیریہ اسلامیہ'' کی بنیاد رکھی۔ اس جمعیت کی غرض و غایت یہ تھی کہ ملت کے افراد میں روح اجتماعی اور جذبہ تعاون پیدا کر کے انھیں خدمت خلق کے لیے تیار کیا جائے۔ مفتی کا یہ خیال تھا کہ غریبوں، بے کسوں اور مصیبت زدہ انسانوں کے لیے زندہ رہنے کے مواقع بہم پہنچائے جائیں۔ چنانچہ وہ خود سرمایہ داروں اور دولت مندوں کے دروازوں پر جاتا اور مصیبت زدگان کے لیے چندہ فراہم کر کے خدمت خلق کا نمونہ پیش کرتا۔ اس جمعیت نے قومی کارکنوں اور رضا کاروں کی تربیت کے لیے مدرسے اور اسکول قائم کیے جہاں ان کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کے ساتھ ان میں اعتماد نفس پیدا کیا جاتا اور انھیں صنعت و حرفت کے ذریعے روزی کمانے کا ڈھب سکھایا جاتا۔ مصر میں اپنی قسم کی یہ پہلی کوشش تھی، جس کے ذریعے دولت مندوں میں احساس تعاون اور غریبوں کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ پیدا کیا گیا۔ مسکینوں اور غریبوں سے بے پناہ ہمدردی رکھنے کی وجہ سے عوام الناس میں مفتی کو غریبوں کا باپ کہہ کر یاد کیا جاتا تھا۔

مفتی کے بے شمار شاگردوں میں دو تو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک تو سیاسی مفکر سعد زغلول پاشا اور دوسرا مذہبی رہنما سید رشید رضا۔[1]

مفتی نے بہت سی علمی، ادبی، رفاہی اور سیاسی انجمنوں کی بنیاد رکھی۔ صف اول کے سیاستدان، ادیب، عالم اور فقیہ سب اسی کے مدرسۂ فکر کے تربیت یافتہ ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ مصر جدید کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کی اصلاح اور تجدید و تاسیس میں مفتی محمد عبدہ کا ہاتھ نہ ہو۔

مادر وطن کا یہ لائق فرزند گیارہ جولائی ۱۹۰۵ء کو پانچ بجے سہ پہر اس دار فانی سے دار جاودانی کو رخصت ہوا۔[2]

---

[1] سید رشید رضا نے اپنے استاذ محمد عبدہٗ پر ایک کتاب ''تاریخ الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہٗ'' لکھی۔

[2] محمد کامل الفقی، الأزہر و أثرہ فی النہضۃ الأدبیۃ: ۱۳۰/۲ و الزرکلی، الأعلام: ۲۵۲/۶۔ الاعمال الکاملۃ للامام الشیخ محمد عبدہٗ، تحقیق دکتور محمد عمارہ۔ تعلیق از محمد زکریا رفیق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مصطفیٰ کامل پاشا، تحریک آزادی کا علمبردار

ملکوں اور قوموں کے زمانۂ غلامی اور بالخصوص تحریک حریت کے دوران میں عوامی لیڈروں کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ مخلص اور نیک دل لیڈر قوموں کی قسمت بنا دیتے ہیں۔ ان کے کارنامے تاریخ میں سنہری حروف میں لکھے جاتے ہیں۔ مصر کی اس سے بڑھ کر اور کیا خوش نصیبی ہو سکتی ہے کہ اسے مصطفیٰ کامل جیسا مخلص اور پر جوش سیاسی رہنما اور عوامی لیڈر میسر آیا، جس نے اپنی زندگی استخلاص وطن کے لیے وقف کر دی۔ جس کی زندگی کا مقصد وحید صرف یہ تھا کہ مادر وطن کو دشمنوں کے پنجے سے نجات دلائے۔

مصر پر انگریزی تسلط قائم ہوتے ہی غیر ملکی اقتدار کے خلاف اضطراب و ہیجان کی ایک لہر پیدا ہوئی، جس نے وطن دوست عناصر کو یکجا کرنا شروع کر دیا۔ اس جماعت نے مفاد وطن کی حفاظت کا ذمہ لیا، مگر ایک وقت آیا کہ یہ تحریک مدھم پڑ گئی اور مفکرین کی سرگرمیاں وطنیت کی شاہراہ سے ہٹ کر اور پگڈنڈیوں پر مرکوز ہو گئیں۔[1] مصطفیٰ کامل نے اس تحریک کو دوبارہ زندہ کیا۔ مصر کی تحریک آزادی میں عوامی لیڈر کی حیثیت سے مصطفیٰ کامل پاشا کو جو بلند مقام حاصل ہوا وہ کسی اور کو نصیب نہ ہو سکا۔ اگر وہ عالم شباب میں اس دنیا کو خیر باد نہ کہہ جاتا تو اسے دنیا کی عظیم ترین شخصیتوں میں شمار کیا جاتا۔[2]

تعلیم و تربیت

مصطفیٰ کامل ۱۴ اگست ۱۸۷۴ء کو بمقام قاہرہ ایک خالص مصری گھرانے میں پیدا ہوا۔ چھ برس کی عمر میں مدرسے بھیج دیا گیا۔ ابھی بارہ برس کی عمر کو پہنچا تھا کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ بچپن ہی سے ذہانت اور ہوشمندی کے آثار ہویدا تھے۔ طالب علمی کے

[1] یہ ۱۸۹۲ء سے قبل کا زمانہ تھا۔ ۱۸۹۲ء سے ۱۹۰۸ء مصطفیٰ کامل کی تحریک کا طاقتور اور جاندار دور ہے۔

[2] آزادی کا یہ لیڈر محض ۳۴ سال زندہ رہا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زمانے میں ایک امتیازی حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔ امتحانات میں اول رہ کر انعامات پائے۔ حریت فکر اور قوت بیان کی وجہ سے بڑا نام پیدا کیا۔ اس زمانے میں علی مبارک پاشا وزیر تعلیم تھا۔ جب اس نے ہونہار مصطفیٰ کامل کی فصاحت و بلاغت، طلاقت لسان، قوت بیان اور آزادیِ افکار دیکھی تو کہہ اٹھا کہ یہ بچہ اپنے عہد کا امراؤ القیس[1] ہوگا اور وقت کا بہت بڑا انسان ٹھہرے گا۔

۱۸۸۹ء میں کالج کی تعلیم سے فارغ ہو کر مدرسہ حقوق یعنی لاء کالج میں قانون کی تحصیل کے لیے داخل ہو گیا۔ قانون پڑھنے اور سیکھنے کا اتنا شوق دامن گیر ہوا کہ ساتھ ہی ایک فرانسیسی قانونی ادارے کے سبقوں میں شامل ہونے لگا۔ بعد ازاں فرانس کے شہر طولوز میں جا کر قانون میں اعلیٰ سند حاصل کی۔ اس وقت مصطفیٰ کامل کی عمر انیس برس کی تھی۔

آزادی کی پہلی مہم

حسن اتفاق کہیے کہ مصطفیٰ کامل کو فرانسیسی اساتذہ سے قانون پڑھنے کا موقع ملا۔ ان دنوں فرانسیسیوں کے دل میں انگریزوں کے خلاف نفرت وحقارت اور غیظ وغضب کا ایک طوفان موجزن تھا۔ مصطفیٰ ہر وقت انگریزوں کی برائی اور مذمت سنتا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جب فرانس سے امتحان پاس کر کے وطن واپس آیا تو اس نے مصر کو انگریزی اقتدار سے نجات دلانے کی مہم شروع کر دی۔ وطن دوست اخبارات میں مضامین کے ذریعے عوام میں سیاسی شعور پیدا کیا۔ مختلف کتابیں لکھ کر آزادی و حریت کا پیغام مصریوں کے کانوں تک پہنچایا اور غیر ملکی تسلط واقتدار کے خلاف رائے عامہ کو بیدار کیا۔ ان کتابوں میں ڈرامہ فتح اندلس، حیات الامم اور المسئلۃ الشرقیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مصطفیٰ کامل کا یہ طریقہ بڑا مؤثر ثابت ہوا۔ مصر کا پڑھا لکھا طبقہ، بالخصوص سکولوں اور کالجوں کے طالب علم اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔ جب مصطفیٰ نے دیکھا کہ اس کی آواز خاطر خواہ نتائج پیدا کر رہی ہے تو اس نے تحریک کو اور زیادہ

---

[1] امراؤ القیس (۵۰۱-۵۴۴ء) عہد جاہلیت کا ممتاز عربی شاعر، سبعہ معلقہ کے شعراء میں سے ایک، تسہیلات، اردو شرح سبع المعلقات، ص: ۷

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کامیاب اور ہر دلعزیز بنانے کے لیے ایک ماہنامہ ''مدرسہ'' کے نام سے جاری کیا۔ اب مصطفیٰ کامل کو اپنے خیالات کی نشر و اشاعت کے لیے بڑا اچھا موقع مل گیا۔

آزادی کا مطالبہ

۱۸۹۳ء کے اوائل میں مصطفیٰ نے پہلی مرتبہ مصری حکومت کی بداعمالیوں اور کوتاہیوں پر کڑی تنقید کرتے ہوئے انگریزوں سے مصر خالی کرنے کا مطالبہ کیا۔ یہ مطالبہ انگریزی سیاست کے لیے برق سوزاں تصور کیا گیا۔ یہ مطالبہ سن کر انگلستان کے سیاسی حلقوں میں کہرام مچ گیا۔

انھی دنوں فرانسیسی مبصر دنوکل (DENOKELE) مصر میں وارد ہوا۔ مصطفیٰ کامل کو اس سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اس کی دعوت پر مصطفیٰ کامل ۱۸۹۳ء کے آخر میں پیرس پہنچا۔ وہاں سیاست دانوں اور صحافیوں سے ملاقات ہوئی۔ فرانس کی آزادی پسند فضا مصطفیٰ کو بڑی پسند آئی۔ چندے وہیں قیام رہا۔ ۱۸۹۴ء کے شروع میں پیرس یونیورسٹی میں مقیم مصری طلباء کے ایک اجتماع میں مصطفیٰ کامل نے دل کھول کر آزادی مصر کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار کیا اور پھر ایک مرتبہ اس مطالبہ کو دہرایا کہ انگریز مصر کو خالی کر دیں۔[1]

پہلا عوامی لیڈر

پیرس سے واپسی کے بعد مصطفیٰ کامل کے لیے پیشہ وکالت کی کشش ختم ہو چکی تھی۔ اب وہ ایک شعلہ مقال خطیب اور آتش بیان مقرر بن کر میدان سیاست میں اترا۔ عام جلسوں میں بڑی دھواں دھار تقریریں کرنے لگا۔ گھر گھر اس کے چرچے ہونے لگے۔ مصری عوام بڑی بھاری تعداد میں مصطفیٰ کامل کے ساتھ ہو لیے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ خالص وطنیت[2] کے نام پر جمہور اتنی کثرت کے ساتھ ایک جھنڈے تلے جمع ہوئے ہوں۔ بعض لوگوں نے مصطفیٰ کے خیالات کو دیوانے کی بڑ قرار دیا، لیکن انھیں کیا معلوم

۱۔ دیکھیے: علی فہمی کامل، مصطفیٰ کامل پاشا فی ۳۴ ربیعاً، مطبعۃ اللؤلؤ، ۱۹۰۸ء

۲۔ خالص وطنیت سے مراد وطن کی آزادی ہے جس کا مذہبی ہونا ضروری نہیں، مزید وضاحت اگلے باب میں آ رہی ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا کہ شمع آزادی کا یہ پروانہ استخلاص وطن کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے چکا تھا۔

فرانس سے ساز باز

مصطفیٰ کامل کی جرأت وہمت کی داد دینی چاہیے کہ ابھی عمر کی اکیس منزلیں بھی طے نہ ہونے پائی تھیں کہ اس نے اپنی سیاسی مجبوریوں کے پیش نظر پھر ایک مرتبہ پیرس کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر فرانسیسی پارلیمان سے تحریری التجا کی کہ وہ مصر کی آزادی کے معاملے میں وطن دوست عناصر کی اعانت کر کے انگریزوں کو نکالنے میں معین و مددگار ہوں۔ فرانس اس بارے میں کیا امداد دے سکتا تھا؟ وہاں اخلاص تو تھا نہیں۔ فرانس کو مصر سے کوئی ہمدردی اور دوستی نہ تھی۔ وہاں تو بغض انگریز کا جذبہ کارفرما تھا اور وہ بھی اس حد تک کہ مصر سے انگریز نکل جائے تاکہ پھر فرانس کو وہاں سیاسی اقتدار حاصل ہو سکے۔

مصطفیٰ کامل کے اس سفر پیرس کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ آزادی مصر کا مسئلہ بین الاقوامی صورت اختیار کرنے لگا۔ آزادیِ مصر کی آواز فرانسیسی اخبارات کے ذریعے یورپ اور امریکہ تک پہنچی۔ انگلستان کے مدبروں کو ہوش آیا اور گلیڈسٹون جیسے لوگ بھی مصر کے مطالبۂ آزادی اور اخراج انگریز کو درست تسلیم کرنے لگے۔

اخبار اللواء کا اجرا

اب مصطفیٰ کامل اس مقام پر پہنچ چکا تھا کہ وہ اپنے سیاسی افکار کی ترجمانی اور نشرو اشاعت کے لیے ایک مستقل روزنامہ جاری کرے۔ چنانچہ ۱۸۹۹ء میں اس نے روزنامہ اللواء شائع کر دیا۔[1]

بساط سیاست

قدرت کی کرشمہ سازیاں ملاحظہ ہوں کہ فرانس، انگلستان اور آسٹریا کے سیاستدانوں نے اپنے مفاد کی خاطر مراکش، تیونس، طرابلس اور مصر کے بارے میں سمجھوتہ کر لیا۔ مصطفیٰ کامل کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اس کی پانچ چھ سال کی جدو جہد خاک میں مل گئی۔ مصطفیٰ کامل کو فرانس سے یا کسی اور حکومت

[1] رمزی میخائل، الصحافۃ المصریۃ والحرکیۃ الوطنیۃ،۱۸۸۲-۱۹۳۲، ص:۸۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے کچھ توقع تھی تو اس کا مقصد محض اسی قدر تھا کہ یورپ کی کوئی حکومت بالخصوص فرانس اس کے وطن عزیز کو انگریزوں کے چنگل سے چھٹکارا دلا سکے۔ جب فرانس سے امیدیں منقطع ہو گئیں تو مصطفیٰ کامل نے ترکی کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا، مگر وہاں بھی کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

ادھر بساط سیاست کے مہرے اتنی تیزی سے بدل رہے تھے، ادھر لارڈ کرومر[1] جیسا گرگِ باراں دیدہ مصطفیٰ کامل کی تحریک آزادی کو بدنام کرنے کے درپے تھا۔ اس نے یورپ میں دوگنا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ ایک جانب تو اس نے یہ کہہ کر مصطفیٰ کامل کی تحریک کو غیر ہر دلعزیز بنانے، بلکہ بدنام کرنے کی کوشش کی کہ تحریک آزادی مصر خالص اسلامی تعصب کی بنا پر جاری کی گئی ہے۔ مقصد یہ تھا کہ عیسائیت کو پھر اسلام سے ٹکرا کر مصر کے مفادات کو نقصان پہنچایا جائے اور دوسری جانب یہ مشہور کر دیا کہ مصطفیٰ کامل کی تحریک آزادی دراصل غیر ملکیوں کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ درپردہ مقصود یہ تھا کہ ممالک یورپ کی ہمدردیاں حاصل کر کے آزادیٔ مصر کو معرض التواء میں ڈال دیا جائے، حالانکہ مصطفیٰ کامل کا زاویۂ نگاہ خالص وطنی تھا اور یہی وجہ اختلاف تھی اس کے اور مفتی محمد عبدہٗ کے گروہ کے درمیان۔ مفتی موصوف کا نقطہ نظر دینی تھا۔ اس کے برخلاف مصطفیٰ کامل کو وطنیت کے علاوہ اور کسی چیز سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اگرچہ بعض واقعات سے گمان ہوتا ہے کہ مصطفیٰ کامل بھی مذہبی ریاست یا دینی تفوق کا حامی تھا، مثلاً فرانس سے مایوس ہو کر ترکی سے تعاون اور میل جول یا بالفاظ دیگر اسلامی بلاک بنا کر اسلامزم کا تخیل، مگر اس سلسلے میں ڈاکٹر حسین ہیکل مدیر ''السیاستہ'' کی رائے بڑی وقیع معلوم ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ سب کچھ محض اس لیے تھا کہ کسی نہ کسی صورت بیرونی دباؤ اور امداد کے ذریعے مصر کو انگریزوں کے اقتدار سے نجات دلائی جائے۔

حالات کے پیشِ نظر کامل نے مناسب سمجھا کہ اپنے خیالات اور مطالبہ آزادیٔ مصر

[1] لارڈ کرومر (۱۸۴۱-۱۹۱۷ء) برطانیہ کی طرف سے مقرر کردہ مصر کا حاکم واہلکار، استعمار کا نمائندہ۔ اس کی پالیسیوں کے لیے دیکھیے: مصر الحدیثہ، ۲ جلدیں، تالیف اللورد کرومر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی معقولیت کو یورپ کے باشندوں تک براہ راست پہنچایا جائے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اخبار ''اللواء'' کو بیک وقت تین زبانوں عربی، انگریزی اور فرانسیسی میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کا یہ فائدہ ہوا کہ یورپ اپنی سیاسی چالوں کے باوجود عوام کو مصری رہنما کے افکار اور جمہور کے مطالبہ آزادی سے بے خبر نہ رکھ سکا۔ مصطفیٰ کامل کی آتشیں تحریروں کی یورپ میں دھوم مچ گئی اور مغربی ممالک میں مطالبۂ آزادیِ مصر اور مصطفیٰ کامل دونوں ہم معنی اور مترادف قرار پائے۔

اس کے علاوہ مصطفیٰ نے ایک جماعت ''حزب وطنی''[1] کے نام سے قائم کی۔ اس جماعت نے اخبارات جاری کیے۔ اخبارات کے استحکام کی خاطر امداد باہمی کے طریق پر کاروباری ادارے بنا کر وطنی اخبارات کی پشت پناہی کی گئی۔

سیرت و کردار

درمیانہ قد، گندمی رنگ، مضبوط جسم، مصطفیٰ کامل مغربی لباس کے ساتھ ترکی ٹوپی پہنا کرتا تھا۔ لمبی لمبی مونچھیں بڑی زیب دیتی تھی۔ مصطفیٰ بڑا دلیر اور نڈر انسان تھا۔ خود اعتمادی کے ساتھ دیانت داری بدرجۂ غایت پائی جاتی تھی۔ بڑا تیز مزاج آدمی تھا۔ ہر وقت سیماب کی طرح بے چین و مضطرب رہتا۔ قوت بیان کے علاوہ حافظہ بھی بے نظیر پایا تھا۔ ارادے کا بڑا پکا، دشمنوں کے خلاف بڑا سخت اور شدت پسند واقع ہوا تھا۔ بلند ہمتی نے اس کی کئی کمزوریوں پر پردہ ڈال رکھا تھا۔ تقریر کرتا تو ایسے معلوم ہوتا کہ بجلی کڑک رہی ہے یا سیلاب کا پانی بلندی سے پستی کی طرف بہہ رہا ہے۔ آزادیِ وطن کے مقابلے پر تمام دنیا اس کے سامنے ہیچ تھی۔ آزادی کی جدوجہد نے اسے اتنی فرصت بھی نہ دی تھی کہ وہ کوئی رفیقہ حیات تلاش کر سکے۔ وہ عمر بھر تنہا رہا۔[2]

فرانس کی حریت پسندی سے متاثر ہو کر وطن کی آزادی کے لیے مسلسل تیرہ برس کوشاں رہا۔ اس عرصے میں انفرادی جدوجہد سے وہ کچھ کر دکھایا کہ قومیں اور جماعتیں

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: عبدالرحمن رافعی، مصطفیٰ کامل باعث الحرکۃ الوطنیۃ، دارالمعارف ۱۹۲۹ء

[2] آخرکار مصر ۱۹۵۲ء میں برطانوی اثر اور خدیوی حکومت سے آزاد ہو گیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی اتنی قلیل مدت میں اتنا عظیم الشان کام سرانجام نہ دے سکیں۔ اس نے مصری نوجوانوں کے دلوں میں حب وطن اور آزادیٔ مصر کی ایسی آگ سلگادی، جسے دنیا کی کوئی طاقت بجھا نہ سکی۔

وفات

۱۰ فروری ۱۹۰۸ء کو طویل علالت کے بعد مصطفیٰ کامل کی روح قفس عنصری سے ملاءِ اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ اس عوامی لیڈر کی موت کی خبر اطراف و جوانب میں آن واحد میں پھیل گئی۔ بس پھر کیا تھا، تمام ملک میں صف ماتم بچھ گئی۔ ہر شخص مغموم اور مصیبت زدہ نظر آنے لگا۔ ہزاروں انسانوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔

مصطفیٰ کامل کے اخلاص، شرافت، امانت اور نیک دلی کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے کہ جب اس مردِ حق پرست نے آخرت کے لیے رختِ سفر باندھا تو گھر میں اتنی رقم بھی نہ تھی کہ کفن خریدا جا سکے۔[1]

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: أحمد أبراہیم الہاشمی، جواہر الأدب فی أدبیات: ۲/۲۲۹ و عبدالرحمٰن الجبرتی، تاریخ عجائب الآثار فی التراجم: ۱/۳۰۸ والزرکلی، الأعلام: ۷/۲۳۸۔ تعلیق از محمد زکریا رفیق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قاسم بک امین، آزادیِ خواتین مصر کا پیغامبر

انیسویں صدی عیسوی کی مصری عورت اپنی جہالت اور توہم پرستی کی وجہ سے انسانیت کے حسین چہرے پر ایک بدنما داغ تھی، لیکن قاسم امین کی کوششوں سے آج مصری خاتون انسانی شرافت و تابندگی کی حامل ہے۔ دنیا کے متمدن اور مہذب ترین ملکوں کے مقابلے پر مصری عورت آج کسی اعتبار سے پیچھے نہیں ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں وہ مردوں کے برابر کی شریک اور ساتھی ہے۔ اس کا علم و ہنر، عقل و دانش، زندگی کی تگ و دو، دین و سیاست میں ذوق و دلچسپی، انسانی معاشرے کی اصلاح کا جذبہ، خدمت خلق کا شوق، غرضیکہ خاتون مصر ہر اعتبار سے قابل رشک اور لائق تعریف ہے۔ مصری صنف نازک کی آزادی اور بیداری کا تمام سہرا قاسم امین کے سر ہے۔

قاسم کا خاندان

قاسم امین آستانہ کے اونچے طبقے کے ایک خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ اس کا باپ امین بک کردوں[1] کے معزز اور مشہور سرداروں میں شمار ہوتا تھا۔ جب حکومت ترکیہ اور کردوں میں اختلاف رونما ہوا تو قاسم امین کے والد کو نظر بند کر دیا گیا۔ بعد ازاں وہ اسماعیل پاشا کے عہد حکومت میں مصر آ پہنچا اور مصری فوج میں شامل ہو کر اوج ترقی پر جا پہنچا۔ امین بک نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد ابراہیم پاشا خطاب کے بھائی احمد بک خطاب کی لڑکی سے نکاح کر لیا۔ مصری خواتین میں بیداری پیدا کرنے والا قاسم امین ان کا بڑا لڑکا ہے جو ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوا۔

[1] کرد، ترکی، ایران اور شام میں آباد ایک جنگجو قوم، اپنی مقامی حکومتوں سے آزادی کی خواہاں، (اردو انسائیکلو پیڈیا، ص: ۱۱۲۳)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بچپن اور تحصیل علم

قاسم امین کی زندگی میں کوئی معمولی واقعہ پیش نہیں آیا۔ معزز طبقے کے بڑے بڑے رئیسوں کے بچوں کی طرح قاسم کا بچپن شروع ہوا اور اس کی تعلیم و تربیت مصر کے سرکاری مدارس میں ہوئی۔ ابتدا ہی سے قاسم بڑا ذہین، سمجھ دار اور ہونہار طالب علم تھا۔ جب تعلیم سے فارغ ہوا تو حکومت مصر نے وظیفہ دے کر حصول علم کے لیے فرانس بھیج دیا۔ وہاں قاسم نے قانون میں اعلیٰ سند حاصل کی۔ جب ۱۸۸۵ء میں فرانس سے وطن واپس آیا تو حکومت نے قاضی مقرر کر دیا۔ پھر آہستہ آہستہ ترقی کرتے ہوئے وہ حکومت کا قانونی مشیر اعلیٰ بن گیا۔ دوران ملازمت قاسم نے بڑی تندہی اور محنت سے کام کیا۔ اپنے پرائے سب اس کی دیانتداری، حریت فکر اور آزادیٔ رائے کا اعتراف کرنے لگے۔

زمانۂ طالب علمی سے قاسم شرم و حیا کا پیکر ہونے کی وجہ سے بڑا ممتاز تھا۔ جب پروان چڑھا تو یہ وصف عزت نفس پیدا کرنے میں بڑا ممد و معاون ثابت ہوا۔ بس پھر کیا تھا، عزت و آبرو کا جنون ہر وقت اس کے سر پر سوار رہتا۔ زندگی بھر اس نے رائے کی آزادی کو نہیں کھویا اور حسن اتفاق کی کرشمہ سازی کہیے کہ کبھی اسے ذلت و توہین سے دوچار نہ ہونا پڑا۔ اس کردار کا لازمی اور نفسیاتی نتیجہ یہ ہوا کہ قاسم نے ضمیر کی آزادی اور فکر و خیال کی حرکت کو ہر قیمت پر قائم رکھا۔[۱]

تحریک آزادی کا پس منظر

۱۸۹۴ء میں ''دوق دارکور'' نے ایک کتاب بعنوان ''المصریون'' فرانس سے شائع کی۔ اس کتاب میں مصری عورتوں، مردوں، بچوں اور بوڑھوں کو خوب ہی رگیدا اور ہر قسم کی اخلاقی اور اجتماعی برائیاں ان کی طرف منسوب کیں۔ مصر کے لوگ اس کتاب کی وجہ سے بڑے آتش زیرپا ہوئے۔ قاسم امین بھی ملکی تعصب کی بنا پر اپنے دوسرے معاصرین کی طرح بہت برافروختہ ہوا۔ چونکہ بڑا حساس تھا، اس لیے اس نے فوراً جواب لکھنا

---

۱ محمد عمارة، قاسم امین الاعمال الکاملہ، ص:۱۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شروع کر دیا۔ چنانچہ چند مہینوں میں قاسم نے فرانسیسی زبان میں دوق دارکور کی کتاب کی تردید لکھ کر اپنی ذہنی تسکین کا سامان مہیا کر لیا، مگر وہ فرانس میں رہ چکا تھا اور انقلابات کی وجہ سے فرانس کے لوگوں میں نمایاں تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ ان لوگوں کے ذہن و دماغ بہت زیادہ ترقی یافتہ ہو چکے تھے۔ اس فرانسیسی ماحول کا یہ اثر ہوا کہ قاسم کو فرانسیسی کی تلخ نوائی میں کچھ حقیقتیں مضمر نظر آنے لگیں۔ یہی وجہ ہے کہ قاسم اپنی اس تردیدی کتاب میں ایک مقام پر مصری عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہو گیا:

> یہ بات بڑی افسوسناک ہے کہ مصری عورتیں تعلیم سے بالکل کوری ہیں۔ تربیت اولاد اور مفاد وطن کے پیش نظر تعلیم نہایت لازمی ہے۔ ہماری خواتین کو زیور تعلیم سے آراستہ ہونا چاہیے، کیونکہ اس کے بغیر حقیقی تربیت کے اہم فرض سے عہدہ برآ ہونا قطعاً غیر ممکن ہے اور صحیح تربیت کی عدم موجودگی میں وطن کا مستقبل روشن نہیں ہو سکتا۔

ساتھ ہی اس نے یہ اعتراف بھی کیا کہ مشرقی عورت مغربی عورت کی نسبت بہت پس ماندہ ہے، لیکن اس کی ذمہ داری مذہب اسلام یا مصری رسم و رواج پر عائد نہیں کی جا سکتی۔ اس انحطاط کا باعث محض جہالت ہے اور تہذیب کا فقدان۔

تحریک بیداری کا پہلا دور

بعد میں قاسم امین کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ تردید لکھ کر اس نے ایک دفاعی کارروائی تو کر دی ہے، لیکن مصری خواتین کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ ابھی تک بالکل تشنہ تکمیل ہے۔ چنانچہ دو برسوں تک وہ اس پہلو پر غور و فکر کرتا رہا اور جو کچھ مختلف اہل فکر نے عورتوں کی تعلیم، اصلاح اور آزادی کے بارے میں لکھا تھا اسے پڑھتا رہا۔

چنانچہ ۱۸۹۹ء میں قاسم نے آزادی نسواں کے موضوع پر ''تحریر المرأۃ''[۱] کے نام سے ایک معرکہ آراء کتاب لکھی۔ یہ کتاب مصر کی اجتماعی اور سماجی تاریخ میں سنگ میل کا حکم رکھتی ہے۔ اس کتاب کے دیباچے میں مصنف نے صاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے:

[۱] دیکھیے: قاسم امین، تحریر المرأۃ، ہنداوی، ۲۰۱۲ء، اس کتاب کی اشاعت ۱۸۹۹ سے اب تک جاری ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اپنی امیدوں اور آرزوؤں کو بہت جلد پورا ہوتے دیکھنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ میرا نظریہ تو یہ ہے کہ تحریکیں آہستہ آہستہ بنتی ہیں۔ تبدیلی اور انقلاب امتوں اور قوموں میں یکا یک پیدا نہیں ہوا کرتا۔ اس کے لیے بہت انتظار کرنا پڑتا ہے۔ میں نے اصلاح اور بیداری کے دروازے پر دستک دے دی ہے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ مجموعی حیثیت سے امت پر اس آواز کا گہرا اثر پڑے گا۔ میں نے یہ کام اصلاح اور بھلائی کی خاطر شروع کیا ہے۔ اگر نیک نیتی کے باوجود مجھ سے غلطی سرزد ہوئی ہے تو میں معافی کا خواستگار ہوں اور اگر میں اپنی رائے میں راستی اور سچائی پر ہوں، جیسا کہ مجھے یقین ہے تو پھر طلبا اور حق پرستوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے قول وعمل سے میرے خیالات کی تائید کریں۔

قاسم امین نے کتاب کا ایک چوتھائی حصہ پردہ کے رواج کی نذر کر دیا ہے۔[1] خواتین مصر میں پردہ کے موضوع پر بڑی شرح وبسط سے بحث کرتے ہوئے ایک مقام پر وہ رقمطراز ہے: ''اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ عورت کی تعلیم و تربیت اور درس و تدریس کی تکمیل گھر کی چار دیواری کے اندر ہوسکتی ہے، حالانکہ یہ خیال بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ عورت اپنا پردہ اور برقع برقرار رکھ کر مردوں کے مقابلے پر تعلیم و تحقیق کے میدان میں پوری کامیابی حاصل نہیں کر سکتی۔ پردہ عورت کو ایک دائرے میں قید کر دیتا ہے اور کائنات کو دیکھنے، سننے اور جاننے سے یکسر محروم رکھتا ہے۔ عالم حیات میں فکر وعمل اور دیگر علمی تحریکات تک براہ راست اس کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ اگر کوئی چیز اس بیچاری تک پہنچتی بھی ہے تو محرف اور مسخ شدہ صورت میں۔ جب تک وہ زندگی کے تمام کاروبار میں برابر کی شریک ہوکر ذاتی میل جول اور مشاہدہ و تجربہ سے کائنات کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ نہ کرے اور کانوں سے نہ سنے، اس وقت تک وہ علوم ومعارف سے پوری آگاہی کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔''[2]

---

[1] قاسم امین، تحریر المراۃ، ص: ۳۷-۶۱

[2] قاسم امین کے ان خیالات کا ردّ ۱۸۹۹ء ہی سے شروع ہوگیا۔ دیکھیے: عبدالمجید الخیر، الدفع المتین فی الرد علی حضرۃ قاسم بک امین، مطبعۃ الترقی ۱۸۹۹ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس طرح قاسم امین نے نکاح اور طلاق کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے حکومت مصر کو مشورہ دیا کہ وہ اس ضمن میں بھی کچھ پابندیاں عائد کر دے، تاکہ ایک مرد بہت سی بیویاں کر کے ان کی زندگی اجیرن نہ کر دے اور طلاق اتنی آسان اور سستی نہ رہ جائے۔

تحریک کا ردعمل

قاسم امین کی کتاب ''تحریر المرأۃ'' نے ملک میں اتنی زبردست ہلچل پیدا کر دی کہ کم و بیش ایک برس تک مصری عوام اور علماء تمام سیاسی اور اجتماعی مسائل کو فراموش کر کے اسی کتاب کے پیچھے پڑ گئے اور یہ وقت کا اہم ترین مسئلہ بن گیا۔ روزناموں اور ماہناموں میں قاسم امین پر خوب لے دے ہونے لگی۔ اس کے خیالات و افکار کی پرزور تردید کی گئی۔ اس کے اخلاق کو معرض بحث میں لایا گیا۔ اس کی عزت پر ہاتھ ڈالا گیا۔ بعض انتہا پسند حامیان پردہ نے اس کے خلاف باقاعدہ محاذ قائم کر کے پردہ کی حمایت و ترویج کے لیے خاص ماہنامے جاری کیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارباب اختیار اور ارکان حکومت نے بھی قاسم امین سے بیزاری کا اظہار کیا اور خدیو عباس نے اسے دینی، ادبی اور اخلاقی مجرم قرار دے کر اس سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا۔

اس تمام شور و غل اور احتجاج و مخالفت کے باوجود ہوا وہی کچھ جو قاسم امین نے کہا اور جس کی طرف اس نے جمہور کو دعوت دی تھی، بلکہ بقول ڈاکٹر محمد حسین ہیکل اگر آج قاسم امین دنیا میں واپس آ کر خواتین مصر کو دیکھے تو وہ اپنی دعوت سے دست بردار ہو جائے۔ ڈاکٹر ہیکل کا یہ کہنا ہے کہ قاسم کا وہ مقصد نہ تھا نہ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ تو عورتوں کو گھر کی چار دیواری سے نکال کر ملک و ملت کے لیے مفید بنانے کی خاطر انھیں زیور تعلیم سے آراستہ کرنا چاہتا تھا اور بس۔[1]

بہر حال قاسم امین اپنی دعوت میں بالآخر کامیاب ہو گیا۔ اس کی کامیابی کا راز یہ

[1] قائلین آزادی نسواں کے دلائل کا تفصیلی جائزہ محمد احمد اسماعیل المقدم نے ''عودۃ الحجاب'' میں لیا جو مختلف عرب ممالک میں درجنوں بار چھپ چکی ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

تھا کہ وہ ہر معاملے میں بڑی چھان بین کرتا۔ ہر چیز کا مخالف اور موافق پہلو دیکھتا۔ رائے قائم کرنے سے پہلے اچھی طرح غور وفکر کر لیتا تھا۔ جب اسے یقین ہو جاتا کہ یہ طریق کار درست ہے اور وطن وقوم کی نجات اسی طریق پر کار بند ہونے میں مضمر ہے تو پھر اس چیز کو یقین محکم کے ساتھ جمہور کے سامنے رکھتا۔ چنانچہ اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی کتاب ''تحریر المرأة'' کے دیباچے میں لکھتا ہے:

> میں جس حقیقت کے چہرے سے پردہ اٹھا رہا ہوں، میں اس پر ایک مدت سے غور وفکر کر رہا تھا۔ میں نے اس کے ہر پہلو اور گوشے پر سوچ بچار کیا۔ مختلف زاویوں سے اس کی خوبیوں اور برائیوں کا ناقدانہ نظر سے جائزہ لیا۔ اب میرا یقین محکم بلکہ ایمان کامل بن گیا ہے۔ میرے لیے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ اس سوچ اور فکر کے نتیجے کو جمہور کے سامنے لایا جائے۔

قاسم امین اس وصف کی وجہ سے مصر بھر میں ممتاز ہو گیا۔

تحریک کا دوسرا دور

ادھر شور وشر کا یہ عالم ہے اور ادھر مصری عورتوں کی آزادی وحرمت کا علمبردار بڑے سکون اور اطمینان سے اپنی منزل کی طرف قدم اٹھائے چلا جا رہا ہے۔ اس کی تگ ودو میں کوئی فرق نہیں آنے پایا۔ وہ اپنی کوششوں میں پہلے سے زیادہ انہماک اور محنت کے ساتھ مصروف ہے۔ چنانچہ ۱۹۰۱ء میں قاسم امین نے دوسری کتاب جدید عورت کے موضوع پر ''المرأة الجدیدة'' کے عنوان سے شائع کر دی۔[1] اس کتاب کو اپنے دوست زعیم مصر سعد زغلول کے نام منسوب کیا۔ انتساب کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

> اپنے دوست سعد زغلول کے نام!
>
> میں نے تیرے پہلو میں چاہنے والا دل، سوچنے والی عقل اور کر گزرنے والا عزم وارادہ پایا۔ تو نے مودت کا پیکر بن کر میری جانب محبت کا ہاتھ بڑھایا۔ میں نے محسوس کیا کہ ساری زندگی محرومی وبدبختی کی زندگی نہیں

[1] یہ کتاب ۱۹۰۱ء سے اب تک چھپ رہی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے، بلکہ زندگی میں کچھ شیریں لمحات اور میٹھی رسیلی گھڑیاں بھی ہیں، مگر اس شخص کے لیے جوان کی قدر و قیمت پہچانے۔ جب یہی محبت والفت میاں بیوی میں ہو تو اس سے زیادہ شیریں اور پر لطف وقت میسر نہیں آ سکتا۔ خوش بختی اور سعادت و مسرت کا یہی وہ بھید ہے جو میں اپنے ہم وطن مردوں اور عورتوں کو بتانا چاہتا ہوں۔

قاسم امین نے ''المرأة الجدیدة'' میں مخالفوں کے تمام اعتراضات کو پیش نظر رکھ کر اپنے دلائل و براہین زیادہ وضاحت اور بے باکی سے قلمبند کیے۔ پہلے تو اس کا خیال تھا کہ پردہ علوم و معارف کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ اب کی مرتبہ اس نے ایک قدم آگے بڑھایا اور صاف صاف کہہ دیا کہ پردہ بربریت اور وحشت کے زمانے کی یادگار ہے۔ اس نے بتایا کہ جس طرح سیاہ فام آدمی گورے چٹے انسانوں کا غلام نہیں رہ سکتا، بالکل اسی طرح عورت حجاب اور پردے کے اندر نہیں رہ سکتی۔ ایک اور مقام پر وہ لکھتا ہے کہ محض پڑھنا لکھنا سیکھ لینے اور اجنبی زبانیں جان لینے سے عورت کی عقلی تربیت کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ عورت علم طبیعیات، علم تاریخ اور علم الاجتماع سے بھی بہرہ ور ہو۔

اس سلسلے میں قاسم امین نے خواتین مصر کو دعوت دی کہ وہ مغربی تہذیب و تمدن کو اپنا کر اہل مغرب کے طریق پر گامزن ہوں، کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ مغربی اقوام تمدن میں دوسری قوموں سے بہت آگے ہیں۔ قاسم امین کی یہ بھی رائے تھی کہ جب عورت عقلی تربیت میں پختہ کار ہو جائے تو پھر اسے فکر و عمل کی پوری آزادی دینی چاہیے۔

قاسم امین کو اس بات کا یقین کامل تھا کہ مصریوں کی نجات اور ترقی صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت مغربی انداز پر کریں۔

قاسم امین کی دوسری کتاب کا بھی وہی حشر ہوا جو پہلی کا ہوا تھا۔ مصر کے ہر گوشے سے اس کی مخالفت میں آواز بلند کی گئی۔ پرانی وضع کے حامیوں نے دل کھول کر تعلیم نسواں کی مخالفت کی۔ طلاق، کثرت ازواج اور پردے کے موضوع پر خوب مضامین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لکھے، لیکن قاسم امین ٹس سے مس نہ ہوا۔[1]

اصلاحی کوششوں کا دائرہ عمل

قاسم امین کا اجتماعی و اصلاحی پروگرام عورت کو جہالت اور پردے سے نجات دلانے تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ یہ تو ایک معمولی سی کڑی تھی اس بڑے سلسلے کی جو سماجی اصلاح سے متعلق قاسم امین کے ذہن میں موجود تھا۔ ۱۹۰۶ء میں قاسم امین اور سعد زغلول نے مل کر ایک جدید یونیورسٹی کی داغ بیل ڈالنے کی تیاری کی۔ اس کی خواہش تھی کہ اس نئی جامعہ کو مغربی یونیورسٹیوں کے انداز پر چلایا جائے۔ وہ چاہتا تھا کہ یونیورسٹی ملک کے علم و ادب، اخلاق و اطوار اور عام زندگی میں انقلاب عظیم کا پیش خیمہ ثابت ہو، مگر افسوس کہ موت نے اسے مہلت نہ دی اور جامعہ مصریہ[2] کے قیام سے صرف چند ماہ پیشتر اسے دنیا کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنا پڑا۔

نئی یونیورسٹی کا مقصد

جب قاسم امین جامعہ مصریہ کی تاسیس و تعمیر کے تمام انتظامات مکمل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو ایک تقریب میں حسن پاشا زاید کے مکان پر یونیورسٹی کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے دوران تقریر کہا:

> ہمارے آباء و اجداد نے مقدور بھر وطن کی خدمت سر انجام دی۔ وہ قوموں سے نبرد آزما ہوئے۔ انھوں نے ملکوں کی تسخیر کی، لیکن ہم نے کبھی نہیں سنا کہ ان بزرگوں نے حب وطن پر غرور و نخوت کا اظہار کیا۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ان کے نقش قدم پر چل کر باتوں سے نہیں بلکہ اپنے عمل سے حب وطن کا ثبوت دیں۔ ہمیں ایسے علم کی ضرورت نہیں ہے جسے سرکاری

1۔ قاسم امین کی حمایت میں لکھنے والوں میں مصطفیٰ کامل، دکتورہ رید، دکتورہ نوال السعداوی وغیرہ ہیں جبکہ مخالفت میں لکھنے والوں میں محمد فہمی عبدالوہاب، محمد قطب، احمد فجر وغیرہ ہیں۔

2۔ جامعہ مصریہ، جدید مصر کی پہلی یونیورسٹی، ۱۹۰۸ء میں قائم ہوئی۔ آج بھی مصر کی درجہ اوّل کی یونیورسٹی ہے۔ ۱۹۴۰ء سے اس کا نام جامعہ القاہرہ ہے۔ (موقع: التعلیم فی مصر)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملازمتوں کا ذریعہ سمجھا جائے۔ ہمیں ایسے طالب علموں کی ضرورت ہے جو علم وفن کی تحصیل محض علم وفن کی خاطر کریں۔ ان کے دلوں میں علم کی حقیقی محبت جاگزیں ہو۔ انھیں ایجاد اور اکتشاف کا شوق بے چین رکھے۔ مغربی ممالک کی طرح وہ علوم وفنون اور فلسفہ وسائنس میں یکتائے روزگار قرار دیے جائیں۔ ہماری یہ آرزو ہے کہ علم کے ہر شعبے میں ہمارے ہاں کم از کم ایک دو ایسے بلند پایہ فاضل اور عالم ہوں جن کے الفاظ قطعی سمجھے جائیں۔ جن کی بات اپنے خاص شعبے میں آخری فیصلہ کی حیثیت رکھتی ہو۔ تمام دنیا کی نگاہیں ان کی جنبش لب کی منتظر رہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس نئی یونیورسٹی کے ذریعے اعلیٰ تعلیم وتربیت کا ایک عمدہ نمونہ پیش کر کے اپنے ملک کے وقار وعزت اور شہرت ونیک نامی کو چار چاند لگا دیں۔

ترقی پسند رجحانات

قاسم امین اس بات کا بڑا خواہش مند تھا کہ عربی زبان کو اور زیادہ ہر دلعزیز بنانے کے لیے اس میں آسانی اور سہولت پیدا کر دی جائے۔ اس بارے میں اس کی رائے یہ تھی کہ عربی زبان پر صدیاں گزر چکی ہیں، مگر اس میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ یہ اپنی جگہ پر جامد ہے۔ اس نے ترقی کی جانب ایک قدم بھی تو نہیں اٹھایا۔ اس کے مقابلے پر یورپ کی زبانوں نے بڑی تبدیلیاں قبول کی ہیں اور جوں جوں مغربی زبانوں کے ادیب اور عالم ترقی کرتے چلے گئے ہیں۔ وہ زبانیں بھی آگے کی جانب قدم اٹھاتی چلی گئیں۔ آج وہ زبانیں سہولت، وضاحت، بانکپن اور تیزی وپھرتی کے اعتبار سے بہترین نمونہ تصور کی جاتی ہیں۔ آج ان زبانوں کو تمدن حاضر کے تاج کا سب سے زیادہ گرانقدر موتی شمار کیا جاتا ہے۔ قاسم امین کی آرزو تھی کہ عربی زبان کو آسان بنا دیا جائے۔ اس ضمن میں اس کی تجویز یہ تھی کہ الفاظ کے اعراب یعنی آخری آوازیں نظر انداز کر دی جائیں اور فقرے کا آخری حرف ساکن قرار دے کر بغیر کسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زبر، زیر، پیش کے پڑھا جائے، جیسا کہ دوسری زبانوں میں رواج ہے۔[1]

وہ ادب میں بھی تبدیلی اور انقلاب پیدا کرنا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ ادیب عمدہ خیالات، جدید تعبیریں، نئی قدریں اور نئے اسلوب نگارش تلاش کریں۔

نیا فکر و ادب

حقیقت یہ ہے کہ قاسم امین کی دونوں کتابیں صرف عورتوں کی تعلیم و تربیت اور آزادی و حریت تک ہی محدود نہ تھیں، بلکہ ان میں ایک ایسے فکر و ادب کی طرف دعوت موجود ہے جس سے مصری لوگ پہلے بالکل ناآشنا تھے۔ ان کتابوں میں سرزمین نیل کے باشندوں کو مغربی رومانیت[2] سے پہلی مرتبہ روشناس کرایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ انسانی طبیعت کے نازک ترین احساسات، میلانات اور خیالات کی تحلیل پیش کی گئی ہے اور قلب انسانی کی وارداتوں کا نئے علوم کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔

قاسم امین نے اپنی کتابوں میں زندگی کو محبت و رحمت اور صلح و سلامتی سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے نزدیک حیات انسانی میں محبت سے زیادہ حسین و جمیل اور کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ انسان زندگی کے حسن و جمال، خوبصورتی اور رعنائی سے پوری طرح بہرہ مند ہو۔

قاسم امین کا خیال ہے کہ حسن و جمال اپنی رعنائیوں سمیت عورت کی ذات میں مجسمہ بن کر سما گیا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ موسیقی، مصوری، بت تراشی اور فنون جمیلہ کے دوسرے شعبے سب کے سب اسے بڑے محبوب ہیں اور اس کے نزدیک ان تمام فنون کا سرچشمہ عورت کی ذات ہے۔[3]

قاسم امین کے نزدیک مال زندگی کی زینت ہے اور محبت زندگی۔ وہ محبت کو انسانی

---

[1] محمد عمارۃ، قاسم امین الاعمال الکاملہ، ص: ۱۳۷

[2] رومانیت، ایک ثقافتی تحریک جس کا آغاز اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں یورپ میں ہوا۔ ان کا نعرہ ادب برائے ادب ہے، (اردو انسائیکلوپیڈیا، ص: ۷۶۰)

[3] محمد عمارۃ، قاسم امین الاعمال الکاملہ، ص: ۱۳۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زندگی کی روحانی غذا قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ انسان زندگی کے کسی دور میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتا ہے۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ عشق و محبت انسان کی قدر و قیمت میں اضافہ کر دیتا ہے۔

وہ کہا کرتا تھا کہ صنفی اختلاف اور تقاضوں سے قطع نظر، مرد اور عورت میں کوئی دو جاتی فرق اور فضیلت نہیں۔ وہ دیانت داری سے محسوس کرتا ہے کہ عورت کا حسن و جمال انسانی سعادت اور بھلائی کا موجب ہے۔ اس کے خیال میں محبت اس گہرے احساس کا نام ہے جو ایک نفس انسانی پر غالب آ کر دوسرے نفس سے میل جول پر مجبور کر دیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ محبت ایسی آگ ہے جو انسان کے دل میں فروزاں ہو جاتی ہے۔ نہ تو کوئی فاصلہ اور بُعد اسے بجھا سکتا ہے اور نہ قرب و نزدیکی اس کو ٹھنڈا کر سکتی ہے، بلکہ آتش عشق ہر آن زیادہ بھڑکتی ہے۔ محبوبہ کی آنکھوں پر ایک نگاہ غلط انداز دل کو خوشی و مسرت سے بھر دیتی ہے اور اسے یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ اس کی راہ میں پھول بچھے ہوئے ہیں۔ یا یہ کہ وہ بادلوں یا پرندوں پر سوار ہو کر آسمان کی بلندیوں پر پرواز کر رہا ہے۔ قاسم امین سمجھتا تھا کہ عورت کو جہالت اور پردے سے نجات دلا کر انسانیت کی سعادت و خوش نصیبی اور بھلائی کا صحیح طور پر موجب بنا دیا جائے، کیونکہ اس کی رائے میں عورت انسانیت کا دل ہے۔ یہ درست ہو جائے تو ساری انسانیت درست ہو جاتی ہے۔ مہذب و شائستہ اور تعلیم یافتہ عورت ہی ملت کی بیداری اور تبدیلی میں ممد و معاون ہوسکتی ہے۔

کرسی عدالت پر

چھوٹا قد، چوڑا چکلا جسم، گندمی رنگ، قاسم امین بڑا کم گو، راست گفتار، نڈر اور بے باک آدمی تھا۔ ہر وقت سوچ بچار میں منہمک رہتا۔ قانون پر بڑی وسیع نظر تھی۔ فلسفہ اجتماع کا خوب مطالعہ کر چکا تھا۔ وہ اپنے غور و فکر کی وجہ سے محکمہ عدالت میں بھی خاص شہرت رکھتا تھا۔ فیصلہ سنانے سے پہلے ہر معاملے کا قانونی پہلو دیکھتا۔ حالات کا پورا جائزہ لیتا۔ قاسم امین کہا کرتا تھا کہ گناہ اور جرم کی اصلاح کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے کہ مجرم کو معاف کر دیا جائے۔ اس کا خیال تھا کہ برائی کی سزا نہیں ہونی چاہیے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ اس طرح برائی کم نہیں ہوتی، بلکہ بڑھتی ہے۔ وہ سمجھتا تھا کہ سزا سے مراد انتقام نہیں بلکہ سزا کا مقصد اصلاح ہے۔ وہ ہمیشہ یہ کوشش کرتا کہ دونوں فریق عدالت کا فیصلہ سننے کے بجائے آپس میں انصاف اور عدل کا ترازو ہاتھ میں لے کر صلح کر لیں۔[1]

طلبائے رومانیہ کا وفد

اپریل ۱۹۰۸ء میں رومانیہ کے طالب علموں کا ایک وفد مصر پہنچا۔ اس وفد میں کچھ لڑکے تھے اور کچھ لڑکیاں۔ قاسم نے مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے ۲۱ اپریل ۱۹۰۸ء کو ایک تقریر کے دوران میں رومانیہ کے طلبا کے علمی سفر کو بڑا سراہا۔ انھیں خوش آمدید کہتے ہوئے اس بات کی آرزو ظاہر کی کہ خوش نصیبی کا یہ دن ہمارے ملک کے حصہ میں بھی بہت جلد آئے، جب کہ نوجوان لڑکے اور نوجوان لڑکیاں ایک ساتھ بیٹھ کر علم کی تحصیل کریں۔ آج جس طرح آپ دوش بدوش بیٹھے اس اجتماع کی رونق بنے ہوئے ہیں خدا کرے کہ اسی طرح مصری طالبات بھی مصری طلبا کے ساتھ بیٹھ کر علمی و ادبی محفلوں میں شرکت کریں۔

وفات

مصر کا یہ ہونہار محنتی فرزند چوالیس برس کی عمر میں ۲۳ اپریل ۱۹۰۸ء کو یکا یک حرکت قلب بند ہو جانے سے راہیِ ملک بقا ہوا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قاسم امین بڑا مخلص، وطن دوست اور قوم پرست تھا۔ مصر کی اجتماعی اصلاح کے لیے اس کی کوششیں کبھی نظرانداز نہیں کی جائیں گی۔[2]

---

[1] محمد عمارۃ، قاسم امین الاعمال الکاملہ، ص:۶۹

[2] تفصیل کے لیے دیکھیے: السید مرسی أبوذکری، المقال وتطورہ فی الأدب العربی، ص:۱۴۴ و الزرکلی، الأعلام:۵/۱۸۴۔ اس حقیقت کو فراموش کرنا بھی ناانصافی ہوگی کہ اس کے خیالات پر مغربی فکر وتہذیب اور اس کی آزادی کا بڑا اثر تھا۔ اگر وہ مصری عورت کو محض تعلیم اور جدید تہذیب وتمدن اپنانے کی دعوت دیتا تو اس میں کوئی حرج نہ تھا۔ اس نے اپنی کتابوں میں مصری عورتوں کو گھر سے نکلنے، کھلے بندوں پھرنے اور حجاب و پردے کو مکمل طور پر چھوڑنے کی جو دعوت دی، اس نے اس کی ذات کو متنازع فیہ بنا دیا ہے۔ مصری عورت کی موجودہ آزادروی میں قاسم امین بک نے جو کردار ادا کیا، وہ ہمیشہ محل نظر رہا ہے اور رہے گا...... مرتب۔ نیز مقالے کے بیشتر حصے پر تعلیق از محمد زکریا رفیق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زعیم مصر، سعد زغلول پاشا

اس کے ارادوں میں جوش، ہمتوں میں بلندی، عمل میں جنون، خون میں آگ کی گرمی اور سانس میں شعلوں کی تپش تھی۔ اس کے ہونٹوں پر تبسم تھا۔ اسے ساری دنیا جوان نظر آتی تھی۔ دنیائے امید اپنی پوری وسعتوں اور پنہائیوں سمیت سعد کے ارادوں کے سامنے سربسجود تھی۔

شخصیت

سعد زغلول عمر کی ساٹھ بہاریں دیکھ چکا تھا۔ اس کا سر ابھرے ہوئے کندھوں کے درمیان جھک کر رہ گیا تھا۔ جسم میں پہلی سی قوت و توانائی باقی نہ رہی تھی، مگر اس کے ساتھ اس کی آنکھیں روشن اور تابناک تھیں، اس کے چہرے سے رعب و جلال ٹپکتا تھا، اس کی شخصیت میں ابھی ہیبت باقی تھی۔ ۱۹۱۹ء کی ایک صبح انگریزی فوج کا ایک مسلح دستہ سعد کے گھر آ پہنچا اور سعد کو موٹر میں بٹھا کر قصر نیل میں لے جا کر نظر بند کر دیا۔ سعد کے لیے یہ کوئی نئی جگہ نہ تھی۔ ایک مرتبہ اس سے پہلے ۱۸۸۲ء میں بھی اس علمبردار آزادی کو اسی مقام میں نظر بند کر دیا گیا، لیکن اس وقت سعد عنفوان شباب میں تھا۔ اس کے ارادوں میں جوش، ہمتوں میں بلندی، عمل میں جنون، خون میں آگ کی گرمی اور سانس میں شعلوں کی تپش تھی۔ اس کے ہونٹوں میں تبسم تھا۔ اسے دنیا جوان نظر آتی تھی۔ دنیائے امید اپنی پوری وسعتوں اور پنہائیوں سمیت سعد کے ارادوں کے سامنے سربسجود تھی، مگر جب بوڑھا سعد دوسری مرتبہ قصر نیل کے اندر داخل ہوا تو پھر بھی اس کے چہرے پر رونق اور لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ خوش تھا کہ اس کے وطن میں سیاسی شعور پیدا ہو چکا ہے اور مصر آزادی[1] کی طرف بڑی تیزی سے قدم اٹھا رہا ہے۔ اسے یقین تھا کہ

---

[1] مصر کی آزادی ۱۹۵۲ء میں ہوئی جب خدیوی حکومت ختم ہوئی جو عثمانی اور برطانوی حکام کے زیر اثر تھی جبکہ زغلول کا انتقال ۱۹۲۷ء میں ہوا۔ (دکتور ناصر الانصاری، المجمل فی تاریخ مصر، دار الشرق، ۱۹۹۳ء)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اب وہ دن دور نہیں جب مصر لیلائے آزادی سے ہمکنار ہو کر رہے گا۔

اس واقعہ کے بعد زعیم مصر سعد زغلول کوئی آٹھ برس زندہ رہا۔ اس کی کامرانیاں اور ہزیمتیں پورے ملک کی کامرانیوں اور ہزیمتوں کی تاریخ ہیں۔ وہ مصر کی آزادی کا علمبردار تھا۔ سارے کا سارا ملک اپنے محبوب رہنما پر کامل اعتماد اور پورا بھروسا رکھتا تھا۔ وہ مصریوں کا آتش بیاں مقرر اور شعلہ مقال خطیب تھا۔ اس کی آواز میں بادل کی سی گرج اور بجلی کی سی کڑک پائی جاتی تھی۔ جب وہ بولتا تو سننے والوں پر ہو کا عالم طاری ہو جاتا۔ وہ عزم راسخ کی ایک چٹان تھا۔

تعلیم و تربیت

سعد زغلول ۱۳ نومبر ۱۸۵۹ء کو مصر کے ایک چھوٹے سے قصبہ ''ابیانہ'' میں پیدا ہوا۔ خالص مصری گھرانے میں پرورش پا کر مصری روایات کا حامل ہوا۔ اس کی شکل و صورت مصری خدوخال کا آئینہ دار ہے۔ سعد نے ایک موقع پر کہا تھا:

> نہ میں کوئی رئیس زادہ ہوں، نہ کسی بڑے گھرانے کا چشم و چراغ، میں تو ایک کسان ہوں، ایک کسان کا بیٹا۔ ایک چھوٹے اور بقول مخالفوں کے ایک حقیر سے گھرانے کا معمولی فرد۔

سعد نے ابتدائی تعلیم اپنے قصبہ میں حاصل کی اور پانچ برس کی مدت میں لکھنا پڑھنا سیکھنے کے علاوہ قرآن مجید بھی حفظ کر لیا۔

ابتدائی تعلیم ختم کرنے کے بعد ہونہار سعد نے قاہرہ کا رخ کیا۔ تعلیم جاری رکھنے کے لیے ازہر یونیورسٹی میں داخل ہو گیا۔ ازہر کے دوران قیام میں سعد کو مفتی محمد عبدہٗ سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ یہ سلسلۂ ملاقات بڑے گہرے مراسم میں تبدیل ہوتا چلا گیا۔[۱] وہ آپس میں ایک دوسرے کے افکار و رجحانات کو سمجھنے لگے۔ دونوں کے خیالات میں پرانی روایات اور قدامت پسندی کے خلاف بغاوت کے جراثیم پرورش پا رہے تھے۔ دونوں کے سینے آتش انقلاب کے دفینے تھے۔ دونوں وطن کی ترقی و بہبود کے دلدادہ، دونوں

---

۱ یہ تعلق وفات تک قائم رہا۔ محمد عبدہٗ کی وفات ۱۹۰۵ء میں ہوئی اور سعد زغلول کی وفات ۱۹۲۷ء میں ہوئی۔ (عقاد، سعد زغلول، زعیم الثورہ، ص:۹)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حب وطن کے پاکیزہ جذبات سے سرشار، الغرض! دونوں شمع آزادی کے پروانے تھے۔

جمال الدین افغانی کا اثر

مصر ۱۸۷۰ء اور ۱۸۸۰ء کے درمیانی عرصہ میں سیاسی تحریکوں اور شورشوں کا مرکز بن رہا تھا۔ خفیہ انجمنیں اس کی گود میں پرورش پا رہی تھی۔ سازشیں اور ہنگامے پل کر جوان ہو رہے تھے۔ حسن اتفاق ملاحظہ ہو کہ ۱۸۷۱ء میں جمال الدین افغانی جیسا روشن ضمیر عالم اور مدبر بھی مصر آ پہنچا۔ اس نے جونہی قاہرہ میں سکونت اختیار کی، لوگوں کے ہجوم اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ افغانی کی جدت پسند طبیعت نے اصلاح و انقلاب کے نئے نئے ڈھنگ سوچ رکھے تھے۔ قاہرہ پہنچتے ہی علمی مجلسیں منعقد ہونے لگیں۔ ان مجلسوں میں افغانی نے علم کلام، فقہ، فلسفہ اور منطق کو بالکل جدید اور نئے انداز میں بیان کرنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ازہر یونیورسٹی کے ہونہار طلباء اور روشن خیال اساتذہ اس کی محفلوں کی رونق بن گئے۔ ان مجلسوں میں بہت سے مسائل پر بحث ہوتی اور افغانی اپنے جدید اجتماعی اور فکری نظریے تعلیم یافتہ گروہ کے سامنے پیش کرتا۔ عام طور پر اس کی گفتگو کا موضوع دینی اصلاح، عقل و فکر کی آزادی، دستوری نظام اور اسلامی جمہوریت کے اصول ہوا کرتے تھے۔ سعد زغلول اور محمد عبدہٗ بھی اس کے ہاں آتے جاتے اور اس کے انقلابی خیالات اور ترقی پسند رجحانات سے بہرہ مند ہوتے۔ افغانی نے اہل مصر کو یہ پیغام بھی دیا کہ مصر کو غیروں کے تسلط و اقتدار سے آزاد کرایا جائے۔[1] مصریوں کے بڑھتے ہوئے افلاس اور فاقہ مستی کو روکا جائے۔ استبداد اور جور و ظلم کی حکومت کو ختم کر کے جمہوری نظام کے ذریعے عدل و انصاف قائم کیا جائے۔ ان مقاصد کو کامیاب بنانے کے لیے ترکیبیں سوچی جانے لگیں۔ ذرائع و وسائل کی تلاش و جستجو شروع ہوئی اور بعض لوگوں کے قتل کی سازشیں بھی ہونے لگیں۔

سعد نے اس سیاسی اور فکری ماحول میں تربیت پائی۔ یہی وجہ ہے کہ سعد زندگی کے ہر دور میں سرگرم عمل رہا۔ اس نے ہمیشہ سوچ اور فکر کی نئی نئی راہیں تلاش کیں۔

[1] جمال الدین افغانی ۱۸۹۷ء میں فوت ہوئے۔ اس وقت سعد زغلول کی عمر ۴۰ سال تھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیاسی موڑ پر

مصر کی تاریخ میں ۱۸۸۱ء کا سال کئی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ مختلف سیاسی تحریکیں پروان چڑھ رہی تھیں۔ فکر و عمل نئے سانچوں میں ڈھل رہے تھے۔ اجتماعی اور اقتصادی گتھیوں کو سمجھنے اور سلجھانے کے لیے نئے وسائل کی طرف میلان ہو رہا تھا۔ ایک طرف ملک نئے دستور کا مطالبہ کر رہا تھا اور دوسری طرف نمائندہ اسمبلی کے قیام کی تحریک زوروں پر تھی۔ قدامت پسند خدیوی حکمران بدلتے ہوئے حالات کا جائزہ لینے اور مصری ذہن کو سمجھنے کے بجائے کبھی ترکوں سے ساز باز کرتا اور کبھی انگریزوں سے جوڑ توڑ اور عہد و پیمان باندھتا تھا۔

صحافی کی حیثیت میں

انھی دنوں مصر کے سرکاری روزنامہ "الوقائع المصریہ" کی عنان ادارت مفتی محمد عبدہ کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے سعد کو بھی ادارہ تحریر میں شامل کر لیا۔ سعد کے لیے یہ موقع بڑا غنیمت تھا۔ اس نے اپنے آتش نگار اور شعلہ فشاں قلم کے وہ جوہر دکھائے کہ سیاسی اور ادبی حلقوں میں شور مچ گیا۔

سید جمال الدین افغانی[1] کی صحبت نے ایک طرف تو سعد کو آتش بیان مقرر اور نکتہ رس مدبر بنا دیا تھا اور دوسری طرف وطن کا شیدائی اور شمع آزادی کا پروانہ۔ اسی طرح محمد عبدہٗ کے حلقۂ ارادت و ادارت میں شامل ہو کر سعد نے بہت کچھ سیکھا۔ مفتی نے اسے اپنے بچوں کی طرح تعلیم و تربیت دی۔ مذہبی، ادبی اور سیاسی معاملات میں بڑی محبت اور شفقت سے رہنمائی کی۔ عبدہ کی رفاقت اور نگرانی میں سعد کو اپنے ملک کے اقتصادی، سیاسی اور اجتماعی مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے کا بہترین موقع مل گیا۔ سعد کو بھی مفتی سے کچھ کم عقیدت نہ تھی۔ وہ مفتی کا مرید باصفا تھا۔ جب افغانی کو ۱۸۷۹ء میں مصر چھوڑ جانے پر مجبور کیا گیا تو سعد کے لیے مفتی کا وجود بڑا غنیمت تھا۔ مفتی اس کا روحانی اور سیاسی سہارا تھا، لیکن جب چار برس بعد مفتی کو بھی مصر چھوڑنا پڑا تو سعد کو بڑا رنج و قلق ہوا اور وہ اپنے آپ کو بالکل بے یار و مددگار سمجھنے لگا۔

---

[1] دیکھیے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، عنوان: جمال الدین افغانی: ۷/۳۷۲

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرانسیسی تسلط نے مصر کو سیاسی اعتبار سے بالکل کھوکھلا کر دیا تھا۔[1] انگریزوں کی ہوس ناکیاں فرانس کی چبائی ہوئی ہڈیوں کی ریزہ چینی کے لیے ہر روز نیا بہانہ تراشتی تھیں۔ یونانیوں نے مصری تجارت اور اقتصادیات کی پوری اجارہ داری لے رکھی تھی۔ سعد سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کے سامنے دو راہیں تھیں۔ حکومت کی خوشنودی یا وطن کی خدمت۔ حکومت کی رضا جوئی آسان اور فائدہ مند تھی، وطن کی خدمت مہنگی اور نقصان رساں۔ سعد بڑا دور اندیش اور بلا کا ذہین تھا۔ افغانی کی صحبت نے اس میں سیاسی بصیرت اور فکری رفعت پیدا کر دی تھی۔ اس کی عقابی نگاہ تاڑ گئی کہ ایک طرف حکومت کے غیر اسلامی تقاضے اور چند عارضی فائدے ہیں، دوسری جانب خدمت وطن اور مفادات ملت دعوت جہاد دے رہے ہیں۔ نگاہ مرد مومن یہ بھی دیکھ رہی تھی کہ مصر ایک نیم بسمل گائے کی طرح ہے جو برطانوی شیر اور فرانسیسی بھیڑیے کے پنجے تلے دم توڑ رہی ہے۔ دونوں اس سسکتی ہوئی گائے کو کھا جانے کی فکر میں ایک دوسرے سے الجھنے کو ہیں۔ ستم بالائے ستم یہ کہ یونانی گیدڑ بھی اس کے بے حس و حرکت جسم کو بڑی تیزی سے نوچ رہا ہے۔

ذہنی انقلاب

سعد کی غیرت ملی جوش میں آئی۔ وہ مرد حق بین تھا، حق گوئی سے کس طرح باز رہ سکتا تھا؟! چنانچہ اس نے اخبار ''الوقائع المصریہ'' میں شوریٰ اور استبداد کے عنوان سے مضامین کا ایک سلسلہ لکھنا شروع کیا اور اس طرح جمہوری نظام حکومت کی داغ بیل ڈالنے کے لیے میدان ہموار کرنے لگا۔ اس ضمن میں اس نے اسلامی جمہوریت کے اصول بڑی وضاحت اور جرأت سے بیان کیے اور حکمران گروہ کو بے باکی سے سمجھایا کہ حاکم وقت کے لیے ملت کے ارادوں اور منشا کو ماننا نہایت ضروری ہے اور ملت کے ارادوں کو جاننے کا واحد طریق نمائندہ اسمبلی کا قیام ہے۔ یہ تھا وہ طریق کار جسے سعد نے مادی انقلاب سے پہلے ذہنی انقلاب پیدا کرنے کے لیے اختیار کیا تاکہ کسی آنے

[1] یہ تسلط ۱۷۹۸ء میں نپولین کی فتح سے شروع ہوا۔ ۱۸۰۱ء میں انگریزوں اور عثمانیوں نے مل کر فرانسیسیوں کو بے دخل کیا۔ ۱۸۸۲ء میں مصر پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا۔ ۱۹۵۲ء میں مصر آزاد ہو گیا۔ (دیکھیے: محمد عرموش، موجز تاریخ مصر، موقع فولابوک)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والے بڑے حادثے کے لیے طبیعتیں پہلے سے ہی تیار اور آمادہ رہیں۔

مصر میں انگریزی فوجوں کا داخلہ

تاریخ مصر نے ایک اور ورق الٹا۔ اعرابی پاشا کی تحریک انقلاب ناکام ہوگئی۔ توفیق خدیو بڑا ہوشیار حکمران تھا۔[۱] اس نے نزاکت وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریزوں کا سہارا ڈھونڈنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ ادھر انگریز کا نصیب جاگ اٹھا۔ اس کی پرانی آرزو بر آئی۔ انگریزی فوجوں کو مصر میں داخل ہونے کا بہانہ مل گیا۔

منصب عدالت

۱۸۸۲ء میں سعد کو جیزہ کی عدالت میں ناظر کا عہدہ تفویض ہو چکا تھا۔ ادھر ملک میں اعرابی پاشا کی سیاسی ہزیمت کا انتقامی جذبہ جنون کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ نوجوانان مصر اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ جن غداران وطن کی وجہ سے تحریک اعرابی ناکام ہوئی ہے ان سے انتقام لیا جائے۔ اس مقصد کے لیے ایک خفیہ انجمن بنائی گئی جس کا نام ''جمعیۃ انتقام'' تجویز ہوا۔ اس جمعیت سے وابستگی کے الزام میں سعد زغلول کو قصر نیل میں نظر بند کر دیا گیا۔ مقدمہ عدالت میں پیش ہوا تو سعد کو بری قرار دے کر رہا کر دیا گیا، مگر اس کے باوجود توفیق پاشا کی حکومت کو یہ گوارا نہ تھا کہ سعد جیسا آزادی پسند انسان اس عہدے پر مامور رہے۔ چنانچہ اسے ۱۸۸۳ء میں عہدۂ نظارت سے سبکدوش کر دیا گیا۔[۲]

وکالت کا پیشہ

سعد چوبیس برس کا نوجوان تھا۔ اس کے ارادے بلند تھے۔ جسم میں توانائی اور ذہن میں صفائی تھی۔ ملازمت سے سبکدوش ہوتے ہی وکالت کا پیشہ اختیار کر کے مصر کی تاریخ میں اپنے لیے ایک بلند مقام حاصل کر لیا۔ اس زمانے میں وکالت چنداں منفعت بخش، جاذب نظر اور معزز پیشہ نہ سمجھا جاتا تھا۔ وکیلوں کا کام محض کج بحثی اور ایک دوسرے

۱۔ ۱۸۰۱ء سے ۱۸۸۲ء اور پھر ۱۹۵۲ء تک کے مصری حکمران خدیو کہلاتے ہیں جو آئینی طور پر عثمانی حکومت کے ماتحت تھے لیکن عملاً آزاد تھے۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مصر: ۲۲۴/۲۱

۲۔ عقاد، سعد زغلول، زعیم الثورۃ، ہنداوی، ص: ۱۱۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر کیچڑ اچھالنا تھا۔ عدالتیں اپنے آپ کو کسی قانون کا پابند سمجھنے کے لیے قطعاً تیار نہ تھیں۔ سعد نے اپنی محنت، قانونی قابلیت اور زور بیان سے وکالت کو چار چاند لگا دیے۔ اپنے لیے شہرت دوام اور قبول عام حاصل کر لیا۔ دوسری جانب عدالتوں کے غرور ونخوت کو توڑا اور قانون کے سامنے ان کا سر جھکا کر چھوڑا۔ سعد کے الفاظ میں ایک جادو تھا۔ قانونی موشگافیوں اور فن بحث میں مہارت کی داد اپنے پرائے سب دینے لگے۔ سعد کی حاضر جوابی، قوت فیصلہ، آزادیِ ضمیر اور گفتگو کی اصابت رائے نے تھوڑے ہی عرصہ میں وکالت کو ایک معزز اور قابل قدر پیشہ بنا دیا۔

مصر کا قاضی

اب سعد کی سالانہ آمدنی چھ ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ نڈر اور بے باک تو تھا ہی، ججوں اور قاضیوں کے لیے مصیبت بن گیا۔ بعض دفعہ عدالتوں سے اتنی سخت نوک جھوک ہوتی کہ سننے والے دنگ رہ جاتے۔ سعد بھی ہٹ کا اتنا پکا اور قانون کا اتنا ماہر تھا کہ عدالتوں کو مانے بغیر نہ بنتی۔ اس کی قانونی قابلیت کا اتنا چرچا ہوا کہ حکومت نے ۱۸۹۲ء میں سعد کو مصر کا قاضی مقرر کر دیا۔ اب جج کی حیثیت میں بھی سعد کی محنت اور لیاقت مخالفوں سے بھی خراج تحسین وصول کرنے لگی۔ اس کے فیصلے بطور سند پیش ہوتے۔ اس کے قانونی نکات اور توضیحات کو بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ سعد کا قانونی ذوق ملاحظہ ہو کہ چالیس برس کی عمر میں جدید آئین اور بین الاقوامی قانون سیکھنے کا شوق چرایا۔ پیرس جا کر فرانسیسی زبان سیکھی اور از سر نو قانون پڑھ کر امتیازی درجہ حاصل کیا۔[1]

وزیر تعلیم

سعد زغلول کی انقلاب پسند طبیعت ایوان وزارت میں بھی کارفرما نظر آتی ہے۔ جب ۱۹۰۷ء میں سعد زغلول وزیر تعلیم مقرر ہوا تو وزارتی روایات کو جمہوریت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وزیروں کو یہ جرأت کہاں کہ خدیو مصر سے کوئی حق بات کہہ سکیں۔ سعد نے قلمدان وزارت سنبھالتے ہی دوسرے وزیروں پر جمہوری رنگ چڑھانا شروع کیا۔ انھیں

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، عنوان: سعد زغلول: ۱۱/۳۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آزادی ضمیر اور حریت رائے کا درس دیا۔ اس کی بلند آواز اور زور خطابت سے ایوان وزارت گونجنے لگا۔ اس کے جدید افکار اور ترقی پسند خیالات نے وزیروں کی آنکھوں سے قدامت پسندی کے پردے اٹھا دیے اور ان کے لیے فکر ونظر کی نئی راہیں کھول دیں۔

جب سعد نے وزارت تعلیم کی باگ ڈور ہاتھ میں لی تو مصطفیٰ کامل پاشا کی تحریک زوروں پر تھی۔ شوریدہ سری اور بے راہ روی طلبا پر سوار تھی۔ سکولوں اور کالجوں کا نظم ونسق درہم برہم ہو چکا تھا۔ سعد نے اپنی ہر دلعزیزی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے طلبا پر اثر ڈالنا شروع کیا اور حکمت عملی سے کام لے کر تعلیمی اداروں کے نظم ونسق کو پھر سے قائم کر دیا۔

وزیر تعلیم کو ایک اور اہم مسئلہ درپیش تھا۔ سعد کے عہد وزارت سے پہلے مصر میں بہت سے مضامین انگریزی زبان میں پڑھائے جاتے تھے، بالخصوص اعلیٰ فنی علوم۔ یہ حالات اور عربی زبان کی کسمپرسی دیکھ کر سعد کی رگ حمیت پھڑک اٹھی اور اس کا مصری خون جوش میں آ گیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ عربی زبان کے دامن کو تمام علوم وفنون سے اس طرح مالا مال کر دیا جائے کہ پھر کسی استاد اور طالب علم کو عربی زبان کی تنگیِ داماں کا گلہ کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ اس سلسلے میں سعد کا شاندار کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مختلف علوم وفنون کی کتابوں کے ترجموں اور تصنیفات وتالیفات کے انبار لگا دیے اور عربی زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دیا۔

سعد کا ایک عظیم الشان کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنے عہد وزارت میں مصری طلبا کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کی خاطر یورپ کی مختلف یونیورسٹیوں میں بھیجنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند برسوں میں مصر کے تعلیمی اداروں اور ذمہ دار عہدوں اور محکموں میں مغرب کے فارغ التحصیل لوگ برسر اقتدار نظر آنے لگے۔ اس جدید تعلیم یافتہ گروہ نے مصریوں کے عادات واخلاق اور مزاج ومیلان کو نئے سانچوں میں کچھ اس طرح ڈھالا کہ مصر تعلیم، ثقافت اور معاشرت کے اعتبار سے دنیا کے مہذب ممالک کی صف اول میں شامل ہو گیا[1]

جمعیت تشریعی کی رکنیت

''جمعیت تشریعی'' پارلیمنٹ کا ایک ناقص چربہ تھی۔ اس جمعیت کو بہت سے حقوق

[1] دیکھیے: محمد ابراہیم الحریری، سعد زغلول عہد وزارۃ الشعب، مدبولی: ۱۹۹۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حاصل تھے اور بالخصوص ٹیکسوں کے معاملے میں رائے دینے کا حق بہت ہی اہم تھا۔ لیکن حکومت کے طرز عمل اور ارکان جمعیت کی سرد مہری اور جمود نے ان تمام حقوق کو گلدستہ طاق نسیان بنا رکھا تھا۔ سعد نے جمعیت کا رکن منتخب ہوتے ہی اس کے حقوق و فرائض کا جائزہ لینا شروع کیا۔ ارکان کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا۔ حکومت کی غفلت شعاریوں اور جمعیت کی کوتاہیوں کا پردہ چاک کر دیا۔ سعد کی کوششوں سے جمعیت میں ایک حرکت پیدا ہوگئی۔ اب سعد کی قانونی قابلیت کے اعتراف میں اسے وزیر قانون و عدالت مقرر کیا جا چکا تھا۔ اب ۱۹۱۳ء میں نئی مجلس آئین ساز معرض وجود میں آئی تو سعد اس کا نائب صدر منتخب ہوا۔

نظر بندی

پہلی جنگ عظیم اپنی ہولناکیوں اور تباہ کاریوں کے ساتھ نمودار ہوئی۔ مصری عوام اور بالخصوص کسان اس کے بوجھ تلے بری طرح دب گئے۔ عسکری قانون کی سختیوں کے پیش نظر تمام قومی تحریکیں ملتوی کر دی گئیں۔ نومبر ۱۹۱۸ء میں اس مصری قائد کی زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ حریت وطن کے جذبات سے سرشار سعد مصر کی تحریک آزادی کا ایک علمبردار بن گیا۔ مصر سے انگریزوں کے نکل جانے کا مطالبہ کرنا ہی تھا کہ ایوان حکومت میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ تحریک آزادی کو کچلنے کے مشورے ہونے لگے۔ ۳۷ برس تک بے لوث خدمت کرنے کے بعد وطن دوستی اور انگریز دشمنی کی پاداش میں بوڑھے سعد کو ۱۹۱۹ء میں پھر ایک مرتبہ ساحل نیل میں نظر بند کر دیا گیا۔ وہاں سے مالٹا جانے کا حکم ملا۔ مصریوں نے زبردست احتجاج اور مظاہرے کیے تو نظر بندوں کو اجازت مل گئی کہ وہ مالٹا سے پیرس پہنچیں اور حلیف حکومتوں کی مجلس کے سامنے اپنا دفتر شکایت کھولیں۔ سعد اپنے ساتھیوں سمیت پیرس پہنچا تو سیاسی حالات بالکل ناسازگار ہو چکے تھے۔[1]

آزادی اور جلاوطنی

انگریز دیکھ چکا تھا کہ مصری عوام کے جذبات سے کھیلنا آگ اور خون سے کھیلنا ہے۔

[1] عقاد، سعد زغلول، زعیم الثورہ، ص: ۹۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انگریز مدبروں نے ہر چند منصوبہ بازی کی، لیکن کوئی صورت بنتی نظر نہ آئی۔ بالآخر وہ وطن دوستوں کے ساتھ سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ سعد اپنے رفیقوں سمیت وطن پہنچا۔ تحریک حریت پہلے سے بھی زیادہ زوروں پر تھی۔ آزادی کا مطالبہ پیش کرنے کے لیے سعد کی قیادت میں ''وفد پارٹی'' بنائی گئی۔ ادھر مصر کے عوام کی آواز کے سامنے انگریز کو جھکنا پڑا۔ مصری حکومت کے نمائندوں کے درمیان اختلاف کم ہونے کے بجائے اور زیادہ ہو گئے۔ انگریز نے از سر نو جبر واستبداد کی روش اختیار کی۔ سعد اور اس کے چند ساتھیوں کو جلا وطن کر دیا گیا۔ ملک میں بے چینی اور بڑھ گئی۔ مجبوراً جلا وطنوں کو واپس مصر بھیجنا پڑا۔ اس وقت مصر کی وزارت کی قیادت ثروت پاشا کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے ایک مجلس دستور ساز قائم کر دی تا کہ ملکی دستور کا مسودہ تیار کیا جائے۔

سعد مصر واپس آیا تو نئے دستور کی بنا پر انتخابات شروع ہونے والے تھے۔ وفد پارٹی کو انتخابات میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ سعد کو ملکی دستور کی اصلاح کا موقع مل گیا۔ ۱۹۲۴ء میں سعد نے انگریزوں سے سمجھوتے کی گفتگو کے لیے تیاری شروع کی۔ جب سعد لندن پہنچا تو مسٹر میکڈانلڈ کی وزارت نئے انتخابات کی تیاریوں میں مصروف تھی، اس لیے یہ گفتگو نہ ہو سکی۔ جب سعد واپس آیا تو کئی ایک ناخوشگوار سیاسی واقعات پیش آ گئے جن کی وجہ سے مصری تحریک آزادی کو زبردست دھکا لگا۔

مصر کا یہ ہر دلعزیز رہنما ۲۴ اگست ۱۹۲۷ء کو اس جہان فانی سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا۔[1]

سعد خوبیوں کا مرقع تھا۔ اقلیم سیاست کا تاجدار، میدان صحافت کا شہسوار اور فن خطابت میں نازش روزگار تھا۔ تدبر وحکمت اس کے غلام تھے۔ خلیق اور متواضع اتنا کہ سخت ترین مخالف بھی سعد سے مل کر ہمیشہ کے لیے اس کے اخلاق کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ پرانی وضع کے لوگ اس پر ناز کیا کرتے اور کہا کرتے تھے کہ قدیم تعلیم نے سعد جیسا بلند ہمت اور بالغ نظر محبِّ وطن پیدا کیا ہے۔ بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود سعد کو انگریزی اور جرمن زبان سیکھنے اور پڑھنے کا بہت شوق تھا اور ان کے مطالعہ کے لیے وقت ضرور نکالتا تھا۔

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، عنوان: سعد زغلول: ۱۱/۳۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سعد کی زندگی کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ وطن کے مفاد کی خاطر وہ ہر قوم کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھانے کے لیے ہر وقت تیار نظر آتا ہے۔ جب تک ملکی اور قومی مفاد وابستہ ہے وہ دشمنوں کا بھی دوست ہے، لیکن جونہی ملک کا مفاد خطرے میں نظر آیا سعد کی دوستی اور تعاون سب ختم۔ لارڈ کرومر جیسا انگریزی مدبر ۱۹۰۶ء میں اپنے ایک سیاسی مکتوب میں سعد کے تعاون اور دوستی کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں اسے بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں، لیکن بعد میں یہی سعد انگریز مدبروں کی نظر میں خار بن کر کھٹکنے لگا۔ اسے عورتوں کی عزت و حرمت اور قدر و منزلت کا بڑا خیال رہتا تھا۔ ایک دفعہ سعد ایک طالب علم کو تحصیل علم کے لیے یورپ بھیجنا چاہتا تھا۔ اسے ملاقات کے لیے بلا بھیجا۔ دوران گفتگو میں اسے معلوم ہوا کہ طالب علم شادی شدہ ہے۔ پوچھا: میاں! خود تو یورپ جا رہے ہو، بیوی کا کیا انتظام کیا ہے؟ اس نے نہایت سادگی سے جواب دیا کہ اسے طلاق دے دی ہے۔ سعد کو اس بے ہودگی اور غیر ذمہ داری پر بڑا غصہ آیا۔ صنف نازک کے ساتھ یہ سلوک اتنا ناگوار گزرا کہ اس کا سفر یورپ منسوخ کر دیا۔

ازدواجی زندگی اور بیوی سے متعلق سعد کا ایک خاص زاویہ نگاہ تھا۔ اس نے خود عمر بھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کیا۔ مشہور مصری وزیر مصطفیٰ فہمی پاشا کی بیٹی سے شادی کی، جو صفیہ زغلول کہلائی اور مصریوں کی محترمہ ''بی اماں'' کے لقب سے مشہور ہوئی اور مرتے دم تک اس وفاء داری کو بڑی استواری سے نبھایا۔[1]

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: الزرکلی، الأعلام: ۳/۸۳ و مصطفیٰ صادق الرافعی، وحی القلم: ۲/۲۶۸۔ تعلیق از محمد زکریا رفیق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر طٰہٰ حسین، مصر کا مشہور ادیب و نقاد

شخصیت

زعیم المجد دین ڈاکٹر طٰہٰ حسین کو مصر میں ترقی پسند ادب کا بانی اور تنقید جدید کا قائد کہنا چاہیے۔ اس نے عربی ادب میں نئے انداز فکر ونظر کی داغ بیل ڈالی۔ عربوں کو ایسے نئے خیالات سے روشناس کیا جو پرانے طرز کے ادیبوں کے وہم وگمان میں بھی نہ آ سکتے تھے۔ اس نے مغربی طرز کے ڈرامے لکھ کر عربی ادب کو مالا مال کر دیا۔ اگر وہ تاریخ پر قلم اٹھاتا ہے تو واقعات و حالات کا جائزہ لینے کے لیے مغربی پیمانے استعمال کرتا ہے اور تنقید نگاری میں نقادان مغرب کی قدروں سے جانچ پڑتال کر کے اپنی زبان کو ترقی کے زینوں پر لے جانے کا خواہشمند نظر آتا ہے۔ وہ جمہور کی زبان میں اس عمدگی اور خوبصورتی سے لکھتا ہے کہ خواص اور علماء بھی چٹخارے لے لے کر پڑھتے اور سر دھنتے ہیں۔[1]

طٰہٰ حسین ادیب بھی ہے اور عالم بھی۔ جس طرح دنیا کے لیے ادیب کا وجود ضروری ہے، اسی طرح ادیب کے لیے لازمی ہے کہ وہ اپنے دامن کو علم کے جواہر ریزوں سے بھر لے۔ پھر علم و ادب کو اس طرح سموئے کہ پڑھنے والے ایک ہی وقت میں علم و ادب کی دولت سے بہرہ ور ہو سکیں۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی معلومات کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ جامعہ ازہر اور جامعہ مصریہ کی تعلیم و تربیت نے عربی علوم و آداب میں بڑا رسوخ پیدا کر دیا تھا۔ فرانسیسی زبان نے تنقید جدید، نازک خیالی اور جدت فکر و نظر بخشی۔ اس کے ساتھ لاطینی اور یونانی زبانوں نے تہذیب و ثقافت کے چہرے سے کچھ اس طرح پردے اٹھا دیے کہ مغرب کا جدید و قدیم فلسفہ اور ثقافت اپنے پھیلاؤ اور وسعت کے باوجود اس کی نظروں میں سما گئے۔

---

[1] دیکھیے: دکتور فیصل دراج، طٰہٰ حسین وتحدیث الفکر العربی، مرکز دراسات الوحدۃ العربیۃ، بیروت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پیدائش اور ابتدائی تعلیم

طٰہٰ حسین ۱۸۸۹ء میں مصر کے شہر مغاغہ میں پیدا ہوا۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ اس کی پیدائش ۱۸۹۱ء میں ہوئی۔ بہر حال ابھی عمر کی دو ہی بہاریں دیکھنی نصیب ہوئی تھیں کہ بیماری نے آنکھوں سے محروم کر دیا۔ ذرا ہوش سنبھالا تو قرآن حفظ کرنے کے لیے اپنے علاقہ کے مکتب میں بھیج دیا گیا۔ چنانچہ چند برسوں میں حفظ قرآن سے فارغ ہو گیا۔

بچپن

اس کا بچپن بھی عجیب طرح گزرا۔ گھر کے ماحول پر توہم پرستی غالب تھی، جس نے بھوت پریت اور جنات کی دنیا آباد کر رکھی تھی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ یہ نابینا لڑکا جن بھوت کے خوف کا شکار ہو کر رہ گیا۔ بعض اوقات رات کے وقت اتنا خوفناک ہول طاری ہو جاتا کہ بے چارہ نیند تک سے محروم ہو جاتا۔

ایک دفعہ لڑکپن میں دستر خوان پر بیٹھا باپ کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا کہ والد نے آداب طعام کے بارے میں ٹوک دیا۔ بس پھر کیا تھا، طٰہٰ حسین بگڑ گیا۔ چند دنوں کے بعد والد نے سمجھا بجھا کر منا لیا، لیکن طبیعت میں حجاب سا پیدا ہو گیا اور برابر پچیس برس کی عمر تک کھانا الگ کمرے میں اکیلا کھاتا رہا۔ اس ٹوکنے کا نفسیاتی اثر اتنا گہرا ہوا کہ جب پہلی مرتبہ سفر یورپ اختیار کیا تو حجاب و شرم کے مارے جہاز کے کھانے والے کمرے کی طرف جانا تک گوارا نہ تھا۔ کھانا اپنے کمرے میں منگوا کر کھاتا رہا۔ جب بیاہ ہوا تو بیگم صاحبہ کے طفیل اس تنہائی سے رہائی ملی۔

بچپن میں قصے کہانیاں سننے کا بڑا شوق تھا۔ لڑائیوں اور جنگوں کے حالات، انبیاء اور صالحین کے قصے، نیز پند و نصیحت کی باتیں بڑے شوق اور دل جمعی سے سنتا۔[1]

گھر کا ماحول

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں مصری عورت کی یہ

[1] انور الجندی، طٰہٰ حسین، حیاتہ و فکرہ فی ضوء الاسلام، ص: ۱۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خصوصیت تھی کہ اسے چپ بیٹھنا نہ آتا تھا۔ جب وہ تنہا ہوتی اور باتیں کرنے کے لیے اسے کوئی شخص نظر نہ آتا تو پھر راگ چھیڑ دیتی۔ خوشی و مسرت کے عالم میں خوب ہی گاتی اور اگر کبیدہ خاطر اور غم زدہ ہوتی تو مرثیہ گوئی کرتی۔ ویسے تو مشرقی ممالک میں عورتوں کے لیے غم کی حالت طاری کر لینا بالکل معمولی بات ہے، لیکن مصری صنف نازک کو اس بارے میں بالخصوص ید طولیٰ حاصل تھا۔ وہ خلوت میں اپنے مردوں اور غم واندوہ کو یاد کر کے خوب روتی اور مرثیے پڑھتی۔ طٰہٰ حسین کی خوش قسمتی ملاحظہ ہو کہ اس ضمن میں اسے اپنی بہنوں کے پاس بیٹھ کر راگ گانے سننے کا بہت موقع ملا۔ اگرچہ بعض اوقات راگ بے معنی ہونے کی وجہ سے الٹا بگڑ جاتا، البتہ ماں کی زبان سے مرثیے سن کر بڑا متاثر ہوتا۔ اس طرح طٰہٰ حسین کو بچپن میں بہت سے گانے اور مرثیے زبانی یاد ہو گئے تھے۔[1]

سماج کے خلاف بغاوت

مصر میں یہ رواج تھا کہ جب بچہ قرآن حفظ کر لیتا تو اسے احترام کے طور پر شیخ کے لقب سے پکارا جاتا۔ طٰہٰ حسین نے قرآنِ مجید تو نو برس کی عمر سے پہلے ہی حفظ کر لیا تھا، جب اسے بھی شیخ کہہ کر پکارا جانے لگا تو اسے یہ خیال ہوا کہ میں تو ایک معصوم بچہ ہوں اور اپنے پرائے سب لوگ مجھے شیخ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس پر ستم یہ ہے کہ میرے والدین بھی اس جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اس خیال کا آنا تھا کہ اس ننھے دل میں دنیا کے خلاف نفرت و بغاوت کے جذبات کا تلاطم پیدا ہونے لگا۔ اس نے کہا کہ دنیا دھوکہ اور فریب کا گھر ہے۔ جھوٹ، نمائش، ریا کاری اور دغابازی لوگوں کا شیوہ ہے۔ بچہ تھا بڑا ذہین اور حساس اور ماحول بڑا قدیم طرز کا ہونے کے علاوہ تکلفات سے لبریز تھا۔ نفسیاتی نتیجہ یہ ہوا کہ طٰہٰ حسین کو دنیا والوں سے سخت نفرت ہونے لگی اور والدین بھی اس تیر کا ہدف بننے سے بچ نہ سکے۔ اپنے ماحول کے خلاف یہ جذبہ بغاوت اتنا مستحکم اور مضبوط ہوتا گیا کہ علم وادب بھی اس کا شکار ہو گئے۔ اس گوشے میں کلبیت اور باغیانہ جذبات تنقید جدید کی صورت میں رونما ہو کر ہر حسین و جمیل اور قدیم و متبرک

[1] انور الجندی، طٰہٰ حسین، حیاتہٗ وفکرہٗ فی ضوء الاسلام، ص: ۲۱۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چیز کو تخریب و بربادی کے ہاتھوں مسمار کر دینے پر تلے نظر آنے لگے۔ وہ نفسیاتی اثرات کے ماتحت مجبور ہو گیا کہ ہر پرانی روایت کو جھوٹ کا پلندا قرار دے۔ اس کے نزدیک ہر قدیم فلسفہ اور ہر پرانا عقیدہ خرافات سے زیادہ حقیقت نہ رکھتا تھا۔

باپ کی سخت گیری اور سنگدلی نے طٰہٰ حسین کے دل میں والدین کے خلاف غیر شعوری طور پر نفرت وحقارت کے جذبات پیدا کر دیے۔ اس کے ساتھ استادوں کے طرز عمل نے مصری مدرسوں اور مکتبوں نیز طریق تعلیم کے خلاف بغض وعناد کی زبردست لہر پیدا کر دی۔ مکتب اور استاد کے خلاف غیظ وغضب کے وفور کا یہ عالم تھا کہ طٰہٰ حسین لڑکوں کی بھری محفل میں استادوں کو بے نقط سنایا کرتا تھا۔

خدا کا کرنا ملاحظہ ہو کہ ان حالات کے ہوتے ہوئے پھر ایک مرتبہ طٰہٰ حسین کو تجوید اور قراءت قرآن کا شوق دامن گیر ہوا اور چند ماہ تک قرآن مجید کی تجوید سیکھتا رہا۔[1]

تحصیل علم

بارہ تیرہ برس تک مقامی مکتب میں استادوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کے بعد جامعہ ازہر قاہرہ میں داخل ہو گیا اور ۱۹۱۲ء تک دنیا کی اس قدیم یونیورسٹی میں تحصیل علم کرتا رہا۔ اس عرصے میں ابوتمام کا حماسہ، مبرد کی الکامل اور ابوعلی القالی کی امالی پر خوب عبور حاصل کر لیا۔ زمانۂ قیام ازہر میں شیخ سید علی مرصفی کی صحبت میں علمی وادبی ذوق نے بڑا نمو پایا۔ اس کے ساتھ ہی ۱۹۰۸ء سے جامعہ مصریہ کے سبقوں میں شرکت کرنے لگا۔ جامعہ ازہر سے فراغت کے بعد تمام وقت جامعہ مصریہ میں تحصیل علم کی نذر ہوتا رہا۔ اس دوران میں عربی ادب، لغت، فقہ، منطق، اصول صرف ونحو اور بلاغت کی تحصیل وتکمیل کر لی۔

اساتذہ مغرب کا اثر

ایک طرف طٰہٰ حسین طبعی ذہانت اور نفسیاتی اثرات کے ماتحت پرانے انداز و اسلوب کے خلاف باغی ہو چکا تھا، دوسری طرف جامعہ ازہر قدیم مدرسہ فکر کی ترجمان تھی

[1] انور الجندی، طٰہٰ حسین، حیاتہٗ وفکرہٗ فی ضوء الاسلام، ص:۲۵۔ نیز دیکھیے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، عنوان: طٰہٰ حسین: ۱۲/ ۵۹۸

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اس کے مقابلے پر جامعہ مصریہ جدید افکار و خیالات کی حامل۔ جامعہ مصریہ میں مغرب کے فاضل علماء کے ایک طبقہ کی موجودگی طلبہ کے لیے نئی ادبی قدریں اور فنی و علمی راہیں کھول رہی تھی۔ یہ سب چیزیں طٰہٰ حسین پر کچھ اس طرح اثر انداز ہو رہی تھیں کہ وہ زمانہ طالب علمی سے اپنے وقت اور ماحول سے بہت آگے نکل گیا۔ قدرت کے کھیل بھی کیا خوب ہیں۔ اگر اس نے بینائی سے محروم کر دیا تو بصارت کی کمی کو پورا کرنے کے لیے شوخی اور حاضر جوابی کوٹ کوٹ کر بھر دی۔ ایسے تیز طرار طالب علم سے قدیم وضع کے اساتذہ کب خوش رہ سکتے تھے۔ جامعہ ازہر کے معلّمین اس کے الٹے سیدھے سوالوں اور اعتراضات سے تنگ آ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسے بیک بینی و دوگوش پکڑ کر جامعہ ازہر سے باہر نکال دیا۔ یہ حریت فکر کی پاداش میں کوئی بہت بڑی سزا نہ تھی۔ ازہر یونیورسٹی سے تعلقات منقطع ہو جانے کے بعد طٰہٰ حسین کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ حکومت کی بنا کردہ جامعہ مصریہ میں مستقل طور پر منتقل ہو جائے۔ اس یونیورسٹی میں مشہور مستشرقینِ مغرب کی صحبتوں سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔ اطالوی پروفیسر نیلینو، الانوی، فاضل پروفیسر لٹ من اور پروفیسر سٹیلینہ کی زیر نگرانی علمی تحقیقات کے میدان میں کمال کر دکھایا اور ۱۹۱۴ء میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند امتیازی شان سے حاصل کی۔ طٰہٰ حسین پہلا طالب علم تھا جس نے جامعہ مصریہ سے ڈگری حاصل کی۔ اس ڈگری کے لیے طٰہٰ حسین کے تحقیقی مقالے کا عنوان ابوالعلاء المعری کی شاعری تھا۔ بعد ازاں اس مقالہ کو ۱۹۱۵ء میں زیور طباعت سے آراستہ کر کے کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا۔ اس میں پانچ باب ہیں۔ پہلے اور دوسرے باب میں ابوالعلاء معری کا زمانہ، اس کا عہد، علم و ادب اور ذاتی حالات سے بحث کی گئی ہے۔ تیسرے میں اس کی ادبی خدمات، چوتھے میں اس کے علمی کارنامے اور پانچویں میں اس کا فلسفہ قلم بند کیا گیا ہے۔[1]

فرانس میں

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی علمی قابلیت اور ذہنی استعداد کے پیش نظر حکومت مصر نے اسے

[1] دیکھیے: طٰہٰ حسین، تجدید ذکری ابی العلاء، دارالمعارف مصر، Ph.D کا یہ مقالہ جامعہ مصریہ میں ۱۹۱۴ء میں پیش کیا گیا۔ بعد ازاں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل ہوئی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۹۱۴ء میں وظیفہ دے کر تکمیل علم کی خاطر فرانس بھیج دیا۔ پیرس پہنچ کر اس ہونہار طالب علم نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ فرانسیسی زبان سیکھی۔ ساتھ ہی یونانی اور لاطینی زبانوں میں بھی خوب دسترس حاصل کر لی۔ بعد ازاں سار بونِ یونیورسٹی[۱] میں داخل ہو کر فلسفہ اور تاریخ قدیم کا مطالعہ شروع کر دیا اور ابن خلدون کے فلسفۂ اجتماع پر فرانسیسی زبان میں ایک تحقیقی اور تنقیدی مقالہ سپرد قلم کر کے پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند حاصل کر لی۔ قیام پیرس کے زمانہ میں ایک فرانسیسی لڑکی سے بیاہ کر لیا، جس کے بطن سے اولاد بھی ہوئی۔

پروفیسری

جب ڈاکٹر طٰہٰ حسین ۱۹۱۹ء میں مصر واپس آیا تو قدیم مصری یونیورسٹی میں تاریخ قدیم کا پروفیسر مقرر کر دیا گیا۔ اس حیثیت میں کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد ڈاکٹر طٰہٰ حسین کو جامعہ مصر میں عربی ادب کا پروفیسر بنا دیا گیا اور مدت تک اس یونیورسٹی میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتا رہا۔ پھر حالات غیر موافق ہونے کی وجہ سے استعفاد دینے پر مجبور ہو گیا۔

بحیثیت صحافی

وطن واپس آنے کے بعد ڈاکٹر موصوف کے سامنے علم و ادب کا ایک وسیع میدان تھا۔ شروع شروع میں اس نے اشہب قلم کی ترکتازیوں اور سمند فکر کی جولانیوں کے لیے ڈاکٹر محمد حسین ہیکل[۲] کے ''جریدۃ السیاسۃ'' کو منتخب کیا اور اس میں ادبی و سیاسی مقالات لکھنے شروع کیے۔ تھوڑے ہی عرصے میں ان مقالات کی دھوم مچ گئی۔

ادب و نقد

فنی اعتبار سے طٰہٰ حسین میں کئی خوبیاں ہیں۔ وہ صنعت کی نسبت فن کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ اس کے نزدیک ادبی قدر و قیمت اور افادی زاویۂ نگاہ سے اس موضوع کو شرف اولیت حاصل ہے اور عبارت کو ثانوی حیثیت۔ ہمارا یہ نابینا ترقی پسند ادیب

---

۱ پیرس، فرانس کی مشہور یونیورسٹی، یورپ کی صفِ اوّل کی جامعات میں سے ایک ہے۔

۲ محمد حسین ہیکل (۱۸۸۸-۱۹۵٦ء) مشہور مصری شاعر، ادیب، سیاستدان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پرانے طرز کے عربی ادیبوں سے بہت ممتاز اور بلند ہے۔ پرانے ادیب قدیم عربی ادب کے تنگ دائرے سے باہر قدم نہ رکھ سکے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان لوگوں نے شاندار قصیدے لکھے۔ ان کے الفاظ میں شان وشکوہ اور جملوں میں بانکپن بھی موجود ہے، لیکن ان کی معلومات محدود، ان کا انداز فرسودہ اوران کے خیالات وافکار میں جدت و ندرت کا فقدان ہے۔ جب وہ اجتماعی مسائل پر قلم اٹھاتے ہیں تو جمہور کے جذبات کی ترجمانی کرنے سے یکسر قاصر نظر آتے ہیں۔

ان کے مقابلے میں طٰہٰ حسین مغربی زبانوں کو اسی سہولت اور آسانی سے سمجھتا ہے جس طرح عربی کو۔ وہ فرانس کے جدید شاعروں پر اسی روانی اور سلاست سے لکھتا ہے جس طرح عربی شاعروں پر۔ یونانی فلسفیوں کے نظریے اور ان کی علمی کاوشیں اس کے سامنے ہیں اور مغرب کے تنقیدی معیارات اس کے پیش نظر۔ یہ درست ہے کہ پرانے ادیبوں جیسے پرشوکت الفاظ اس کے ہاں ناپید ہیں۔ وہ شعر وشاعری بھی نہیں کرتا۔ اس کے باوجود وہ عربی علوم وفنون سے پوری طرح آگاہ ہے۔ جدید تقاضوں اور اجتماعی و سیاسی گتھیوں کو خوب سمجھتا ہے۔ اُسے تنقید جدید میں پوری مہارت حاصل ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اب ادب اور ادبی قدریں مقامی نہیں رہیں، بلکہ جغرافیائی اور ملکی حدود کو توڑ کر عالمگیر ہوگئی ہیں۔ طائر فکر کی پرواز سے تمام قیود اور پابندیاں اٹھادی گئی ہیں۔ اب مشرق ومغرب کی وسعتیں اس کی پرواز کے لیے ہیں۔[1]

طٰہٰ حسین جمہور کی زبان میں لکھتا ہے اور انسانوں کو سمجھنے کے لیے بولتا ہے۔ اس کے الفاظ کی قدر و قیمت یہی ہے کہ لوگ بآسانی سمجھ سکیں، نہ یہ کہ تقریر وتحریر ایک معمہ بن کر رہ جائے۔ اس کے ہاں خیالات کی جدت کے ساتھ نئے مضامین کی فراوانی موجود ہے۔ وہ مسائل حاضرہ پر لکھتے وقت اجتماعی تقاضوں کو نہیں بھولتا۔ طٰہٰ حسین کی تحریر میں ایک خوبی یہ ہے کہ اس کے ہاں پرانے ادیبوں کا حسن و جمال اور جدید انشا پردازوں کی سلاست موجود ہے۔

---

[1] جدید ادبی مکاتب فکر کے لیے دیکھیے: مصطفیٰ عبداللطیف السحرتی، الشعر المعاصر علی ضوء النقد الحدیث، مطبعۃ المقتطف ۱۹۴۸ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کا مطمحِ نظر یہ ہے کہ علم وادب کو مغربی زاویوں سے دیکھا جائے۔ زندگی اور ادب کے درمیان ایک تعلق اور لگاؤ پیدا کر دیا جائے۔ جدید تنقیدی معیاروں سے عربی ادب اور تاریخ کو جانچا جائے۔ اس کے علاوہ صفائی اور پاکیزگی کا جذبہ اور خیالات کی آزادی طٰہٰ حسین کے ادبی انداز کو بلند کر دیتی ہے۔

بے باکی

مصر کے مشہور ادیب اور نقاد سلامہ موسیٰ کا خیال ہے کہ طٰہٰ حسین کا اخلاص اسے دوسرے ادیبوں سے بہت ممتاز بنا دیتا ہے۔ مصری ادیبوں میں طٰہٰ حسین رندانہ جرأت کا مالک ہے۔ جو کچھ سوچتا ہے بڑی بے باکی سے کہہ دیتا ہے اور لکھتا وہی بات ہے جو اس کے ذہن میں درست ہوتی ہے۔ وہ مطلق پروا نہیں کرتا کہ نتیجہ کیا ہوگا۔ اس کے نزدیک حق گوئی میں علم وادب کی روح برقرار ہے۔ وہ اس طریق کار کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل تصور کرتا ہے۔

تاریخ عالم میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے پھر ایک مرتبہ یہ ثابت کر دیا کہ آنکھوں کی محرومی کے باوجود ہر قسم کے علم وفن کی تحصیل عین ممکن ہے۔ یہ درست ہے کہ آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور خود ڈاکٹر موصوف نے بھی اس چیز کو محسوس کیا۔ وہ تاریخ پڑھاتے ہوئے کبھی کبھی یہ کہا کرتا تھا: کاش! میں اس قابل ہوتا کہ آثار قدیمہ کو جا کر دیکھوں اور عمارتوں اور کھنڈرات سے اپنی تاریخی معلومات میں اضافہ کروں۔ مگر اس کے باوجود اس نے عملی طور پر دکھا دیا کہ بصارت کی محرومی عزم وارادہ کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔[1]

خطابت

ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصر میں بہترین مقرر اور خطیب خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی شعلہ مقالی اور جادو بیانی کی اتنی دھوم ہے کہ اس کی تقریر سننے کے لیے لوگ کارواں در کارواں آتے تھے اور بڑے سے بڑا ہال بھی کھچا کھچ بھرا ہوا ہوتا تھا۔ ہجوم اور بھیڑ کی کثرت کے سبب پولیس کو اکثر مداخلت کرنا پڑتی تھی۔

---

[1] بطور مثال دیکھیے: عبدالرشید الصادق (تحقیق)، طٰہٰ حسین، الکتابات الاولیٰ، دارالشروق، ۲۰۰۲ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نظریے

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا خیال ہے کہ سائنس اور جدید تحقیق وتفحص کے میدان میں ہمیں مغرب کو اپنا استاد بنانا چاہیے، مگر فن، ادب اور اجتماعی اور معاشرتی مسائل میں ہمیں اپنی آزادی اور انفرادیت نمایاں طور پر قائم رکھنی چاہیے، کیونکہ ہم ایک مستقل ادب، فن اور معاشرہ کے مالک ہیں۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ مذہب اور سیاست کی حدود الگ الگ ہیں۔ اس کے نزدیک مذہب ایک ذاتی اور انفرادی معاملہ ہے، لیکن سیاست ایک اجتماعی مسئلہ ہے۔ مذہب کو سیاست اور سائنس کے معاملات اور حدود میں دخل نہیں دینا چاہیے۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے ادبی رجحانات اور تنقیدی میلانات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس اصلاحی اور سیاسی ماحول کو نظر انداز نہ کیا جائے جو مفتی محمد عبدہٗ اور ان کے رفقائے کار کی بدولت مصر میں پیدا ہو چکا تھا۔ ان کا لائحہ عمل دینی اور اجتماعی اصلاح تھا لیکن ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے ادبی اور تنقیدی دونوں کام اپنے ملک اور زبان کے معیار کو بلند کرنا چاہتے تھے، لیکن طریقے دونوں کے مختلف تھے۔[1] البتہ ایک چیز بڑی اہم ہے کہ مفتی محمد عبدہٗ اور ڈاکٹر طٰہٰ حسین دونوں مغربی زبانوں کے جاننے پر بہت زور دیتے ہیں۔ اگرچہ دونوں کا زاویۂ نگاہ الگ الگ ہے۔ مفتی اور ان کا مدرسۂ فکر تو اقوام مغرب سے رابطہ قائم کرنے کے لیے مغربی زبانوں کی اہلیت کو سیکھنا ضروری خیال کرتا ہے۔

ڈاکٹر موصوف نے بہت سی کتابیں اور بے شمار علمی و ادبی مقالات شائع کیے ہیں اس کی ایک کتاب یعنی اسلام سے پہلے کی عربی شاعری کی اشاعت پر بڑا شور وغل ہوا۔ کفر کے فتوے صادر کیے گئے۔ حکومت سے رابطہ کیا گیا کہ اس کتاب کے مصنف کو یونیورسٹی کی ملازمت سے علیحدہ کر دیا جائے۔ اس کی مشہور کتابوں میں "شعر الجاهلی، ذکر أبی العلاء، الأیام، قادة الفکر، حدیث الأربعاء، قصص تمثیلیه، فصول فی الادب، النقد مع المتبنی اور الفتنة الکبری" قابل ذکر ہیں۔

[1] طٰہٰ حسین کو اپنے متجددانہ افکار کی وجہ سے بہت زیادہ نقد کا سامنا کرنا پڑا۔ دیکھیے: محمود مہدی (مرتب) طٰہٰ حسین فی میزان العلماء والادباء، المکتب الاسلامی ۱۹۸۳ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وزارت تعلیم

۱۹۵۰ء کے نصف اول میں نحاس پاشا کی وزارت میں قلمدان وزارت تعلیم ڈاکٹر طٰہٰ حسین کو سونپا گیا۔ اس مختصر عہد وزارت میں طٰہٰ حسین نے یورپ اور امریکہ کے کئی سفر کیے اور وہاں کی علمی و سیاسی مجلسوں میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ [۱،۲]

---

۱ تفصیل کے لیے دیکھیے: الزرکلی، الأعلام: ۳/۲۳۱ و أحمد شوقی، ضیف الأدب العربی المعاصر فی مصر، ص: ۲۷۷ والسید مرسی أبوذکری، القال وتطورہ فی الأدب العربی، ص: ۲۰۳

۲ طٰہٰ حسین کے محاسن علمی میں جامعہ اسکندریہ (۱۹۴۲ء) اور جامعہ عین شمس کی تاسیس بھی شامل ہے۔ اول الذکر یونیورسٹی کا وہ ڈائریکٹر بھی رہا۔ اسے علمی مہارت کے اعتراف میں ۱۹۵۰ء میں وزیر معارف بھی تعینات کیا گیا۔ اس کا انتقال ۱۹۷۳ء میں ہوا۔ مرتب۔ مقالے کے بیشتر حصے پر تعلیق از محمد زکریا رفیق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ادب واقبالیات

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سر رابندر ناتھ ٹیگور

(پروفیسر صاحب کے زمانۂ طالب علمی کی ایک تحریر)[1]

ٹیگور (۱۹۴۱-۱۸۶۱ء) بنگالی زبان کا نوبل انعام یافتہ شاعر، فلسفی، افسانہ نگار اور ناول نگار تھا۔[2] اسے بنگالی زبان کا شکسپیئر بھی کہا جاتا ہے۔ اس نے اپنی آخری عمر میں یورپ، امریکا اور روس سمیت تمام ترقی یافتہ ملکوں میں اپنے لیکچرز پیش کیے۔ پروفیسر صاحب نے اس کے علمی کارناموں اور ادب کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

پروفیسر صاحب کی یہ کاوش اسلامیہ کالج کے مجلّہ ''کریسنٹ'' میں ۱۹۲۸ء میں شائع ہوئی۔ اُس وقت پروفیسر صاحب کی عمر انیس سال تھی اور وہ ایف۔ اے کے طالب علم تھے۔ یہ نادر و نایاب تحریر پروفیسر صاحب کا اوّلین قلمی نثر پارہ ہے۔ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات، اس کاوش سے معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر صاحب نوعمری ہی میں علم، ادب اور تحقیق کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ پروفیسر صاحب کی زیر نظر کاوش، ایک مبتدی طالب علم ہونے کے باوجود پختہ بھی ہے اور ادبی نزاکت ولطافت سے بھرپور بھی۔ عمر و تجربہ بڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ کے اسلوب تحریر میں ارتقا واقع ہوا۔

ابتدائی حالات

۱۸۶۱ء کا ذکر ہے کہ ہندوستان کے گلستانِ ادب میں باغبان جہاں نے ایک نیا پودا لگایا۔ جس کی کلیاں چٹکیں اور پھول کھلے۔ جنھوں نے تمام گلستانِ ادب کو معطر کر دیا۔ ان کی عطر بیزی صرف یہیں تک محدود نہیں رہی، بلکہ گرد و پیش کی تمام ادبی فضا اس خوشبو سے مہک اٹھی۔

سر رابندر ناتھ کو ابھی کتم عدم سے وجود میں آئے کچھ بہت عرصہ گزرنے نہ پایا تھا

[1] کریسنٹ، (اسلامیہ کالج لاہور) ستمبر و اکتوبر ۱۹۲۸ء، جلد: ۲۳، شمارہ نمبر ۱۔
[2] تفصیل کے لیے دیکھیے: وزیر حسین دہلوی، رابندر ناتھ ٹیگور، ٹیگور صد سالہ کمیٹی حیدر آباد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ ماں اپنے لختِ جگر کو آسمانِ شہرت کا آفتاب بن کر چمکتا دیکھنے کی تاب نہ لا کر قضا و قدر کی آواز پر لبیک کہہ کر اس ننھے سے بچے کو اپنی آغوش سے نکال کر قدرت کے گہوارے میں لٹا کر ہمیشہ کے لیے داغِ مفارقت دے گئی۔ وہ جانتی تھی کہ ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی
مے تافت ستارۂ بلندی

ٹیگور اپنی ''جیون سمرتی'' میں اپنے ایامِ طفولیت کے متعلق اس طرح رقم طراز ہیں:

''میں بہت ہی حسین و جمیل تھا۔ میرے بچپن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ میں بہت ہی پیارا اور دلکش تھا۔ میں بابا (والد) کے پاس شاذ و نادر ہی جایا کرتا تھا۔ تمام گھر ان کے خوف و دبدبے سے خوف زدہ و مرعوب رہتا۔ میں نوکروں کی حفاظت میں تمام دن اس طرح رہتا جیسے کوئی (پولیٹیکل بنگالی) قیدی پولیس کی حراست میں۔ ہر روز مکان کے باہر کی جانب والی کھڑکی میں بیٹھ کر دماغ میں تمام دنیا کا نقشہ کھینچا ہوتا (جیسے کوئی کانگرس یا خلافتی قیدی منٹگمری[1] یا میانوالی کے جیل میں)۔ جہاں تک میرا حافظہ کام دیتا ہے، میں فطرت کا شیدائی تھا۔ آہا! جب بادل یکے بعد دیگرے آفتاب عالم تاب کو ہماری نظروں سے اوجھل کر دیتے تھے تو میں خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ میں اس بچپن ہی میں محسوس کرتا تھا کہ میرا ایک رفیقِ مشفق ہے اس سے مجھے بہت محبت ہے، بڑا پیار ہے۔ اگرچہ میں یہ نہ جانتا تھا کہ اس محبوب کو کس نام سے یاد کروں اور کیسے بلاؤں۔ مجھے فطرت کے ساتھ بہت ہی گہری محبت تھی۔ جس کے اظہار کے لیے میرے پاس الفاظ کا کافی ذخیرہ موجود نہیں ہے۔''[2]

ٹیگور کے والد بزرگوار مہرشی دوندرا ناتھ ٹیگور بڑے بزرگ و متقی تھے اور تمام بنگال

---

[1] موجودہ ضلع ساہیوال۔

[2] دیکھیے: صفدر حسین، رابندر ناتھ ٹیگور، مکتبہ جامعہ نئی دہلی لمیٹڈ، ۱۹۶۷ء، ص: ۵-۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں آپ کی پارسائی و پاکبازی کا شہرہ تھا۔

۱۹۱۳ء میں مسٹر سی۔ ایف۔ انڈریوز نے وائسرایکل لاج شملہ میں ٹیگور پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"ٹیگور نے مجھ سے اپنے والد ماجد کے متعلق یوں اظہار خیال کیا کہ ایام طفولیت میں میں ان سے لرزاں و ترساں رہتا۔ جب میں ان کو دیکھ پاتا تو مجھ پر رعشہ طاری ہو جاتا۔ ان کے دبدبہ و رعب کا یہ حال تھا کہ جب تک وہ گھر میں تشریف فرما رہتے۔ تمام گھر شہرِ خموشاں کا نقشہ بنا رہتا۔ ٹیگور نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ جب میری والدہ ماجدہ اس جہانِ فانی کو چھوڑ کر راہی ملکِ عدم ہوئیں تو ان کی موت کی گہری نیند سوتے دیکھ کر مجھ پر نہ تو کوئی رقت طاری ہوئی اور نہ میری آنکھوں میں آنسو ہی ڈبڈبائے کیونکہ میں جانتا ہی نہ تھا کہ موت کیا چیز ہے۔"

سر رابندر ناتھ ٹیگور کے بڑے بھائی دوجندر ناتھ ٹیگور ایک شہرۂ آفاق فلاسفر ہیں۔ ان سے چھوٹے رابندر ناتھ سے بڑے بھائی، پہلے ہندوستانی ہیں جنھوں نے انڈین سول سروس (آئی سی ایس) کا امتحان پاس کیا۔ ٹیگور کے دو چچازاد ہندوستان کے مشہور ترین مصوروں میں سے خیال کیے جاتے ہیں۔[1]

ٹیگور کی ابتدائی زندگی ان عام لڑکوں کی سی ہے جو لکھنے پڑھنے سے نفرت کرتے اور سکول جانے کو عار سمجھتے ہیں، جو استادوں کو صرف اس لیے حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ وہ استاد ہیں۔ جو استاد کی ضَرَبَ یَضرِبُ کی گردان کے خوف اور اس کی قہرمانی نگاہوں کے خطرے سے محافظت کی ترکیب میں طرح طرح کے بہانے تراشتے اور حیلے سوچتے ہیں۔ کبھی بیمار بنتے ہیں، کبھی دردِ سر کا بہانہ کرتے ہیں۔ کبھی کسی ہمسائے یا رشتہ دار یا اپنی کسی بڑھیا دادی یا نانی (جو پہلے ہی اس دنیا کو خیر باد کہہ گئی ہوتی ہے) کی موت کی خبر استاد کو جا سناتے ہیں۔ اور اس میں وہ اختراعات کرتے ہیں جو نیوٹن اور ڈارون کو

[1] عبدالسلام ذکی، عالمی شاعر یعنی ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور، حیدر آباد، ۱۹۶۱ء ص: ۳-۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی نہ سوجھی ہوں بعینہٖ یہ حال ہمارے اس زندۂ جاوید شاعر کا تھا۔ جنھوں نے آخرکار گھر ہی میں استاد رکھ کر حصول تعلیم میں انہماک شروع کیا۔

بچپن ہی میں طبیعت شاعری اور موسیقی کی طرف مائل تھی۔ جب کبھی کسی شاعر کو شعر کہتے یا خوش الحان گویے کو گاتے سن پاتے تو اس قدر متاثر ہوتے کہ وجد ہی میں آ جاتے۔ چونکہ شاعری اور موسیقی سے فطری لگاؤ تھا، اس لیے ضروریاتِ شعری و موسیقی کو نہایت غور و توجہ سے ماہرانِ فن اور استادانِ کامل سے بہت کوشش سے حاصل کیا اور یہی وجہ ہے کہ آج اس شعر کے مصداق بن رہے ہیں ؎

كَذَا مَنْ عَاشَرَ الْعُلَمَاءَ طِفْلًا

يَكُونُ إِذَا نَشَأَ شَيْخًا أَدِيبًا

ٹیگور کسی یونیورسٹی میں تعلیم پا کر شاعر نہیں بنے بلکہ آپ نے استاد فطرت کے سامنے زانوئے ادب تہ کر کے شاعر ہونے کا فخر حاصل کیا۔ چنانچہ انھوں نے ''نوبل پرائز'' حاصل کر کے ثابت کر دیا کہ انسان بغیر کسی یونیورسٹی میں تعلیم پانے کے بھی دنیائے علم و ادب میں شہرت حاصل کر سکتا ہے۔[1] یہ پہلے ہندوستانی ہیں جنھوں نے ''نوبل پرائز'' حاصل کر کے ہندوستان کا نام روشن کیا۔ ایک انگلش اخبار یوں رقم طراز ہے:

''اگر ٹیگور کسی یونیورسٹی میں تعلیم پاتے تو زیادہ سے زیادہ بیرسٹر یا پروفیسر بن سکتے تھے اور بس۔''

ٹیگور کو عالم وجود میں آئے سترہ برس ہونے کو تھے کہ انگلستان جانے کا اتفاق ہوا۔ گئے تو قانون پڑھنے تھے لیکن مادر چہ خیالیم و فلک در چہ خیال۔ ایک سال تک مسٹر جان مارلے کی زیرنگرانی علم ادب کا مطالعہ کرنے کے بعد واپس چلے آئے۔ مقنن بننا اپنی فطرت کے خلاف سمجھ کر دل چھوڑ بیٹھے اور خیالات کو بصورت اشعار صفحۂ قرطاس پر لانا شروع کیا۔ بحالیکہ زبان پر یہ جاری تھا۔ آنچہ اُستاد ازل گفت ہماں می گویم، جس سے چار دانگ عالم میں مشہور ہو گئے۔[2]

---

[1] صفدر حسین، رابندر ناتھ ٹیگور، ص:۳۹

[2] صفدر حسین، رابندر ناتھ ٹیگور، ص:۱۴

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ٹیگور کی قادر الکلامی اور شاعری

ٹیگور کی قادر الکلامی اور جدت طرازی مشہور ہے۔ گانے میں اس درجہ دسترس حاصل ہے کہ جب گاتے ہیں تو لوگوں پر بیہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ آواز اس قدر دلکش ہے کہ لوگ منہ تکتے رہ جاتے ہیں کہ ٹیگور کس انداز سے گاتے ہیں۔ ٹیگور گانے میں ابراہیم بن مہدی مغنی خلیفہ مامون کو بھی مات کرتے ہیں۔ آپ کا کلام تصوف و معرفت سے بھرا پڑا ہے۔ ٹیگور کو بنگالی زبان میں وہی درجہ اور مرتبہ حاصل ہے جو اس وقت فارسی اور اردو میں علامہ سر اقبال کو ہے یا فارسی میں حافظ سعدی اور جامی کو۔ اردو میں غالب کو، انگریزی میں شکسپیئر کو اور پنجابی میں وارث شاہ کو تھا۔ ٹیگور نے سولہ برس کی عمر تک کہے ہوئے اشعار کا مجموعہ ''بہنو سمتھ'' کے نام سے شائع کیا۔ اس کے بعد سندھیا سنگت اور پردت سنگت یعنی شام کے گیت اور صبح کے گیت کے نام سے دو کتابیں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر ناظرین کی نظروں سے گزریں۔ جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہہ رہے ہیں۔ سندھیا سنگت میں سب سے زیادہ دلچسپ ایک ستارے کی موت ہے۔ اور بھی بہت سے دلچسپ اور درد انگیز گیت درج ہیں۔ پردت سنگت تو معرفت سے لبریز ہے۔ ان دونوں کتابوں نے بنگالی زبان میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ ٹیگور کی شاعری کا یہ دور اوّل تھا۔[1]

تیس سال کی عمر میں اپنی زندگی کے دوسرے دور میں قدم رکھا۔ یعنی شاعرانہ تخیلات میں مد و جزر کو اعتدال پر لانے کے لیے شریکِ زندگی تلاش کیا۔ ۱۸۸۷ء سے ۱۸۹۶ء تک عشق و محبت کے پاکیزہ جذبات کا اظہار بصورت اشعار کرتے رہے، پھر شاعری نے مذہب و فلسفہ کا رنگ بدلا۔ اسی سال آپ کی شریکِ زندگی آپ کو تنہا شاعرانہ تغزل میں محو چھوڑ کر دارِ فانی کو خیر باد کہہ گئیں۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد آپ کی ایک لڑکی اور سب سے چھوٹا لڑکا جو آغوش مادر سے زیادہ دیر تک بچھڑا رہنا پسند نہ کرتے تھے۔ اسی شہرِ خموشاں میں ہمیشہ کے لیے گہری نیند جا سوئے۔

[1] شاعری کے نمونوں کے لیے دیکھیے: مجلّہ انشاء کلکتہ، جنوری ۲۰۱۲ء، ٹیگور کے گیت، خصوصی شمارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سر رابندر ناتھ ٹیگور کہا کرتے تھے کہ ان صدمات نے مجھے صبر و تحمل کا سبق دیا اور میں نے اس وقت سے موت کی حقیقت کو سمجھا۔ اس کے بعد اور بہت سی کتابیں معرض وجود میں آئیں۔ جنھوں نے ٹیگور کو آسمان ادب کے درخشندہ تاروں میں جگہ دی اور یہی وجہ ہے کہ آج مشرق و مغرب ٹیگور کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ [۱، ۲]

عبدالقیوم

۱۔ ٹیگور کے فکر و فن کے لیے دیکھیے: وہاج الدین علوی، شہزاد انجم (مرتبین)، رابندر ناتھ ٹیگور، فکر و فن کے ہزار رنگ، نئی دہلی

۲۔ ذیلی سرخیاں از ادارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اقبال کا تصورِ ختمِ نبوت[۱]

حیوانوں اور نباتات کو وحی الٰہی

اقبال کے نزدیک وحی ایک ایسا خاصۂ حیات ہے جو نہ صرف انسان سے مخصوص ہے بلکہ حیوانات اور نباتات میں بھی پایا جاتا ہے۔ یہ اس خاصے ہی کی کارفرمائی ہے کہ پودا زمین کی پنہائیوں میں سے آزادانہ سر نکالتا ہے، حیوان میں ایک نئے ماحول کے مطابق کوئی نیا عضو نشو ونما پاتا ہے، اور انسان خود اپنی ذات اور وجود میں زندگی کی گہرائیوں سے نور اور روشنی حاصل کرتا ہے۔[۲] اس نظریے کی جیسا کہ وہ خود بھی کہتے ہیں، قرآنِ حکیم سے بجا طور پر تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ ''ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی فطرت بخشی اور اسے ہدایت دی۔'' (۵:۲۰) سورۃ النحل میں ہے کہ ''تمھارے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کو وحی کر دی ہے کہ پہاڑوں اور درختوں میں اور چھتریوں میں، جو لوگ بناتے ہیں، گھر بناؤ۔'' (۶۸:۱۶) اس طرح وحی ایک ایسا شعورِ حیات ہے، جس کی روشنی میں ہر ذی حیات سرگرم عمل ہے۔ یہ شعور اس کی جبلت اور طینت میں خمیر کر دیا گیا ہے۔ اس کی بدولت اسے علم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا، وہ مقاصد کیا ہیں، جن کے حصول کے لیے اسے جدوجہد کرنا ہے اور وہ وسائل و ذرائع کیا ہیں جن کے استعمال سے ان مقاصد کا حصول ممکن ہے۔

---

۱ ماخوذ از ''اقبالیات کے سو سال''، منتخب مضامین (۱۹۰۱ء–۲۰۰۰ء)، مرتبین: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، محمد سہیل عمر، ڈاکٹر وحید عشرت، اکادمی ادبیات اسلام آباد، پاکستان، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور۔ طبع دوم، ۲۰۰۷ء، ص: ۴۵۳–۴۶۹۔ یہ مضمون مجلہ اقبالیات لاہور میں ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا۔

۲ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، مترجمہ: سید نذیر نیازی، ص: ۱۹۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حشرات الارض اور حیوانات کے افعال ان کی جبلتوں کے تابع ہوتے ہیں، جن کے بارے میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ شعور سے خالی ہوتے ہیں، لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ ان افعال کے سائنسی مطالعے کے بعد ماہرین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جبلی افعال میں بھی شعور کا عنصر موجود ہوتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ کسی جبلی فعل کے تصور کے بعد یہ فعل بذات خود اتنی جلدی واقع ہو جاتا ہے کہ تصور فعل اور فعل کے درمیان کوئی وقفہ نہیں رہتا۔ شعور کا انحصار اس وقفے پر ہے جو تصور اور فعل کے درمیان ہوتا ہے۔ جبلی کردار خواہ کتنا ہی لاشعور کیوں نہ ہو، وقوفی عنصر کا حامل ہوتا ہے۔ جو وقوف جبلی افعال سے وابستہ ہوتا ہے، وہ شعور باطن میں منعکس ہونے کے بجائے خارجی حرکات میں ظاہر ہوتا ہے۔ جبلت سے وابستہ شعور مضمن ہوتا ہے نہ کہ واضح۔ اس لیے ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ حیوانات کے جبلی افعال کا ارتکاب جس صحت اور نظم سے ہوتا ہے اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ حیوان اپنے جبلی افعال کا ارتکاب ایسے کرتا ہے، جیسے اس ارتکاب کے دوران تمام حرکات وسکنات اور ان کے نتائج کا شعور اس کو اس طرح ہو جیسا کہ انسان کو اپنے شعوری افعال کی منصوبہ بندی اور ان کے واقعی ارتکاب کے وقت ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کا وہ شعور جس کی بدولت وہ اپنی زندگی کا نصب العین متعین کرتا ہے اور اس کے حصول کے لیے کوئی واضح لائحہ عمل تجویز کرتا ہے، اگرچہ تعقل و استدلال سے یا تجربے سے حاصل ہوسکتا ہے، لیکن جب ایسے شعور کی کیفیت وجدانی ہو تو وہ حیوانات کے شعور سے، نوعیت کے لحاظ سے، مختلف نہیں ہوتا۔ یہ خفی شعور جو حیوانات میں ان کے افعال کے ساتھ غیر واضح شکل میں وابستہ ہوتا ہے اور وہ شعور جو انسان کو وجدان کے ذریعے حاصل ہوتا ہے، اقبال کی نظر میں وحی ہے۔

انسان کا علم بالوحی کا منبع داخلی ہے یا خارجی؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے وجدانی شعور کے سرچشمے کی نوعیت کیا ہے۔ اس سوال کا ایک سیدھا سادہ جواب یہ ہوسکتا ہے کہ جس طرح حیوان میں اس کا شعور اس کی جبلت کا ایک حصہ ہے، اسی طرح انسان کا وجدانی شعور اس کی جبلت اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فطرت کا ایک حصہ ہے۔ لیکن یہ جواب اسی مسلمہ نظریے کی نقیض ہے کہ وحی انسان کو خدا کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں علم بالوحی کا ماخذ خارجی ہے۔ یعنی نہ تو یہ اس کی جبلت میں ودیعت ہے اور نہ اس کا خود پیدا کردہ ہے۔ اس کا منبع کوئی مافوق الفطرت ذات ہے۔ اس تضاد کو اس امر سے بھی تقویت ملتی ہے کہ اقبال نبوت کی تعریف کرتے ہیں کہ

''یہ شعور ولایت کی وہ شکل ہے جس میں واردات اتحاد اپنے حدود سے تجاوز کر جاتی ہے اور ان قوتوں کی پھر رہنمائی یا از سرِ نو تشکیل کے وسائل ڈھونڈتی ہے جو حیات اجتماعیہ کی صورت گر ہیں۔ گویا انبیاء کی ذات میں زندگی کا متناہی مرکز اپنے لامتناہی اعماق میں ڈوب جاتا ہے تو اس لیے کہ پھر ایک تازہ قوت اور زور سے ابھر سکے۔'' [۱]

ظاہر ہے کہ یہاں اقبال علم بالوحی کا منبع انسان کی اپنی ذات کو سمجھتے ہیں نہ کہ کسی خارجی ذات کو۔ اس ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ وہ Infinite (لامتناہی) کے لفظ کو بڑی ''I'' سے نہیں لکھتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو کہا جا سکتا تھا کہ اس لامتناہی سے ان کی مراد کوئی خارجی قوت یا خدا تھی۔ اقبال اس تضاد کو یہ کہہ کر رفع کر سکتے ہیں کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ کائنات فطرت کی ہر شے وحی سے متصف ہے اور انسانی اور حیوانی مخلوق اس فطرت کا ایک حصہ ہے جو خدا کی بنائی ہوئی ہے، تو حیوان کا جبلی شعور اور انسان کا وجدانی شعور دونوں خدا کی بنائی ہوئی فطرت کا تقاضا ہونے کے باعث خدا کے عطا کردہ ہیں۔ اس طرح ہم جائز طور پر یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسان کے ضمن میں علم بالوحی کا مبدأ خدا ہے۔ اس پر معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ جس طرح ہم اس شعور کو جسے اقبال وحی کہتے ہیں، حیوانات کے ضمن میں، خدا کا نام بیچ میں لائے بغیر، فطرتی اصطلاح میں بیان کرتے ہیں، اسی طرح کیا یہ زیادہ مناسب نہ ہوگا کہ علم بالوحی کی خدا کی بنائی ہوئی

[۱] تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، مترجمہ: سید نذیر نیازی، ص: ۱۹۰

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

فطرت کے اعتبار سے، خدا سے منسوب کرنے اور اسے خدا کی طرف سے نازل سمجھنے کے بجائے، ہم یہ کہیں کہ انسان کا علم بالوحی بھی اس کی فطرت کا حصہ ہے۔ البتہ جو کچھ اوپر کہا گیا ہے، وہ شاید وحی متلو، کے بارے میں نہ کہا جا سکے۔ اس کے علاوہ اگر ہم خدا کو عالمگیر وحی کا مبدا اس لیے گردانتے ہیں کہ حیوان کی جبلت اور انسان کا وجدان خدا کی بنائی ہوئی فطرت کے تقاضے ہیں تو کیا ہم اس طرح یہ کہنے میں حق بجانب نہیں ہوں گے کہ انسان کی قوت تعقل اور استعداد مشاہدہ بھی خدا کے عطیے ہیں۔ اس لیے جس طرح وحی کا مبدأ خدا ہے، اسی طرح عقل و مشاہدہ سے حاصل کیا ہوا علم بھی خدا کا دیا ہوا ہے، اور دونوں، مصدر و منبع کے لحاظ سے ہم رتبہ ہیں۔

انسانی زندگی کا ارتقاء اور انبیاء کی ضرورت

اقبال کہتے ہیں کہ جوں جوں حیات مختلف ارتقائی مراحل طے کرتی ہے، وحی کی ماہیت و نوعیت بھی بدلتی جاتی ہے۔ اقبال نے جن معنوں میں لفظ وحی کو استعمال کیا ہے، اس کی رو سے یہ ایک خاصہ ہے جو نوع کے سب افراد میں پایا جاتا ہے، خواہ وہ نوع انسانی ہو یا حیوانی، جیسا کہ حیوانات میں جبلت (Instinct) نوع حیوانی کے ہر فرد میں ہے۔ جب انسانی زندگی جبلی حالت میں تھی تو یہ خاصہ بھی کم و بیش اسی طرح نوعِ انسانی کے ہر فرد میں موجود تھا۔ لیکن انسان نے جب ارتقائی منازل طے کیں اور اس کی زندگی جبلی حالت سے، جس میں بقول ہابز (Hobbes) یہ خود غرضانہ اور بہیمانہ خصوصیات سے متصف تھی، اس حالت میں آئی جہاں باہمی تعاون و اشتراک، خود ایثاری و ہمدردی جیسے جذبات نے نشو و نما پائی اور ایک اجتماعی زندگی کا آغاز ہوا تو اس وقت وحی کی شکل مختلف ہو گئی۔ تب یہ وحی ہر فرد کو الگ الگ نہیں ملتی تھی بلکہ نوعِ انسانی کے چیدہ چیدہ افراد کو دی گئی، اور یہ ان افراد کا فریضہ تھا کہ وہ اسے اپنی نوع کے دوسرے افراد تک پہنچائیں۔ وحی کی یہ شکل انسان کی معاشرتی اور تمدنی زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے تھی یا یوں کہیے کہ جہاں تک خالص طبعی زندگی کا تعلق تھا، جو انسان اور حیوان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں مشترک ہے اور جو جبلت کے تابع ہے، یعنی کھانا، پینا، سونا، جاگنا اور جنسی خواہش، اس زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے جیسے شعور کی ضرورت تھی، وہ تو نوع کے ہر فرد کو ارزانی کیا گیا، لیکن وہ علم جس کی روشنی میں حیاتِ اجتماعیہ متشکل اور منظم ہونی تھی، وہ ہر فرد کے بس کی بات نہ تھی، وہ صرف ان چند افراد کا مقدر تھا جو باقی افراد کی نسبت کہیں زیادہ ذہن رسا کے مالک، بلند بیں اور حساس ہونے اور کہیں زیادہ پختہ عزم اور اعلیٰ استعدادِ عمل رکھنے کے باعث نہ صرف ان قوانین و ہدایات اور ضوابط و قواعد سے باخبر تھے، جن پر عمل کر کے افراد نہ صرف اجتماعی بقائے دوام اور تحفظ و امن اور انفرادی فلاح و بہبود اور سربلندی و کامرانی حاصل کر سکتے تھے، بلکہ وہ خود ان پر عمل کرنے اور دوسرے افراد کو اپنے دائرۂ عمل میں داخل کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ یہ تمام علم ان کو باطنی واردات پر مبنی وجدانات کی صورت میں ملتا تھا۔ اس باطنی مشاہدے میں انھیں یہ یقین محکم بھی ملتا تھا کہ ان کا یہ علم خود اکتسابی نہیں بلکہ یہ انھیں ذاتِ مطلق کے فیضان سے ملا ہے۔ یہ چیدہ چیدہ افراد انبیاء کہلائے، اور وحی جو خدا کی طرف سے نازل ہوتی ہے، انھی اشخاص سے مخصوص ہے۔ اس وحی کی ضرورت، اقبال کہتے ہیں، بنی نوع انسان کے عالم صغرسنی میں تھی۔ ارتقائی منازل طے کرنے کے لیے ضروری تھا کہ نبی کا حکم ہو اور اس کی اطاعت ہو۔ افراد خود کسی چیز پر حکم نہیں لگاتے تھے، نہ ان کے سامنے یہ سوال تھا کہ ان کی پسند کیا ہے اور ناپسند کیا ہے۔ انھیں یہ سوچنے کی ضرورت بھی نہیں تھی کہ وہ اپنے لیے کیا راہِ عمل اختیار کریں۔ یہ سب باتیں پہلے ہی سے طے شدہ تھیں، یہ نہیں کہ انھیں اس بارے میں اپنی فکر اور انتخاب سے کام لینا پڑے۔ دوسرے الفاظ میں اوامر و نواہی کا ایک طے شدہ ضابطہ سامنے تھا جس کو نافذ کرنے کے لیے نبی کا حکم اور اس نبی کو ماننے والوں کی اس حکم کی بلا چون و چرا اطاعت تھی۔ ان اوامر و نواہی کی حکمت و اہمیت اور ان کی صحت و عدم صحت کے بارے میں کوئی بحث و تمحیص نہ تھی۔ اسی بنا پر شعور نبوت کو اقبال کفایت فکر و انتخاب سے تعبیر کرتے ہیں، کیونکہ اس کے ہوتے ہوئے ہر فرد کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اوامر ونواہی کے بارے میں نہ کچھ سوچنے کی ضرورت تھی اور نہ کچھ فیصلہ کرنے کی۔ یہ کام نبی کو کرنا تھا، افراد کا کام صرف اطاعت تھا۔

۔ سلسلۂ نبوت ختم ہونے کی توجیہ

انسان جب ان ابتدائی مراحل سے گزر کر آگے بڑھا اور اس کی تنقیدی فکر نشو ونما پانے لگی اور اس میں وہ شعور پیدا ہونے لگا جو اس کی عقل استقرائی کا مرہونِ منت ہے، اور جو صرف چند خاص افراد کو عنایت نہیں ہوا تھا بلکہ ہر شخص کی دسترس میں تھا اور انسانی زندگی ارتقا کی اس سطح پر پہنچ گئی، جہاں اب کفایت فکر و انتخاب کی اتنی ضرورت نہ تھی جتنی اوائل میں تھی، جبکہ افراد پر ایما اور اشارے کا غلبہ تھا، تو پھر زندگی کا مفاد اسی میں تھا کہ ارتقائے انسانی کے اولین مراحل میں نفسی توانائی کا اظہار جن ماورائے عقل طریقوں یعنی (وحی والہام) سے ہوا، ان کا ظہور اور نشو ونما رک جائے۔[1] یعنی سلسلۂ نبوت بند ہو جائے۔ چنانچہ اسلام میں یہ عقیدہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے کہ چونکہ وحی جو پیغمبرِ اسلام ﷺ پر نازل ہوئی، مکمل تھی۔ اس لیے مزید کسی وحی کی ضرورت نہیں۔ وہ خاتم الانبیاء اور نبی آخرالزماں تھے۔ اس عقیدے کی حکمت بیان کرتے ہوئے، اقبال کہتے ہیں کہ

> "آپ ﷺ کی بدولت زندگی پر علم و حکمت کے وہ نئے سرچشمے منکشف ہوئے جو اس کے آیندہ رخ کے عین مطابق تھے۔"

یہی وجہ ہے کہ اقبال کی نظر میں عقل استقرائی کا ظہور اسلام کے ظہور کے ساتھ ہوا۔ پھر اس مرکزی نقطے کو بیان کرتے ہیں کہ اسلام میں نبوت اپنے ہی خاتمے کی ضرورت کو جان لینے میں اپنے معراج کو پہنچی ہے۔ جس کا یہ مطلب ہوا کہ انسان ہمیشہ سہاروں پر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ ضروری ہے کہ انسان پوری خود شعوری کو حاصل کرنے کے لیے اپنے وسائل سے کام لے۔[2]

۱۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، مترجمہ: سید نذیر نیازی، ص: ۱۹۳

۲۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، مترجمہ: سید نذیر نیازی، ص: ۱۹۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اقبال کے خیال میں اسلام کا دینی پیشوائی کا تسلیم نہ کرنا، قرآن حکیم کا عقل اور تجربے پر بار بار زور دینا، اور کائنات، فطرت اور عالم تاریخ کو علم انسانی کا سرچشمہ ٹھہرانا، یہ سب تصور خاتمیت کے مختلف پہلو ہیں۔[۱] آگے چل کر اقبال کہتے ہیں کہ ختم نبوت کا مطلب باطنی واردات کا خاتمہ نہیں۔ تصورِ خاتمیت کی اہمیت یہ ہے کہ اس یقین کو فروغ دے کر کہ انسانی تاریخ تاریخ میں ہر اس شخصی اختیار کا خاتمہ ہو گیا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا سرچشمہ مافوق الفطرت ہے، باطنی واردات کی طرف آزادانہ تنقیدی رویہ پیدا کرتا ہے۔[۲]

جدید دور کے لیے سائنسی علم کی ضرورت

اسلامی کلمے کے جزوِ اوّل نے قوائے فطرت کو الوہیت کا رنگ دینے سے باز رکھ کر انسان کے اندر مظاہر فطرت کا تنقیدی مشاہدہ کرنے کی روح کو نہ صرف جنم دیا بلکہ اس کو ترقی بھی دی اور کائنات فطرت کا مطالعہ خاص سائنسی انداز میں ہونے لگا۔

اقبال کی نظر میں عقیدۂ ختم نبوت کا مطلب یہ ہے کہ

> ''اب کسی شخص کو اس دعوے کا حق نہیں پہنچتا کہ اس کے علم کا تعلق کسی مافوق الفطرت سرچشمے سے ہے، لہٰذا ہمیں اس کی اطاعت لازم آتی ہے۔''[۳]

اقبال نے ختمِ نبوت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار جن الفاظ میں کیا ہے، ان سے یہ مطلب نکالا جا سکتا ہے کہ ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ اب، جبکہ انسانی زندگی ارتقا کی اس سطح پر پہنچ چکی ہے جہاں انسان اپنی عقل اور مشاہدے سے حاصل شدہ علم اور شعور کی روشنی میں اپنی زندگی کا نصب العین متعین کر سکتا ہے اور اس کے حصول کے لیے اپنی ہی عقل اور مشاہدے کو بروئے کار لا کر رہنما اصول بھی وضع کر سکتا ہے، اب اسے اپنے سے بیرون کسی مافوق الفطرت ہستی کا دست نگر نہیں ہونا پڑے گا۔ اب اسے

۱۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، مترجمہ: سید نذیر نیازی، ص:۱۹۴

۲۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، مترجمہ: سید نذیر نیازی، ص:۱۹۵

۳۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، مترجمہ: سید نذیر نیازی، ص:۱۹۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایسا علم قبول کرنے اور اس علم کے دیے ضابطوں اور قاعدوں سے عمل کرنے کی ضرورت نہیں جس کا سرچشمہ مافوق الفطرت ہو۔ دوسرے الفاظ میں اب انسانی زندگی کی ہدایت کے لیے وحی کی جگہ انسانی عقل و مشاہدے نے لے لی ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص اقبال اور عام مسلمان کے اس عقیدے سے صرف نظر کر کے کہ مسلمانوں کی زندگی جز قرآن کچھ نہیں، خالی الذہب ہو کر اقبال کے تصورِ ختم نبوت کا جیسا کہ انھوں نے اسے تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ میں بیان کیا ہے، مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ اقبال کے خیال میں ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ عہد جدید میں انسان کی ہدایت کے لیے وحی کی جگہ اس کی عقل نے لے لی ہے تو وہ شخص ایسا کرنے کا مجاز ہوگا۔ جب اقبال یہ کہتے ہیں کہ زندگی کو یہ انکشاف کہ اس کے نئے رخ کے لیے وحی سے مختلف دوسرے ذرائع علم موزوں ہیں، رسول اکرم ﷺ کی بدولت ہوا، اور یہ کہ اسلام کا ظہور عقل استقرائی کا ظہور ہے تو اس کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہے کہ اب زندگی کے تقاضے نئے ہیں، اور کچھ ایسے ہیں کہ ان کو پورا کرنے کے لیے جس علم کی ضرورت ہے، وہ وحی کا علم نہیں، بلکہ انسان کی عقل استقرائی سے حاصل کیا ہوا علم ہے۔ اقبال کا نظریۂ حقیقت یہ ہے کہ ''حقیقت مطلقہ ایک بابصر اور خلاق مشیت ہے۔[1] حقیقت کا اظہار مسلسل خلاقی میں ہوتا ہے۔ اس کائنات میں حرکت اور روانی ہے۔ زندگی جوں جوں آگے بڑھتی ہے، نئے روپ اور نئے رخ اختیار کرتی جاتی ہے اور اس کی ضروریات اور تقاضے بھی نئے ہوتے جاتے ہیں، جن سے عہدہ برآ ہونے کے لیے وسائل و ذرائع بھی نئے ہوں گے۔ اور اگر جیسا کہ اقبال خود کہتے ہیں:

> ''وحی کی ماہیت اور نوعیت بھی، جوں جوں زندگی ارتقا اور نشو و نما حاصل کرتی ہے، بدلتی رہتی ہے۔''

تو اگر زندگی کے ارتقا کے کسی مرحلے پر کفایت فکر اور انتخاب کی ضرورت تھی تو زندگی جب دورِ جدید میں داخل ہوتی ہے، یہ ایک ایسی ہیئت اختیار کرتی ہے کہ اس کو

[1] تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، مترجمہ: سید نذیر نیازی، ص: ۱۹۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ارتقائی منازل کامیابی سے طے کرنے کے لیے علم بالوحی کے بجائے سائنسی علم درکار ہوگا۔ اگر انسان کے عالم صغرسنی میں اس کے لیے وحی کا علم موزوں تھا تو اس کے سن بلوغ میں اس کے لیے سائنسی علم مناسب ہوگا۔ اور پھر جب وہ یہ کہتے ہیں کہ انسان ہمیشہ سہاروں پر زندگی نہیں بسر کرسکتا اور اب حصول علم کے لیے اپنے ہی وسائل سے کام لینا ہوگا تو اس کے اور کیا معنی ہو سکتے ہیں کہ حصول علم کے لیے انسان کو اپنی ذات کے سوا کسی اور ذات کا محتاج نہیں ہونا۔ یعنی اب وہ وحی کا محتاج نہیں رہا۔ پھر اگر وحی کی روشنی میں زندگی گزارنی ہے تو اسلام نے بقول ان کے دینی پیشوائی کو کیوں نہیں تسلیم کیا، وحی کے تحفظ اور اس کی ترویج کا کام تو دینی پیشوا ہی کرتے ہیں۔

کیا دور جدید میں وحی کی جگہ عقل نے لے لی؟

آخر میں جب اقبال یہ کہتے ہیں کہ

> ”اگر ہم نے ختم نبوت کو مان لیا تو عقیدتاً بھی مان لیا کہ اب کسی شخص کو اس دعوے کا حق نہیں پہنچتا کہ اس کے علم کا تعلق چونکہ کسی مافوق الفطرت سرچشمے سے ہے، لہٰذا ہمیں اس کی اطاعت لازم ہے، تو کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب وحی جس کے علم کا تعلق بھی مافوق الفطرت سرچشمے سے ہے، مستحق اتباع نہیں رہی اور اس کی جگہ عقل نے لے لی ہے؟“

ظاہر ہے کہ اقبال نے ختم نبوت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار جن الفاظ میں کیا ہے، ان کی مذکورہ بالا تعبیر جس کا لب لباب یہ ہے کہ دورِ جدید میں انسان کی ہدایت کے لیے وحی کی جگہ عقل نے لے لی ہے، ان کے لیے بالکل قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے خطبات تیار کر رہے تھے تو انھیں اس بات کا قطعاً اندازہ نہیں ہوگا کہ ان کے خیالات کی یہ تعبیر بھی ہو سکے گی۔ سات سال کے بعد ۱۹۳۵ء میں جب لاہور کے ایک ہفت روزہ ”لائٹ“ کے مدیر نے یہ لکھا کہ اقبال عقل کو نبوت پر ترجیح دیتے ہیں تو ان کا اس ضمن میں ایک وضاحتی بیان ”طلوع اسلام“ میں شائع ہوا، جس میں انھوں نے واضح الفاظ میں اس تعبیر کی تردید کی، چنانچہ اس بیان میں وہ کہتے ہیں کہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

"لیڈنگ سٹرنگس سے مراد لیڈنگ سٹرنگس آف ریلیجین (Leading Strings of Religion) نہیں بلکہ لیڈنگ سٹرنگس آف فیوچر پرافٹس آف اسلام (Leading Strings of Future Prophets of Islam) ہے۔ یا یوں کہیے کہ ایک کامل الہام و وحی کی غلامی قبول کر لینے کے بعد کسی اور الہام اور وحی کی غلامی حرام ہے۔ بڑا اچھا سودا ہے کہ ایک غلام کی غلامی سے باقی سب غلامیوں سے نجات ہو جائے۔ اور لطف یہ ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ کی غلامی، غلامی نہیں بلکہ آزادی ہے کیونکہ آپ ﷺ کی نبوت کے احکام دینِ فطرت ہیں، یعنی فطرت صحیحہ ان کو خود بخود قبول کرتی ہے۔ فطرتِ صحیحہ کا انھیں خود بخود قبول کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ احکام زندگی کی گہرائیوں سے پیدا ہوئے ہیں، اس واسطے عین دین فطرت ہیں، ایسے احکام نہیں جن کو ایک مطلق العنان حکومت نے ہم پر عائد کر دیا ہے اور جن پر ہم محض خوف سے عمل کرنے پر مجبور ہیں۔"[1]

آگے چل کر وہ کہتے ہیں کہ

"میرے عقیدے کی رو سے بعد وحی محمدی ﷺ کے الہام کی حیثیت محض ثانوی ہے۔ سلسلہ تو الہام کا جاری ہے، مگر الہام کے بعد وحی محمدی ﷺ ایک پرائیویٹ Fact ہے۔ اس کا کوئی سوشل مفہوم یا وقعت نہیں۔ میں نے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ نبوت کی دوسری حیثیت ایک Socio-Political Institution کی ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ بعد وحی محمدی ﷺ کسی کا الہام یا وحی اسے Institution کی بنا قرار نہیں دے سکتا۔"[2]

مناسب ہوگا کہ اس توضیحی بیان پر کچھ تبصرہ کر دیا جائے۔ Leading Strings کی وضاحت کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں کہ ان الفاظ سے ان کی مراد Leading Strings of Religion نہیں بلکہ Leading Strings of Future Prophets of Islam ہے۔

---

[1] اقبال اور قادیانی، مرتبہ: نعیم آسی، ص: ۸۵

[2] اقبال اور قادیانی، مرتبہ: نعیم آسی، ص: ۸۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس وضاحت کے بعد پورا جملہ یہ ہوگا:

Life can not for ever be kept in leading strings, not of religion, but of the future Prophets of Islam.

میرے خیال میں اس جملے کے کوئی مربوط معنی نہیں نکلتے۔ ہم کسی ایسی چیز کے بارے میں یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہمیشہ بطور سہارا کام نہیں دے گی جو زمانہ حال میں بطور سہارا کام دے رہی ہے، لیکن کسی مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والی شے کے بارے میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہمیشہ بطور سہارا کام نہیں دے گی۔ علاوہ ازیں Future Prophets of Islam کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مستقبل میں مسلمانوں میں تو کوئی شخص نبوت کا دعویٰ نہیں کرسکتا، دوسری غیر مسلم اقوام میں نبوت کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے۔

اقبال کہتے ہیں کہ الہام کا سلسلہ جاری رہے گا لیکن یہ الہام Socio-Political Institution کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ لیکن ساتویں خطبے میں وہ مذہب کے تین ادوار، ایمان، فکر اور معرفت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تیسرے دور میں انسان کو یہ آرزو ہوتی ہے کہ حقیقتِ مطلقہ سے براہ راست اتحاد و اتصال قائم کرے، اس کی یہ آرزو تب پوری ہوتی ہے جب وہ باطنی تجربے کے مختلف مراحل طے کر کے اس آخری منزل پر پہنچ جاتا ہے جہاں اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ کچھ دیکھے، بلکہ یہ کہ وہ کچھ بن جائے۔''اس کا آخری عمل فکر کا عمل نہیں، وہ ایک حیاتی عمل ہے جو اس میں گہرائی اور پختگی پیدا کرتا ہے اور اس کے ارادوں کو تقویت دیتے ہوئے ایک شانِ خلاقی کے ساتھ اس تیقن کا باعث ہوتا ہے کہ دنیا محض دیکھنے یا افکار و تصورات کی شکل میں سمجھنے کی چیز نہیں بلکہ ایک ایسی چیز ہے جس کو مسلسل عمل سے بنایا جاتا ہے، اور بار بار بنایا جاتا ہے۔''[1]

اس باطنی تجربے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے ایسا انسان ابھرتا ہے جو تعمیر و ترقئ حیات کے لیے ہمیشہ سرگرم رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال اس باطنی تجربے کو Mysticism کہنے سے گریز کرتے ہیں جس سے مراد وہ ذہنی روش ہے جس سے زندگی کی نفی اور چشم پوشی ہوتی ہے، اور جو ہمارے دور میں استخباری رجحان کے خلاف ہے۔

[1] تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، مترجمہ: سید نذیر نیازی، ص:۳۰۶

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسان کے ارادے کو پختہ کرنے اور اس میں استعدادِ عمل پیدا کرنے میں حقیقتِ مطلقہ یعنی خدا کو کوئی دخل ہے کہ نہیں جس کے ساتھ وہ اتحاد و اتصال قائم کرتا ہے۔ اور پھر دنیا کو بنانے، اور بار بار بنانے کے لیے اسے ہدایت اور رہنما اصول کہاں سے ملتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا مصدر و منبع بھی اس اتحاد و اتصال کے باعث خدا ہوگا۔ مزید برآں دنیا کو بنانے، اور بار بار بنانے کی ٹھوس شکل یہ نہیں کہ Socio-Political Institution قائم کیا جائے اور اسے مسلسل جدوجہد سے ترقی و فروغ دیا جائے۔ یہ باطنی تجربہ اس طرح سوشل مفہوم اختیار کر جاتا ہے۔ جس الہام کے بارے میں اقبال کہتے ہیں کہ جاری رہے گا، اس کی نوعیت کیا وہی نہیں جو ان صوفیانہ واردات کی ہے جن کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ ختم نبوت کے بعد جاری رہیں گی، اور جن پر آزادانہ تنقید سے علم کے نئے نئے راستے کھلتے ہیں۔ یہ علم معاشرتی علم بھی ہوسکتا ہے جو Social اہمیت کا حامل ہے۔ ایک طرف الہام کا کوئی سوشل مفہوم نہیں، اور دوسری طرف باطنی واردات ہیں جن کا سوشل مفہوم ہے، اور پھر تیسرے، باطنی تجربہ ہے۔ میرے خیال میں یہ تینوں صوفیانہ واردات ہیں، اور ان تینوں کی نوعیت ایک ہے۔ اور ساتویں خطبے میں جس باطنی تجربے کا ذکر کرتے ہیں اور جس کی تشریح اوپر کی گئی ہے، شعورِ نبوت سے بہت مماثلت رکھتا ہے۔ اس مماثلت کو اقبال کے اس نظریے سے تقویت ملتی ہے کہ واردات باطن باعتبار نوعیت انبیاء کے احوال و حوادث سے مختلف نہیں۔

کیا وحی محمدی ﷺ ہمیشہ کے لیے حجت ہے؟

اقبال نے جو توضیحات ختم نبوت کے اپنے تصور کے صحیح مفہوم کو متعارف کرانے کے لیے کی ہیں، اگر ہم ان کو سامنے رکھیں اور ساتھ ہی ان تصریحات پر نظر ڈالیں جو انھوں نے نظریہ ختمِ نبوت کی حکمت اور اس کی ثقافتی اہمیت ذہن نشین کرانے کے لیے پیش کی ہیں تو یہ صاف نظر آتا ہے کہ وحی محمدیؐ کے بعد کسی اور وحی و الہام کی نفی تو وہ کمال فلسفیانہ استدلال سے کرتے ہیں، اور ایک کھلا ذہن اسے قبول کرنے پر مجبور ہوگا، لیکن جہاں تک اس دعوے کا تعلق ہے کہ وحی محمدیؐ نہ صرف رسول اکرم ﷺ کے عہد میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انسانوں کے لیے حجت تھی، بلکہ بعد میں بھی ہمیشہ کے لیے، حجت رہے گی خواہ انسانی عقل کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر لے، وہ اس دعوے کے حق میں کوئی ٹھوس اور منطقی دلائل پیش نہیں کر سکے۔ اس ضمن میں محض ادعا ہے۔ وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ جو قانون رسول اکرم ﷺ کو وحی کے ذریعے ملا، مکمل اور ابدی ہے، لیکن کیسے اور کیوں مکمل اور ابدی ہے، وہ اس پر قطعاً بحث نہیں کرتے۔ وہ یہ تو کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے احکام دین فطرت ہیں، کیونکہ فطرت صحیحہ کا انھیں خود بخود قبول کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ احکام زندگی کی گہرائیوں سے پیدا ہوئے ہیں، اس لیے عین دین فطرت ہیں، لیکن وہ ان سوالات کو زیر بحث نہیں لاتے کہ یہ احکام زندگی کی گہرائیوں سے کیسے پیدا ہوئے ہیں، دینِ فطرت سے کیا مراد ہے، فطرتِ صحیحہ کا کیا مفہوم ہے، فطرت صحیحہ انھیں کیسے اور کیوں قبول کرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلام کے ساتھ ہی عقل استقرائی کا ظہور، رسول اکرم ﷺ کی بدولت زندگی پر وحی کے علاوہ انسانی علم کے دوسرے سرچشموں کا انکشاف، اور پھر اس شخصی اختیار کا خاتمہ جس کا دعویٰ یہ ہو کہ اس کا سرچشمہ مافوق الفطرت ہے، ان سب کے ہوتے ہوئے وحی محمدی ﷺ کو ماننے اور اس سے حاصل کی ہوئی ہدایت پر عمل کرنے کا کیا جواز ہے۔ میرے خیال میں اگرچہ اقبال کے نظریۂ ختمِ نبوت کی مذکورہ بالا تعبیر جائز ہے، لیکن اگر اس کی کوئی دوسری ایسی تعبیر ہو سکے جو اقبال کے اور عام مسلمان کے اس عقیدے سے نہ ٹکرائے کہ ان کی زندگی کو وحی محمدی ﷺ سے ہدایت پانی ہے تو صرف مذکورہ بالا تعبیر پر زور دینا اور کسی دوسری تعبیر کے لیے سعی نہ کرنا نہ صرف اقبال کے ساتھ بڑی ناانصافی ہوگی بلکہ ایک بڑی ذہنی بددیانتی ہوگی۔

نبوت کے دو اجزاء: خاص واردات اور ایک معاشرتی سیاسی ادارہ کا قیام

اب میں ایک دوسری تعبیر پیش کرنے کی کوشش کروں گا جو مذکورہ بالا سوالات کے جواب دینے کی سعی پر مشتمل ہوگی۔ لیکن قبل اس کے کہ میں یہ سعی کروں، ایک اور وضاحت کا، جو اقبال نے ختمِ نبوت کے مسئلے کے ضمن میں کی ہے، ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ اقبال کہتے ہیں کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”نبوت کے دو اجزاء ہیں: (۱) خاص حالات اور واردات، (۲) ایک معاشرتی سیاسی ادارہ Socio-Political Institution قائم کرنے کا عمل یا اس کا قیام۔ یہ دونوں اجزا ہوں تو نبوت ہے۔ ختمِ نبوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص بعد اسلام اگر یہ دعویٰ کرے کہ مجھ میں ہر دو اجزائے نبوت موجود ہیں، یعنی یہ کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے تو وہ شخص کاذب ہے۔“[1]

یہاں خاص حالات اور واردات سے مراد وہ باطنی واردات ہیں، جن کے ذریعے وہ علم حاصل ہوتا ہے جسے وحی کا علم کہتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کو وحی کا جو علم ملا، وہ قرآن حکیم ہے۔ معاشرتی سیاسی ادارے کے قیام سے مراد وہ نظام ہے جو رسول اکرم ﷺ خود تھے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ نبوت کے جن اجزا کا اقبال نے ذکر کیا ہے، وہ یہ ہیں: (۱) علمی جزو، (۲) عملی جزو۔ علمی جزو کو جیسا کہ اقبال خود کہتے ہیں، ہم ولایت کا نام دے سکتے ہیں، اور عملی جزو کو قیامِ خلافت کہہ سکتے ہیں۔ یہ تو صحیح ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اسے وحی ہوتی ہے، اور یہ سعی کرے کہ لوگ اس کی وحی کو صادق مان کر اس کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہو جائیں تو ایسا شخص کاذب ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس علم پر جو اسے قرآن سے ملا ہے، عمل کر کے اور دوسرے لوگوں کو بھی اس پر عمل کرا کر ایک معاشرتی سیاسی ادارہ منظم کرتا ہے یا دوسرے الفاظ میں خلافت قائم کرتا ہے تو ایسا شخص کیونکر کاذب ہو سکتا ہے؟ اس طرح رسول اکرم ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے کے یہ معنی ہوں گے کہ جہاں تک ان کی ولایت کا تعلق ہے، یعنی وحی کے اس علم کا جو قرآن میں موجود ہے، وہ تو مکمل ہو گئی، اور اب ایسی ولایت کے ظہور کا کوئی امکان ہے نہ جواز، لیکن جہاں تک رسول اکرم ﷺ کی قائم کردہ خلافت کا تعلق ہے، تو یہ قیامِ خلافت خود ایک ایسا مقصد ہے جو نہ صرف رسول اکرم ﷺ کی حیات میں ان کے اور ان کے پیروؤں کے پیش نظر تھا اور جس کے حصول کے لیے وہ کوشاں رہے، بلکہ جو

[1] اقبال اور قادیانی، مرتبہ: نعیم آسی، ص: ۸۴

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

رسول اکرم ﷺ کے وصال کے بعد ہمیشہ کے لیے ہر اس شخص کے پیش نظر رہے گا جس نے یہ مان لیا کہ یہ خلافت اس علم کو جو قرآن میں موجود ہے، قبول کرنے اور اس علم کو عمل میں متشکل کرنے سے قائم ہو سکتی ہے یا یوں کہیے کہ بابِ نبوت تو بند ہو گیا لیکن باب خلافت ہمیشہ کھلا رہے گا۔ میں اس بات کی ذرا مزید وضاحت کر دوں۔ رسول اکرم ﷺ کی نبوت کے ضمن میں ان کی دوگونہ حیثیت کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ وہ ایک طرف تو پیغمبرِ خدا تھے، یعنی وہ خدا سے ایک قانون لائے جس پر چل کر ان کے پیروؤں نے ایک نظام، ایک جماعت، ایک خلافت قائم کی، تو دوسری طرف وہ ان لوگوں کے، جنھوں نے اس قانونِ خدا کو تسلیم کر لیا تھا اور اس پر سرگرم عمل تھے، زندہ امیر تھے اور ان سے قانونِ خدا پر عمل کراتے تھے۔ ان کی یہ زندہ امیر کی حیثیت ان کے سربراہِ حکومت الٰہیہ ہونے کے باعث تھی۔ اطاعتِ رسول کا مطلب نہ صرف خدائی احکام کی تعمیل تھا، بلکہ رسول اکرم ﷺ کے سربراہِ حکومت اور سربراہِ مومنین ہونے کے باعث زندہ امیر کی حیثیت سے دیے ہوئے وقتی، زبانی، مصلحتی اور ہنگامی احکام کی تعمیل بھی تھا۔ اب جبکہ نبوت پر مہر لگ چکی ہے اور رسولوں کا زمانہ ختم ہو گیا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب رسولوں کے بعد، نوعِ انسانی میں قیامِ جماعت کس طرح ہو، حکومتِ الٰہیہ کیسے قائم ہو، خلافت کا قیام کیسے ہو، معاشرتی سیاسی ادارہ جس کو اقبال نے جزوِ نبوت ٹھہرایا ہے، کس طرح عملاً اور واقعی قائم ہو۔ یہ سوال نہایت اہم ہے۔ قرآنِ حکیم میں آیا ہے:

> ''محمد (ﷺ) تو صرف ہمارا ایک پیغام لانے والے ہیں۔ آپ سے پہلے کئی پیغام لانے والے گزر چکے۔ سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہو جائیں تو کیا تم پھر الٹے پاؤں اپنی پہلی بدنظمی کی حالت میں لوٹ جاؤ گے؟'' (۳/۱۴۴)

خلافت کا قیام واجب ہے

اس آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جو نظام دیا، جو جماعت منظم کی، اور جو خلافت قائم کی، اس کو قائم رکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اس سوال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا یہی جواب ہوگا کہ جس طرح رسول اکرم ﷺ اپنے وقت میں اپنے پیروؤں کے زندہ امیر تھے، اسی طرح بعد میں بھی ایک زندہ امیر ہر وقت موجود ہو جس کی اطاعت اسی طرح ہو جس طرح رسول اکرم ﷺ کی، بحیثیت ایک امیر کے، ہوتی تھی۔ کیونکہ اس اطاعت کے بغیر نہ کوئی نظام واقعی پیدا ہوسکتا ہے، نہ کوئی جماعت منظم ہوسکتی ہے، نہ کوئی خلافت ہی قائم ہوسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد مسلمانوں کا امیر خلیفۃ النبی کہلاتا ہے۔ وہ رسول اکرم ﷺ کا جانشین ہوتا ہے۔ اسی طرح ختمِ نبوت کے معنی یہ ہوں گے کہ اب کوئی انسان خدا کی طرف سے وحی نہیں پا سکتا۔ اس لیے کہ انسان کو اپنی زندگی، انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح، گزارنے کے لیے جس علم کی ضرورت تھی، وہ قرآن میں محفوظ ہے۔ لیکن جہاں تک قیامِ خلافت یا اقبالؒ کے الفاظ میں معاشرتی سیاسی ادارے کے قیام کا تعلق ہے، تو یہ کام ہمیشہ جاری رہے گا۔

اب میں اس تعبیر کی طرف آتا ہوں جس کا میں نے اوپر اشارہ کیا تھا۔ نبی ﷺ کے بارے میں اقبال کہتے ہیں کہ بہ اعتبار سرچشمہ وحی کے آپ ﷺ کا تعلق دنیائے قدیم سے ہے، لیکن بہ اعتبار اس کی روح کے آپ کا تعلق دنیائے جدید سے ہے۔[1] یہ جملہ میرے نزدیک بہت پُر معنی ہے۔ یہ ایسے مضمرات کا حامل ہے کہ ان کو کھول کر بیان کر دینے سے ختمِ نبوت کا ایک ایسا تصور سامنے آئے گا جس کو شاید آپ اقبال سے آگے کچھ فکری پیش قدمی کہہ سکیں۔ وحی محمدیؐ کی روح کے بارے میں اقبال کہتے ہیں کہ اس کی قدر و قیمت کا فیصلہ یہ دیکھ کر بھی کر سکتے ہیں کہ اس کے زیر اثر کس قسم کے انسان پیدا ہوئے اور تہذیب و تمدن کی وہ کیا دنیا تھی جو اس روح کی بدولت ظہور میں آئی۔ اقبال کی نظر میں یہ اسی روح کا اثر تھا کہ مسلمانوں کو کائنات فطرت کا مشاہدہ کرنے اور اس پر غور و فکر کی ترغیب ہوئی۔ یہ قرآن کی تجزیّت پسندی تھی جس کے باعث مسلمانوں نے علوم جدیدہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہم ایک لحاظ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ

[1] تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، مترجمہ: سید نذیر نیازی، ص: ۱۹۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسول اکرم ﷺ کے پیغام کی روح ایسی تھی کہ اس کی بدولت مسلمانوں نے عقل استقرائی کو استعمال کر کے علم و حکمت کے نئے سرچشموں کو منکشف کیا، لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ وحی کی روح کے لحاظ سے رسول اکرم ﷺ کا تعلق زمانۂ جدید سے ہے تو اس کا ایک اور مطلب بھی ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ رسول اکرم ﷺ کا پیغام خود ایک سائنسی پیغام ہے۔ یہی نہیں کہ اس کی بدولت اس کے ماننے والوں میں علومِ طبیعی کے حصول کا شوق پیدا ہوا بلکہ یہ وحی خود بھی ایک ایسا علم ہے جیسے دوسرے علوم۔ رسول اکرم ﷺ کے پیغام کا سائنسی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ قوانین اور ان قوانین واحکام اور قواعد وضوابط پر مشتمل ہے جن کی نوعیت و ماہیت بھی ویسی ہی ہے جیسی ان قوانین کی جو کائنات فطرت سے متعلق ہیں، یعنی قرآن حکیم کے دیے ہوئے قوانینِ خداوندی ایسے ہی سائنسی ہیں جیسے قوانینِ فطرت یا یوں کہیے کہ وحی محمدیؐ کے دیے ہوئے قوانین کا تعلق بھی عالم فطرت سے ہے، جس کا انسانی حیات بھی ایک حصہ ہے، اور یہ قوانین بھی عالمِ فطرت کے قوانین کی طرح عالمگیر، لازمی اور ابدی ہیں۔ اسلام ایک سائنسی ضابطۂ حیات ہے۔

پیغامِ رسالت محمدی ﷺ کی سائنسی ماہیت

رسول اکرم ﷺ کے پیغام کی سائنسی ماہیت کو واضح کرنے کے لیے قرآن حکیم کی اس آیت کا ذکر کرنا نہایت اہم ہے جس میں رسول اکرم ﷺ سے خطاب ہے:

"دین (حق) کی طرف رُخ رکھو، اللہ کی اس فطرت کا اتباع کرو جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں۔ یہی ہے سیدھا دین، لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کا بھی) علم نہیں رکھتے۔" (۳۰/۳۰)

اس آیت میں دو باتیں واضح ہوتی ہیں:

۱۔ دینِ اسلام اللہ کی بنائی ہوئی فطرت ہے جس میں کوئی ردّ و بدل نہیں۔

۲۔ اللہ نے اسی فطرت پر انسان کو پیدا کیا ہے۔

دینِ اسلام کو اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فطرت بھی ویسی ہی ہے جیسی کہ خارجی کائناتِ فطرت، اور اس کو بھی اللہ ہی نے تخلیق کیا ہے۔ اس مماثلت کا مطلب یہ ہے کہ کائناتِ فطرت میں جاری وساری قوانین کی اور اسلام کے قوانین کی ماہیت اور نوعیت ایک جیسی ہے۔ قوانین فطرت کے اہم خصائص کا تعلق ٹھوس اور محسوس اشیاء سے ہے، ان واقعات اور حوادث سے ہے جو اس دنیا میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ دوسرے، یہ قوانین فطرت عالمگیر، لازمی اور ابدی ہیں۔ اسی طرح دینی قوانین یا احکام کا تعلق بھی انسان کی اس زندگی سے ہے جو وہ اس ٹھوس اور محسوس دنیا میں گزارتا ہے۔ دینِ اسلام کو دینِ فطرت کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ اس دین کا اتباع کرنے والوں کی زندگیوں کے نصب العین کا تعلق اس دنیا سے ہے، اور اس نصب العین کا حصول بھی اسی دنیا میں ممکن ہے۔ یہ نصب العین زمینی ہے، فطری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب قرآن میں کہا جاتا ہے کہ اس دنیا میں پھرو اور دیکھو کہ ان قوموں کا کیا حشر ہوا جنھوں نے خدائی احکام کی نافرمانی کی، تو ان کا حشر یا عاقبت اسی دنیا میں تھی۔ دوسرے الفاظ میں نافرمان قوموں کو اپنی نافرمانیوں کا نتیجہ اسی دنیا میں بھگتنا پڑتا ہے، اور ان کی عاقبت بھی اسی دنیا میں بنتی ہے۔ دوسرے، اسلامی قوانین بھی، قوانین فطرت کی طرح عالمگیر، لازمی اور ابدی ہیں۔ کائناتِ فطرت اور وہ خدا ساز فطرت جو دین اسلام ہے، ان دونوں میں مماثلت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ کائنات فطرت جسے قرآن حکیم نے ایک حقیقت قرار دیا ہے، اس پر غور وفکر کرنے سے بھی انسانی زندگی کی رہنمائی کے لیے قوانین اور ہدایات مل سکتی ہیں۔ اگر اقبال کے اس نظریے کو سامنے رکھا جائے کہ کائنات فطرت، ذاتِ الٰہیہ کی سیرت وکردار ہے تو اس سیرت وکردار کے مطالعے سے ان اصولوں اور ضابطوں کا پتہ چلے گا، جن پر ذاتِ الٰہیہ سرگرم عمل ہے۔ اگر دین اسلام کا اتباع یہ ہے کہ انسان اللہ کے دیے ہوئے قواعد وضوابط پر عمل کرے تو یہ قواعد وضوابط ان قوانین سے کیسے مختلف ہو سکتے ہیں جن کے تحت خدائی سیرت وکردار کا اظہار عالمِ فطرت کی شکل میں ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ قوانین جن پر دینِ اسلام مشتمل ہے، اگر ایک طرف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن حکیم میں موجود ہیں تو دوسری طرف ان کا علم صحیفہ فطرت کے مطالعے سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس قرآنی آیت کی رو سے جس میں کہا گیا ہے کہ اللہ نے انسان میں اپنی روح پھونک دی، انسانی کردار کی روح وہی ہونی چاہیے جو اللہ کے کردار کی ہے۔

فطرت کی اتباع کا قرآنی حکم

اب میں آیت کے اس حصے کی طرف آتا ہوں جس میں کہا گیا ہے کہ جس فطرت کا اتباع لازمی ہے، وہ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت ہے جس پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ کسی شے کی فطرت سے مراد وہ سب کچھ ہوتا ہے جس پر اس شے کے وجود کا انحصار ہے۔ اس طرح وہ فطرت جس پر انسان کی تخلیق ہوئی ہے، ان قوانین یا قواعد وضوابط پر مشتمل ہے جن کے تحت انسانی زندگی کا وجود قائم ہے۔ ایسی فطرت کا دین اسلام کے مترادف ہونے کے معنی یہ ہوں گے کہ دین اسلام ان قوانین پر مشتمل ہے جن کے تحت ہی انسانی زندگی کو بقائے دوام مل سکتی ہے، جن کو نظرانداز کر کے ہی یا جن سے ہٹ کر ہی انسانی زندگی کو فنا اور موت ہے۔ انسان اس طرح پیدا کیا گیا ہے یا اس کی فطرت اس نوع کی ہے کہ اسے اپنی زندگی کو قائم و دائم رکھنے کے لیے اور ارتقائی منازل کو کامیابی سے طے کرنے کے لیے ان قوانین پر لازماً عمل کرنا پڑے گا، جو اسلام نے پیش کیے ہیں۔ اس کائنات فطرت میں ہر شے جس کا چلن اور ڈھنگ قوانین فطرت کے تحت متعین کیا گیا ہے، اس وقت تک باقی یا زندہ ہے جب تک وہ ان قوانین کے تابع ہے۔ اگر قوانینِ فطرت ختم ہو جائیں یا کارفرما نہ رہیں تو لازم ہے کہ کائنات کی تمام اشیاء نیست و نابود ہو جائیں کیونکہ ان کی ہستی اور وجود کا انحصار ان قوانین کے تابع رہنے ہی پر ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو انسان کی اس فطرت کی، جس پر اسے تخلیق کیا گیا ہے، دو سطحیں ہیں، ایک ادنیٰ اور دوسری اعلیٰ۔ ادنیٰ سطح وہ ہے جس پر انسان محض تحفظِ ذات اور افزائش نسل کی خاطر ان جبلی خواہشات کی تشفی کرتا ہے جو کھانے، پینے، سونے اور جنس سے متعلق ہیں۔ اس سطح کے افعال اس کی ادنیٰ فطرت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں داخل ہیں۔ یہ اس کے فطری تقاضے ہیں جن کو پورا کر کے وہ محض زندہ رہتا ہے اور نسل بڑھاتا ہے۔ یہ سطح انسان اور حیوان میں مشترک ہے۔ لیکن انسانی زندگی جبلی خواہشات کی ادنیٰ فطرت تک ہی محدود نہیں۔ فطرت کی ادنیٰ سطح سے آگے بڑھ کر، لیکن اسی فطرت کی اساس پر انسانی فطرت کی اعلیٰ سطح وضع ہوتی ہے جس میں تحفظِ ذات اور افزائش نسل کے ساتھ ساتھ اس کی حیات اجتماعیہ تشکیل پاتی ہے۔ ایسی حیات جو نہ صرف اجتماعی طور پر منظم و منضبط اور محفوظ و پرامن ہوتی ہے، بلکہ جو انفرادی طور پر فرد کی تکمیلِ ذات یا اقبال کے الفاظ میں اس کی خودی کے استحکام کی ضامن بھی ہوتی ہے۔ پس جس طرح انسانی فطرت کی ادنیٰ سطح اس کی جسمانی خواہشات کی تشفی پر مشتمل ہے، اسی طرح اس کی اعلیٰ سطح اس کی اجتماعی زندگی کو منظم و منضبط کرنے، اسے محفوظ اور پُر امن بنانے اور اسے قائم و دائم رکھنے پر مشتمل ہے۔ تو ایسے قوانین جن کے تحت انسان اپنی اجتماعی زندگی کو نہ صرف ممکن بناتا ہے، بلکہ اسے ترقی و فروغ دیتا ہے، قوانینِ اسلام ہیں۔ ان قوانین سے انسان کو کسی حالت میں بھی مفر نہیں، اسی طرح جیسے کھانے پینے وغیرہ سے، جن پر اس کی جسمانی زندگی کا انحصار ہے، اور جن کو نظر انداز کر کے وہ ہلاکت کا سامنا کرتا ہے، مفر نہیں۔ ان قوانین کے بغیر حیاتِ اجتماعیہ ممکن نہیں اور انھی قوانین کا اتباع اس کی اعلیٰ فطرت میں داخل ہے۔ انھی معنوں میں اسلام دین فطرت ہے اور اس کے قوانین کی نوعیت ویسی ہی سائنسی ہے جیسی خارجی کائنات فطرت کے قوانین کی۔

اسلام دین فطرت

مذکورہ بالا تصریحات، جن سے میں نے اس امر کی وضاحت کی کوشش کی ہے کہ ہم کن معنوں میں دین اسلام کو دین فطرت اور اس کے قوانین کو قوانین فطرت کہہ سکتے ہیں، کی روشنی میں مجھے وہ نظریہ پیش کرنے میں کوئی مشکل نہیں جس کی رو سے اسلام کے بعد نبوت ختم ہونے پر بھی وحی محمدیؐ کے اتباع کا جواز رہتا ہے۔ اگر رسول اکرم ﷺ کے پیغام کی روح سائنسی ہے جیسا کہ اوپر وضاحت کی گئی ہے، یعنی ہر پیغام ان قوانین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر مشتمل ہے جو اس طرح کے سائنسی قوانین ہیں جیسے کہ قوانین فطرت، تو اب اس پیغام کو اس لیے قبول کیا جائے گا، اور اس پر اس لیے عمل ہوگا کہ یہ پیغام ایک سائنسی نظام کا حامل ہے۔ یہ بھی دوسرے علوم کی طرح ایک علم ہے۔ اس پر اب عمل اس لیے نہیں ہوگا کہ اس پیغام کا مبدأ کوئی فوق الفطرت ذات ہے۔ (اگرچہ کوئی شخص چاہے تو از روئے ایمان ایسا کر سکتا ہے۔) بلکہ اس لیے ہوگا کہ جن قوانین پر یہ مشتمل ہے، وہ قوانین ہیں جن پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے، جن پر اس کی فطرت وضع ہوئی ہے۔ دین اسلام کے احکام ایسے نہیں جن کو بقول اقبال ایک مطلق العنان حکومت نے نافذ کر دیا ہے اور جن پر ہم محض کسی خوف کے تحت عمل کرتے ہیں، بلکہ ان پر ہم اس لیے عمل کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ ہماری اپنی ہی فطرت کا ایک لازمی حصہ ہیں۔ اس طرح اقبال کے اس خیال کا مفہوم بھی صاف ہو جاتا ہے کہ یہ قوانین انسانی زندگی کی گہرائیوں سے نکلتے ہیں۔ استقرائی عمل کے ظہور سے جن نئے علوم کی تدوین و ترقی ہوئی ہے، ان میں سے ایک علم دین اسلام کا علم ہے۔ اسلام میں نبوت کے، معراجِ کمال کو پہنچنے پر، ختم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وحی اپنی ارتقائی منازل طے کر کے، اسلام میں، اس مرحلے پر پہنچ گئی ہے جہاں اب یہ محض وحی نہیں رہی، بلکہ ایک علم کا درجہ بھی حاصل کر گئی ہے۔ اب اس علم کے ہوتے ہوئے کسی اور وحی والہام کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ جو شعورِ حیات انسانی کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے کے لیے درکار تھا، وہ اسے اس علم کی شکل میں مل گیا ہے؟ نہیں! وہ ان قوانین کی شکل میں ملا جو قوانین فطرت کے مانند عالمگیر، لازمی اور ابدی ہیں۔

وحی محمدی ﷺ کا علم سائنسی نظام کا حامل ہے، قرآنی دلائل

میں نے جو یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ وحی محمدیؐ ایک علم ہے، اور ایک سائنسی نظام کی حامل ہے تو آپ اس کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ کیا میرے پاس اس کی کوئی قابلِ قبول سند ہے یا یہ محض میرے اپنے ذہن کی اختراع ہے، تو میں یہ عرض کروں گا کہ میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے کسی انوکھے خیال کا اظہار نہیں کیا، اس تصور کی تصدیق قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات سے ہوتی ہے:

۱۔ ''اور تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی یہاں تک کہ ان کے مذہب کی پیروی اختیار کرلو۔ (ان سے) کہہ دو کہ خدا کی ہدایت (یعنی دینِ اسلام) ہی ہدایت ہے، اور اے پیغمبر! اگر تم اپنے پاس علم (یعنی وحی خدا) کے آ جانے پر بھی ان کی خواہشوں پر چلو گے تو تم کو (عذاب) خدا سے (بچانے والا) نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی مددگار۔'' (۲/۱۲۰)

۲۔ ''اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو، عربی زبان کا فرمان، نازل کیا ہے۔ اور اگر تم علم (و دانش) آنے کے بعد ان لوگوں کی خواہشوں کے پیچھے چلو گے تو خدا کے سامنے نہ کوئی تمھارا مددگار ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا۔'' (۱۳/۳۷)

۳۔ ''اور یہ بھی فرض ہے کہ جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے، وہ جان لیں کہ وہ (یعنی وحی) تمھارے پروردگار کی طرف سے حق ہے، تو وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل خدا کے آگے عاجزی کریں۔'' (عربی زبان میں علم کے معنی ہیں سائنسی علم، اور قرآنِ حکیم کی رو سے بھی علم وہ شے ہے جس کو آنکھ نے دیکھا ہو، کان نے سنا ہو اور فواد (قلب) نے اس کے دھوکا نہ ہونے کی گواہی دی ہو۔) ''اور (اے بندے!) جس جس چیز کا تجھے علم نہیں، اس کے پیچھے نہ پڑ کہ کان اور آنکھ اور دل، ان سب سے ضرور بازپرس ہو گی۔'' (۱۷/۳۶)

۴۔ اور لفظ قلب، قرآنِ حکیم میں ذہن کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:
''ان کے دل ہیں، لیکن ان سے سمجھتے نہیں۔'' (۷/۱۷۹)[1]

---

[1] ذیلی سرخیاں از ادارہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سفرنامہ یورپ وحرمین الشریفین

پروفیسر صاحب کے تین صاحبزادے[1] کافی عرصے سے ہالینڈ میں مقیم ہیں۔ان کی جانب سے اپنے والد محترم اور والدہ محترمہ کو ہالینڈ آنے اور وہاں کی سیاحت کا اصرار رہتا تھا۔ چنانچہ پروفیسر صاحب نے اواخر ۱۹۸۳ء میں ان کے ہاں جانے اور زیارت حرمین شریفین کا پروگرام بنایا۔ اس سفر کے حالات انھوں نے اپنی ذاتی ڈائری میں بالتفصیل لکھے ہیں۔اس سفرنامے میں پروفیسر صاحب کا خاص انداز اور اسلوب نمایاں ہے۔مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲ محرم الحرام ۱۴۰۴ھ/ ۹ اکتوبر ۱۹۸۳ء۔ آج صبح گھر کو اللہ کریم کے سپرد کر کے تالے وغیرہ لگا کر سوا نو بجے ہوائی اڈے کے لیے روانہ ہوئے۔ زبیر قیوم بھی ہمارے ساتھ تھا۔ پونے دس بجے ہوائی اڈے پہنچے۔ کاغذات اور سامان کے سلسلے میں بفضل خدا کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ زبیر تمام مراحل میں ساتھ رہا۔ بی بی جان[2] کی طبیعت کئی دنوں سے بہت خراب تھی۔ بہرحال دس بج کر چالیس منٹ پر جہاز نے پرواز کی اور ساڑھے بارہ بجے کے قریب کراچی پہنچے۔ سامان اکٹھا کیا اور کے ایل ایم (K.L.M.) کے دفتر سے کاغذات تصدیق کرا کر ہوٹل Mid Way کی گاڑی میں ہوٹل پہنچے۔ کمرہ نمبر ۱۲۰ میں قیام کیا۔ دوپہر کا کھانا کھایا۔ چار بجے کے قریب غزالہ بیٹی[3] بچوں سمیت آ گئی۔ بچے شام تک رہے۔ رات کا کھانا ۹ بجے کے قریب کھایا۔ رات بارہ بجے ہوٹل کی گاڑی

[1] ان میں سے سب سے چھوٹے بیٹے شاہد قیوم کا مورخہ ۸ر مارچ ۲۰۲۳ء کو لاہور میں انتقال ہوا۔

[2] پروفیسر صاحب کی اہلیہ محترمہ۔

[3] پروفیسر صاحب کی بڑی صاحبزادی، بیگم کرنل حامد محمود بٹ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ہوائی اڈے پر پہنچے۔ وہاں تمام رسمی کارروائی بخیریت ہوگئی۔ ہال میں بیٹھ کر جہاز کا انتظار کرنے لگے۔ رات کے پونے دو بجے جہاز پر سوار ہوئے۔ کے ایل ایم کا جہاز جتنا بڑا تھا اتنا ہی آرام دہ بھی۔ صاف ستھرا، پُرسکون۔ رات کے دو بج کر دس منٹ پر پروازی اعلانات کے بعد جہاز نے پرواز کے لیے پر تولنے شروع کیے اور چند لمحوں میں آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگا۔ رات کا سناٹا تھا۔ ایک دنیا کو اپنے اندر سموئے ہوئے جہاز فضاؤں کے سینوں کو چیرتا ہوا ایمسٹرڈیم کی طرف محو پرواز رہا۔

ایمسٹرڈیم

پاکستان کی رات کی تاریکیاں اپنے دامن پھیلاتی چلی گئیں۔ چار گھنٹوں کے بعد بھی رات کا نصف حصہ ہی نظر آتا رہا۔ چھ سات گھنٹوں کی پرواز بھی رات کی تاریکی کو دن کی روشنی سے بدل نہ سکی۔ یہ رات طول شب فراق سے بھی بازی لے گئی۔ آخر تنگ آکر میں نے جہاز کی ایک خادمہ میزبان سے پوچھا کہ سورج کب طلوع ہوگا؟ جواب ملا کہ ایمسٹرڈیم پہنچنے کے آدھ گھنٹہ بعد، یعنی تقریباً پونے سات بجے (ایمسٹرڈیم کے وقت کے مطابق)۔ میں نفسیاتی طور پر نماز فجر کے لیے بے چین تھا۔ پاکستانی وقت کے مطابق ۹ بج چکے تھے۔ میں نے اٹھ کر وضو کیا اور نمازِ فجر اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ادا کی۔ خدا خدا کر کے گیارہ بجے پاکستانی وقت کے مطابق اور ایمسٹرڈیم کے وقت کے مطابق سات بجے جہاز ہوائی اڈے پر اترا۔ ایمسٹرڈیم کا ہوائی اڈہ دنیا کے بہترین ہوائی اڈوں میں سے ہے۔ کے ایل ایم کا انتظام، حسن کارکردگی، ہر شے میں نفاست اور صفائی قابل قدر ہی نہیں قابل رشک بھی ہے۔ مسافروں کے لیے بسوں کا انتظام، پھر گزرنے کے لیے پل، پلوں پر خودکار سڑک، خودکار سیڑھیاں، ہر قسم کے مسافروں، بچوں، بوڑھوں اور بیماروں کے لیے سہولت و آسائش کا پورا سامان، غرضیکہ ہر چیز قابل داد اور قابل تحسین ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوائی اڈے سے باہر جانے کے لیے پاسپورٹ کی پڑتال اور دیگر رسوم بخیر و خوبی انجام پا چکیں تو اپنا سامان اکٹھا کر کے ٹرالی پر رکھا اور باہر نکلنے والے دروازے کی طرف بڑھے تو سامنے سے عزیزوں نے ہاتھ بڑھائے۔ اب تک تو چھتوں کے نیچے تھے، باہر نکلے تو ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا، ویسے بھی باہر بہت گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ پہلے بارش ہو چکی تھی، اب تو صرف ہلکی سی پھوار پڑ رہی تھی۔ سامان گاڑی میں رکھا اور گھر کو روانہ ہوئے۔ ہوائی اڈے اور ہماری اقامت گاہ کے درمیان خاصا فاصلہ تھا۔ بہر حال خوشگوار اور نظر افروز راستوں کی وجہ سے طویل فاصلہ بالکل تھوڑے سے عرصے میں طے ہو گیا۔

ایمسٹرڈیم کا کیا کہنا! یہ تو درختوں، سبزہ زاروں، پانیوں، یعنی نہروں اور اونچی اونچی عمارتوں کا شہر ہے۔ نہایت خوش منظر شہر، کشادہ سڑکیں، بارونق بازار، موٹروں اور ٹراموں کی بھرمار۔ جس طرف نکل جاؤ نہریں نظر آتی ہیں۔ دریائے ایمسٹرل شہر کے درمیان سے گزرتا ہے۔ ہوٹل اور ریسٹوران بڑے آباد نظر آتے ہیں۔ ہر انسان مرد ہو یا عورت تیز گام نظر آتا ہے۔ ہر شخص کے چہرے پر رونق و شادابی دیکھنے میں آتی ہے۔ ہر آدمی تندرست و توانا اور چست دکھائی دیتا ہے۔ بوڑھی عورتوں اور بوڑھے مردوں کو بکثرت دیکھا تو اندازہ لگایا کہ یہاں لوگوں کی عمریں خاصی لمبی ہوتی ہیں۔

ٹرامیں اور بسیں ہر جگہ کے لیے مل جاتی ہیں۔ دنیا جہاں کے پھل اور سبزیاں یہاں میسر ہیں۔ کل میں نے تازہ خربوزہ کھایا، بڑا شیریں اور خوش ذائقہ تھا۔ سیب ہر قسم کے۔ کیلے اتنے بڑے بڑے کہ ایک کیلے سے پیٹ بھر جائے، پھر خوشبودار اور خوش ذائقہ بھی۔

بجلی کا نظام اتنا اچھا ہے کہ ٹیلی وژن سارا دن اور ساری رات چلتا رہتا ہے۔ جب سیاہ بادل چھا جاتے ہیں تو دن کے وقت بھی بجلی کی روشنی سڑکوں اور شاہراہوں کو جگمگاتی رہتی ہے۔ بچوں، بوڑھوں اور بیماروں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ بیمار، لاغر، بوڑھے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لاوارث بلی کتوں کے لیے الگ گھر موجود ہیں جہاں ان کی دیکھ بھال ہوتی ہے۔

شہر کے باہر بیس پچیس میل دور بڑی خوبصورت آبادیاں معرض وجود میں آرہی ہیں۔ ان نئی بستیوں کے سامنے تمام بڑی بڑی دکانوں کے علاوہ بڑے بڑے تجارتی مراکز بھی قائم کیے گئے ہیں۔ یہ بڑی بڑی منڈیاں اور تجارتی مراکز قابل دید ہیں۔ اتنے بڑے بڑے تجارتی مراکز ہیں کہ انسان ان کے اندر گھوم پھر کر تھک جاتا ہے۔ دنیا کی ہر شے، استعمال اور ضرورت کی ہر چیز وہاں موجود ہے۔ خریداروں کا ہجوم بھی مثالی ہوتا ہے۔ ایمسٹرڈیم شہر سے کوئی بیس میل باہر ایک شاندار تجارتی مرکز (Maxis) کے نام سے قائم ہے۔ جہاں ہزاروں خریدار روزانہ جاتے ہیں۔ اس مارکیٹ کے باہر موٹر کاروں کا ایک سیلاب نظر آتا ہے۔ ہر شخص ضرورت کی اشیا اپنی ٹرالی میں رکھ کر کاؤنٹر پر آکر قیمت ادا کرتا ہے۔

اس تجارتی مرکز کے ساتھ ایک نہایت کشادہ، خوبصورت اور باغ و بہار قسم کا ریسٹوران موجود ہے، جہاں اپنی اپنی پسند کی کھانے کی چیزیں کھانے والے خود اپنے اپنے خوانچوں (Trays) میں لگا کر لاتے ہیں۔ دودھ، چائے، کافی، سوڈا واٹر، سیون اپ اور لسی وغیرہ ہر قسم کے مشروب میسر ہیں۔ مختلف انواع واقسام کے پنیر، مکھن، کریم، پیسٹری، کیک، تازہ پھل اور خشک ڈبوں میں محفوظ، دنیا جہاں کے ماکولات ومشروبات اس ریسٹوران میں موجود ہیں۔ مختلف ملکوں اور قوموں کے لوگ عمدہ اور خوشنما نشستوں پر بیٹھے کام ودہن کی تواضع میں مصروف نظر آتے ہیں۔

اس طرح ایک تجارتی مرکز شہر کے دوسری طرف دیکھنے کا موقع ملا۔ یہاں بھی ہر طرح کی زیب وآرائش کے ساتھ ہر قسم کی اشیا جمع کی گئی ہیں۔ یہاں ہر سٹال پر الگ الگ کارندے کام کرتے ہیں اور ہر سٹال کی چیز کی قیمت وہیں ادا کرنی پڑتی ہے۔ اس تجارتی مرکز کا نام وستورا (Wastora) ہے۔ یہاں ایک سٹال عینکوں کا قابل ذکر ہے۔ آنکھیں ٹیسٹ کرنے کی ایک بڑی مشین ہے جہاں کمپیوٹر کے ذریعے عینک کا نمبر تجویز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا جاتا ہے۔ یہ مرکز ایک نئی خوبصورت آبادی میں ہے جس کا نام سانڈم یا زانڈم (Zaandam) ہے۔

شہر کے اندر ملکہ کا قدیم محل ہے۔ تمام سرکاری اور دفتری، کاروباری اور تمام نظم و نسق سے متعلقہ اجلاس یہیں منعقد ہوتے ہیں۔ اس محل کے ایک پہلو میں ایک قدیم اور عظیم گرجا ہے۔ محل کے سامنے ایک چوک ہے، جس کے دوسری جانب ایک عظیم الشان اور بڑا آباد ہوٹل ہے، جس میں پانچ صد کے قریب کمرے ہیں۔ ویسے اس شہر میں ہوٹل اور ریسٹوران اپنی نفاست، زینت اور نظم و نسق کے لحاظ سے بے مثال ہیں۔ اس چوک میں دوسری جنگ عظیم کی ایک یادگار تعمیر کی گئی ہے جس میں لمبے لمبے قد آور بت بنائے گئے ہیں جو کہ بالکل برہنہ ہیں، بتوں کا عام رواج ہے۔

شہر کے اندرونی حصے میں بھی بڑے بارونق بازار ہیں۔ کھلی منڈیوں میں ہر قسم کی اشیا مل جاتی ہیں۔ ہر قسم کے پھل، ہر قسم کی سبزیاں، ہر قسم کے گوشت، مرغی، بکری (بھیڑ)، گائے کا گوشت، مچھلی بھی ہر قسم کی، سیپی مچھلی، جھینگا، پتلی سانپ کی شکل کی (بام)، کھگا اور رہو وغیرہ۔ جمعہ، ہفتہ اور اتوار کو اتنی بھیڑ ہوتی ہے کہ چلنا اور گزرنا مشکل ہوتا ہے۔ ملک ملک کے لوگ نظر آتے ہیں۔ کالے اور گورے، مرد اور عورتیں، بچے اور بوڑھے سب اپنی اپنی پسند اور ضرورت کی چیزیں خریدتے پھرتے ہیں۔ ہسپتال بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ جدید ترین مشینیں نصب کی گئی ہیں۔ صاف ستھرا اور پاکیزہ ماحول ہے۔

ہر بچے کی پیدائش کے بعد اس کا کارڈ بن جاتا ہے جس میں اس کی صحت اور بیماری کے کوائف درج ہوتے رہتے ہیں۔ ہر ہفتے، پھر ہر پندرواڑے اور پھر ہر مہینے بچے کو ہسپتال لے جا کر چیک اپ (Check Up) کرانا ضروری ہوتا ہے۔

اگر کوئی والدین اپنے بچے کی صحیح دیکھ بھال نہ کر سکیں تو حکومت اس بچے کو لے جاتی ہے۔ بوڑھوں کی صحت اور خوراک کا بھی خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لائیڈن یونیورسٹی

ہالینڈ میں ایک علمی مجلس (مشرقی علوم وفنون سے متعلق) ہے جس کا نام (Duch Oriental Society) ہے۔ اس مجلس کا قیام ۱۹۲۰ء میں عمل میں آیا اور مئی ۱۹۷۰ء کے پہلے عشرے (۸۔۹ مئی ۱۹۷۰ء کو) اس کی پچاس سالہ (گولڈن جوبلی) لائیڈن میں منائی گئی۔ اب اس مجلس کی عمر ۶۳ سال ہوگئی ہے۔

لائیڈن یونیورسٹی میں پروفیسر ڈاکٹر J.M.S.Baljon (بلیان) سے ملاقات ہوئی جو شعبہ عربی سے منسلک ہے۔ موصوف آج کل ابن عربی کی فصوص الحکم مع شرح عفیفی پڑھاتا ہے۔ عربی کے شعبہ میں تین چار پروفیسر ہیں۔ عربی کا شعبہ درحقیقت اَلسِنہ شَرقیہ کے شعبے کا ایک حصہ ہے۔ اَلسِنہ شَرقیہ میں عربی، فارسی اور ترکی زبانیں اور علوم پڑھائے جاتے ہیں۔ اردو کو ہندوستانی زبانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

پروفیسر بلیان (Baljon) ایک مدت سے شاہ ولی اللہ پر کام کر رہا ہے۔ ۱۹۷۰ء میں اس نے شاہ ولی اللہ پر ایک مضمون بزبان انگریزی بعنوان: (Psychology as Apprehended & Applied by Shah Wali Allah Dehlavi) لکھا۔ یہ مقالہ اس نے ڈچ اورینٹل سوسائٹی کی پچاسویں سالگرہ کے موقع پر منعقدہ کانگرس میں پڑھا۔ پروفیسر موصوف نے شاہ صاحب کی کتاب ''البدور البازغہ'' کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا جو عنقریب لاہور سے شائع ہونے والا ہے۔ اس نے شاہ صاحب کے حوالے سے حضرت مجدد الف ثانی اور ابن عربی کے افکار ونظریات کا بھی مطالعہ کیا ہے۔

پروفیسر بلیان (Baljon) نے ایک اور کتاب شاہ صاحب پر تیار کی ہے اور اس پر نظر ثانی کر رہا ہے۔ اس کتاب کا عنوان ہے:

(Religion and Thought of Shah Wali Dehlavi)

آج مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۳ء کو پھر طویل سفر طے کر کے لائیڈن گیا۔ عربی کا شعبہ دیکھا، پروفیسر بلیان کے علاوہ دوسرے اساتذہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ باقی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اساتذہ تقریباً نوجوان ہیں۔ جدید عربی بولنے کے لیے ایک عرب استاد مقرر ہے، یہ نوجوان ہے۔ یہاں طلبہ کی تعداد کی قلت باعث تشویش نہیں ہوتی۔ ایک طالب علم ہو یا دو، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ شعبے کے استاد اپنا اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ ہر شعبے کی ایک مختصر سی لائبریری ہے۔ پھر یونیورسٹی کی بڑی لائبریری میں ہر زبان، ہر ملک اور ہر موضوع کی کتابیں موجود ہیں۔ مصر قدیم (قبل از اسلام) پر نادر، مگر بے شمار کتابیں مختلف زبانوں میں موجود ہیں۔ درحقیقت یہ کتابیں تاریخی، علمی، تحقیقی حیثیت کے علاوہ سیاسی مقاصد میں بھی کام آتی ہیں۔ بہت سے شعبے یونیورسٹی کی نئی عمارت میں ہیں جو بڑی خوبصورت اور شاندار ہے۔ یونیورسٹی کا کچھ حصہ نہر کے ایک طرف ہے اور کچھ حصہ دوسری طرف۔ ہالینڈ کے ہر شہر میں نہروں کی بہتات اور کثرت ہے۔ لائیڈن میں بھی جس طرف نکل جاؤ نہریں نظر آتی ہیں۔ سڑکیں کشادہ اور حسین ہیں۔ بڑی شاہراہوں پر یک طرفہ آمدورفت میں چھ چھ سات سات گاڑیاں ساتھ ساتھ چل سکتی ہیں۔ سائیکلوں کے لیے الگ راستے ہیں اور پیدل چلنے والوں کے لیے الگ۔

ہالینڈ، شہری و دیہی زندگی

ہالینڈ میں جلسے کی آزادی ہے۔ ۲۸ اکتوبر ۱۹۸۳ء (بروز جمعۃ المبارک) کو محکمہ ٹیلیفون کا جلوس نکلا۔ تمام جلوس موٹر گاڑیوں پر مشتمل تھا۔ حکومت نے ساڑھے تین فیصد تنخواہوں میں کمی کا اعلان کیا تو ملازمین نے اسے ناپسند کرتے ہوئے احتجاج کے طور پر جلوس نکالا، لیکن جلوس میں محکمہ کے سارے ملازمین نے شرکت نہیں کی، آدھا سٹاف کام میں مصروف رہا تاکہ عوام کو تکلیف نہ ہو اور آدھے سٹاف نے ہڑتال کی اور جلوس نکالا۔ جلوس خاصا لمبا تھا۔ ٹریفک گھنٹوں تک رکی رہی، لیکن نہ تو کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آیا اور نہ کوئی توڑ پھوڑ دیکھنے میں آئی۔ جلوس نعرے لگاتا ہوا کہ، ساڑھے تین فیصد تخفیف واپس لو، بخیر وخوبی ختم ہوا۔

دوسرے دن یعنی ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۳ء (بروز ہفتہ) کو ہیگ میں ایک عظیم الشان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جلوس نکلا۔ ڈچ لوگ اسے (Den Haaq) کہتے ہیں۔ ہیگ کے اس جلوس میں ساڑھے پانچ لاکھ افراد نے شرکت کی۔ جوش وخروش کے باوجود کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔ کوئی توڑ پھوڑ نہیں ہوئی۔ کسی سرکاری یا نجی عمارت کو نقصان نہیں پہنچایا گیا۔

بعض اوقات اشتراکی نوجوان شرارت کرتے ہیں اور ٹرام وے کی لائنوں کو نقصان پہنچاتے ہیں، لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ ہر قسم کے اظہار خیال کی آزادی ہے۔ یہ ہیگ والا جلوس امریکی میزائل کے نصب کرنے کے خلاف تھا۔ اس عظیم الشان جلوس کو ٹیلی ویژن پر دکھایا گیا۔ پھر شام کو ٹیلی ویژن پر اس جلوس کے بارے میں ایک دلچسپ تبصرہ ہوا، جس میں چار آدمیوں نے شرکت کی۔ ایک ہالینڈ کے لوگوں کی نمائندگی کر رہا تھا، دوسرا امریکی مبصر تھا، ایک صحافی اور ایک ٹیلی ویژن کا۔

شہروں میں ہم خوب گھومے پھرے ہیں۔ بازار بڑے بارونق اور آباد ہیں۔ شہر صاف ستھرے، سڑکیں کشادہ اور صاف، باغ بکثرت اور درختوں کی فراوانی، ہر جگہ نہریں اور نہروں میں رہائشی کشتیاں۔ نہروں میں مرغابیاں، بطخیں اور آبی جانور آزادانہ اور بے خطر مزے کرتے ہیں۔ کوئی ان سے تعرض نہیں کرتا۔ کوئی شکار نہیں کرتا۔ کوئی جانوروں کو نہیں پکڑتا۔ اسی طرح کبوتر بھی باغات اور سڑکوں پر آزادی سے بے خطر بکثرت نظر آتے ہیں۔

آس پاس کے چھوٹے بڑے شہر بھی دیکھے ہیں۔ دیہات بھی بڑے صاف ستھرے ہیں۔ گائیں اور بھیڑیں کھیتوں میں اور چراگاہوں میں بکثرت نظر آتی ہیں۔ جانور خوب موٹے تازے ہیں۔ سیر و سیاحت کرنے والے بھی ہر وقت آتے جاتے رہتے ہیں، اس لیے ہوٹل اور ریسٹوران بھی بہت ہیں۔ ہر بڑی منڈی یا بازار یا تجارتی مرکز کے ساتھ ایک خوبصورت اور نفیس قسم کا ریسٹوران موجود ہے جہاں کھانے پینے والوں کی بھیڑ رہتی ہے۔

یہاں ہر بڑے شہر میں یونیورسٹی ہے۔ ایمسٹرڈیم کی اوپن یونیورسٹی کا نام فری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یونیورسٹی ہے۔ بڑی شاندار دس منزلہ عمارت ہے، جہاں ہزاروں طلبہ اور طالبات پڑھتے ہیں۔ اس کے ساتھ میڈیکل کالج اور ہسپتال بھی ملحق ہے۔

ہالینڈ میں لائیڈن یونیورسٹی بہت معروف ہے۔ اب یہ یونیورسٹی اپنی جدید اور خوبصورت عمارت میں منتقل ہوگئی ہے۔ درمیان میں ایک چوڑی سی نہر ہے اور نہر کے دونوں کناروں پر یونیورسٹی کے مختلف شعبے ہیں۔ ہر شعبے کی مختصر سی اپنی لائبریری ہے۔ یونیورسٹی کی لائبریری بہت بڑی اور قدیم و جدید کتب پر مشتمل ہے۔ لائیڈن یہاں سے کوئی ۴۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ دو دن وہاں جاتا رہا ہوں۔ مختلف پروفیسروں سے ملاقات ہوئی۔ پروفیسر ڈاکٹر بلیان گزشتہ پندرہ سال سے شاہ ولی اللہ پر تحقیقی کام کر رہا ہے۔ بڑا مزا رہا۔ خوب بات چیت ہوئی۔

سفر لندن

۵ نومبر کی شام کو ایمسٹرڈیم سے لندن پہنچے۔ ایک گھنٹے کی پرواز ہے۔ لندن اور ایمسٹرڈیم کے وقت میں ایک گھنٹہ کا فرق ہے۔ ایمسٹرڈیم سے ہوائی جہاز پانچ بجے شام اڑا۔ جب لندن پہنچا تو وہاں بھی پانچ بجے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہالینڈ کے وقت اور پاکستان کے وقت میں چار گھنٹے کا فرق ہے، یعنی جب ایمسٹرڈیم میں صبح کے چھ بجتے ہیں تو پاکستان میں دس بجتے ہیں۔ موسم ابھی تک خوشگوار ہے۔ گھروں میں تو گرمی سردی کا پتہ ہی نہیں چلتا، البتہ باہر نکلیں تو ذرا احتیاط کرنا پڑتی ہے۔ گرم کپڑے اور کوٹ پہننا پڑتا ہے۔ لندن میں اسلامک سنٹر والوں کی مسجد قابل دید ہے۔ بہت بڑا دینی مرکز ہے۔ ہر اعتبار سے قابل تعریف ہے۔

لندن بہت بڑا شہر ہے۔ بڑے بڑے بازار، عظیم الشان عمارتیں اور تجارتی مرکز ہیں۔ دنیا جہاں کے لوگ یہاں آباد ہیں۔ لندن میں چند مقامات خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ یہاں کا پارلیمنٹ ہاؤس قابل ذکر ہے۔ یہاں کسی زمانے میں ساری دنیا کی قسمت کے فیصلے ہوتے تھے۔ ڈاؤننگ سٹریٹ ہے جہاں وزیر اعظم کا گھر ہے۔ آج

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کل یہاں مسز تھیچر رہتی ہیں۔ سیکریٹریوں کی رہائش گاہیں، ملکہ کا محل، ملکہ کی ماں اور ملکہ کی بیٹی کی رہائش گاہیں بھی قابل ذکر ہیں۔ شہر کے ہر حصے میں بڑے بڑے تجارتی مراکز ہیں۔ ایک ایک سٹور میں پوری انار کلی سما جاتی ہے۔ سٹور میں ہر قسم کی چیزیں دستیاب ہیں۔

ایک بازار کا نام (Fleet Street) ہے جہاں تمام بڑے بڑے اخباروں کے مرکزی دفاتر ہیں۔ یہاں دنیا جہان کی خبریں آتی ہیں اور یہیں بیٹھ کر نامہ نگاروں کے ذریعے بڑے بڑے رازوں اور سازشوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ یہی اخبار دنیا کی سیاست پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ آج کل سارے یورپ میں امریکی میزائلوں کے نصب کیے جانے کے خلاف احتجاج ہو رہا ہے۔ یورپ کے لوگ گزشتہ عالمی جنگ (دوسری جنگ عظیم) کے خوفناک نتائج سے اب تک لرزاں اور ترساں ہیں۔ وہ دوبارہ المناک اور دردانگیز تجربات اور حالات سے دوچار نہیں ہونا چاہتے۔ یہی وجہ ہے کہ جلسے اور جلوسوں کے ذریعے وہ مظاہرے کر رہے ہیں۔ ٹیلی ویژن پر دوسری جنگ عظیم کے مناظر پیش کر رہے ہیں۔ اس کا نام (World at War) رکھا ہے۔

شہر میں بڑے بڑے تاریخی پارک ہیں، مثلاً ہائیڈ پارک، ریجنٹ پارک۔ ریجنٹ پارک کے اندر چڑیا گھر بھی ہے۔ نیلسن (جس نے نپولین کو شکست دی) کی یادگار میں ایک بہت بڑا مجسمہ (Trifalgar) کے چوک میں بنایا گیا ہے۔ اس کے احاطے کے کناروں پر شیروں کے بڑے بڑے مجسمے بنائے گئے ہیں۔ یہاں بے شمار تاریخی یادگاریں ہیں۔ جنگوں میں مارے جانے والے فوجیوں کی یاد میں ایک یادگار بھی بنی ہوئی ہے۔ ایک بازار (Harley Street) ہے جہاں بڑے تجربہ کار اور لائق ڈاکٹر اپنے اپنے کلینک (Clinic) میں پریکٹس کرتے ہیں۔

۱۴ نومبر یعنی کل صبح غزالہ حامد اور کرنل حامد محمود کے لنڈن پہنچنے کے بعد ہم دوپہر کو ایمسٹرڈیم روانہ ہو جائیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔ پھر ۱۵ کو یعنی پرسوں منگل کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روز گیارہ بجے جدہ روانہ ہوں گے۔ اسلامک سنٹر (جس کا اوپر ذکر آیا اس) میں ایک عظیم کتب خانہ بھی ہے۔ یہاں بچوں کی تعلیم و تدریس کا انتظام بھی ہے۔ پانچ چھ کلاسیں ہیں۔ اردو، بنگلہ اور عربی میں تعلیم دی جاتی ہے، جو مسلمان اساتذہ کے سپرد ہے۔ جمعہ اور عیدین کے اجتماع قابل دید ہوتے ہیں۔ اکثر عرب ممالک کے علاوہ افریقہ، پاکستان اور ہندوستان وغیرہ ممالک کے لوگ بھی یہاں نماز ادا کرنے آتے ہیں۔ ایک کونے میں اسلام سے متعلق کتابوں کی فروخت کا انتظام بھی ہے۔ اسلامی مرکز کے ایک کمرے میں کھانے پینے کا انتظام بھی ہے۔

عمرہ و زیارت حرمین الشریفین

۱۵ نومبر ۱۹۸۳ء ایمسٹرڈیم سے ۱۱ بجے جدہ روانہ ہوئے۔ شام کو جدہ پہنچے۔ ۱۶ نومبر ۱۹۸۳ء کو مکہ مکرمہ پہنچے، بحمد اللہ عمرہ کیا۔

۱۷ نومبر یعنی جمعرات اور جمعہ بھی حرم کعبہ میں گزارا۔ پانچوں نمازیں بفضل اللہ باجماعت ادا کیں۔ جمعۃ المبارک بھی حرم میں ادا کیا۔ حرم کی رونق، وقار، رحمتوں اور برکات کا نزول، رات دن ہر وقت طواف کرنے والوں کا ہجوم، صفا اور مروہ میں ذکر الٰہی اور دعائیں کرنے والوں کا اژدہام (عجیب نظارہ پیش کرتا ہے)۔ جمعہ کے روز بذریعہ ٹیکسی (حسب ذیل) مقامات مقدسہ کی زیارت کی:

عرفات، مزدلفہ، منٰی، منحر، مسجد نمرہ، جبل رحمت، جبل نور (غار حرا)۔ حجون میں حضرت خدیجہ، حضرت اسماء بنت ابی بکر، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی زیارتِ قبور۔

ہفتہ ۱۹ نومبر کو صبح ۱۰ بجے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور شام ۵ بجے مسجد نبوی میں پہنچے۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو جاتے ہوئے تمام تاریخی مقامات خلیص، رابغ، خیف، بدر وغیرہ کا نظارہ کیا۔ رابغ کے مواقف پر صحرائی ہوٹل (پنجاب ہوٹل) میں مچھلی اور روسٹ مرغی کھائی۔ رابغ کی بندرگاہ، سمندر میں دخانی کشتیاں اور جہاز ملاحظہ کیے۔ قدیم شہروں اور صحرائی بستیوں کو بالکل جدید طرز کے مکانات اور تجارتی مراکز میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تبدیل کیا جا رہا ہے۔ آمد و رفت کے وسائل میں سہولت، دولت و ثروت کی فراوانی، روپے کی ریل پیل اور جدید تعلیم و تمدن کے اثرات نمایاں ہیں۔

بیت اللہ اور مسجد نبوی میں عبادت گزاروں کا ہجوم رہتا ہے۔

زیارات: احد، مزار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، مسجد خندق، خیمہ جات خندق، مسجد قبا، مسجد غمامہ، مسجد ابی بکر رضی اللہ عنہ، مسجد عثمان رضی اللہ عنہ اور بقیع قبرستان۔

مسجد نبوی میں درس کا اہتمام: بعد نماز مغرب شیخ عطیہ سالم کا درس حدیث سنا۔ عموم و خصوص کی بحث بڑی دلچسپ اور عالمانہ مگر عام فہم زبان میں تھی۔

۱۶ تا ۱۹ نومبر مکہ مکرمہ میں باب ملک عبدالعزیز کے سامنے نو منزلہ ہوٹل فندق عبدالعزیز خوقیر میں ٹھہرے۔

۱۹ نومبر تا ۲۳ نومبر مدینہ منورہ میں فندق المنار میں قیام رہا۔ ۲۳ نومبر کو بوقت عصر ساڑھے تین بجے واپس مکہ مکرمہ پہنچے اور فندق خوقیر میں قیام رہا۔

۲۵ نومبر ۱۹۸۳ء کو حامد اور غزالہ مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ عصر پڑھ کر مدینہ روانہ ہوئے۔

۲۶ نومبر ۱۹۸۳ء کو بوقت شام حامد اور غزالہ واپس مکہ مکرمہ پہنچے۔ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے راستے میں حرات ہیں۔ ذوالحلیفہ (میقات) سے احرام باندھا جاتا ہے اور مسجد ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز ادا کی جاتی ہے۔ ''لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْک......'' کا ورد شروع ہو جاتا ہے (جسے تلبیہ کہتے ہیں)۔ ٹریننگ کالج برائے اساتذہ (کلیة التربیه للمعلّمین) سے چند میل آگے چیک پوسٹ ہے جہاں پاسپورٹ کی پڑتال ہوتی ہے۔

چند اہم بستیوں کی تفصیل اس طرح ہے:

خیف ام ذیان، بکھری ہوئی بستی۔ موقف خیف۔

الحمراء: بظاہر بے آباد اور اجڑی ہوئی بستی، سڑک کے کنارے منہدم مکانات۔ اندرونی حصہ آباد۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الحسیہ: مختصر سا نخلستان۔

العالیہ: چھوٹی سی بستی

الفراغہ: اچھی خاصی بستی، نخلستان، جدید و قدیم مکانات کا امتزاج، بستیوں کے نخلستان سوکھ گئے ہیں۔

بدا خاص: آباد بستی، ترقی پذیر ورکشاپ، دکانیں۔ المفرق

مستورہ: ایک آباد گاؤں، یہاں بس ایک گھنٹہ قیام کرتی ہے۔ سرکاری بس آرام دہ اور ائر کنڈیشنڈ ہے۔

الرابغ: تقریباً ساحل سمندر، سڑک سے گزرتے ہوئے رابغ میں کھڑے جہاز اور دخانی کشتیاں نظر آتی ہیں۔ سمندر کی پٹی دور تک پھیلی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ المفرق اور الرابغ کے درمیان وسیع و عریض صحرا ہے۔ اکثر حصہ چٹیل میدان ہے۔ کہیں کہیں کوئی ٹیلہ یا سطح مرتفع ہے ورنہ لق و دق صحرا۔ رابغ میں پٹرول صاف کرنے کا کارخانہ بھی ہے۔

حجر: آباد، بارونق گاؤں۔ یہاں سے رابغ کی بندرگاہ اور سمندر صاف نظر آتے ہیں۔

الجحفہ:

وادی قدید:

الخلیص: بارونق شہر، شاداب، سرسبز۔

عسفان: بارونق قصبہ، سرسبز۔

مکہ مکرمہ میں حافظ فتحی صاحب (نابینا) سے ملاقات ہوئی۔ ان کا کتب خانہ شارع عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی ایک بلند و بالا، مگر تنگ گلی کے اندر ہے۔ انھیں کتب اور نادر مخطوطات کا خوب شوق ہے۔[1]

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر صاحب نے آخری چند لائنیں اشارۃً و اجمالاً لکھ دی ہیں جن کی تفصیل وہ بعد میں لکھنا چاہتے تھے۔ اس مختصر سفرنامے کی بعض ذیلی سرخیاں ادارے کی طرف سے رقم کی گئیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تبصرۂ کتب

۱۔امام غزالی کی کتاب ''الاربعین فی اصول الدین'' کا اجمالی جائزہ۔

۲۔سیرت النبی ﷺ از مولانا شبلی نعمانی وسید سلیمان ندوی رحمہما اللہ۔

۳۔Jinnah\Wavell Correspondence از پروفیسر شیر محمد گریوال۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

امام غزالی کی کتاب

''الاربعین فی اصول الدین'' کا اجمالی جائزہ [1]

تعارف امام غزالی

پیش نظر کتاب ''الاربعین فی اصول الدین'' کے مصنف حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد غزالی ہیں۔

امام موصوف کو غَزَالی کہنا بھی درست ہے اور غزّالی بھی۔ امام غزالی خراسان کے شہر طوس کے ایک گاؤں میں ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم طوس ہی میں حاصل کی۔ اس کے بعد امام الحرمین ابو المعالی کے درس میں شرکت کے لیے نیشاپور پہنچے۔ محنت و مشقت کر کے علوم و معارف میں مہارت تامہ حاصل کر لی۔ اپنے استاد کی زندگی ہی میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا۔[2]

امام غزالی غیر معمولی ذہانت اور بے شمار مناقب کے مالک تھے۔ تصنیف و تالیف اور وعظ و تذکیر کی بے پناہ صلاحیتیں رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے عہد کی روحانی، ذہنی اور فکری ہر قسم کی تحریکوں میں بھرپور حصہ لیا اور ہر قسم کے تجربات سے اپنے دامن علم و عمل کو بھر لیا۔ نیشاپور، بغداد، حجاز اور شام و مصر کے سفروں نے انھیں علمی، روحانی اور فکری جلا بخشی۔ فلسفہ و حکمت کا بھی بغور مطالعہ کیا، مگر کہیں بھی روحانی تسکین اور رہنمائی نہ ملی۔ تصوف اور روحانی اقدار کی طرف میلان زیادہ ہوتا چلا گیا۔ بالآخر دین اسلام کے حقائق نے ایمان کو تازگی بخشی اور پھر سے توحید و رسالت اور یوم آخرت پر ایمان و یقین پختہ ہو گیا۔ ایمانیات میں غور و فکر نے بالآخر زندگی کی راہ ہموار کر دی۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے

[1] یہ مضمون بتاریخ ۲۴ فروری ۱۹۸۶ء کو لکھا گیا۔

[2] امام غزالی کا تعارف دیکھیے، الذہبی، سیر أعلام النبلاء: ۱۹/ ۳۲۲ و الصفدی، الوافی بالوفیات: ۱/ ۲۱۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تصنیف و تالیف، وعظ و تذکیر اور زہد و تقویٰ کی زندگی اختیار کی اور اس میں ذہنی اور روحانی سکون پایا۔ اس بھرپور زندگی کے بعد ۵۰۵ھ میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آج نو صدیاں گزرنے کے بعد بھی امام غزالی کا نام زندہ ہے۔ ان کی بے شمار تصنیفات ہزار ہا انسانوں کی روحانی اور ذہنی و فکری تسکین کا سامان مہیا کیے ہوئے ہیں۔[1]

الاربعین فی اصول الدین

امام غزالی کی ایک تصنیف ''الاربعین فی اصول الدین'' ہے جس میں انھوں نے علوم و معارف، اعمال ظاہرہ اور پسندیدہ و ناپسندیدہ اخلاق پر تفصیلی بحث کی ہے۔ یہ کتاب انھی چار حصوں میں منقسم ہے۔

پہلے حصے کا نام ''قسم المعارف'' ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی تقدیس، اس کی قدرت، اس کا علم، اس کی مشیت و ارادہ، اللہ تعالیٰ کی صفات و افعال، یوم آخرت اور نبوت کا تفصیلی بیان ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ ''اعمال ظاہرہ''، یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، تلاوت قرآن مجید، ذکر الٰہی، طلب رزق حلال، لوگوں سے حسن اخلاق سے پیش آنا، امر بالمعروف (یعنی نیکی کا حکم کرنا) اور اتباع سنت نبوی کے بیان پر مشتمل ہے۔

تیسرے حصے میں ''اخلاق مذمومہ''، یعنی ناپسندیدہ اور برے اخلاق کا ذکر ہے۔ اس حصہ میں امام غزالی نے زیادہ کھانے، زیادہ بولنے، غیظ و غضب، حسد و بغض، بخل اور حب جاہ، رعونت اور حب مال، حب دنیا، تکبر و غرور، عجب و خود بینی، ریا اور نمود و نمائش پر بحث کی ہے۔

چوتھے حصے میں ''اخلاق محمودہ''، یعنی پسندیدہ اور عمدہ اخلاق پر لکھا ہے اور اس ضمن میں توبہ، خوف و امید، زہد، صبر، شکر، نیت، اخلاص و صدق، توکل، محبت، رضا بالقضا، موت اور اس کی حقیقت جیسے اہم عنوان زیر بحث لائے گئے ہیں۔[2]

[1] مصر میں غزالی کی صد سالہ تقاریب ۲۰۱۱ء میں منائی گئیں اور ان کے کام کو خوب اجاگر کیا گیا۔

[2] یہ کتاب جدید ترین تخریج و تدوین کے ساتھ چھپ چکی ہے۔ دار التوفیقیہ قاہرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتاب اربعین کے مباحث

کتاب اربعین کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام غزالی ایک ایسے پاکیزہ، فلاحی اور مثالی معاشرے کی تشکیل کے خواہش مند، بلکہ داعی ہیں جس کے افراد ہر لحاظ سے مطمئن اور پرسکون ہوں۔ جن کا تعلق ایک طرف تو اللہ تعالیٰ سے نہایت گہرا اور مضبوط ہو اور دوسری جانب وہ مخلوق خدا کی بھلائی اور خیر خواہی کے جذبے سے سرشار ہوں۔

اس مثالی معاشرے کا ہر فرد عمدہ اخلاق اور اعلیٰ اطوار کا حامل ہو اور ہر قسم کے ناپسندیدہ طور طریقوں اور رذیل و مذموم اخلاق سے متنفر نظر آئے۔ ہر فرد ہر کام کرتے وقت اسوۂ حسنہ کو اپنے سامنے رکھے اور کسی لمحہ بھی یوم الحساب کو نظر انداز نہ کرے۔ اس اعلیٰ اور مقدس مقصد کے حصول کے لیے امام غزالی ؒ کے پیش کردہ طریق کار کی چند جھلکیاں پیش خدمت ہیں:

امام غزالی نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں نہایت صاف ستھرا اور نکھرا ہوا تصور پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس جیسا کوئی اور نہیں۔ وہ بڑا بے نیاز اور مستغنی ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ سب اس کے محتاج ہیں۔ وہ یکتا ہے اس کا کوئی ہمسر اور برابر نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ ہر کبریائی اور بزرگی کا مالک ہے۔ وہی اپنی مخلوق کی خبر گیری کرتا ہے۔ وہ زمین و آسمان کا مالک و خالق ہے اور ہر قسم کے عیب اور کمزوری سے پاک ہے۔ اس کا علم تمام چیزوں پر حاوی ہے۔ کوئی چیز، کوئی راز اور کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ زمین و آسمان کی ہر شے اس کے ارادے اور مشیت کے تابع ہے۔ جو اجالے میں ہو یا اندھیرے میں، وہ یکساں سنتا اور دیکھتا ہے۔[1]

اسی طرح دیگر صفات الٰہی کا ذکر کرنے کے بعد حشر نشر کا بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسالت و نبوت کا سلسلہ قائم کر کے لوگوں کو ان کے حقوق و فرائض سے آگاہ کر دیا ہے۔ اب ہر انسان اپنے نیک و بد اعمال کا خود جواب دہ ہے۔ قیامت کے دن ہر ایک کو اپنے کیے کا بدلہ ملنے والا ہے۔

---

[1] الغزالی، الاربعین، ص:۱۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتاب کا دوسرا حصہ ''اعمال ظاہرہ'' کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں امام غزالی رحمہ اللہ نے نماز کی اہمیت و فرضیت پر بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ نماز دین کا ستون ہے۔ نماز ذکر الٰہی ہے۔ نماز ظاہری اور باطنی طہارت اور پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ نماز سے روح اور قلب کو فرحت اور تازگی حاصل ہوتی ہے۔ نماز کے مقاصد و فوائد حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نماز کی حقیقی روح کو پیش نظر رکھا جائے، یعنی اخلاص اور حضور قلب سے نماز ادا کی جائے۔ عجز و انکسار اور خشوع و خضوع سے اللہ کے دربار میں حاضری دی جائے۔ اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو نماز کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ بے روح اور بے کیف رکوع و سجود نہیں چاہتے۔ ان کی خواہش ہے کہ نمازی اللہ کے حضور کھڑے ہو کر کیف و سرور محسوس کرے۔ اس کے ساتھ اُسے خالق و مالک کا رعب و جلال بھی ملحوظ رہے اور اپنے عجز اور اپنی بے چارگی کا اظہار بھی ہو۔ الفاظ کے ساتھ معانی پر بھی نظر رہے۔ زبان سے ادا ہونے والا ہر لفظ قلب و روح کو متاثر کر رہا ہو۔ یہ ہے وہ نماز جو امام غزالی ایک مسلمان کے لیے پسند کرتے ہیں۔[1]

امام غزالی چاہتے ہیں کہ نماز کی طرح دوسرے ارکان اسلام، یعنی زکوٰۃ، روزہ اور حج میں بھی اخلاص، عجز و انکسار، خشوع و خضوع اور خشیت الٰہی کارفرما نظر آئے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہر مسلمان کا عمل ریا، نمود و نمائش، ظاہرداری اور تکلف و تصنع سے پاک ہو۔

امام غزالی اس بات کی تمنا رکھتے ہیں کہ ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک گہرا رابطہ قائم رکھے۔ نماز کے بعد اس کا بہترین ذریعہ وہ تلاوت قرآن مجید اور ذکر الٰہی کو قرار دیتے ہیں۔ اس سے سکون قلب اور قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور توکل پیدا ہوتا ہے۔ اللہ سے محبت و انس کے علاوہ اطمینان قلب اور تسکین خاطر کی نعمت بھی میسر آ جاتی ہے۔ قرآن مجید انوار معرفت اور اسرار الٰہی کا خزینہ بھی ہے اور دستور زندگی بھی، اس لیے مطالب و معانی پر گہری نظر رکھنی چاہیے۔ قرآن مجید میں غور و خوض سے سوز و گداز کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ تلاوت کے دوران میں اللہ تعالیٰ کی محبت و موانست اور خشیت و ہیبت کے ملے جلے جذبات سے قاری کے دل و دماغ سرشار رہیں

[1] الغزالی، الاربعین، ص: ۴۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو زبان کے ساتھ قلب ونظر بھی پوری طرح لطف اندوز ہوں۔[1]

امام غزالی ایک صاف ستھرہ اور پاکیزہ معاشرہ قائم کرنا چاہتے ہیں، جس میں لوگ رزق حلال پر قناعت کریں اور رزق حرام سے بچیں۔ انھوں نے اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ مسلمان کا کھانا پینا اور پہننا سب حلال اور طیب ہو۔ شریعت کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے صاف ستھری اور پاکیزہ چیزیں استعمال کی جائیں۔ اخلاق وعبادات کی درستی کے لیے یہ نہایت ضروری ہے۔ حرام، ناپاک اور گندی چیزوں کے استعمال سے روحانی اور جسمانی صحت خراب ہو جاتی ہے اور اعمال وعبادات بے اثر ہو کر رہ جاتی ہیں۔[2]

امام غزالی رحمہ اللہ نے تہذیب وتمدن اور حسن معاشرت پر بڑا زور دیا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ حسن اخلاق کا مظاہرہ کریں۔ ایک دوسرے سے خندہ پیشانی اور خوش روئی سے ملیں۔ نیک کاموں کی تلقین کریں اور برے کاموں سے روکیں تا کہ معاشرہ خوش باش اور شگفتہ نظر آئے۔ لوگ امن وسکون اور اطمینان وتسکین کی زندگی بسر کرسکیں۔

معاشرے میں صاف اور پاکیزہ ماحول قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ احترام آدمیت کو ملحوظ رکھا جائے۔ اس سے معاشرتی زندگی میں وقار، ادب واحترام، شائستگی اور سکون واعتماد کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں امام غزالی رحمہ اللہ کی یہ نصیحت ہے کہ کسی کے حقوق کو پامال نہ کیا جائے۔ کسی شخص کے بارے میں بدظنی اور بدگمانی سے کام نہ لیں۔ کسی کی دل آزاری نہ ہونے پائے۔ کسی کو ایذا نہ دی جائے۔ آپس میں حسن سلوک کریں اور برائی کے بدلے بھی نیکی کریں، اس سے عزت اور محبت بڑھتی ہے۔ دوسروں کی تکلیف رفع کرنے کے لیے ہر وقت بے قرار وبے چین رہنا اعلیٰ کردار کی علامت ہے۔ چھوٹوں پر شفقت کرو، بڑوں کی عزت کرو، بوڑھوں کا احترام کرو، اللہ تعالیٰ تمھارے بڑھاپے کو باعزت اور باوقار بنا دے گا۔ آپس میں گفتگو کرتے وقت چہروں

[1] الغزالی، الاربعین، ص:۶۲

[2] الغزالی، الاربعین، ص:۸۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر شگفتگی اور بشاشت ہو اور لب و لہجہ نرم اور شائستہ ہو۔ ایک دوسرے کی بہتری اور اصلاح ہر وقت پیشِ نظر رہے۔ چغلی اور عیب جوئی سے پرہیز لازمی ہے، کیونکہ اس سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ دوستوں اور بھائیوں کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے درگزر کرو۔ ضرورت مند افراد کی ضرورتوں کو پورا کرو۔ ہر ایک سے نیکی اور احسان کرو۔[1]

امام غزالی چاہتے ہیں کہ معاشرے میں اعتدال اور توازن برقرار رکھنے کے لیے غریب، نادار اور مسکین افراد معاشرہ کے ساتھ میل جول اور نشست برخاست کو بڑھایا جائے۔ رسول اکرم ﷺ اپنی جلالت قدر اور عظمت شان کے باوجود طبقۂ مساکین سے بڑی محبت رکھتے تھے اور اکثر ان کے درمیان تشریف فرما رہتے تھے۔ ایسی ہمدردی اور دلجوئی سے محبت و موانست اور باہمی اعتماد و احترام کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ دولت مند اور تونگر حضرات پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے غریب و بے کس اور کمزور و ناتواں بھائیوں کا ہر سطح پر خیال رکھیں۔ بیماروں کی عیادت اور خبر گیری کر کے ان کی ڈھارس بندھائی جائے۔ انھیں تسلی دی جائے کہ وہ ان شاء اللہ جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔ معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں یہ بھی ضروری ہے کہ صلہ رحمی کے اصول اپنائے جائیں۔ رشتے داروں سے اچھا سلوک کیا جائے۔ دکھ سکھ میں ان کے شریک رہیں۔ ہمسایوں اور پڑوسیوں کا ہر طرح خیال رکھیں۔ ضرورت کے وقت ان کے کام آئیں۔ تکلیف میں ان کی مدد کریں۔ ان کی عزت و آبرو کے پاسبان بن جائیں۔ خود بینی، خود ستائی اور تکبر و غرور سے ہر چند بچتے رہیں۔ زندگی کے ہر معاملے میں سید الانبیاء، سرورِ کونین، رحمۃ للعالمین، حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنی نوع انسان کے لیے اکمل و احسن نمونہ بنا دیا ہے۔ ہماری نجات اسی بات میں ہے کہ ہم بہ دل و جان آپ کی اتباع اور پیروی کریں۔[2]

امام غزالی رحمہ اللہ نے اسی انداز میں توبہ، صبر و شکر، توکل، محبت اور رضا بالقضا پر

[1] الغزالی، الاربعین، ص:۱۳۲

[2] الغزالی، الاربعین، ص:۲۲۹-۲۳۹

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوب کھل کر بحث کی ہے۔ کتاب کے آخر میں انسان کے انجام، یعنی موت اور اس کی حقیقت پر مفصل گفتگو فرمائی ہے۔

میری نظر میں اس کتاب کی تالیف سے امام غزالی کا مقصد ایک ایسے مثالی پاکیزہ معاشرے کا قیام ہے جس کے سارے افراد اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان رکھتے ہوں۔ جن کے دلوں میں خوف خدا بسا ہو اور جو آخرت میں جزا وسزا کو یقینی مانتے ہوں۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے اس کتاب میں فقہ اور تصوف کے حسین امتزاج سے ایمان کی تازگی اور یقین کی پختگی کا وافر سامان مہیا کر دیا ہے۔ وہ فقہی مسائل بیان کرتے ہوئے وعظ ونصیحت کا ایسا انداز اختیار کرتے ہیں جس سے محبت الٰہی کا ذوق وشوق فراواں ہو جاتا ہے اور تذکیر ونصیحت زیادہ مؤثر صورت اختیار کر لیتی ہے۔ الغرض امام غزالی نے اپنے اسلوب بیان سے قارئین کی زندگی میں حقیقی معنوں میں روحانی انقلاب پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔[۱،۲]

---

۱ غزالی کی کتاب الاربعین کا اردو ترجمہ نہیں ہو سکا، تاہم ان کی احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت اردو میں دستیاب ہیں جو الاربعین ہی کے مباحث پر مشتمل ہیں۔ ابن الجوزی اور ابن قدامہ نے ان مباحث کی تلخیص ''منہاج القاصدین'' پیش کی جو محمد ثانہ اور فقیہانہ مکتب فکر کے مطابق ہے اور اردو میں دستیاب ہے۔

۲ ذیلی سرخیاں از ادارہ۔ تعلیق از محمد زکریا رفیق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سیرت النبی ﷺ

از مولانا شبلی نعمانی وسید سلیمان ندوی

سیرت النبی ﷺ کا پس منظر

کتاب سیرت النبی ﷺ مولانا شبلی نعمانی[1] اور سید سلیمان ندوی کی ایک عظیم اور اہم تصنیف ہے۔اس کتاب کی تدوین وتکمیل کے لیے بڑی محنت اور مشقت برداشت کی گئی۔ سیرت النبی ﷺ کی تصنیف وقت کی اہم ضرورت تھی۔انگریز نے مسلمانوں کو تاج وتخت سے محروم کر دینے کے بعدان کے ایمان اور دین پر بھی ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی۔عیسائی مشنریوں کے ساتھ مل کر ہندوؤں نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ پر من گھڑت الزامات واعتراضات کی بھرمار کر دی۔اس اسلام دشمن تحریک کا مقصد یہ تھا کہ اس برصغیر میں مسلمانوں کا نام ونشان باقی نہ رہنے دیا جائے۔سلطنت پر قبضہ کر لینے کے بعد یہ پروگرام بنایا گیا کہ مسلمان کو علم ودانش کے نام پر جُل دیا جائے اور اسلام، قرآن اور پیغمبر اسلام سے متعلق ایسی معلومات عام کر دی جائیں جو مسلمانوں میں تشکیک اور تذبذب پیدا کر کے انھیں اپنے مذہب اور عقیدے کے بارے میں بدظن کر دیں، تاکہ وہ آہستہ آہستہ اس سے کنارہ کشی اختیار کر لیں، یا کم از کم ان کا ایمانی جوش ٹھنڈا پڑ جائے۔عیسائی اور ہندو اس مقصد کو لے کر بڑے جوش وخروش سے آگے بڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے علامہ شبلی کو ہمت اور توفیق عطا کی۔انھوں نے اس لادینی سیلاب اور اسلام دشمنی کے

[1] مولانا شبلی کے تعارف کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر شہاب الدین، علامہ شبلی نعمانی، معنویت کی بازیافت، ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، شبلی سخنوروں کی نظر میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طوفان بدتمیزی کو روکنے کے لیے ۱۹۰۵ء میں سیرت النبی ﷺ کی تصنیف کا آغاز کر دیا۔

شبلی کا مقصد یہ تھا کہ سیرت النبی ﷺ پر اس انداز میں کتاب مرتب اور مدون کی جائے کہ عیسائی، یہودی اور ہندو مصنفوں کے پیدا کردہ شکوک کا ازالہ کیا جائے اور ان کی پھیلائی ہوئی بدظنیوں کو رفع کیا جائے، اس لیے یورپ کی زبانوں کی بیشتر کتابوں سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ چنانچہ مولانا شبلی نے اپنے دوستوں اور شاگردوں کا اس ضمن میں بھرپور تعاون حاصل کیا۔[1] ۱۹۰۵ء سے لے کر ۱۹۱۴ء تک سیرت النبی ﷺ کی تدوین و تکمیل اور تہذیب و ترتیب میں دن رات مصروف رہے۔ وہ اس کتاب کو دائرۃ المعارف النبویہ بنانا چاہتے تھے۔ مولانا شبلی سیرت النبی کی صرف پہلی دو جلدوں کو مرتب کر پائے تھے کہ انتقال فرما گئے۔ انھیں موت نے مہلت نہ دی۔ چنانچہ ان کے عزیز شاگرد مولانا سید سلیمان ندوی نے تدوین و تکمیل اور اشاعت کا کام اپنے ذمے لیا اور مولانا شبلی کی وفات کے چار سال بعد ۱۹۱۸ء میں پہلی جلد شائع کی جو ۶۲۲ صفحات پر مشتمل تھی۔ اس جلد میں سیرت اور تاریخ پر ایک شاندار اور پر از معلومات مقدمہ تحریر کیا جو تاریخ اور سیرت رسول اکرم ﷺ کے اصولوں کے بارے میں ایک اہم دستاویز کا درجہ رکھتا ہے۔ شبلی نے مقدمۂ سیرت النبی ﷺ میں اصول درایت اور جرح و تعدیل کے فن کا احیا کیا ہے۔[2]

جلدوں کا تعارف

پہلی جلد میں آنحضرت ﷺ کے نسب اور خاندان کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کے بعد آپ کی ولادت باسعادت، بچپن، لڑکپن، جوانی، تجارت، کاروبار، آپ کی متاہلانہ زندگی کا آغاز، مجلسی اور معاشرتی زندگی میں دلچسپی اور شرکت، شوق عبادت و تلاش حق، آغاز نبوت، تبلیغ و اشاعت اسلام، مکی زندگی کے حالات، ہجرت، مدینہ منورہ میں مستقل رہائش، بلدیاتی نظام کا اجرا اور غزوات وغیرہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

---

[1] مستشرقین کے جواب میں سیرت شبلی اب بھی نمایاں اہمیت کی حامل ہے۔

[2] مقدمہ شبلی کلاسیکی ہے، تاہم اس پر عبدالرؤف دانا پوری اور ادریس کاندھلوی نے کلام کی اور بعض فروگزاشتوں کو واضح کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسری جلد مرتبہ مولانا شبلی نعمانی ۱۹۲۰ء میں طبع ہوئی جو ۴۳۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد میں ۹ھ سے ۱۱ھ تک کے واقعات زیر بحث لائے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں قیام امن، انتظام و استحکام، اسلامی ریاست مدینہ، اشاعت اسلام، ملکی اور مذہبی انتظامات، تکمیل شریعت، حجۃ الوداع، وصال، اخلاق و شمائل، عبادات و خصائل، ازواج و اولاد وغیرہ مباحث پر نہایت عالمانہ اور محققانہ انداز میں زور قلم صرف کیا ہے۔[1]

تیسری جلد ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی جو ۸۶۸ صفحات پر مشتمل تھی۔ یہ جلد مولانا سید سلیمان ندوی کی کاوشوں اور تحقیق کا نتیجہ ہے۔ اس جلد میں مصنف شہیر نے آنحضرت ﷺ کے معجزات و خوارق پر عالمانہ اور حکیمانہ انداز میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے۔[2]

چوتھی جلد ۱۹۳۲ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر ۸۸۸ صفحات کی صورت میں قارئین تک پہنچی۔ سید سلیمان ندوی نے اس جلد میں منصب نبوت پر دل کھول کر بحث کی۔ بحث کے دوران میں منصب نبوت کی حقیقت اور اسلامی عقائد بالتفصیل بیان کیے ہیں۔

پانچویں جلد ۱۹۳۵ء میں طبع ہوئی جو ۵۰۰ صفحات پر مشتمل تھی۔ اس جلد میں سید صاحب نے عبادات پر نہایت پُر مغز اور مفید گفتگو کی ہے۔ نیز زہد و تقویٰ، صبر و استقامت جیسے اوصاف حمیدہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

سیرت شبلی کی خصوصیات

سیرت النبی میں شبلی کے قلم نے عقیدت و محبت کے سرور میں علم و دانش کی فرزانگی کے ساتھ نکتہ رسی اور دیدہ وری کی جو صنعت کاریاں اور اخلاق و نیاز کے ساتھ جو گلکاریاں کی ہیں وہ رہتی دنیا تک اہل اسلام کے لیے ایمان افروز ثابت ہوتی رہیں گی۔ شبلی نے علم و ادب اور تحقیق کی خوب داد دی ہے۔ ان کے نوک قلم سے شہد ٹپکتا اور پھول برستے دکھائی دیتے ہیں۔

سیرت النبی کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک محب رسول ﷺ کا والہانہ اظہار

---

[1] یہ جلد بھی کلاسیکی نوعیت کی حامل ہے۔

[2] معجزات کی اس بحث پر آج تک اردو میں کوئی اضافہ نہ ہو سکا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عقیدت ہے۔ شبلی نے اس کتاب میں اتنے شغف وشوق سے کام لیا ہے کہ ان کی یہ کتاب محبت رسول علیہ السلام کی یادگار بن گئی۔

مولانا شبلی چاہتے تھے کہ نفوس انسانی کے اخلاق و عادات کی اصلاح و تکمیل کے لیے ایک ایسا کامل نمونہ پیش کیا جائے جس کے فضائل و اخلاق کا ایک پیکر مجسم سامنے آ جائے، جو خود ہمہ تن آئینہ عمل ہو، جس کی ہر جنبش لب ہزاروں تصنیفات کا کام دے اور جس کا ایک ایک اشارہ اوامر سلطانی بن جائے۔

آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات تمام فضائل و اخلاق کی جامع اور بنی نوع انسان کے لیے زندگی کے ہر شعبے کے لیے ایک مکمل اور حسین نمونہ ہے۔ اس لیے شبلی نے سیرت النبی جیسی کتاب لکھ کر ایک ایسی اہم ضرورت کو پورا کیا جو بیک وقت مذہبی اور دینی بھی ہے، علمی اور تمدنی بھی اور اخلاقی و ادبی بھی۔

سیرت النبی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں پیغمبر اسلام ﷺ کے احوال و کوائف اور سوانح حیات کو ایسے انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ وہ ایک طرف تو اہل ایمان کے لیے بصیرت افروز اور ایمان پرور ہے اور دوسری طرف عیسائی پادریوں اور ہندو مناظروں کی طرف سے پیدا کیے گئے شکوک وشبہات کو علمی براہین اور عقلی دلائل سے رفع کرتی ہے۔

مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ میری کتاب کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں مآخذ کے سلسلے میں قرآن مجید کو سب پر مقدم رکھا گیا ہے۔ پھر اکثر تفصیلی واقعات میں نے حدیث ہی کی کتابوں سے ڈھونڈ کر مہیا کیے ہیں، جو اہل سِیَر کی نظر سے اوجھل رہ گئے ہیں۔ عام واقعات کے لیے ابن سعد، ابن ہشام اور طبری کو کافی سمجھا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ سیرت النبی ﷺ ایک جلیل القدر اور اہم تصنیف ہے جو کڑے تنقیدی اصولوں کے تحت لکھی گئی ہے۔ اس میں دنیا کی اہم زبانوں سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ غیر مسلموں کے پیدا کردہ شکوک وشبہات اور اعتراضات کا شافی جواب ہونے کے علاوہ اس کی تاریخی حیثیت بھی مسلمہ ہے۔[1]

[1] سیرت شبلی کی خوبیوں اور کمزوریوں کو سب سے زیادہ ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی نے نمایاں کیا۔ دیکھیے: مولانا شبلی نعمانی بحیثیت سیرت نگار، بیت الحکمت لاہور، ۲۰۰۵ء۔ ذیلی سرخیاں از ادارہ۔ تعلیق از محمد زکریا رفیق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

Jinnah-Wavell Correspondence

(1943-47ء)

مؤلف شیر محمد گریوال

یہ کتاب سیاسی اور تاریخی اعتبار سے گوناگوں اہمیت کی حامل ہے۔ مؤلف کتاب شیر محمد گریوال نے بڑی محنت اور تحقیق سے قائداعظم محمد علی جناح اور لارڈ ویول کے درمیان ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۷ء تک ہونے والی خط و کتابت کو یکجا محفوظ کر دیا ہے۔[۱] مؤلف کتاب تاریخ کے ایک محقق اور محنتی استاد ہیں۔ ان کا شمار ان نوجوانوں میں ہوتا ہے جنھیں پاکستان سے سچی محبت ہے اور جو پاکستان اور بانی پاکستان سے عقیدت اور قلبی خلوص رکھتے ہیں۔

مؤلف نے اس کتاب میں کل ایک سو ستائیس دستاویزات جمع کر دی ہیں، جن میں ۹۳ خطوط اور ٹیلی گرام ہیں، گیارہ عدد ملفوظات اور اٹھارہ زیادات و ملحقات۔ مؤلف کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ ان میں سے چوالیس دستاویزات پہلی مرتبہ قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔

اگرچہ اس سلسلے کی یہ تیسری کتاب ہے، جن میں قائداعظم اور تین برطانوی وائسراؤں کے درمیان ہونے والی خط و کتابت طبع ہوئی ہے۔ اس سے پہلے ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان لارڈ اردن اور لارڈ لنلتھگو سے قائداعظم کی خط و کتابت دو الگ الگ کتابوں میں شائع کر چکی ہے۔ زیر بحث کتاب میں قائداعظم اور لارڈ ویول کے درمیان

۱۔ یہ کتاب ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان پنجاب یونیورسٹی سے پہلی دفعہ ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جن موضوعات پر خط و کتابت ہوئی ان میں سے قحط بنگال (۱۹۴۳-۱۹۴۴ء) مسلمانان کشمیر کی ناگفتہ بہ حالت (۱۹۴۳ء)، شملہ کانفرنس (۱۹۴۵ء)، کیبنٹ مشن پلان (۱۹۴۶ء) اور عبوری حکومت (۱۹۴۶ء) جیسے نہایت نازک اور حساس مسائل شامل ہیں۔

سیاست کار حضرات، سیاسی مدبرین اور قائدین کے خطوط و مکتوبات بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ اہمیت سیاسی بھی ہوتی ہے اور تاریخی بھی۔ ایسے خطوط اس عہد کے سیاسی رجحانات و انقلابات، نیز سیاسی عمل کے ارتقاء پر نہ صرف روشنی ڈالتے ہیں، بلکہ اس عہد کی سیاسی تگ و دو کو سمجھنے کے لیے بڑے مدد معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ایک محقق اور مؤرخ ان مکتوبات و خطوط کے مطالعے سے اس دور کے سیاسی میلانات و رجحانات، سیاسی تحریکوں اور سیاسی جماعتوں کے موقف کو سمجھنے میں بڑی آسانی محسوس کرتا ہے۔ یہ خطوط لکھنے والے کے خلوص، لگن اور ذہن کی آئینہ داری کرنے کے علاوہ سیاسی مسائل کے حل کرنے اور سیاسی گتھیوں کے سلجھانے کے سلسلے میں سیاست دانوں اور سیاسی مدبروں کی مساعی اور طریق کار کی وضاحت کا پورا حق بھی ادا کرتے ہیں۔

لارڈ ویول تو برطانوی حکومت کے انتظامی نمائندے تھے۔ بحیثیت وائسرائے ہند وہ برطانوی حکومت کی حکمت عملی کے ترجمان تھے۔ دوسری طرف قائداعظم محمد علی جناح مسلمانان ہند کے نمائندے اور ترجمان تھے۔ آپ مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے اسلامیان ہند کے مفاد کے محافظ اور ان کے حقوق کے پاسبان و نگران تھے۔ ان خطوط کے مطالعہ سے قائداعظم کے کردار کی عظمت، آپ کے عزم و استقلال، آپ کی جرأت و ہمت، سیاسی بصیرت، قوت ارادی اور خود اعتمادی کا پتہ چلتا ہے۔ قاری یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ قائداعظم اپنے معاصرین میں نہایت ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کے ان خطوط سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ قائداعظم جہاں عزم و ہمت کے اعتبار سے نوجوان تھے وہاں آپ ہمیشہ پر امید نظر آتے ہیں۔ مایوسی اور قنوطیت ان کے ہاں بالکل ناپید تھی۔ میدان سیاست میں آپ ہزیمت و شکست کے نام تک سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ناواقف و نا آشنا رہے۔ ہر محاذ پر فتح و نصرت نے آپ کے قدم چومے۔ قائداعظم نے ذہن رسا پایا تھا۔ ایشیا کے سیاسی افق پر ماہتاب و آفتاب بن کر ابھرے اور سیاسی تدبر و بصیرت کی چمک سے مخالفین کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ پاکستان کے قیام کے سلسلے میں آپ جو سیاسی جنگ مختلف سیاسی جماعتوں اور برطانوی حکمرانوں سے لڑے اس نے آپ کی قیادت و صداقت کا لوہا منوا کر چھوڑا۔ قیام پاکستان قائداعظم کا عظیم الشان اور نادر المثال کارنامہ ہے۔ اس کارنامے کی بدولت آپ کا شمار دنیا کے صف اول کے سیاسی مفکروں اور مدبروں میں ہوتا ہے۔

مؤلف کتاب پروفیسر شیر محمد گریوال مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے تحقیق و محنت کا حق ادا کرتے ہوئے کتاب کی افادیت و اہمیت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ انھوں نے کتاب کے شروع میں بتیس صفحات پر مشتمل سیاسی حالات پر سیر حاصل اور معلومات افزا تبصرہ کیا ہے۔ پھر جا بجا متن (صفحہ نمبر ۱ تا ۱۲۳) کی وضاحت و صراحت کے لیے تشریحی حواشی لکھے ہیں جو تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ زیادات و ملحقات (صفحہ نمبر ۱۲۷ تا ۱۹۰) کے عنوان سے مزید تاریخی اور سیاسی معلومات فراہم کی گئی ہیں جو بذات خود بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔

ملحقات کے بعد اہم سیاسی واقعات کو وقائع کے عنوان سے سنین و تواریخ کے اعتبار سے قلم بند کیا ہے۔ آخر میں ماخذ و مصادر کی فہرست بھی درج کر دی گئی ہے تاکہ کتاب پڑھنے والے حضرات مزید معلومات کے لیے مفید و مستند کتابوں کی طرف رجوع کر سکیں۔ غرضیکہ مؤلف نے اس کتاب میں ہر اعتبار سے مفید اور مستند معلومات جمع کر دی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہر قاری اس کتاب کو پڑھنے کے بعد کسی تشنگی کی شکایت نہ کر پائے گا۔ میرے نزدیک قائداعظم کی شخصیت اور اہم کردار کو سمجھنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

دار المعارف، لاہور کی اہم تالیفات

سلسلہ مطبوعاتِ سیرت

۱۔ ہمارے رسول ﷺ۔ ط ۱، ۱۹۵۳ء۔ بزم اقبال لاہور، ۲۰۲۱ء۔ (۱۰، ۱۲ سال کے بچوں کے لیے)

۲۔ سیرت رحمتِ عالم ﷺ۔ بزم اقبال لاہور، ۲۰۲۱ء (طلبہ وطالبات کے لیے)

۳۔ سیرتِ طیبہ ایک نظر میں (ہجری سنین کی ترتیب سے، ایک جلد) (زیر طبع)

۴۔ دائرہ معارفِ سیرت محمد رسول اللہ ﷺ (گیارہ جلدیں)، بزم اقبال لاہور، ۲۰۲۲ء

۵۔ ہمارے رسول ﷺ (دس بارہ سال کے بچوں کے لیے، انگریزی ترجمہ از فاطمہ زبیر) (زیر طبع)

پروفیسر عبدالقیوم کی چند مطبوع اور زیر طبع کتب

۱۔ فہارس لسان العرب (۴ جلدیں)، المکتبۃ القدوسیہ لاہور، ۲۰۰۷ء

۲۔ نوادر الاخبار وظرائف الاشعار (قلمی نسخہ/ تصحیح، نقل وکتابت پروفیسر عبدالقیوم)، دار المعارف لاہور، ۲۰۱۲ء

۳۔ مقالات پروفیسر عبدالقیوم (۲ جلدیں)، المکتبۃ السّلفیہ، لاہور، ۱۹۹۷ء

۴۔ تاریخ اسلام۔ طبع اوّل مکتبہ اسلامیہ لاہور، ۲۰۱۶ء۔ بزم اقبال لاہور، ۲۰۲۱ء

۵۔ سیرت رحمت عالم ﷺ۔ اوپر تذکرہ گزر چکا ہے۔

۶۔ آئینہ اسلام۔ بزم اقبال لاہور، ۲۰۲۱ء

۷۔ ہمارے رسول ﷺ۔ اوپر تذکرہ گزر چکا ہے۔

8. *Glimpses of Arabic Literature, Dar-ul-Ma'arif, 2013*
9. *The Study of Early Arabic Literature, Dar-ul-Ma'arif, 2013*
10. *Aid to the Study of Simt-ud-Durar, 1st Edition Lahore 1934, 2nd Edition Dar-ul-Ma'arif, Lahore, 2014*
11. *Some notes on Islamic History and Arabic Literature, Dar-ul-Ma'arif, 2012*
12. *The poems of the desert by several authors. Lahore: 1933*

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

13. *Specimens of Arabic Literature (poetry and prose) for English reader. Lahore: 1936*
14. *English Arabic Translation Exercises. Lahore: 1935(2nd Ed .under publication)*

۱۵۔ مجموعۂ تفسیر قرآن (۲۹ منتخب سورتوں کی تفسیر)
۱۶۔ مبادیات مطالعہ قرآن، حدیث و فقہ
۱۷۔ شرح اربعین نووی
۱۸۔ اَربعین پروفیسر عبدالقیوم
۱۹۔ مرقاۃ القواعد (عربی گرامر پر مختصر اور جامع کتاب)
۲۰۔ مدارج الأدب (عربی گرامر کی عملی مشقوں پر مشتمل ایک جامع کتاب)

نوٹ: ۱۴، ۱۵، ۱۹۔ یہ تین کتب زیر طبع ہیں۔ جبکہ ۱۶، ۱۷، ۱۸ کو مقالات پروفیسر عبدالقیوم کی طبع جدید از ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۲۰۲۲ء میں ضم کیا گیا ہے۔

آئندہ کے منصوبہ جات

۱۔ تاریخ علوم اسلامیہ (۱۲-۱۵ جلدیں) بمطابق خاکہ در مقالات پروفیسر عبدالقیوم (۸۵/۱) (زیر ترتیب)

۲۔ نوادر الاخبار وظرائف الاشعار، مصنفہ شہاب الدین الحجازی (کپوزنگ، ترجمہ و تعلیق اور تعارف رجال) (زیر ترتیب)

برائے رابطہ وخریداری کتب

دارالمعارف
متصل اسلامیہ کالج، ریلوے روڈ لاہور
Landline: +92-42-37378492
Mobile: 0304-8603542

دارالنوادر
سیکنڈ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ
اُردو بازار لاہور
0300-8898639

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یادداشت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

''دار المعارف'' ۲۰۰۸ء میں معرضِ وجود میں آیا اور اس کے ساتھ ہی محققین کی آسانی اور ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ''پروفیسر عبد القیوم لائبریری'' کی بنیاد رکھی گئی جو ارتقاء کی منازل طے کرتی ہوئی اِس وقت عربی واسلامی علوم پر لاہور کی بہترین لائبریریوں میں شمار ہوتی ہے۔

''دار المعارف'' استاذ الاساتذہ پروفیسر عبد القیوم کے تین اہم علمی خاکوں پر کام کر رہا ہے۔

پہلا علمی خاکہ سیرت طیبہ پر مبسوط تصنیف کا متقاضی تھا، جو ''دائرہ معارفِ سیرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے عنوان کے ساتھ ۱۱ جلدوں میں ۱۴ سالوں کی مسلسل محنت سے مکمل کیا گیا۔

دوسرا علمی خاکہ متوسط سیرت نگاری کے لیے موزوں تھا اس خاکے پر بھی ۱۲۰۰ صفحات پر مشتمل علمی کاوش پایہ تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔

تیسرا علمی خاکہ ''تاریخ علوم اسلامیہ'' کے عنوان سے ایک بڑا جامع اور وسیع منصوبہ ہے۔اس پر تحقیقی کام جاری ہے۔

دار المعارف اب تک ۲۰ کے لگ بھگ عربی، اردو اور انگریزی تالیفات شائع کر چکا ہے۔ جن کی تفصیل زیر نظر کتاب کے آخری صفحے سے دیکھی جا سکتی ہے۔

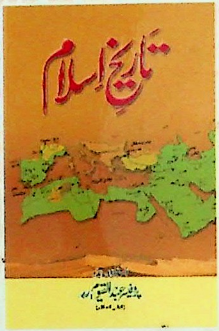

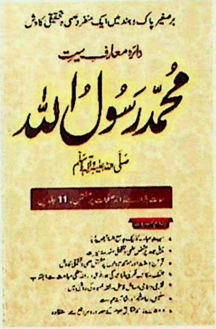

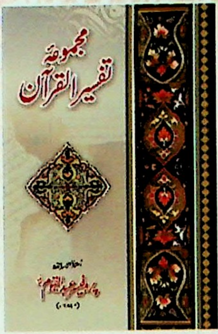

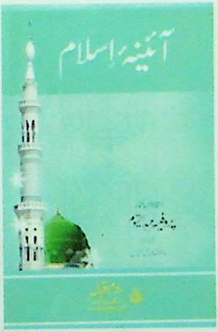

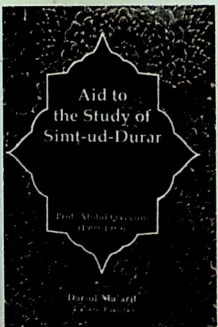

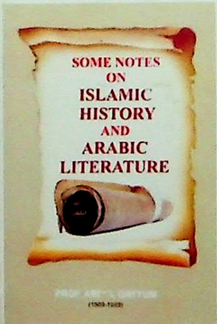

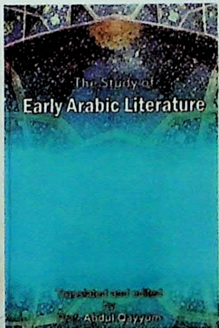

Design By: 0300-4529821
MUHAMMAD AHSUN
Gull

ISBN: 978-969-7730-08-7
9 789697 730087

Institute of Islamic Culture
ادارہ ثقافت اسلامیہ
Lahore - Pakistan